حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
مدیر
خلیل الرحمن سجاد ندوی

ہماری مطبوعات کی نئی قیمتیں

از مولانا محمد منظور نعمانی

اسلام کیا ہے ——— ۱۰/-

دین و شریعت ——— زیر طبع

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ ۲۸/-

معارف الحدیث مکمل مجلد ۷ جلدیں ۲۷۰/-

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ۲۸/-

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۹/-

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف

پروپیگنڈہ ۱۰/-

تصوف کیا ہے؟ ۱۱/-

کلمہ طیبہ کی حقیقت ۴/-

نماز کی حقیقت ۷/-

برکات رمضان ۵/-

نماز اور خطبہ کی زبان ۳/۵۰

آپ حج کیسے کریں؟ ۱۱/-

آسان حج ۳/۵۰

منتخب تقریریں عکسی ۲۰/-

آپ کون ہیں کیا ہیں اور آپ کی

منزل کیا ہے؟ ۳/۵۰

قرب الٰہی کے دو راستے ۲/-

انسانیت زندہ ہے ۳/۵۰

مولانا مودودی کے ساتھ میری

رفاقت کی سرگزشت ۱۸/-

تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور

بریلوی حضرات ——— ۶/-

بوارق الغیب ——— ۲۸/-

فیصلہ کن مناظرہ ۸/۵۰

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین

اہل بدعت کے الزامات ۶/-

عقیدہ علم غیب قرآن و حدیث

اور ارشادات صحابہ کی روشنی میں ۳/-

قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ۱۰/-

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ ۳/-

کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت ۳/-

مسئلہ حیات النبی کی حقیقت ۳/-

ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت

اردو ۲۲/- انگریزی ۳۵/-

خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں

علماء کرام کا متفقہ فیصلہ اول ۱۶/- دوم ۱۴/-

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

تجلیات ربانی تلخیص و ترجمہ مکتوبات

مجدد الف ثانیؒ مکمل ۲ حصے ۵۰/-

مکتوبات خواجہ معصوم سرہندی ۳۵/-

تذکرہ خواجہ باقی باللہ ۱۳/-

تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہید ۵/-

وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی ۳/-

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صحبتے با اہل دل (نیا عکسی ایڈیشن) ۲۸/-

تبلیغ دین کیلئے ایک اہم اصول ۱/۵۰

تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ

الفرقان کا حضرت جی نمبر ۱۸/-

تذکرہ شیخ الحدیث الفرقان کا شیخ نمبر دوم ۱۶/-

تاریخ میلاد مولانا حکیم عبدالشکور مرزاپوری ۱/-

دربار نبوت کی حاضری مولانا مناظر احسن گیلانی ۶/-

بریلوی فتنہ کا نیا روپ مولانا محمد عارف سنبھلی ۱۵/-

انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت

——— مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ۱۰/-

رہنمائے تلاوت سید محمود حسن ایڈوکیٹ ۴/-

انیس نسواں بیگم سید اصغر حسین ۴/-

قرآنی علاج مولانا اشرف علی تھانوی ۳/-

معمولات یومیہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی ۱/۵۰

صبح و شام کی دعائیں مولانا عبدالغفور عباسی ۲/-

احکام نماز نماز کی ۱۲۰ احادیث کا مجموعہ ۱/-

نوٹ:-

ہمارے یہاں ہندوستان کے
اکثر بڑے دینی اداروں کی مطبوعات
ملتی ہیں ان کے بارے میں واقفیت
کے لئے ہماری مکمل فہرست
۲/- کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

نئی فہرست بہت جلد
شائع ہو رہی ہے

الفرقان بکڈپو
۳۱، نیا گاؤں مغرب
نظیر آباد — لکھنؤ

سالانہ چندہ

اندرون ملک ——— ۳۵/-

بنگلہ دیش ——— ۳۶/-

پاکستان ——— ۸۰/-

[illegible]

ہوائی ڈاک ۱۸۰/- یا ۱۰/- [illegible]

جلد ۵۷
شمارہ - ۱
۱۴۰۹ھ
جنوری ۱۹۸۹ء مطابق جمادی الاول

فہرست

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ
ادارہ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور
ہمارا پتہ: ماہنامہ الفرقان ۳۱، نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال کریں۔ یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باخبر لوگوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس وقت دنیا کے نقشہ پر جو ممالک اسلامی کہلاتے ہیں وہ واقعۃً صرف برائے نام اسلامی ہیں زندگی کے اہم اور کلیدی شعبوں میں وہاں بھی اسلام اسی اجنبیت اور کسمپرسی کے حال میں ہے جس میں وہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں ہے۔

اور جن لوگوں کے ہاتھ میں ان ملکوں کا اقتدار ہے عموماً وہ بھی صرف نام کے مسلمان ہیں، ان میں سے جن لوگوں کی ذاتی زندگی میں کچھ خوبیاں اور کسی قدر اسلامیت پائی بھی جاتی ہے تو ان کے اندر جرأت وعزیمت، حوصلہ وہمت، اور صورتحال کے صحیح تجزیہ مرض کی صحیح تشخیص اور اس کے ازالہ کے لیے درکار تدبیر اختیار کرنے کی استعداد نہیں نظر آتی۔

اس صورتحال کی تبدیلی کا ایک راستہ تو یہ ہے کہ اس پورے طبقہ کو جس کی انتظامی صلاحیتوں اور دیگر خوبیوں کا انکار نہیں کیا جاسکتا اسلام کا مخالف اور معاند سمجھ کر اس کی اصلاح سے یکسر مایوس ہوجایا جائے اس کے خلاف "دینی محاذ" قائم کرلیا جائے اور اس کی مستقل مخالفت اور اس کے خلاف صف آرائی کا طرز عمل اختیار کرلیا جائے اور اگر اس سے کام نہ چلے تو اپنے گمان کے مطابق دینی حمیت و غیرت اور انقلاب اسلامی کا جذبہ رکھنے والوں اور موجودہ صورتحال سے بیزار لوگوں کو مجتمع کرکے کسی فوجی یا سیاسی کارروائی کے ذریعہ انقلاب برپا کیا جائے اور زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے

ل جائے ۔

ماضی میں بھی یہ راستہ اختیار کیا گیا ہے اور آج کل تو اسی کا زیادہ شور ہے ۔ لیکن زمانۂ ماضی کے مسلسل تجربے بھی اس طریق کار کے عملی طور پر مفید ہونے کے بارے میں حوصلہ افزا ریکارڈ نہیں رکھتے اور ہمارے زمانہ میں تو مختلف مسلم ملکوں میں اس تجربہ کی ناکامی اور اس طرز عمل کے لئے نتائج کی داستانیں ہر طرف بکھری پڑی ہیں ــــــ جو لوگ تاریخ کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور اس سے نتائج اخذ کر سکتے ہیں انھیں واقعہ حرّار، خروج ابن الاشعث، بغاوت ابن مہلب اور ابومسلم خراسانی، نفس زکیہ، اور ابراہیم وغیرہ کی انقلابی کوششوں نیز سیدنا حضرت حسین رضؓ کے اس مخلصانہ اقدام کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے جس کا اختتام ان کی المناک شہادت پر ہوا اور جو لوگ عصر حاضر کے تجربوں سے تفصیلی واقفیت حاصل کرنے کے خواہ ہوں انہیں چاہیں انھیں مصر و شام اور تونس و لیبیا سے لے کر انڈونیشیا اور پاکستان تک مختلف مسلم ممالک میں چلائی جانے والی منفی تحریکوں کے نتائج کا بھی طالب علمانہ مطالعہ کرنا چاہیئے ۔

صورتحال کی تبدیلی کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ یہ یقین کر کے کہ ارکان سلطنت اور ارباب اقتدار بھی اللہ کے بندے ہیں ، ان کے سینے میں بھی اسی گوشت پوست سے بنا ہوا ایک دل دھڑک رہا ہے جو ایک عام انسان کے سینے میں دھڑکتا ہے اور بسا اوقات ان میں سے بہت سوں میں دینی جذبہ وحمیت اور ان کے خاکستر میں ایسی ایمانی چنگاریاں دبی ہوئی ہوتی ہیں جن کو اگر خالص داعیانہ اور مصلحانہ تدبیر اختیار کر کے فروزاں کر دیا جائے اور ان کی اس رگ اسلامیت کو جنبش میں لے آیا جائے جو ان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہے اور محبت کی نگاہ اور حسن تدبیر سے ان کے ان اشکالات، غلط فہمیوں بدگمانیوں اور ان پھانسوں کا ازالہ کر دیا جائے جو مختلف وجوہ سے ان کے دماغ کے کسی گوشہ میں اٹک کر رہ جاتی ہیں، تو بہت ممکن ہے کہ ان میں ایسے جواہر مل جائیں جن کی روشنی سے تمام تاریکیاں چھٹ جائیں اور جن کی بلند استعدادی عالی ہمتی اور اسلام کے لئے ان کی افادیت ایک عالم کو حیرت میں ڈال دے ــــــ اسلام کی تاریخ اس طرز عمل کے کامیاب تجربوں سے بھری ہوئی ہے جو لوگ اس تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں انھیں سیدنا حضرت حسن بن علی رضؓ سے لے کر حضرت حسن بصری، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام مالک بن انس رحؒ

امام احمد بن حنبلؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ تک کی تجدیدی واصلاحی کوششوں اور ان کے مستقل طرز عمل کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس مختصر سے مضمون میں اس اجمالی اشارہ کے بعد ہم مسلم ممالک میں دین کے احیاء ونفاذ اسلام کے لئے درد وفکر رکھنے والوں کی خدمت میں ان کے جذبے کی پوری قدر اور ان کی شخصیتوں کے پورے احترام کے ساتھ یہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ ایک بار پھر کم از کم امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طرز عمل کو اپنی غور وتوجہ کا موضوع بنائیں۔ اور اس کی روشنی میں اگر ضرورت محسوس کریں تو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی فرمائیں۔

عام قارئین کی سہولت کے لئے ہم مجددی وولی اللہی طرز عمل کی کچھ وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

اتنی بات تو عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ہندوستان میں اکبر کے دور میں اسلام کے خلاف اسکے دشمنوں کی سازشیں اپنے عروج کو پہنچ گئی تھیں اور دین الٰہی کے نام پر ایک نیا مذہبی نظام جو عقائد سے لے کر عبادات اور تہذیبی مظاہر تک برہمنی تہذیب پر مبنی تھا حکومت کی پوری طاقت کے ساتھ نافذ کیا جارہا تھا اور ہندو احیائیت کے علمبرداروں کو اپنے گمان کے مطابق ہندوستان سے اسلام کو ہمیشہ کیلئے نکال دینے کا ایسا زریں موقع دور اکبری میں مل گیا تھا جس کو وہ کسی صورت میں ضائع نہیں ہونے دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین

ٹھیک اسوقت جبکہ حضرت مجدد صاحب کی عمر چالیس سے متجاوز ہو چکی تھی اور ان کی روحانی تکمیل کے بیشتر مراحل طے ہو چکے تھے اور میدان میں اترنے کا زمانہ آگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اکبر کو اٹھالیا اسکی جگہ پر جہانگیر تخت نشیں ہوا۔ جہانگیر کی شخصیت کا مطالعہ کرنے سے یہ اہم حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس وقت اس کی لوح دل سادہ تھی اگر اس دور میں اس کے اندر کوئی نمایاں دینی جذبہ یا مذہبی رجحان نہیں تھا تو ساتھ ہی اسے اسلام سے کوئی بعد ووحشت بھی نہیں تھی۔ اور نہ اسے کسی مذہبی فلسفہ یا نئے دین وآئین کے اجراء کا شوق تھا، وہ ان عام فرمانروایان سلطنت کی قسم سے تعلق رکھتا تھا جو صرف کام دہن کی

لذت اور حکومت واقتدار کی عزت سے سروکار رکھتے ہیں ۔ اور بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی "اگر وہ حامی اسلام نہیں تھا تو ماحیٔ اسلام بھی نہیں تھا" اور اہل نظر جانتے ہیں کہ ایسے لوگ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کسی مذہبی یا قومی جذبے سے سرشار یا کسی نئی تحریک وفلسفہ کے داعی ہوتے ہیں بسا غنیمت ہوتے ہیں ۔

اور ان کے اندر ان ہستیوں کے ساتھ ایک مخفی عقیدت اور احترام پایا جاتا ہے جو ان کے تجربہ میں ان کی سطح سے بہت بلند اور دنیوی مظاہر ومناصب سے مستغنی ہوتے ہیں ۔

یہ خالصتہً تقدیر الٰہی کا کرشمہ ہے کہ جو زمانہ شیخ احمد سرہندیؒ کی تجدیدی مساعی کے بھرپور آغاز کا ہے اسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کا اقتدار ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا جو اسی قسم سے تعلق رکھتا تھا حضرت مجدد الف ثانی نے خداداد فراست ایمانی سے اس حقیقت کو پوری طرح بھانپ لیا اور اپنی تجدیدی و اصلاحی کوششوں کا کم از کم ایک تہائی حصہ ارکان سلطنت امراء و دربار اور خود جہانگیر سے داعیانہ رابطہ قائم کرکے ان کے اندر دینی جذبہ وحمیت ابھارنے ان کی رگ اسلامیت کو جنبش دینے ان کے دلوں کے خاکستر میں دبی ہوئی ایمانی چنگاریوں کو فروزاں کرنے اور انھیں گذشتہ دور کی تلافی کرنے کے لئے آمادہ کرنے کی جانب مرکوز کیا اور مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کے الفاظ میں "یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بھی ملک کی سیاسیات میں شریک ہوکر حکومت کا کوئی عہدہ اپنے ہاتھ میں لے کر کام کرتے اور جس قسم کے وسائل آپ کو میسر تھے یہ چنداں دشوار بھی نہ تھا لیکن آپ نے بظاہر اپنے کو سلطنت سے بالکل الگ تھلگ رکھا لیکن مکاتیب اٹھا کر دیکھو جہانگیر کے دربار کا شاید ہی کوئی ممتاز رکن ہوگا جس کے نام سے آپ کے خطوط نہیں ہیں۔ خان اعظم، خان جہاں، خان خاناں، مرزا داراب، قلیچ خاں، خواجہ جہاں اور سب سے زیادہ نواب سید فرید صاحب کے نام خطوط ہیں۔ ان تمام خطوط کا قدر مشترک صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہونی چاہیئے جو اسلام کو عہد اکبری میں پہنچ گیا ہے"[1]

خان اعظم خاں عہد اکبری کے ممتاز امراء میں سے تھے ۔ جہانگیر نے ان کے منصب میں اضافہ کیا اور گجرات کی صوبیداری عطا کی۔ دینی حمیت شروع ...

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۹۶

ان کے اندر تھی ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دعوتی خطوط کی خاصی تعداد ان کے نام ہے ان خطوط میں حضرت مجدد صاحبؒ نے بڑی حکمت کے ساتھ انھیں اس طرف متوجہ کیا ہے کہ وہ جہانگیر کو نیک مشورے دیں اور اسے سلطنت کے رخ کو بدلنے پر آمادہ کریں ان کے نام ایک خط میں حضرت مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے ۔

" اس نازک وقت میں جبکہ ہمارا پلہ کمزور ہے اور ہم بازی ہار چکے ہیں آپ کے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور سوائے آپ کے کوئی مرد میدان اس میدان میں ہم کو نظر نہیں آتا حق تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو حدیث پاک میں وارد ہوا ہے "تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جبتک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے اس وقت وہ دیوانگی جس کی بنیاد اسلامی غیرت وحمیت پر ہوتی ہے آپ ہی کی فطرت میں نظر آتی ہے ۔

والحمد للہ علی ذلک ...... یہ جہاد قولی جو آج آپ کو حاصل ہے جہاد اکبر ہے اس کو غنیمت جانیں اور مزید کے طالب رہیں یہ جہاد بالقلم جہاد بالسیف سے افضل ہے ہم جیسے بے دست وپا فقراء (جن کی دربار شاہی تک رسائی نہیں) اس نعمت سے محروم ہیں ۔

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی کی

حضرت مجدد صاحبؒ کے خطوط کی بڑی تعداد نواب سید فرید کے نام ہے یہ بھی عہد اکبری کے ممتاز امراء میں تھے جہانگیر نے ان کے منصب میں بھی اضافہ کیا تھا ۔ سخاوت، اخلاق، و تواضع اور دین سے محبت کا عجب نمونہ تھے تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دل میں ان کی بہت عزت وعظمت تھی ۔ ان کے نام حضرت مجدد صاحبؒ کے ایک خط کا مضمون ملاحظہ ہو :

" بادشاہ کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو دل کو تمام بدن سے کہ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح اور اگر دل میں خرابی آئی تو بدن بھی خراب ہوگا ۔ بادشاہ کے صلاح و فساد سے دنیا کا صلاح و فساد وابستہ ہے ...... آج جب کہ اسلام کے غلبہ و اقبال

سے جو چیز مانع تھی اس کے دور ہو جانے اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری عام و خاص کو پہنچی اہل اسلام نے اپنا فرض سمجھا کہ وہ بادشاہ کے ممد و معاون بنیں اور ترویج شریعت اور تقویت ملت کے بارے میں اس کی رہنمائی اور اس راہ میں ہر قسم کا تعاون کریں۔ زبان سے ہو یا عملی طور پر اور اولیں امداد یہی ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتاب و سنت و اجماع امت کے مطابق عقائد اسلامیہ سے ان کو باخبر کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع اور کوئی گمراہ غلط راہ پر نے جاکر کام خراب نہ کر دے۔ ......

جناب والا سے توقع ہے کہ جب خدا نے آپ کو بادشاہ کا قرب اور پھر کلمۂ حق کہنے کی استعداد و قدرت دی ہے تو پھر خلوت اور جلوت میں شریعت کی ترویج کے لئے ضرور کوشش فرمائیں گے اور مسلمانوں کو اس کسمپرسی کے عالم سے ضرور نکالیں گے۔"

دربار جہانگیری کے ایک دوسرے اعلیٰ عہدیدار خان جہاں کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد صاحبؒ نے لکھا:

"جہانگیر جیسا بادشاہ عظیم الشان جب آپ کی بات غور و التفات کے ساتھ سنتا ہے اور اس کو وقعت دیتا ہے تو کیا نادر موقع ہے کہ آپ صراحۃً یا اشارۃً کلمۂ حق کو جو اہل السنۃ والجماعۃ کے اعتقاد کے مطابق ہے گوش گذار کر دیں اور جس قدر گنجائش سمجھیں اہل حق کی باتوں کو پیش کرتے رہیں بلکہ برابر اس بات کے جویا اور نگراں رہیں کہ کوئی ایسی تقریب پیدا ہو کہ مذہب و ملت کی بات درمیان میں آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر کے بطلان و شناعت کے اظہار کا موقع ملے"

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دربار جہانگیری کے ان عالی مرتبت امراء و حکام پر حضرت مجدد صاحبؒ کی اس توجہ و عنایت کا جس کا اظہار ان خطوط کے لب و لہجہ اور اس کے لفظ لفظ سے ہوتا ہے خود ان امراء پر اور پھر ان کے واسطہ سے جہانگیر کی شخصیت اور سلطنت کے رخ پر کتنا گہرا اور دور رس اثر ہوا ہوگا۔ اہل ذوق اس کا بھی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جن لوگوں کو حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنی مساعی کا محل بنایا ہوگا آپ ان کے لئے کس اہتمام سے رشد و صلاح کی دعائیں فرماتے ہوں گے اور پھر ان دعاؤں نے رحمت الٰہی کو کس طرح کھینچا ہوگا

پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے صرف امراء سلطنت اور ارکان دربار سے رابطہ قائم کرنے اور ان کی اصلاح و تربیت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ (غالباً جب آپ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ آپ کی ان بالواسطہ مساعی کا اچھا اثر خود جہانگیر پر پڑ رہا ہے تو) آپ نے براہ راست سلطان وقت جہانگیر کو مخاطب بنایا اور اپنے ایک خط میں اسے نہایت حکیمانہ انداز میں اہل علم اور اللہ والوں سے تعلق کی طرف نیز مملکت کی ظاہری انتظامی تدابیر کے ساتھ ساتھ تعلق مع اللہ اور دعا کی غیبی و روحانی تدبیر کی طرف متوجہ کیا ہے اس تاریخی خط کا مضمون ملاحظہ فرمائیں :

"کمترین دعا گویاں احمد عرض کرتا ہے اور اپنی شکستگی و نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے اس نعمت امن و امان کا شکر ادا کرتا ہے جو آپ کی بدولت عوام و خواص کو حاصل ہے نیز ان اوقات میں جن میں دعا کی قبولیت کا گمان ہے ..... آپ کے لشکر ظفر پیکر کے لئے فتح و نصرت کی دعا کرتا ہے اس لئے کہ ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

(ہر ایک کو کسی نہ کسی کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے)

کارخانہ خداوندی میں کسی چیز کا عبث و لغو ہونا محال ہے ۔ جو کام لشکر غزاد جہاد سے وابستہ ہے وہ پایۂ دولت کی تقویت و تائید ہے کیوں کہ اسی سے شریعت روشن کی ترویج و اشاعت متعلق ہے اور یہی عظیم کام اس لشکر دعا سے بھی تعلق رکھتا ہے جو ارباب فقر اور اصحاب مصیبت و بلا کا لشکر ہے ۔ فتح و نصرت دو قسم کی ہے ایک قسم وہ ہے جو اسباب سے مربوط کی گئی ہے اور صورت فتح و نصرت ہے اس کا تعلق لشکر غزا و جہاد سے ہے دوسری قسم حقیقت فتح و نصرت ہے جو مسبب الاسباب کے پاس سے آتی ہے وما النصر الا من عند الله اس کا تعلق فقط لشکر دعا سے ہے ۔ لشکر دعا اپنی عاجزی و انکساری کی بنا پر لشکر غزا سے سبقت لے گیا ہے اور اس نے سبب سے مسبب کی طرف رہنمائی کی ہے ..... نیز دعا قضا کو بھی ٹال دیتی ہے ۔ چنانچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا یرد القضاء الا الدعاء ۔ سیف و جہاد میں یہ قوت نہیں ہے کہ قضاء کو

ٹال دے پس لشکر دعا ضعف و شکستگی کے باوجود لشکر غزا سے زیادہ قوی ہے نیز لشکر دعا لشکر غزا کے لئے مانند روح اور لشکر غزا لشکر دعا کا جسم و قالب ہے پس لشکر غزا کو لشکر دعا کے بغیر چارۂ کار نہیں کیونکہ جسم بے روح قابل تائید و نصرت نہیں ہوا کرتا اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ فقراء مہاجرین کے توسل سے فتح و نصرت طلب فرمایا کرتے تھے حالانکہ لشکر غزا موجود تھا اور محاربین و مجاہدین کو غلبہ بھی حاصل تھا ......

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن خون شہدا کو علماء کی روشنائی کے ساتھ وزن کریں گے اور علماء کی روشنائی کا پلہ جھک جائے گا سبحان اللہ یہ سیاہی ان کے لئے باعث عزت و سرخروئی بنے گی .....

ہر چند یہ کمترین اس قابل نہیں ہے کہ اپنے آپ کو لشکر دعا کے افراد میں شمار کرے لیکن محض اس فقرا اور احتمال اجابت دعا کی بنا پر خود کو دعار دولت قاہرہ سے فارغ نہیں رکھتا اور زبان حال و قال سے سلامتی کی دعا میں رطب اللسان رہتا ہے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

(ماخوذ از تجلیات ربانی مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی صـ ۱۶۱ جلد دوم)

پھر ایک وقت آیا کہ آپ کو جہانگیر کے دربار میں بصد عزت و احترام شریک ہونے اور روزانہ بعد مغرب بادشاہ کے ساتھ خصوصی ملاقات کا موقع ملا اور آپ نے اس موقعہ کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے براہ راست جہانگیر کو اپنی اصلاحی کوشش کا مخاطب بنایا اپنے صاحبزادگان کے نام وہاں سے اپنے ایک مکتوب میں ان ملاقاتوں کے احوال حضرت مجدد صاحبؒ نے اس طرح بیان فرمائے ہیں ۔

" اس طرف کے حالات بہت اچھے ہیں موقعہ شکر کا ہے ۔ عجیب و غریب صحبتیں گذر رہی ہیں اللہ کی عنایت سے اپنی ساری گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول کے متعلق کسی قسم کی مداہنت یا تساہل کا اظہار نہیں ہوا ۔

وہی باتیں جو خاص مجلسوں اور خلوت میں بیان کی جاتی تھیں ان موقعوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے وہی بیان ہو رہی ہیں اگر میں کسی ایک مجلس کا بھی حال لکھوں تو اس کے

لیے ایک دفتر چاہیئے۔ خصوصاً آج کی رات جو رمضان کی ، ارتاریخ ہے پیغمبروں کی بعثت اور یہ کہ عقل مستقل اور کافی نہیں ہے اور آخرت وعذاب وثواب پر ایمان لانے حق تعالیٰ کے دیدار اور خاتم الرسل کی ختم نبوت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفاء راشدین کی پیروی اور تراویح کا مسنون ہونا، تناسخ کا باطل ہونا ...... اور اسی قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر رہا .... بادشاہ نے خوبی وحسن کے ساتھ سنا خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ بادشاہ ایک حال میں رہے اور کسی قسم کا کوئی تغیر جو برہمی پر دلالت کرے اس کا اظہار نہ ہوا ، شاید ان ملاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں ہوں اور ان کے اسرار ان میں پوشیدہ ہوں "

جہانگیر پر حضرت مجدد صاحب کی شخصیت کے اثر اور آپ کے ساتھ اس کی گرویدگی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آخر میں اس نے اپنے ولی عہد شاہجہاں کو آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا حکم دیدیا۔

اور اس طرح بتدریج مغل سلطنت کا رخ جارحانہ برہمنیت اور کفر صریح سے ہٹ کر ملت ابراہیمی و شریعت محمدی کی طرف ہوگیا ۔ اور والد ماجد حضرت مولانا نعمانی مظلہٗ کے الفاظ میں :

"کمال یہ کہ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہوا کہ آج مبصرین کے لیے سلطنت مغلیہ کا چپ چاپ انقلاب ایک ناقابل حل معمہ بنا ہوا ہے "

ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہتے ہیں یہ جو کچھ ہوا بالکل خالص اور بے آمیز نیت کے ساتھ بالکل صحیح طرز عمل اختیار کرنے ، اور "نشکر دعا" سے بھرپور مدد لینے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کی وجہ سے ہوا ۔ آج بھی ، حالات کی سخت ناسازگی ، اور گوناں گوں مشکلات ومسائل کے باوجود اس طرز عمل کو تمام ظاہری وباطنی تفصیلات کے ساتھ اختیار کرکے ایسی ہی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے جو مبصرین و مفکرین اور رائج الوقت طریقوں کے علمبرداروں کو حیرت میں ڈال دے دیکھنا ہے کہ یہ سعادت اب کس کے ہاتھ آتی ہے

آج کی صحبت میں ہم یہ گفتگو یہیں ختم کرتے ہیں ۔ انشاء اللہ آئندہ حضرت شاہ ولی اللہ کے طرز عمل پر بھی کچھ روشنی ڈالیں گے ۔ شاید اس بارے میں اپنا مدعا اس وقت کچھ اور وضاحت کے ساتھ عرض کرسکیں ۔

حضرت والد ماجد مدظلہ کا حال

حضرت والد ماجد مدظلہ کی صحت میں روز افزوں انحطاط، اور ضعف و معذوری میں بڑھنے ہونے والے اضافہ سے قارئین کرام واقف ہی ہیں۔ لیکن گذشتہ ایک ماہ سے انھیں کچھ نئی تکلیفیں شروع ہوئیں جو بہت تیز رفتاری سے بڑھیں ان تکلیفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت والد ماجد مدظلہ نے گذشتہ شمارے میں تحریر فرمایا تھا کہ "یہ عاجز راقم سطور بھی مستقل ضعف و امراض کے علاوہ بعض تکالیف میں مبتلا ہے" اور دسمبر کے شروع سے ان عوارض و تکالیف میں بہت زیادہ شدت پیدا ہوگئی ان میں زیادہ اذیت کا سبب پیشاب کی بے انتہا کثرت، مکمل بے خوابی اور شدید کھانسی کی تکلیفیں تھیں۔ معالجوں کے نزدیک گردہ اور مثانہ میں پیدا ہونے والی بیماری ان تکلیفوں کا سبب تھی، تکلیفوں کی شدت اور بیماری کی نوعیت کی وجہ سے ضعف بھی نہایت تشویشناک حد تک بڑھ گیا تھا — جہاں جہاں خبر پہنچ رہی تھی، لوگ دعاؤں کا اہتمام کر رہے تھے اب تازہ صورتحال یہ ہے کہ الحمدللہ ان سب تکلیفوں میں افاقہ ہے۔ معالجین بھی اطمینان دلاتے ہیں البتہ ضعف اور معذوری انتہائی درجہ کی ہے — سب اہل تعلق اور تمام قارئین سے عاجزانہ التماس ہے کہ جس قدر ہو سکے حضرت والد ماجد (اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ عاطفت تمام برکتوں اور مکمل صحت و عافیت کے ساتھ ہمارے سروں پہ تادیر قائم رکھے اور ہمیں صحیح قدر و استفادہ کی توفیق عطا فرمائے) کی صحت و عافیت کے لیے دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔ کسی دوسرے مومن بندہ کے لیے دعائیں کرنا خود اپنے لئے خیر و سعادت کا باعث ہوتا ہے۔

اپنا حال

اس ماہ دسمبر کے شروع میں، نومبر دسمبر کے دو شمارے ایک ساتھ آپ کو ملے ہوں گے۔ اور ان سے ناچیز مدیر الفرقان کی سخت اور طویل بیماری کا حال آپ کو معلوم ہوا ہوگا میری بیماری کا سلسلہ ستمبر کے اواخر میں بخار اور کھانسی سے شروع ہوا تھا۔ اکتوبر کے اواخر تک بیماری کی نوعیت خاصی سنگین ہوگئی۔ معالجوں کے نزدیک نمونیہ کا سخت حملہ تھا، علاج ہوتا رہا لیکن اللہ کی

مشیت کہ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ، تب سے اب تک علاج جاری ہے اور بظاہر ابھی کافی عرصہ تک جاری رہے گا ۔ ظاہری طور پر کافی افاقہ بھی ہے ۔ لیکن ابھی تک بیماری اور اس کی علامتیں موجود ہیں ۔ قارئین کرام سے صحت و عافیت کے لئے بھی دعاؤں کی درخواست ہے ۔ اور اپنی بد پرہیزی اور کاموں کی انجام دہی میں اس بے ترتیبی اور بے نظمی کی عادت اور اپنی صحت کی طرف سے مستقل غفلت سے نجات کے لئے بھی دعاؤں کی گذارش ہے کہ میری اصل بیماری یہی ہے اور سچ ہے کہ

ع　　خود کردہ را علاجے نیست

اپنی اسی علالت کی وجہ سے قریباً ڈھائی مہینے سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں راقم سطور کا تدریسی مشغلہ منقطع ہے اور اب تو معالجین کے مشورہ پر اس پورے تعلیمی سال کے لئے طویل رخصت لینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے ۔

مولانا فریدی نمبر

نومبر دسمبر کے شمارے میں مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ سے متعلق الفرقان کی ایک خصوصی اشاعت کے فیصلہ کا تذکرہ کیا گیا تھا ــــــ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں اس خاص اشاعت کے بارے میں مستقل اعلان کر دیا جائے گا ۔

اگر آپ دینی کتابوں کی خریداری میں دلچسپی رکھتے ہیں تو

ان کے بارے میں وسیع معلومات کے لئے صرف دو روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر ہماری تازہ ترین مفصل فہرست کتب طلب فرمائیں ــــ جو بہت جلد شائع ہو رہی ہے ۔

اس فہرست کتب میں اپنی مطبوعات کا مختصر تعارف درج کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ دوسرے اداروں کی دو ہزار سے زیادہ کتابوں کے نام مع مصنفین ان کے موضوعات کے عنوانات کے تحت بہ ترتیب حروف ہجی درج کئے گئے ہیں ــــ

ہمارا پتہ

الفرقان بکڈپو نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغرب) لکھنؤ ۱۸

افاداتِ عارف باللہ
حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفیؒ

ترتیب :- مولانا محمد تقی عثمانی

حضرت والا کی مجالس میں الحمدللہ سترہ سال سے زائد حاضری کی سعادت نصیب رہی جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، اس دوران بارہا خیال آیا کہ حضرت کے ارشادات و افادات قلم بند کر دوں لیکن مجلس میں کبھی احقر اس پر قادر نہ ہو سکا۔ حضرت کے سامنے ہوتے ہوئے کاغذ اور قلم کی طرف متوجہ رہنا ہمیشہ بار محسوس ہوا اس لیے قلم بند نہ کر سکا۔ حضرت کے آخری ایام حیات میں خیال آیا کہ حضرت سے سنی ہوئی خاص خاص باتیں اپنی یادداشت سے قلم بند کر دوں۔ چنانچہ یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت کو بھی اس کی اطلاع دیدی حضرت نے اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں بھی دیں اور احقر کی اس درخواست کو بھی قبول فرمایا کہ اس پر نظر ثانی حضرت ہی فرمائیں لیکن ؎

فصل گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

ابھی حضرتؒ کو دکھانے کا موقع نہیں آیا تھا کہ حضرت ہم سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

ان افادات میں مرکزی مفہوم حضرت ہی کا ہے لیکن احقر نے انہیں اپنی یادداشت سے جمع کیا اور ترتیب دیا ہے لہٰذا اگر جمع و ترتیب یا انداز بیان میں کوئی قصور ہے تو اس کی ذمہ داری احقر پر ہے۔

یہ باتیں بڑی قیمتی ہیں جن سے ان شاء اللہ دین پر چلنے کی ہمت اور اس کا شوق و جذبہ پیدا ہوگا

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین پر عمل کرنے کا آسان طریقہ

فرمایا کہ آج کل لوگ بکثرت یہ کہتے ہیں کہ اس دور میں دین پر عمل کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ہم چاروں طرف سے ایسے معاشرے میں گھرے ہوئے ہیں جو شر و فساد سے معمور ہے جس میں ہر طرف بے دینی، بے حیائی، بے غیرتی پھیلی ہوئی ہے، گھریلو زندگی سے لیکر دفتروں اور بازاروں تک اور تعلیم گاہوں سے لیکر حکومت کے ایوانوں تک ہر جگہ شر کے محرکات اپنی پوری فتنہ سامانیوں کے ساتھ انسانوں کو گمراہ کرنے میں مشغول ہیں ایسے میں اگر کوئی دین کے صحیح راستہ پر چلنا بھی چاہے تو قدم قدم پر اس کے لیے مشکلات ہیں لہذا دین پر ٹھیک ٹھیک عمل ہو تو کیسے ہو۔ اس سوال کا فطری جواب تو یہ ہے کہ وہ خالق کائنات جنھوں نے ہمیں اس دین کا پابند بنایا ہے وہی اس تمام معاشرے کے بھی خالق ہیں وہ خالق خیر بھی ہیں اور خالق شر بھی۔ دنیا میں کوئی پتہ ان کے حکم اور مشیت کے بغیر نہیں ہلتا نہ کوئی ذرہ ان کے حکم اور مشیت کے بغیر حرکت کرتا ہے تو کیا (معاذ اللہ) انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب میری ہی مشیت سے معاشرہ اتنا خراب ہو جائے گا؟ یقیناً معلوم تھا، پھر کیا انھوں نے ہمیں اپنے دین کا یہ دیکھے بغیر مکلف بنا دیا کہ اس پر عمل کرنے میں میرے بندوں کو کتنی مشکلات ہوں گی؟ وہ تو اپنے بندوں پر اتنے مہربان ہیں کہ عالم کائنات میں کوئی بھی انسانوں کے حق میں اتنا رحیم و کریم نہیں ہو سکتا، انھوں نے تو واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا کہ:-

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا　　اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اور فرما دیا ہے کہ:-

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ　　اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تنگی کا معاملہ نہیں کرنا چاہتا۔

اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، جن کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، واشگاف لفظوں میں فرمادیا کہ:-

اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ　　　　بلا شبہ دین آسان ہے۔

کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات (معاذ اللہ) کیا محض بہلانے کے لیے ہیں؟ یقیناً نہیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے صادق و مصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر ان ارشادات کی حقانیت میں فرق نہیں آسکتا۔

ان ارشادات کے باوجود کوئی شخص دین کو ناقابل عمل حد تک مشکل سمجھے تو اللہ بچائے اس سے قرآن و سنت کے ان واضح ارشادات کی تکذیب لازم آتی ہے، جو بحد کفر پہنچ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھیں آمین۔

کلام اللہ اور کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات تو ہرگز غلط نہیں ہوسکتے کیونکہ اس ذات کے ارشادات ہیں جس کے علم محیط سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں ہے۔ قیامت تک پیش آنے والے تمام حالات و واقعات اس کے علم میں ہیں۔ اور کلام اللہ اور کلام رسولؐ کسی خاص خطے یا کسی خاص زمانے کے لیے نہیں بلکہ ہر دور اور ہر زمانے کے لیے آئے ہیں، لہٰذا ان کی رو سے اگر قرن اولیٰ میں دین آسان تھا اور اس میں کوئی تنگی نہیں تھی تو اس آخری دور میں بھی آسان ہے اور اس میں بھی تنگی نہیں ہے۔ ہاں اگر ہمیں بظاہر نظر دین کے کسی حکم میں کوئی مشکل نظر آرہی ہے تو یقیناً وہ ہماری نگاہ کا دھوکہ اور فہم کا قصور ہے ورنہ دین فی نفسہٖ آسان ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دین تو اپنی ذات میں پہلے بھی آسان تھا اور آج بھی آسان ہے کیونکہ وہ دین فطرت ہے اور فطرت کے مطابق عمل کرنے میں انسان کو فی نفسہٖ دشواری نہیں ہوتی لیکن نفس، شیطان اور ماحول کے بیرونی اثرات کی بناء پر بعض اوقات یہ فطرت مسخ ہوجاتی ہے یا اس میں کمزوری آجاتی ہے، اس کی بنیاد پر دین فطرت کی طرف لوٹنا مشکل معلوم ہونے لگتا ہے، اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دین فطرت مشکل تھا

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے نفس، شیطان اور ماحول سے متاثر ہو کر اپنی صلاحیتیں خراب کرلی ہیں جس سے ہمیں یہ کام مشکل معلوم ہونے لگا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اگر ایک شخص مہینوں بستر پر پڑا رہے اور چلنا پھرنا موقوف کر دے تو رفتہ رفتہ اس کے چلنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی، اب اگر وہ اٹھ کر چلنے کی کوشش کرے گا تو اسے چلنا بہت مشکل معلوم ہوگا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ چلنا فی نفسہٖ مشکل تھا؟ ظاہر ہے کہ نہیں، چلنا تو پہلے بھی آسان تھا اب بھی آسان ہے لیکن اس شخص نے اپنی صلاحیتیں ضائع کر دیں کہ اسے اتنا آسان کام بھی مشکل معلوم ہونے لگا۔

بس اسی طرح دین تو آسان ہے، لیکن نفسانی اور شیطانی اثرات اور ماحول کے آگے سپر ڈال کر ہم نے اپنی صلاحیتیں ایسی ضائع کر دیں کہ اس دین فطرت پر عمل کرنا بھی مشکل معلوم ہونے لگا۔ لہذا دین کے مشکل ہونے کی غلط فہمی تو رفع ہو جانی چاہیے۔

البتہ پھر سوال ہو سکتا ہے کہ ہم نے اپنی صلاحیتیں خراب کر کے ہی سہی، دین پر عمل کو خود مشکل بنا لیا ہے، تو اب اس مشکل کو آسان کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ اس کا جواب یہ ہے اور وہی اصل سوال کا عملی جواب بھی ہے، کہ خود اپنی پیدا کردہ اس مشکل کا حل بھی اسی دین فطرت میں موجود ہے، اور وہ حل نہایت آسان ہے، اور اس حل کو تلاش کرنے کے لیے کہیں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ حل اپنے کلام کے بالکل شروع ہی میں بیان فرما دیا ہے اور وہ حل ہے:-

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ٭	ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی
اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ٭	سے مدد چاہتے ہیں، ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما دیجیے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اپنی نفسانی خواہشات، شیطانی اثرات اور ماحول کے محرکات سے مغلوب ہو تو اس غلبے سے نجات پانے کے لیے اسی مالک بے نیاز سے کیوں رجوع نہیں کرتے جو ان تمام نفسانی خواہشات، تمام شیطانی اثرات اور سارے ماحول کے خالق ہو (ہیں) جو تمہارے اور تمہاری صلاحیتوں کے بھی خالق ہیں۔ اور جن کی قدرت کاملہ کے آگے ممکن اور ناممکن کے الفاظ بے معنی ہیں۔

اگر اپنے آپ کو ماحول سے، معاشرے اور خود اپنے نفس سے مغلوب محسوس کرتے ہو تو انہی سے کہو کہ یا اللہ! آپ کا دین دین فطرت ہے، دنیا و آخرت کی تمام تر سعادتیں اسی میں ہیں، لیکن میں اپنی صلاحیتوں کو خود برباد کر چکا ہوں نفس مجھے اس طرح ورغلاتا ہے شیطان اس طرح بہکاتا ہے، ماحول کے اثرات اس طرح مجھ پر مسلط ہیں، لیکن آپ ان تمام چیزوں کے خالق ہیں آپ اپنے فضل و کرم سے اس غلبے کو ختم فرما دیجئے میرے اندر ان تمام محرکات سے جو مرعوبیت ہے اس کو دور فرما کر ہمت اور حوصلہ پیدا فرما دیجئے، مجھ میں صلاحیت نہیں ہے تو صلاحیت کے خالق بھی تو آپ ہیں، صلاحیت عطا فرما دیجئے ہمت نہیں ہے تو ہمت دینے والے بھی آپ ہیں ہمت عطا فرما دیجیے۔ آپ کی قدرت کاملہ کے آگے یہ سارے شیطانی اثرات ہیچ در ہیچ ہیں، مجھ سے ان کے تسلط کو زائل فرما دیجئے، اور اپنے محبوب نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، آپؐ کی تعلیمات اور سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیجئے، اپنا یہ سارا ماجرا دنیا بھر کو سناتے پھرنے کے بجائے انہی کو سناؤ جو اس ساری کائنات کے خالق ہیں، اور جو ایک لمحے میں سب کچھ بدل دینے پر قادر ہیں۔

اگر ایک دم سے دین کے تمام احکام پر عمل کرنے کی ہمت نہیں پاتے تو اپنی اس عاجزی اور درماندگی کو انہی کے دربار میں کیوں پیش نہیں کرتے؟ روزانہ تھوڑی دیر یکسو ہو کر بیٹھو۔ اپنے حالات کا یہ سارا کچا چٹھا اللہ تعالیٰ کو سناؤ، اور دل سے مانگو کہ یا اللہ! ان حالات کو تبدیل کر دیجئے، چالیس دن تک یہ کام کر کے دیکھو کیا سے کیا ہوتا ہے۔

بتاؤ کہ کیا اس کام میں بھی کوئی دشواری ہے؟ اس میں بھی کوئی مشکل ہے؟ یہ وہ آسان ترین تدبیر ہے جس سے زیادہ آسان کوئی اور تدبیر نہیں ہو سکتی، اگر اس تدبیر پر بھی کوئی عمل نہ کرے تو پھر اسے دین پر عمل کرنے کی مشکلات کا عذر کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

ذرا تصور کرو میدان حشر قائم ہے، لوگوں کے اعمال نامے کھلے ہوئے ہیں، جزا و سزا کا مرحلہ درپیش ہے تم سے سوال ہوتا ہے کہ تم نے دنیا میں فلاں فلاں اوامر و نواہی کے مطابق کیوں عمل نہیں کیا؟ تم جواب دیتے ہو کہ یا اللہ! میں جس زمانے اور جس ماحول میں پیدا ہوا تھا۔ وہ شر اور فساد سے بھرا ہوا تھا اس میں آپ کے دین پر چلنے میں قدم قدم پر رکاوٹیں تھیں گھر کے ایک ایک فرد سے لے کر ملک و معاشرہ تک سب مجھے بھٹکانے پر لگے ہوئے تھے شر و فساد کے اتنے سارے محرکات کے مقابلہ میں میں تنہا تھا، میرے اندر ان کی مدافعت کی طاقت نہ تھی اس لیے میں مغلوب ہو گیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارا یہ جواب کافی ہو گیا لیکن کیا اس کے جواب میں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ اگر تم ان سارے محرکات کے آگے مغلوب تھے تو تم نے ہم سے کیوں مدد نہیں مانگی؟ کیا تم یہ سمجھتے

تھے کہ تمہاری طرح (معاذ اللہ) ہماری قدرت کاملہ بھی ان شیطانی طاقتوں کے اثرات کو تم سے ختم نہیں کرسکے گی، ہم نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تم تک اپنا کلام پہنچایا تھا یہ کلام جگہ جگہ ان ارشادات سے بھرا ہوا ہے کہ:

"اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر" بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

"اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ" بیشک اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

یہ اعلانات آخر کس لیے تھے؟ اسی لیے تو تھے کہ تم ان کا واسطہ دے کر اپنی مشکلات ہمارے سامنے پیش کرو، ہم نے تو اپنے کلام کے آغاز ہی میں تمہیں یہ گُر سکھا دیا تھا کہ جب کبھی تمہیں مغلوبیت محسوس ہو، جب کبھی اپنے آپ کو بے آسرا پاؤ تو فوراً ہمارے پاس آجاؤ ہم سے رجوع کرو، ہم نے تو رجوع کرنے کا طریقہ بھی تمہیں بتا دیا تھا۔ تمہاری اپنی طرف سے الفاظ تک بنا کر سکھا دیئے تھے کہ:۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝

تم نے اس بے پایاں رحمت کی کیا قدر کی؟ کتنی مرتبہ سچے دل سے ہماری طرف رجوع کیا؟ کب ہم سے کہا کہ تم واقعی نفس و شیطان کے غلبے سے نجات پانا چاہتے ہو؟ اگر نہیں کہا تو بتاؤ تمہارے پاس کیا عذر ہے؟

سوچئے کہ اگر میدان حشر میں ہم سے یہ سوال ہو تو اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ ابھی سوال و جواب کا یہ مرحلہ پیش نہیں آیا۔ ابھی مہلت ملی ہوئی ہے اور ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، ناک، زبان کام کر رہے ہیں لیکن ؏

تم آج ہوا سمجھو جو روز جزا ہوگا

اس وقت کو غنیمت جانو، اور روز جزا کے اس سوال کو مستحضر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جاؤ۔ روزانہ تھوڑا سا وقت، دس منٹ، پندرہ منٹ دوسرے کام دھندوں سے ذہن کو فارغ کر کے بیٹھ جاؤ اور اس میں اپنی ساری مشکلات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو، دل سے مستحضر کر کے کہو۔

یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ، یَا مَالِکَ یَوْمِ الدِّیْنِ، اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

اور پھر جو کچھ دشواریاں عملی زندگی میں پیش آتی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے حضور بیان کرو۔ اور انہی کی قدرت کاملہ اور رحمت واسعہ کا واسطہ دے کر دعا مانگو کہ یا اللہ! ان تمام مشکلات کو آسان فرما دیجئے یہ کام کچھ دن پابندی سے کرو پھر دیکھو کیا مشکل باقی رہتی ہے؟ یہ نسخہ تو بہت ہی آسان ہے لیکن ع

دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

عام طور سے لوگ اسے آسان سمجھ کر ٹالتے رہتے ہیں سوچتے ہیں کہ گر تو بہت اچھا معلوم ہوگیا ہے کل سے اس پر عمل کریں گے کل کو پھر یہی سوچتے ہیں کہ آئندہ کل سے کریں گے یہاں تک کہ عملاً "یہ کل کبھی نہیں آتی لہذا علاج یہ ہے کہ جب یہ گراں قدر نسخہ ہاتھ آگیا تو اسے کل تک مت ٹالو، خدا جانے کل تک زندگی ہے کہ نہیں؟ زندگی ہے تو موقع ہے کہ نہیں؟ موقع ہے تو وہ جذبہ ہے کہ نہیں جو اس وقت محسوس ہو رہا ہے، اس لئے ٹالنے کے بجائے آج ہی سے شروع کر دو اور پابندی سے شروع کر دو انشاء اللہ ضرور نفع ہوگا۔

دعائے یونس علیہ السلام اور ظلمات دہر

فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ جب مچھلی انھیں نگل گئی تو انھوں نے مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں اللہ تعالیٰ کو پکارا:-

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝	پس انھوں نے ظلمتوں کے درمیان پکارا کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں بلاشبہ میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی اس پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ	پس ہم نے ان کی پکار سنی اور ان کو گھٹن سے نجات دی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے فوراً بعد باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ	اور اس طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے کرتے یہ کیا فرمادیا کہ "ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں" کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے مومن بھی مچھلی کے پیٹ میں جائیں گے اور وہیں کی تاریکیوں میں ہمیں پکاریں گے تو ہم انھیں نجات عطا فرمائیں گے۔ ظاہر بات ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں چلا جانا تو ایک انفرادی واقعہ تھا جو خرقِ عادت کے طور پر پیش آیا تھا، تمام مومنوں کے ساتھ تو بعینہ یہی واقعہ پیش نہیں آسکتا۔

دوسری طرف یہ بھی اپنی جگہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن کریم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ذریعہ ہدایت ہے اور اس میں جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں وہ محض قصہ گوئی یا تاریخ بتانے کے لیے بیان نہیں ہوئے بلکہ اس لیے بیان ہوئے ہیں کہ قیامت تک ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ بالخصوص جبکہ قرآن کریم خود واقعہ بیان کرنے کے بعد تمام مومنوں سے یہ فرما رہا ہے کہ ایسا ہی واقعہ تمہارے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔

اب ایسا ہی واقعہ پیش آنے کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب مومنین مچھلی کے پیٹ میں جائیں لہٰذا مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کو اپنی زندگی میں طرح طرح کی ظلمتوں سے واسطہ پیش آسکتا ہے نفسانی خواہشات کی ظلمتیں شیطانی وساوس کی ظلمتیں، حالات اور ماحول کی ظلمتیں غرض بیشمار قسم کی ظلمتیں ہیں جو مومن کو اپنی زندگی میں پیش آسکتی ہیں قرآن کریم کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بے شمار ظلمتوں میں سے جو ظلمت بھی تمہارے سامنے آئے تم حضرت یونس علیہ السلام کی سنت پر عمل کرکے ہمیں پکارو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" اس پکار کے نتیجے میں تمہیں بھی اسی طرح ظلمتوں سے نجات ملے گی جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کو ملی تھی۔

اگر ہم اپنے چاروں طرف نظر دوڑائیں تو طرح طرح کی ظلمتوں میں گھرے ہوئے ہیں، فسق و فجور، اور بداعمالیوں کا بازار گرم ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے احکام و تعلیمات سے غفلت بڑھتی جارہی ہے بے حیائی بے غیرتی اور بداخلاقی کا سیلاب چڑھا ہوا ہے، پوری ڈھٹائی اور سینہ زوری کے ساتھ گناہوں اور معصیتوں کا ارتکاب ہو رہا ہے، نوبت گناہ اور معصیت سے گذر کر (معاذ اللہ) ارتداد و الحاد اور قرآن و سنت کے احکام سے کھلی بغاوت تک پہنچ رہی ہے،

ان میں سے ہر چیز ایک خوفناک ظلمت ہے، طاغوت کی قوتیں ان ظلمتوں کو ہمارے درمیان فروغ دے رہی ہیں اور انسانوں کو دھکیل دھکیل کر ان ظلمتوں کی طرف لے جا رہی ہیں جیساکہ خود قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ۔

جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کے سرپرست شیطان ہیں جو انھیں روشنی سے ظلمتوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

ہم ان طاغوتی ظلمتوں کے درمیان بُری طرح گھرے ہوئے ہیں اور انہی ظلمتوں کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ ان کے غلبے سے متاثر ہو کر مایوس ہونے لگتے ہیں کہ ان تاریکیوں کا مقابلہ بس کی بات نہیں، چنانچہ اس مایوسی کے نتیجہ میں ان ظلمتوں سے مانوس ہونے لگتے ہیں، ان کے تاریکی ہونے کا احساس کم ہونے لگتا ہے لیکن ان حالات میں صحیح راہ عمل خود قرآن کریم نے بتا دی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں وہی کام کرو جو حضرت یونس علیہ السّلام نے کیا تھا۔ وہ مچھلی کے پیٹ کی تاریکیوں میں گھر گئے تھے وہاں انھوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا۔ تم اس وسیع و عریض دنیا کی لامتناہی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہو تم بھی ایسے میں اللہ ہی کو پکارو۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۝

اللہ تعالیٰ ہی ان تمام ظلمتوں کے خالق ہیں اور وہی تمھارے پروردگار ہیں ان ہی سے کہو کہ یہ ظلمتیں ہم سے برداشت نہیں ہوتیں۔ ہم ان تاریکیوں سے مغلوب ہوئے جارہے ہیں ہمیں اپنی پناہ میں لے کر ان کے شر سے بچا لیجئے۔ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم کر کے ان ظلمتوں میں گرفتار ہوئے ہیں اگر آپ نے ہمیں ان سے نہ نکالا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ آپ اپنی قدرت کاملہ اور رحمت واسعہ سے کام لے کر ہمیں اندھیروں سے نکال لیجئے۔ جب تم حضرت یونس علیہ السلام کی طرح اپنی بے چارگی، بے وسیلگی، عاجزی، درماندگی اور ندامت قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارو گے تو یقیناً تمہاری پکار سنی جائے گی، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نگہبانی میں لے لیں گے انھوں نے تو خود فرمایا ہے کہ:۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ

اللہ نگہبان ہے ان کا جو اس پر ایمان

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۔ لائے ہیں وہ انکو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

جب وہ نگہبان بن جائیں گے تو پھر کیسی ظلمت، اور کیسی تاریکی؟ پھر دیکھو کہ زندگی میں کیسا نور ہی نور پیدا ہوتا ہے؛ بس یہ سبق ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مل رہا ہے کہ:۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۔ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ

لہٰذا زمانہ کتنا خراب ہو جائے، حالات کتنے بگڑ جائیں، تاریکیاں کتنی مسلّط ہو جائیں، قرآن کریم کی بتائی ہوئی یہ تدبیر قیامت تک کے لیے ہر انسان کے لیے ہے، ہر ماحول کے لیے ہے اور اس کے ذریعہ ہم بُرے سے بُرے حالات میں تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ ایک مومن کے لیے تسلّی اور تسکین کا اس سے بڑا کیا سامان ہو سکتا ہے کہ باری تعالیٰ خود وعدہ فرمالیں کہ جب اور جس حال میں ہمیں پکارو گے ہم تمہیں ظلمتوں سے نجات بخشیں گے اور تمہیں نور کی طرف لے جائیں گے۔

کلمہ طیبہ اور بداعمالیوں کا سیلاب

فرمایا کہ اُردو کے مشہور شاعر مرزا غالبؔ کا ایک شعر ہے ؎

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مردافگن عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

اس شعر کا صحیح مطلب اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک اس کا پہلا مصرعہ دو مرتبہ مختلف لہجوں سے نہ پڑھا جائے۔ ساقی کے لبوں پر اس صدا کے مکرر آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلا مصرعہ دو مرتبہ دو مختلف لہجوں سے پڑھتا ہے۔ پہلی مرتبہ یہ مصرع ایک سوال ہے اور دوسری مرتبہ ذرا لہجہ بدل کر پڑھا جائے تو یہی مصرعہ اس سوال کا جواب ہے۔ پہلی مرتبہ جب وہ یہ کہتا ہے کہ ع

کون ہوتا ہے حریف مئے مردافگن عشق؟

تو یہ ایک سوال اور استفہام ہے، ایک چیلنج ہے، ایک دعوت ہے کہ کوئی ہو تو سامنے آئے لیکن جب اس سوال کے جواب میں کوئی آگے نہیں بڑھتا تو وہی مصرعہ لہجہ بدل کر دہراتا ہے کہ ع

کون ہوتا ہے حریف مئے مردافگن عشق؟

اس مرتبہ یہ استفہام انکاری ہے اور اس کا مقصد سوال کرنا نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ اب کوئی شخص ایسا موجود نہیں ہے جو "حریف مے مرد افگن عشق" بن سکے یہاں کون ہوتا ہے اس معنی میں جس معنی میں اکثر ہم بولتے ہیں کہ "وہ اپنی جان کون قربان کرتا ہے"! مطلب یہ کہ کوئی قربان نہیں کرتا۔

غرض یہ کہ پہلی مرتبہ پڑھنے میں یہ مصرع ایک سوال ہے اور دوسری مرتبہ میں اسی سوال کا جواب بھی ہے اور شاعر کا کہنا ہے کہ میرے بعد ساقی کے لبوں پر بار بار یہی فقرہ آتا ہے، کبھی سوال کی صورت میں اور کبھی استفہام انکاری اور جواب کی صورت میں۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح جب دنیا میں پھیلے ہوئے فتنے فساد، بداعمالیوں، گمراہیوں، بے حیائی، بے شرمی، عریانی، فحاشی اور معاشرتی بگاڑ کا تصور آئے تو کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بار بار مختلف معنوں کے تصور کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔

آپ جب تصور کریں کہ دنیا میں بداعمالیوں کا سیلاب آیا ہوا ہے معاشرہ خراب ہو چکا ہے اخلاق و اعمال تباہ ہو چکے ہیں دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے پورا معاشرہ متاثر اور زوال پذیر ہے دفتروں میں بدنظمی اور رشوت ستانی کا بازار گرم ہے، بازار دھوکے فریب سے بھرے ہوئے ہیں گھروں اور خاندانوں میں لڑائیاں ہو رہی ہیں، اولاد ماں باپ سے باغی ہو رہی ہے غرض چاروں طرف بگاڑ ہی بگاڑ پھیلا ہوا ہے تو دل میں سوال کیجئے کہ یہ سب کچھ کس کی مشیت سے ہو رہا ہے اب جواباً کہیئے کہ :-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ — اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

یعنی اس عالم کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی متصرف نہیں یہاں کوئی کام ان کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتا کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ ان کی مشیت کے بغیر کچھ کر سکے لہٰذا جو کچھ ہو رہا ہے انہی کی مشیت سے ہو رہا ہے، اس مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ یہ تصور کیجئے کہ اس بگاڑ کے اسباب اور حکمتیں خواہ کچھ ہوں لیکن تمام واقعات عالم میں متصرف تنہا وہی ہیں ان کے سوا کوئی متصرف نہیں۔

اب دوسرا سوال ذہن میں قائم کیجئے کہ اس بگاڑ کو دور کون کرے گا؟ اس کے شر سے ہمیں کون بچائے گا اس کی فتنہ سامانیوں سے ہماری حفاظت کون کرے گا؟ اس سوال کے جواب میں دوبارہ کہیئے کہ :-

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ   اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

یعنی اس بگاڑ سے ہمیں بچانے والا بھی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے بچنے کا اگر کوئی راستہ ہے تو وہ بھی اسی کی پناہ میں ہے لہٰذا اگر اس فساد کو اجتماعی طور پر دور کرنا چاہتے ہو تو اجتماعی طور پر اسی کی پناہ مانگو اور اگر اس کے اثرات سے انفرادی طور پر محفوظ رہنا چاہتے ہو تب بھی اسی سے پناہ طلب کرو۔ اسی کو پکارو کہ یا اللہ اس شر و فساد کے سیلاب سے مجھے بچا لیجئے میرے گھر والوں کو بچا لیجئے، میرے عزیز و اقارب اور دوستوں کو بچا لیجئے، میرے شہر، میرے ملک، میرے وطن اور تمام مسلمانوں کو بچا لیجئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو گے تو انشاء اللہ ضرور پناہ ملے گی۔

آندھیاں اور خاکساری

فرمایا کہ ایک مرتبہ ہندوستان میں میں اپنے وطن سے کسی کام کے سلسلے میں ایک دیہات میں گیا، راستہ کچا تھا اور وہاں جانے آنے کے لیے تانگے چلا کرتے تھے اپنے کام سے فارغ ہو کر میں تانگے میں واپس آ رہا تھا۔ راستے میں ایک طویل و عریض صحرا پڑتا تھا تانگے والے نے چلتے چلتے اچانک ایک جگہ تانگہ روک دیا، اور ہم سے کہا کہ تانگے سے اُتر جائیں ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس علاقے میں بڑی خوفناک آندھی چلا کرتی ہے جس سے بڑی تباہی مچتی ہے بڑی بڑی وزنی چیزوں کو اڑا لے جاتی ہے اور آثار سے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ آندھی آنے والی ہے۔

آندھی کی ابتدا ہوئی تو ہم نے ایک قریبی درخت کی آڑ میں پناہ لینی چاہی تو تانگے والے نے چیخ کر کہا کہ درخت کی آڑ میں ہرگز نہ رہیے ہم نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اس آندھی میں بڑے بڑے درخت گر جاتے ہیں اس لیے ایسے میں درخت کی پناہ لینا بہت خطرناک ہے۔ ہم نے پوچھا کہ پھر کیا کرنا چاہیے؟ تو تانگے والے نے جواب دیا کہ بس اس آندھی سے بچاؤ کی ایک ہی شکل ہے اور وہ یہ کہ زمین پر اوندھے ہو کر لیٹ جائیے ہم نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور نیچے لیٹ گئے۔ آندھی آئی اور بہت زور سے آئی جھاڑیوں اور ٹیلوں تک کو اڑا لے گئی۔ لیکن یہ سارا طوفان ہمارے اوپر سے گذر گیا اور بحمد للہ ہمارا بال بیکا نہیں ہوا، تھوڑی دیر میں آندھی ختم

ہو گئی، تو دیکھا کہ سطح پر سکون ہی سکون ہے ہم نے زمین سے اٹھ کر اپنی راہ لی۔

یہ واقعہ تو ہونے کو ہو گیا لیکن ہم نے اس سے بڑا سبق لیا، ہمیں اس واقعے سے سبق یہ ملا کہ وقت کی آندھیوں کا علاج، اونچے اونچے سہارے ڈھونڈھنے میں نہیں بلکہ خاکساری اور بندگی کے فرش پر جبینِ نیاز ٹیک دینے میں ہے، ہمارے ارد گرد اب بھی نہ جانے کتنی خوفناک آندھیاں چل رہی ہیں جو ہمارے دین و دانش کی ساری متاع اڑا لے جانے کی فکر میں ہیں ان آندھیوں سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ انسان عاجزی، فروتنی، خاکساری اور بے چارگی لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہو جائے اُنہی سے کہے کہ یا اللہ، میں ان آندھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا۔ اپنے فضل و کرم سے آپ ہی مدد فرمائیے اور ان کے شر سے مجھے بچا لیجئے، اگر یہ کر لیا تو انشاء اللہ ساری آندھیاں اوپر ہی اوپر سے گذر جائیں گی اور تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گی تم آندھیوں پر غالب رہو گے، آندھیاں تم پر غالب نہ آسکیں گی۔

تصوّر عرش پر ہے، وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مِرا پھر پوچھنا کیا؟ آسماں میرا زمیں میری

(ماخوذ از البلاغ، عارفی نمبر)

بقیہ: مرزا غلام احمد... سوا کوئی دوسری بات نہیں۔

یہاں آخر میں اہل اسلام اور خاص طور پر اہل علم حضرات کی خدمت میں ایک ضروری گذارش یہ ہے کہ اس بات میں تو کوئی شک یا شبہ نہیں کہ ماضی میں فتنۂ قادیانیت کے توڑ پر ایک پورا کتب خانہ وجود میں آچکا ہے، اہل حق نے اس فتنہ کی سرکوبی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی، مگر قاعدہ کی بات یہ ہے کہ جب تک کوئی فتنہ دنیا میں موجود ہو اس وقت تک اسکی تردید و ابطال کا کام بھی جاری رہنا چاہیے ماضی کی بات لوگ بھول بھی جاتے ہیں اور کتابیں بھی ذہنوں سے نکل جاتی ہیں۔ پھر آیت

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ	اور تم میں ایک گروہ ہونا ضروری ہے جو بھلائی کی دعوت دے،
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)	اچھی باتوں کا حکم دے اور برائی سے روکتا رہے۔

کا کھلا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب تک منکر کا وجود باقی ہو، نہی کا کام بھی جاری رہنا چاہیئے۔

فی الحال اسی مختصر سے مضمون پر اکتفا کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکو نافع بنائے اور قبول فرمائے۔

مولانا عتیق احمد بستوی
استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

زکوٰۃ کے مصرف "فی سبیل اللہ" پر تحقیقی نظر

اور نظریہ تعمیم کا علمی جائزہ

(قسط ۷)

فی سبیل اللہ کے دائرے میں بالواسطہ تعمیم کرنے والوں میں علامہ رشید رضا بھی شامل ہیں، ان کی تفسیر المنار دراصل ان کے استاذ شیخ محمد عبدہ کے درسی افادات کا مجموعہ اور محمد عبدہ کے طرز تفسیر کی نمائندہ ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں مصر میں شیخ محمد عبدہ کی ذات سے تفسیر قرآن کا ایک نیا دبستان وجود میں آیا، اسی دبستان کی نمائندہ تفسیر، تفسیر المنار ہے، اس دبستان کے تفسیری رجحانات قدیم دور کے دبستانِ اعتزال سے ملتے جلتے ہیں۔ تفسیر المنار جس جدید تفسیری رجحان کی نمائندگی کرتی ہے اس میں اجماعِ امت سے اختلاف، اہل سنت کے مسلمہ عقائد کا انکار، فقہائے اسلام کی تضحیک واستخفاف کی مثالیں نایاب نہیں ہیں۔ علامہ رشید رضا کی تفسیر المنار اور دبستان محمد عبدہ کے دوسرے مفسرین کی تفسیروں کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کی التفسیر والمفسرون اور فہد بن عبدالرحمٰن بن سلیمان الرومی کی منہج المدرسۃ العقلیۃ الحدیثۃ فی التفسیر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

علامہ رشید رضا کا اسلوب تفسیر

شیخ رشید رضا کی دعوتی اور اصلاحی خدمات اپنی جگہ پر بڑی قابل قدر ہیں، دین وعلم کے مختلف میدانوں میں ان کی سرگرمیاں ناقابل فراموش ہیں لیکن ان کی وہ تفسیری آراء جو مسلک جمہور سے قطعاً مختلف ہیں اور ان کے سلسلے میں موصوف کے پاس زورِ بیان، الفاظ کی سحر انگیزی کے سوا کوئی مضبوط دلیل بھی نہیں انھیں اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں، ڈاکٹر محمد حسین الذہبی علامہ رشید رضا کے اسلوبِ تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں "وتفسیر کے بارے میں ان کی آراء اپنے شیخ محمد عبدہ

کی طرح رائے کی پوری آزادی، اپنے علم و فہم پر غیر معمولی اعتماد، علماء کے بعض مسلمات کی عدم پابندی پر مبنی ہیں۔ اسی لیے تفسیر قرآن میں ان کے شاذ افکار و نظریات ملتے ہیں،،[1]

قرآن پاک سے استنباط احکام کے بارے میں ان کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر محمد حسین الذہبی لکھتے ہیں ،، اسی طرح صاحب المنار پوری آزادی کے ساتھ قرآن پاک سے احکام مستنبط کرتے ہیں، اسی لیے بہت سے مسائل میں وہ جمہور فقہاء سے اختلاف کرتے ہیں، جمہور کی تجہیل اور تضحیک کرتے ہیں،،[2] جمہور امت سے اختلاف کرنے کی ایک مثال تفسیر المنار میں سورۃ النساء کی آیت تیمم کے ذیل میں دیکھی جا سکتی ہے[3]۔ انھوں نے جمہور فقہاء کے بالکل بر خلاف یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مسافر کے پاس خواہ پانی موجود ہو اور پانی کے استعمال کرنے سے اس کے لیے کوئی مانع نہ ہو تو بھی اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے حالانکہ صحاح ستہ اور حدیث کے دوسرے مستند مجموعوں میں ایسی احادیث کثرت سے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت سفر میں بھی تیمم کے جواز کے لیے پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا شرط ہے، شیخ رشید رضا نے آیت تیمم کے ذیل میں جمہور فقہاء کی غفلت اور کم فہمی کا رونا رویا ہے اور انھیں نامناسب الفاظ میں یاد کیا ہے۔

محمد عبدہ اور رشید رضا نے جن جن مقامات پر جمہور فقہاء کے مسلک سے اختلاف کیا ہے ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس انشاء پردازی، زور قلم اور ناقص عقلیت کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے، جمہور فقہاء کا مسلک روایات و آثار سے آراستہ ہوتا ہے، عقلی دلائل کی کمک بھی اسے حاصل ہوتی ہے لیکن یہ دونوں حضرات اپنے خود ساختہ اصولوں کے ذریعہ صحیح ترین احادیث و آثار کو موضوع یا منکر قرار دینے میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتے۔ صفائی کے ساتھ حدیث کی حجیت کا انکار تو نہیں کرتے لیکن ان کی ،، تحقیقات و اجتہادات ،، کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے فہم و قیاس کو یہ حضرات احادیث و آثار سے کہیں زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

---

[1] التفسیر والمفسرون صفحہ ۵۸۰/۲ الطبعۃ الثانیہ سنہ ۱۳۹۶ھ بے حوالہ بالا ص ۵۸۶ ج ۲

[2] تفسیر المنار جلد ۵ ص ۱۱۸ تا ۱۲۲

فی سبیل اللہ کی تفسیر رشید رضا کے قلم سے

ان تمہیدی سطروں کے بعد فی سبیل اللہ کے بارے میں شیخ رشید رضا کا نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں :-

ان سبیل اللہ یشمل سائر
المصالح الشرعیة العامة التی
ھی ملاک امر الدین والدولة
واولھا واولاھا بالتقدیم
الاستعداد للحرب لشراء السلاح
واغذیة الجند وادوات
النقل وتجھیز الغزاة ....
ویدخل فی عمومه انشاء
المستشفیات العسکریة وکذا
الخیریة العامة واشراع الطرق
وتعبیدھا، ومد الخطوط الحدیدیة
العسکریة لا التجاریة
ومنھا بناء البوارج المدرعة
والمطارات الحربیة والحصون
والخنادق، ومن اھم ما ینفق
فی سبیل اللہ فی زماننا ھذا
اعداد الدعاة الی الاسلام
وارسالھم الی بلاد الکفار من قبل
جمعیات منظمة تمدھم بالمال

بیشک سبیل اللہ ان تمام عمومی مصالح
شرعیہ کو شامل ہے جن پر دین اور مملکت
کا دارومدار ہے۔ ان مصالح میں سب سے
زیادہ مقدم اسلحہ اور فوج کی غذائیں، فوجی
سواریاں خریدکر اور غازیوں کو ہر طرح
تیار کر کے جنگ کی تیاری ہے ...
......
اس کے دائرے میں یہ چیزیں بھی آتی ہیں
فوجی شفاخانوں کی تعمیر اور دوسرے
عمومی رفاہی کام، سڑکوں کی تعمیر اور
مرمت فوجی ریلوے لائنوں کی تعمیر نہ کہ
تجارتی لائنوں کی، انہیں کاموں میں سے
جنگی بیڑے کی تیاری اور جنگی ایرپورٹوں
نیز قلعوں اور خندقوں کی تعمیر بھی ہے۔
ہمارے اس دور میں فی سبیل اللہ کا
ایک اہم مصداق منظم جماعتوں کی طرف
سے اسلام کے داعی تیار کر کے غیر مسلم
ممالک میں بھیجنا ہے جس طرح غیر مسلم
اپنے مذاہب کی دعوت واشاعت

الکافی کما یفعلہ الکفار فی تبشیر دینھم ؎ کے لیے کرتے ہیں۔

علامہ رشید رضا کی تفسیر کا جائزہ

علامہ رشید رضا نے "فی سبیل اللہ" کا جو مصداق بیان کیا ہے اس کے بارے میں انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ "فی سبیل اللہ" کے بارے میں ان کی بحث کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہے لیکن بڑی گہرائی سے بار بار مطالعہ کرنے کے باوجود ہمیں ان کے یہاں کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

فی سبیل اللہ کے بارے میں نواب صدیق حسن صاحب نے تعمیم کلی کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی تردید کرتے ہوئے علامہ رشید رضا نے بڑی بلند آہنگی سے کہا ہے:

ھذا العموم لم یقل بہ احد من السلف ولا من الخلف — اس عموم کا سلف و خلف میں سے کوئی قائل نہیں ہے۔

شیخ رشید رضا کے نظریہ پر بھی بالکل یہی بات صادق آتی ہے۔ اگر موصوف اجماعِ امت کی حجیت کے قائل ہیں تو بڑے ادب سے کہا جا سکتا ہے کہ نواب صاحب مرحوم کی طرح انھوں نے بھی خرقِ اجماع کا ارتکاب کیا ہے۔ نواب صاحب مرحوم کے پاس کم از کم کہنے کے لیے اتنی بات تو تھی کہ لغت میں سبیل اللہ ہر کارِ خیر پر بولا جاتا ہے۔ وہ اپنی تائید میں قفال کے حوالہ سے بعض مجہول الاسم فقہاء کی رائے بھی پیش کر سکتے تھے لیکن شیخ رشید رضا کا نظریہ اس برائے نام دلیل سے بھی محروم ہے۔

اجماعِ امت کے بارے میں متضاد طرزِ عمل

اجماعِ امت کے بارے میں شیخ رشید رضا کا طرزِ عمل تضاد کا شکار ہے۔ اگر اجماعِ امت ان کے حق میں ہو تو بڑے زور و شور سے اسے پیش کرتے ہیں چنانچہ نواب صاحب مرحوم کے نظریۂ تعمیم کی تردید

؎ تفسیر المنار ج ۱۰ ص ۵۰۵ ۔ ۵۰۶ دار المعرفۃ بیروت

میں انھوں نے اجماع امت کو پیش کیا ہے، اسی طرح خلافت کے بارے میں قریشیت کی شرط پر بحث کرتے ہوئے بھی انھوں نے اجماعِ امت کا سہارا لیا اور مخالفین پر حجت تمام کرتے ہوئے لکھا

وما صح دليله واجمعت	جو چیز دلیل سے صحیح ثابت ہے اور خیر القرون
عليه الامة اوسوا	میں پوری امت کے سواد اعظم نے اس
دها الاعظم في خير	پر اجماع کیا ہے اس کے خلاف کسی
القرون لانقبل رايا	رائے اور بحث کو ہم قبول نہیں کریں گے
ولا بحثا في نقضه والا	ورنہ دین کا کچھ بھی سرمایہ باقی نہیں
لم يبق لنا شي من	رہ جائے گا۔
ديننا	

اس کے برخلاف اجماع امت اگر ان کے مسلک کے خلاف ہو تو اسے چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی تفسیر میں ایسی مثالیں نادر نہیں ہیں۔ "فی سبیل اللہ" سے مسلمانوں کے دینی اور ملکی اجتماعی مصالح مراد ہیں، اس مسلک کی پشت پر کوئی ایک کمزور دلیل بھی نہیں ہے، احادیث و آثار اور فقہ اسلامی کا پورا ذخیرہ اس مسلک کی تردید کرتا ہے، لغت یا اصطلاح شرع میں بھی فی سبیل اللہ، کا یہ مفہوم نہیں ہے، پھر آخر یہ مسلک کس طرح قبول کر لیا جائے۔ تفسیر قرآن میں اگر یہ دلیل آراء قابل قبول ہوں تو پورا دین کھلونا بن جائے گا اور احکام شریعت کی ہزاروں متضاد تعبیریں وجود میں آجائیں گی۔

ہماری مطبوعات کی قیمتوں میں اضافہ کاغذ اور دوسری اشیا، کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ کے باعث ہمکو بھی آخر کار اپنی مطبوعات کی قیمتوں میں یکم جنوری ۸۹ء سے کچھ اضافہ کرنا پڑا ہے۔ یہ مجموعی اضافہ کئی سال کے بعد کیا گیا ہے جبکہ اس کے درمیان اکثر ناشرین متعدد اضافہ کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ شائقین کتب ہماری مجبوری کو سمجھتے ہوئے دوسری چیزوں میں اضافہ کی طرح یہ اضافہ بھی گوارا کریں گے —— ہماری مطبوعات کی نئی قیمتوں کے لیے ٹائٹل کا اندرونی صفحہ ملاحظہ فرمائیں۔

الفرقان بکڈپو، ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیرآباد لکھنؤ

مولانا محمد عارف سنبھلی

مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت کا ایک سیدھا جائزہ

[اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام بھی عجیب ہے۔ ادھر کچھ عرصہ سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا کے بہت سے ممالک میں قادیانیوں کی خفیہ سازشوں اور اسلام دشمن سرگرمیوں میں تیزی آگئی ہے۔ دوسری طرف اس فتنہ کے تعاقب اور عام مسلمانوں کو اس کی حقیقت سے باخبر رکھنے کی کوششوں میں کچھ کمی سی آتی محسوس ہو رہی تھی بیٹھے بٹھائے مرزا طاہر صاحب کو خوب سوجھی کہ وہ علمائے اسلامیہ کو مباہلہ کا چیلنج دے بیٹھے۔ اس چیلنج کی قلعی تو برادر گرامی مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کے اس مضمون سے کھل گئی جو الفرقان کے شمارہ بابت ماہ دسمبر ۸۸ء میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اور چیلنج کے اس ڈھونگ کو سچ مچ کا چیلنج فرض کر کے مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے تمام علمائے اہل حق کی طرف سے اس کا بھرپور جواب دیا جو الفرقان کے نومبر ۸۸ء کے شمارہ میں پیش کیا جا چکا ہے۔ ہمارے خیال میں ایک بڑا فائدہ اس چیلنج کا یہ ہوا کہ علماء اسلام نئی ہمت و توجہ کے ساتھ اس فتنہ کے تعاقب کے اس کام کی طرف متوجہ ہو گئے جسے وہ ماضی قریب میں بخوبی انجام دے چکے تھے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی مولانا محمد عارف سنبھلی کا یہ مضمون ہے جس میں "عقل عام" کو سامنے رکھ کر مرزا صاحب کی شخصیت کے حدود اربعہ بیان کئے گئے ہیں اس مضمون کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا ایک عام آدمی کے لئے بھی آسان ہو جائے گا کہ کیا ایسا پست کردار آدمی نبی ہو سکتا ہے؟؟ نیز یہ کہ اس نبوت کو برحق ثابت کرنے کے لیے مباہلہ کا چیلنج دینے والے کس سطح کے لوگ ہیں] مدیر

ادھر چند ماہ سے برصغیر اور بعض دیگر ممالک کے مذہبی اخبار رسائل قادیانیوں کے مباہلہ کے چیلنج کے تذکرہ اور اس کے جواب میں لکھے جانے والے مؤقر مضامین سے بھرے نظر آرہے ہیں، ہمیں بھی ڈھائی تین ماہ پیشتر لندن کی قادیانی پارٹی کی جانب سے مباہلہ کا ایک چیلنج نامہ موصول ہوا تھا، جو لوگ قادیانیت کی اصلیت سے واقف ہوں گے انھیں اس چیلنج کو پڑھ کر ہنسی آگئی ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ قادیانیوں کے اس چیلنج کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی آدمی چوری کے ارادہ سے نقب لگا کر کسی کے گھر میں گھس گیا ہو اور عین اس وقت جب وہ صندوق میں دونوں ہاتھ ڈالے مال بٹورنے میں مصروف ہو، پکڑ لیا جائے، مگر وہ نادم ہونے اور معافی مانگنے کے بجائے سینہ تان کر کہے کہ لوگو! خبردار! مجھے ہرگز چور نہ سمجھنا میں چور نہیں ہوں بلکہ ولی کامل ہوں، اور محض تمہارے ... کو برکت دینے کے لیے یہاں پہنچا ہوں، لیکن اگر تم مجھ کو چور ہی سمجھے ہوئے ہو تو پھر آؤ ... سے مباہلہ کر لو، جو حق پر ہوگا خدا!

اسے فتحمند فرمائے گا، ظاہر ہے کہ لوگ اس کی اس چیلنج بازی کو اسکی سینہ زوری، بیحیائی اور ڈھٹائی پر محمول کریں گے، اس کو پولیس کے حوالے کر دیں گے اور پولیس یہ کہتے ہوئے اسکو حوالات میں دھکیل دے گی کہ لو اب تم اس کال کوٹھری میں پڑے پڑے مباہلہ کرتے رہنا

مرزا غلام احمد کا سیدھا سادہ معاملہ یہ ہے کہ وہ دین اسلام کو دنیا سے مٹا دینے پر مامور کیے گئے تھے انھیں اس منحوس کام پر انگریزی گورنمنٹ نے کھڑا کیا تھا، چنانچہ اس گورنمنٹ کی جو خدمت عمر بھر مرزا صاحب نے دی اس کے تذکرہ سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں نمونے کے طور پر چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیے،

نہایت فخریہ انداز میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

(۱) میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنتِ انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے، اور میں نے ممانعتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ (تریاق القلوب ص۲۷)

(۲) اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ہفتم)

مرزا صاحب اگرچہ جھوٹ بولنے میں اپنی مثال آپ تھے مگر یہ انھوں نے بالکل سچ کہا کہ "مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار ہے"

اور جن علماء کرام نے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر حفاظتِ دین کے پیش نظر انگریز سے جہاد کا فتویٰ دیا تھا ان کو "مہذب" اور شائستہ القاب" سے نوازتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

(۳) "جب ہم ۱۸۵۷ء کی سوانح کو دیکھتے ہیں اور اس زمانہ کے مولویوں کے فتوؤں پر نظر ڈالتے ہیں جنھوں نے عام طور پر مہریں لگا دیں تھیں جو (کہ، از ناقل) انگریزوں کو قتل کر دینا چاہیے تو ہم کر ندامت میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسے مولوی تھے اور کیسے ان کے فتوے تھے جن میں نہ رحم تھا نہ عقل تھی، نہ اخلاق نہ انصاف، ان لوگوں نے چوروں اور قزاقوں، اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا، اور اسکا نام جہاد رکھا، (ازالۂ اوہام طبع پنجم ص۲۹۵ حاشیہ)

جب مرزا نے انگریز آقا کی خوشنودی میں اسلامی جہاد کو حرام ٹھہرا دیا اور علماء اسلام کو چور، قزاق اور حرامی تک لکھ ڈالا تو یہ کوئی ثواب کا کام تو تھا نہیں کہ انگریز کی طرف سے کس صلہ سے وہ بے نیاز ہو کر اللہ سے

اجر کے طالب ہوتے، یہ تو انبیاء علیہ السلام اور ان کے سچے اور مخلصین متبعین ہی کے نصیب کی چیز ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت اس کے اجر و ثواب کی امید پر کرتے ہیں اور مخلوق کی طرف نظر نہیں کرتے اس لیے مرزا جی انگریز حکام کے حضور عرضیاں لکھا کرتے تھے کہ آقا مجھ خادم اور میرے خاندان پر بھی کچھ عنایت کی نظر ہو جائے، نمونے کے طور پر ایسی ہی ایک درخواست جو مرزا جی نے انگریز لفٹننٹ گورنر کی خدمت میں پیش کی تھی ملاحظہ فرمایئے۔

(۴) "یہ التماس ہے کہ سرکار دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جسکو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ اپنی مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گذار ہیں، اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائے کہ وہ اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو ایک خاص عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنے خون بہانے اور جان دینے سے فرق نہیں کیا اور نہ اب فرق ہے لہٰذا ہمارا حق ہے کہ ہم خدماتِ گذشتہ کے لحاظ سے سرکار دولتمدار کی پوری عنایت اور خصوصیتِ توجہ کی درخواست کریں" (تبلیغ رسالت جلد ہفتم)

یقین ہے کہ یہی مختصر سی تین چار عبارتیں مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی غرض و غایت کو واضح کرنے کے لیے بالکل کافی ہوں گی۔

مرزا صاحب کا نبوت محمدی کے خلاف اعلان جنگ

مرزا صاحب بخوبی جانتے تھے کہ جب تک اہل اسلام کے دلوں میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی عقیدت و عظمت جاگزیں رہے گی اس وقت تک وہ ہرگز انگریزوں کی غلامی پر راضی نہ ہوں گے، اسی یقین کے تحت مرزا صاحب نے سرکار دو عالم کے مبارک و مقدس نام "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، مرزا نے لکھا:۔

"ہم خوب توجہ کر کے سن لو، کہ اب اسم محمدؐ کی تجلی ظاہر کرنے کا وقت نہیں، یعنی اب جلالی رنگ کی کوئی خدمت باقی نہیں، کیونکہ مناسب حد تک وہ جلال ظاہر ہو چکا، سورج کی کرنوں کی اب برداشت نہیں،

اب چاند کی ٹھنڈی روشنی کی ضرورت ہے اور وہ احمد کے رنگ میں ہو کر میں ہوں ،، (اربعین ۴ ص ۱۵)

اس طرح انگریز بہادر کے بل پر مرزا جی نے اپنے انتہائی خطرناک منصوبے کا اعلان کر دیا کہ اب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس و محترم اسم مبارک کی تجلی نہیں چلے گی کیونکہ اب دنیا کو اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اب مابدولت کی تجلی دنیا کو دکھائی جائے گی اسم محمدؐ کی تجلی سورج کی گرم کرنیں ہیں جن کی اب دنیا کو برداشت نہیں رہی اور میری تجلی ٹھنڈی چاندنی ہے اب دنیا میں اسی سے ٹھنڈک پھیلائی جائے گی

قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی بابت فرمایا گیا تھا:-

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَكِتَابٌ مُبِيْنٌ ۝ (سورۂ مائدہ)	بیشک تمہارے پاس آیا ہے اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب

اس اعلان خداوندی کے مقابلہ میں مرزا صاحب نے اعلان کیا کہ آخری نور تو میں ہوں دوسرا کوئی نہیں، الفاظ مرزا جی کے یہ ہیں۔

"مبارک ہے وہ جس نے مجھے پہچانا، میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں، اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں، بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے، (کشتی نوح ص ۵۶)

دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:-

"خدا نے میری وحی اور میری تعلیم، میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لیے اس کو مدار نجات ٹھہرادیا، جس کی آنکھیں ہو دیکھے، اور جس کے کان ہوں سنے،" (اربعین ۴ ص ۷)

دونوں عبارتوں کا صاف و صریح مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ مرزا پر ایمان لائیں گے اور ان کی پیروی کریں گے ہلاکت سے محفوظ رہیں گے اور نجات کے مستحق ٹھہریں گے اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی پیروی بھی ان کو ہلاکت سے نجات نہ دلا سکے گی۔

قرآن حدیث نہیں بلکہ میں مرزا نے نہایت بیباکی کے ساتھ اعلان کیا کہ دینی معاملہ میں قرآن حدیث اصل نہیں بلکہ اصل میں ہوں، انھوں نے کہا کہ:-

(۱) "تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھے قبول کرتے اور بجائے اس کے کہ مجھے ان حدیثوں کے ساتھ ناپتے حق یہ تھا کہ

ان حدیثوں کو میرے ساتھ ناپتے اور جو احادیث میرے مطابق نہ اترتیں ان کی تاویل کرتے یا ضعیف قرار دے کر چھوڑ دیتے کیونکہ میں خدا کی وحی کے ساتھ بولتا ہوں اور حکم اور عدل ہو کر آیا ہوں، مبارک وہ جو اس نکتہ کو پہچانتا اور ہلاک ہونے سے بچ جاتا ہے۔" (تبلیغ ہدایت ص۳۰، طبع بار نہم ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

نیز مرزا صاحب نے لکھا:-

(۲) "میں بار بار کہتا ہوں کہ خدا نے مجھے مسیح موعود کر کے بھیجا ہے، اور مجھے بتلایا ہے کہ فلاں حدیث سچی ہے اور فلاں جھوٹی ہے اور قرآن کے صحیح معنوں سے مجھے اطلاع بخشی ہے تو پھر کس بات اور کس غرض کے لیے ان لوگوں سے منقولی بحث کروں۔" (اربعین نمبر۴ ص۲۵)

منقولی بحث یعنی قرآن مجید کی تفسیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین وغیرہ نے یہ فرمائی ہے اور حدیث شریف میں یہ ارشاد ہوا ہے، اور محدثین نے فلاں حدیث کو سندی لحاظ سے یہ درجہ دیا ہے، دین وشریعت کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے، ان کا نام تک میرے سامنے مت لو، اب تو بس میں ہی اول وآخر ہوں، جو میں کہوں بس اسی کے آگے سر جھکا دو، اسی میں تمہاری خیریت ہے ورنہ سراسر ہلاکت ہے۔

اس طرح مرزا صاحب نے اپنی دانست میں، ان تمام کھڑکیوں اور روزنوں کو بند کر دیا جن سے پھوٹ پھوٹ کر اسم محمدؐ کی تجلی دنیا کو منور کر رہی تھی، داد دیجئے انگریز کی نظر انتخاب کی کہ ایسا فٹ آدمی تلاش کیا جو دین وملت سے غداری میں اپنی نظیر آپ تھا، جب مرزا صاحب دین وملت سے غداری کی یہ باتیں لکھتے ہوں گے تو ابلیس اور اس کی ذریت کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے ہوں گے۔

مرزاجی عیسیٰ ابن مریم بنتے ہیں:- جب مرزا صاحب نے نبوت کا ڈھونگ رچانے کا منصوبہ پکا کر لیا تو انھوں نے کسی نبی کا نام اپنانے پر غور کیا، اس موقع پر شیطان نے مرزا صاحب کی خصوصی رہنمائی کی، اس نے کہا کہ پچھلے نبی کی حدیثوں میں آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں آنے کی خبر دی گئی ہے، بس تم یہ کرو کہ قرآن کی طرف منسوب کر کے یہ جھوٹ بولو کہ اس میں یہ پیشن گوئی کی گئی ہے کہ اس امت میں ایک آدمی پہلے مریم کہلائے گا اور پھر مسیح ابن مریم بنا دیا جائے گا اور

لوگوں کو بتادو کہ وہ مریم اور مسیح میں ہی ہوں، مرزا صاحب کو شیطان کا مشورہ بہت ہی پسند آیا، اور انھوں نے اس کو فوراً عملی جامہ پہنا دیا، چنانچہ مرزا صاحب نے لکھا:۔

"انصاف اور عقل اور تقویٰ سے سوچو کہ وہ پیش گوئی جو سورۂ تحریم میں تھی یعنی یہ کہ اس امت میں بھی کوئی فرد مریم کہلائے گا اور مریم سے عیسیٰ بنایا جائے گا۔" (کشتیٔ نوح ص۴۶)

مرزا جی کو اس کی ذرا بھی شرم نہ آئی کہ لوگ سورۂ تحریم کو پڑھیں گے اور اس میں یہ عجیب و غریب پیش گوئی نہ پائیں گے تو وہ ان کی نسبت کیا رائے قائم کریں گے، اگر مرزا جی کو جھوٹے کہے جانے کا خوف یا شرم ہوتی تو وہ نبوّت کا جھوٹا دعویٰ ہی کیوں کرتے، بہرحال جو لوگ جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں جو نہیں جانتے وہ سن لیں کہ سورۂ تحریم میں ہرگز کوئی ایسی مضحکہ خیز پیش گوئی درج نہیں ہے، بلکہ اس کی آخری آیت میں ان مقدس و محترم حضرت مریم کا ذکر خیر فرمایا گیا ہے جو حضرت عمران کی بیٹی تھیں، جو اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتی تھیں، جو پاک سیرت و پاک دامن تھیں، سورہ تحریم کی وہ آیت یہ ہے:۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ٥	اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پھر ہم نے پھونک دی اپنی طرف سے ایک جان، اور اس نے تصدیق کی اپنے رب کے کلمات کی اور اسکی کتابوں کی، اور تھی وہ فرمانبرداروں میں۔

دنیا میں جھوٹ بڑے بڑے بولے گئے ہیں، مگر مرزا کے اس جھوٹ کی مثال مشکل ہی سے ملے گی، جو انھوں نے سورہ تحریم کی اس آیت کی نسبت بولا ہے،

مرزا صاحب کا ایک اور شاہکار:۔ مرزا صاحب قرآنی آیات پیش کرکے دعویٰ کرتے تھے کہ ان میں میرے مسیح موعود بن کر آنے کی پیش گوئی موجود ہے، علماء نے ان کو سمجھایا کہ قرآن مجید کے بارے میں جھوٹ مت بولیے، یہ آیتیں جو آپ پیش کرتے ہیں ان میں حضرت عیسیٰ؏

کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے آپ بلا وجہ خود کو ان کا مصداق ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مگر مرزا جی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے، انھوں نے کہا کہ بھائیو! تم صحیح کہتے ہو ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہی متعلق پیشنگوئی فرمائی گئی ہے مگر تمہیں خبر نہیں بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ بھیجنے کا فیصلہ بدل دیا اور یہ آیتیں ان کے بجائے میری طرف کو پھیر دیں، مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیشین گوئی کے طور پر حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب تھیں وہ سب آیتیں میری طرف منسوب کر دیں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صد ۸۵)

گویا مرزا صاحب کے چال چلن اللہ تعالیٰ کو ایسے پسند آگئے کہ اس نے اپنا فیصلہ ہی بدل دیا، بہر حال اہل اسلام خاص طور پر نوٹ کرلیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس عبارت میں اس کا صاف اقرار کیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی پیشن گوئی کی گئی ہے، یہ عبارت مرزا کی تردید کے سلسلہ میں سیکڑوں کتابوں پر بھاری ہے۔

مرزا کے چند صریح جھوٹ

مرزا صاحب جھوٹ بولنے میں نہایت دلیر واقع ہوئے تھے ناظرین کو بخوبی اس کا تجربہ ہو چکا یہاں ان کے چند جھوٹ اور بھی نقل کیے جاتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے،

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ (سورہ شعرا)	کیا میں تمہیں بتلادوں کہ شیاطین کن لوگوں پر نازل ہوتے ہیں، وہ اترتے ہیں بڑے جھوٹے اور سخت گنہگار پر۔

مرزا صاحب کے سابق بیانات کے علاوہ ذیل میں درج ہونے والے بیانات کو پڑھ کر آپ کو یقین ہو جائے گا کہ ان آیتوں کے مرزا صاحب سو فیصد مصداق تھے۔

جھوٹ نمبر (۱) قرآن مجید میں کئی مواقع پر نہایت صریح الفاظ میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کیا کرتا تھا مگر مرزا نے فرعون اور اس کی قوم کی اس شقاوت اور درندگی کا ذمہ دار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو ٹھہرایا ہے، مرزا نے لکھا ہے

"موسوی شریعت اگرچہ جلالی تھی اور لاکھوں خون اس شریعت کے حکموں سے ہوئے یہاں تک کہ چار لاکھ کے قریب بچہ شیر خوار بھی مارا گیا۔" (شہادۃ القرآن ص۲)

کتنا بڑا بہتان باندھا ہے مرزا نے اللہ کی اس شریعت پر جو حضرت موسیٰ کو عطا کی گئی تھی، اور اور کیسی صریح تکذیب ہے قرآنی بیانات کی، ہر آدمی بہ آسانی اس کو محسوس کر سکتا ہے،

جھوٹ نمبر (۲) اللہ کے مقدس نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بہتان باندھتے ہوئے مرزا نے لکھا، "یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے، کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔" (کشتی نوح ص۶۵ حاشیہ)

مرزا نے اللہ کے رسول کو شراب پینے والا لکھ کر اپنی جس گندی فطرت کا مظاہرہ کیا ہے اس کو ہر شریف انسان پوری طرح محسوس کر سکتا ہے۔

جھوٹ نمبر (۳) مرزا قرآن اور حدیث کی طرف منسوب کر کے یہ صریح جھوٹ بولتے ہیں کہ

"ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی پیش گوئیاں پوری ہوتیں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا وہ اس کو کافر قرار دیں گے۔ اور اس کے قتل کے لیے فتوے دیے جائیں گے اور اس کی سخت توہین کی جائے گی۔"

(اربعین نمبر ۳ ص ۲۰،۲۱)

مرزا قطعی جھوٹے ہیں، قرآن شریف اور احادیث رسول میں ہرگز یہ بات نہیں فرمائی گئی،

جھوٹ نمبر (۴) امت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت

سے ذرا پہلے آسمان سے نازل ہوں گے جب تک نبی بننے کا سودا مرزا صاحب کے سر میں نہیں سمایا تھا اس وقت تک ان کا عقیدہ بھی یہی تھا اس وقت انھوں نے حدیث شریف کے حوالے سے لکھا تھا،

(۱) "صحیح مسلم میں یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا، (ازالۂ اوہام ص۳۶)

اور دوسری کتاب میں لکھا،

(۲) "عیسیٰ ابن مریم آسمان سے دوبارہ آئے گا" (کشتی نوح ص۴۶)

مگر جب خود نبی، رسول اور مسیح موعود ہونے کا دعویدار ہو گئے اور قرآن مجید کی وہ آیتیں جن میں حضرت عیسیٰ کے متعلق پیش گوئیاں تھیں اپنی طرف کو پھیری ہوئے تبلانے لگے، تو انھوں نے کہا، "تمام حدیثیں پڑھ لو حضرت عیسیٰ کے سلسلہ میں آسمان کا لفظ نہ پاؤ گے،" (چشمۂ معرفت ص۲۲)

جھوٹ نمبر (۵)

"قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی" (کشتی نوح ص۵)

مرزا قطعی جھوٹے ہیں قرآن مجید میں ہرگز یہ بات نہیں فرمائی گئی،

جھوٹ نمبر ۶

مرزا جی فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف صاف اور صریح لفظوں میں فرماتا ہے کہ کوئی انسان بجز زمین کے کسی جگہ زندہ نہیں رہ سکتا" (تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۴۲)

(۲) "اس بات پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں"

(ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ص۳۵،۲۳۴)

(۳) اور کوئی نبی ایسا نہیں جو فوت نہ ہوا ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو نبی آئے وہ فوت ہو چکے" (نور الحق حصہ اول ص۵۲)

اس کے قطعی برعکس

(۴) "یہ ہی موسیٰ مرد خدا ہے، جس کی نسبت قرآن میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے، اور ہم پر فرض ہو گیا کہ ہم اس بات پر ایمان لاویں کہ وہ زندہ آسمان میں موجود ہے، اور نہیں مرے اور مردوں میں سے نہیں) (نور الحق حصہ اول ص۵۱)

ہم نے عبارت کے جس آخری حصہ پر بریکٹ لگایا ہے (اور جو مُردوں میں سے نہیں) وہ دراصل "وَلَيْسَ مِنَ الْمَيِّتِيْن" کا ترجمہ ہے مرزا صاحب نے اسکا ترجمہ نہیں لکھا تھا۔ بہر حال یہ مرزا صاحب کا صریح جھوٹ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ فرمایا گیا ہے ہرگز قرآن مجید میں یہ نہیں فرمایا گیا، پھر خود مرزا کے بیان میں تناقض بھی ہے، یہ کھلی دلیل ہے مرزا کے جھوٹا ہونے کی خود مرزا نے لکھا بھی ہے کہ

"جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ پنجم ص ۱۱۱)

جھوٹ نمبر (۷) مرزا صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کی نسبت لکھتے ہیں:

"میں پہلے اس سے چند دفعہ لکھ چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمادیا تھا کہ وفات کے بعد میری بیبیوں میں سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہونگے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہی بیبیوں نے ہاتھ ناپنے شروع کردیے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس پیشن گوئی کی اصل حقیقت سے خبر نہ تھی اس لیے منع نہ کیا۔" (ازالہ اوہام طبع پنجم ص ۱۶۷)

اتنی بات تو صحیح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشن گوئی فرمائی تھی، مگر اس میں دو جھوٹ مرزا نے ملائے ہیں، (۱) ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیشن گوئی کی حقیقت معلوم نہ تھی (۲) دوسرا یہ کہ ازواج مطہرات نے حضور کے روبرو ہی ہاتھ ناپنے شروع کردیے تھے، یہ دونوں باتیں مرزا نے بنائی ہیں اس طرح کی کوئی روایت نہ آج تک قادیانی دکھا سکے اور نہ قیامت تک دکھلا سکتے ہیں۔

مرزا نے ہزاروں صریح جھوٹ بولے ہیں، یہاں انکے سات آٹھ جھوٹ محض نمونہ کے طور پر ذکر کیے گئے، ہم مرزا جی کے الفاظ میں کہتے ہیں کہ

"جھوٹے پر خدا کی لعنت"، (براہین احمدیہ پنجم ص ۱۱۱)

تو یہ ہے مرزا جی کا حلیہ جس میں انکی کوئی کل سیدھی نہیں، وہ انگریز کے خادم اور جی حضوریے بھی ہیں، انبیاء علیہم السلام اور مقربان بارگاہ الٰہی پر بہتان بھی باندھتے ہیں، قرآن مجید کے غلط حوالے دے دے کر صریح سے صریح جھوٹ بھی بولتے ہیں، حدیثوں میں سخت تحریف، اور چوری بھی کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ سب سے نمایاں وصف انکا کذب بیانی اور دروغگوئی ہے، اس کے باوجود گروہ اپنی زندگی میں اہل اسلام کو مباہلہ کا چیلنج دیتے تھے اور انکے بعد انکے چیلے یہ چیلنج دیتے ہیں تو محض وہی بات ہے جو شروع میں بے حیا چور کی مثال دیکر لکھی جا چکی ہے، اس کے

(باقی ص ۴۵ پر)

44099

مولانا سید ابوالحسن علی مدظلہ العالی کی تازہ شاہکار تصنیف

المرتضیٰ
کرم اللہ وجہہٗ

یعنی امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب

کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات، خاندانی خصوصیات، وہبی کمالات، خلفاءؓ کی ترتیب زمانی میں حکمت الٰہی و مصلحت اسلامی، اسلام کے مفاد میں خلفاءِ ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا بے نظیر اخلاص و تعاون، خلافت مرتضوی کا عہد اور اس کی عظیم مشکلات، بے نظیر زاہدانہ سیرت و مصلحانہ و مربیانہ کردار، فرزندان والا مرتبت (حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ) کی عطر بیز سیرت و اخلاق اور ان کے اپنے اپنے وقت میں صحیح فیصلے اور اقدامات، آل رسول (سادات کرام) کے اعلیٰ اخلاق و شمائل ـــ امت کی اصلاح و تربیت کی دائمی فکر، اسلام کی تبلیغ و اشاعت جہاد فی سبیل اللہ اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت و دفاع میں ہر عہد میں ان کا قائدانہ و اولوالعزمانہ کردار،

مستند کتب تاریخ، ناقابل انکار واقعات و حقائق اور تجزیاتی و تقابلی مطالعہ کی روشنی میں ـــــ معیاری کتابت، آفسٹ طباعت، صفحات تقریباً ۴۵۶ - قیمت اعلیٰ ایڈیشن ؍۶۰ ساٹھ روپے، عام ایڈیشن ؍۴۵ پینتالیس روپے

نوٹ: قیمت پیشگی روانہ کرنے والوں کو مصارف ڈاک کی رعایت کے ساتھ کتاب رجسٹرڈ بک پیکٹ روانہ کیجائیگی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)
Phone : 45547

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 57 No. 1
Jan., 1989

Only Cover Printed at CLASSIC PRINTERS, Kaiserbagh, Lucknow

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
مدیر
خلیل الرحمن سجاد ندوی

احادیث نبوی کا محفوظ ذخیرہ امت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے قائم مقام ہے ایک صاحبِ ایمان اس کے مطالعہ کے وقت تصور کے راستہ سے مجلس نبوی میں پہنچ جاتا ہے، آپ کے ارشادات سنتا ہے اور آپ کے اعمال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے۔

مجموعہ میں مولانا مدظلہ نے خاص طور پر ان احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جن میں امت محمدیہ کے لئے ہدایت کا خاص سامان ہے۔

پھر ان کی ترتیب ترجمہ اور تشریح میں زمانہ کی نفسیات اور آج کے فکری ماحول کو خاص طور سے سامنے رکھا اور مطمح نظر صرف یہ رکھا کہ پڑھنے والے کا ذہن اور دل متاثر ہو اور اس میں کسی درجہ کا وہ ذوق پیدا ہو جو صحابہ کرام میں آپ کے ارشادات سے پیدا ہوتا تھا۔ مولانا موصوف کی بحمد اللہ بہت زیادہ مقبول کتاب ہے، سات جلدیں معیاری کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔

قیمت جلد اول ۳۲/- دوم ۱۸ سوم ۵۳ چہارم ۳۲/- پنجم ۲۴/- ششم ۲۸/- ہفتم ۲۵/-
قیمت مکمل سیٹ مجلد اسکرین پرنٹڈ ۲۷۰/-

نہایت آسان زبان اور بے حد دلنشیں و پر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ اس کتاب کو پڑھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی خاص مقبولیت اور تاثیر بخشی ہے جو پڑھتا ہے لازمی طور پر متاثر ہوتا ہے، ان بندوں کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے جن کی زندگیاں اور جن کے گھروں کے نقشے اس کتاب نے بدل ڈالے۔ دین کی ضروری واقفیت ہی کے لئے نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لئے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل انشاء اللہ کافی ہے۔

قیمت مجلد مع گرد پوش ۱۰/- — ہندی ایڈیشن نئے اور آسان ترجمہ کے ساتھ جلد شائع ہو رہا ہے۔

تاجر حضرات کو خصوصی کمیشن

اسلام کیا ہے پر تاجر حضرات کو خصوصی کمیشن دیا جاتا ہے۔ مزید معلومات کے لئے ہم سے رجوع کریں

الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

ماہنامہ
الفرقان لکھنؤ

فروری سنہ ۱۹۸۹ء مطابق جمادی الثانی سنہ ۱۴۰۹ھ

جلد ۔ ۵۷ شمارہ ۔ ۲

سرپرست
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ
مدیر
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

اس شمارے کی قیمت
3/50

اندرون ممالک	۳۵/-
پاکستان	۸۰/-
دیگر ممالک	
ذریعہ بحری ڈاک	۱۰۰/- یا 5/- پونڈ
ذریعہ ہوائی ڈاک	۳۰۰/- یا 10/- پونڈ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ
لاہور

ہمارا پتہ
ماہنامہ الفرقان ۔ ۳۱ نیا گاؤں
مغربی نظیر آباد ــــــ لکھنؤ

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے نامی پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

فہرست

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو
اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال کریں۔ یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفرقان کے گذشتہ شمارے سے ہم نے جس گفتگو کا آغاز کیا تھا، اس کا موضوع مسلم ممالک میں احیائے دین کے صحیح طرز عمل کا مذاکرہ تھا، اسی سلسلہ میں ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ ماضی قریب کے دو عظیم مجددوں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طریق کار کی وضاحت کی جائے۔ اسوۂ مجددی کی وضاحت تو گذشتہ شمارے میں کی جا چکی ہے۔ آج کی صحبت میں ولی اللہی طرز عمل کی وضاحت مقصود ہے۔ بہتر ہے کہ سلسلہ کلام کو مربوط کرنے کے لیے ہماری گذشتہ معروضات کو ایک بار پھر پڑھ لیا جائے۔

عہد ولی اللّٰہی کی خصوصیات اسلامی ہند کی تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے لوگ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور میں یہاں کے حالات حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور کے حالات سے بہت مختلف تھے حضرت مجدد صاحب کے دور میں مغل خاندان جوان تھا اور سلطنت پر اس بڑھاپے کے آثار نہیں چھائے تھے جس کے بارے میں علامہ ابن خلدون کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے۔

"ان الھرم اذا نزل بالدولۃ لا یرتفع"، (جب کوئی سلطنت بڑھاپے کے مرحلہ میں

داخل ہو جاتی ہے تو اس کا از سر نو جوان ہونا ممکن نہیں ہوتا، اس کے برخلاف حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور میں مغل خاندان زوال پذیر ہو چکا تھا اور بیماریاں اس کے جسم میں جڑ پکڑ چکی تھیں اس بات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے عہد ۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۶ھ میں اورنگزیب کے بعد گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے گویا پچاس سال کی مدت میں ہندوستان کو دس بادشاہوں کے عہد حکومت سے گذرنا پڑا جن میں سے کسی کی مدت حکومت صرف دس مہینہ کسی کی چار مہینے سے بھی کم کسی کی سلطنت برائے نام اور کسی کی چند دن کی حکومت رہی ان بادشاہوں کے عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات و انقلابات سے گذرنا پڑا اور مسلسل جو فتنے پیدا ہوئے اس پر غور کرنے سے بھی ان دونوں عظیم مجددوں کے زمانہ کے حالات کے باہمی فرق اور اس کے لحاظ سے ان کی کوششوں میں پائے جانے والے تنوع کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

ان دونوں عظیم مجددوں کے زمانہ کے حالات میں ایک اور بڑا فرق یہ نظر آتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دور میں کفر کا متحدہ محاذ براہ راست اسلام پر حملہ آور تھا اس محاذ کی قیادت جن گروہوں کے ہاتھ میں تھی نہایت بلاغت کے ساتھ ان کی طرف اشارہ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اس عبارت میں ملتا ہے۔

"یہ اکبر کا دور تھا جب عجم کے ایک جادوگر نے آکر بادشاہ کے کان میں یہ منتر پھونکا کہ دین عرب کی ہزار سالہ عمر پوری ہو گئی، اب وقت ہے کہ ایک شہنشاہ امی کے ذریعہ نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین منسوخ ہو کر دین الٰہی کا ظہور ہو مجوسیوں نے آتش کدے گرمائے عیسائیوں نے ناقوس بجائے برہمنوں نے بت آراستہ کئے اور جوگ اور تصوف نے مل کر کعبہ اور بت خانہ کو ایک ہی چراغ سے روشن کرنے پر اصرار کیا"

اس کے برخلاف حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور میں دشمنوں کے تیروں کا رخ کم از کم ظاہری حد تک اسلامی عقائد سے زیادہ مسلمانوں کے جان و مال کی طرف تھا اور یہ تیر صرف ان لوگوں کی طرف نہیں چلائے جا رہے تھے جن کی اسلام دشمنی یا کم از کم کفر ہر خاص و عام پر عیاں تھا مثلاً سکھ، مرہٹے اور جاٹ بلکہ یہ ان مرتدین و منافقین کی طرف سے بھی چلائے جا رہے تھے جو سادات

بارہہ کے معزز لقب سے مزین تھے اور جن کے حقیقی ارادے اکثر لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔

علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا عہد دراصل عبوری اور درمیانی نوعیت کا ایک دور تھا، جس کا ایک سرا مسلمانوں کے دور اقتدار سے ملتا تھا اور دوسرا مستقبل قریب میں شروع ہونے والے اس دور سے ملتا تھا جس میں مسلمانوں کے ہاتھ سے رہی سہی طاقت بھی چھننے والی تھی اور "الذین کفروا" کا کلمہ بلند ہونے والا تھا۔

عہد ولی اللّٰہی کے بارے میں مولانا گیلانی کی یہ تعبیر حرف بحرف درست ہے کہ "مسلمان اپنی سیاسی قوت اگر بالکلیہ کھو نہیں چکے تھے، تو سرعت کے ساتھ کھوتے چلے جارہے تھے، نمک جس طرح پانی میں پگھلتا چلا جاتا ہے اسی طرح ہندی مسلمانوں کا ملوکانہ اقتدار اس ملک میں گلتا اور پگھلتا جارہا تھا" ـــــ جنوبی ہند اور مہاراشٹر کے علاقے سے مرہٹوں کی زیر قیادت ہندو گردی اپنے عروج پر تھی، شمالی ہند میں سکھوں کی مسلسل جارحیت کا شکار لاکھوں مسلمان ہو رہے تھے، تیسری طرف نادر شاہی افواج جو دراصل ایرانی و تورانی یعنی شیعہ سنی کشمکش میں طاقت کے توازن کو ایرانی شیعہ عنصر کے حق میں کر دینے کی غرض سے حملہ آور ہوئی تھیں سخت خونریزی کر رہی تھیں اور چوتھی طرف بنگال اور مدراس کے بعض علاقوں پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو جانے سے مغربی قوتوں کا ملک کی سیاسیات میں عمل دخل شروع ہو گیا تھا، اور ان چوطرفہ حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دہلی کے قلعہ معلّی میں جو شاہان و امراء موجود تھے۔ ان کی حکمرانی و اقتدار بھی ان کی ایمانی غیرت و اسلامی حمیت ہی کی طرح کمزور اور برائے نام تھی،

اس صورت حال کی تبدیلی کا ایک راستہ تو یہ تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ان حکمرانوں کے

---

[1] شاہ صاحبؒ کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اس بات کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ مستقبل قریب میں ہندستان پر غیر اسلامی قوتوں کا اقتدار قائم ہو جائے گا مثلاً ان کی یہ عبارت "والذی اعتقد انہ ان اتفق غلبۃ الھنود مثلاً علیٰ اقلیم ھندوستان غلبۃ مستقرۃ عامۃ وجب فی حکمۃ اللہ تعالیٰ ان یلھم رؤساءھم التدین بدین الاسلام"، اور جس بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ ہے کہ اگر مثلاً ہندوؤں کا ہندوستان پر مستحکم اور ہمہ گیر تسلط قائم ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کی رو سے یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہندوؤں کے لیڈروں کے دل میں یہ الہام فرمائیں کہ وہ دین اسلام کو اپنا مذہب بنائیں۔

حریف بن کر کھڑے ہو جاتے، اور انقلابی دستہ منظم کر کے عرش حکومت پر حلہ بول دیتے، اور اس کی کوشش کرتے کہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ان سب خطروں کا مقابلہ کریں۔ اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہمدرد و خیر خواہ اور حقیقت پسند داعی و مصلح کا کردار ادا کرتے اور ان شاہان و امراء کے اندر جذبۂ ایمانی اور مقابلہ کی اسپرٹ بیدار کرنے کی داعیانہ کوشش کرنے کے ساتھ اس کی بھی کوشش کرتے کہ ہندوستان میں مسلم اقتدار کی یہ گرتی ہوئی دیوار گرنے سے بچ جائے۔

——— تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے یہ دوسرا راستہ نہیں اختیار کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر اس وقت اس مغل خاندان کے ہاتھ سے اقتدار چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس کا فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو نہیں، ان کے بدترین دشمنوں کو پہنچے گا اور موجودہ شر کے ازالہ کا نتیجہ بڑے شر کے ظہور کے سوا کچھ نہیں برآمد ہوگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے نہ صرف یہ کہ خود حریف اور اپوزیشن لیڈر کی حیثیت اختیار نہیں کی، بلکہ ان حکمرانوں کو سازشوں سے بچانے، اور ان کے اقتدار کا بنیاد مضبوط کرنے کے لیے خود وہ کچھ کیا اور دعاؤں اور عملی جدوجہد کا اتنا اہتمام کیا گیا جس کی شاید ہی کوئی مثال اصلاح و تجدید اور دعوت و عزیمت کی تاریخ میں مل سکے ——— آئیے اس اجمال کی کچھ تفصیل سنیں۔

مغل بادشاہوں اور ارکان سلطنت کی اصلاح کی کوشش

پہلے ہم شاہ صاحبؒ کی ان کوششوں کا تذکرہ کریں گے جن سے ان کا مقصد حکمراں طبقہ کی اصلاح اور ان کے اندر صحیح اسلامیت کی روح پھونکنا تھا۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے براہ راست گفتگو اور خط و کتابت کو بھی ذریعہ بنایا اور ان خصوصی خطابات کو بھی جن میں آپ نے قوم کے ہر طبقہ کو الگ الگ خطاب کر کے اسے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

شاہ صاحبؒ کے خطوط کے اس مجموعہ میں جو شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات کے نام سے چھپ چکا ہے شاہ صاحب کا وہ خط پہلے نمبر پر شائع کیا گیا ہے جو انھوں نے اپنے دور کے ایک مغل بادشاہ کے نام (جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا) لکھا تھا، جس میں اس کو اصلاح حال۔

تقویتِ سلطنت اور خدا کی رحمت و نصرت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نہایت حکیمانہ اور دانشمندانہ مشورے دیئے گئے ہیں۔ اس خط کے شروع میں شاہ صاحب نے لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب عمل کریں گے تو امور سلطنت کی تقویت، حکومت کی بقا اور عزت کی بلندی نصیب ہوگی۔"

اس خط میں چند نہایت اہم اور بیش قیمت سیاسی و انتظامی مشوروں کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ:

"قاضی اور محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن کو رشوت ستانی کی بیماری نہ لگی ہو اور وہ مذہب اہل سنت والجماعت کے ہوں، نیز یہ کہ ائمہ مساجد کو اچھے طریقہ پر تنخواہ دی جائے، نماز باجماعت کی حاضری کی تاکید کی جائے اور اس کا پورے اہتمام کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ آخر میں یہ کہ بادشاہ اسلام اور امراء عظام ناجائز عیش و عشرت میں مشغول نہ ہوں۔ گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں، اگر ان کلمات پر عمل کیا جائے گا تو مجھے امید ہے کہ بقائے سلطنت، تائید غیبی اور نصرت الٰہی میسر ہوگی۔"

اس خط کو غور سے پڑھیئے اس کے لفظ لفظ سے آپ کو مصلحانہ خیر خواہی اور داعیانہ دل سوزی کے سوتے پھوٹتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اور بشارت و حوصلہ افزائی کا انداز غالب نظر آئے گا۔

اس پورے خط میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے معلوم ہو کہ کوئی شخص علم و تقویٰ کے فلک چہارم سے زمین والوں کو خطاب کر رہا ہے یا اپنی بصیرت اور وسعت مطالعہ کا رعب جما دینا چاہتا ہے۔ مزید برآں اس خط میں صرف ان پہلوؤں کی طرف توجہ نہیں دلائی گئی ہے جو عرف عام میں دینی کہلاتے ہیں بلکہ ان پہلوؤں کا بھی پورے توازن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو انتظامی نوعیت کے ہیں اور جن کو اس عالم اسباب میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ بادشاہ خود اچانک شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور دعا و نصیحت کی درخواست کی۔ اس موقع پر شاہ صاحب نے اپنی مسجد میں جس سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ان بادشاہوں کا اکرام کیا اور جس اخلاص و محبت سے ان سے گفتگو کی وہ بھی ان کے داعیانہ و مشفقانہ طرزِ عمل کی ایک مثال ہے۔ شاہ صاحب اپنے محبوب مسترشد اور برادر نسبتی شاہ محمد عاشق پھلتی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"جمعرات کے دن بادشاہ حضرت نظام الدین اولیا اور دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کرنے کے لیے سوار ہو کر گیا تھا مجھے پہلے سے اطلاع دیے بغیر کابلی دروازہ سے سادہ تخت پر سوار ہو کر غریب خانہ پر وارد ہوا فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی مسجد میں بوریوں پر آکر بیٹھ گیا۔ اس قدر توقیر سلطان کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلے پر بیٹھتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اس کو اس طریقہ سے بچھا دیا گیا کہ اس کی ایک جانب بیٹھ گیا اور دوسری جانب بادشاہ۔

بادشاہ نے اول مصافحہ کیا بڑی تعظیم کے ساتھ بعد ازاں کہا میں مدت سے آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا لیکن آج اس جوان کی رہنمائی سے میں یہاں پہنچا ہوں اشارہ وزیر کی طرف کیا پھر کہا کہ غلبۂ کفر اور رعیت کا تفرق و انتشار اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے چنانچہ مجھے تو سونا اور کھانا پینا دوبھر اور تلخ ہو گیا ہے۔ اس بارہ میں آپ سے دعا مطلوب ہے میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا۔

اسی دوران میں وزیر نے مجھ سے کہا کہ حضرت بادشاہ پانچوں وقت کی نماز کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں، میں نے کہا الحمد للہ! یہ وہ بات ہے جو ایک مدت کے بعد سننے میں آرہی ہے ورنہ ماضی قریب کے بادشاہوں میں سے کسی میں یہ نماز کی پابندی سننے میں نہیں آئی تھی۔

آخر میں شاہ صاحبؒ نے بادشاہ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وہ وصیت سنائی جو انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ بناتے وقت فرمائی تھی۔

"خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں اعدائے دین کی طرف سے بھی اور موافقین کی طرف سے بھی ان تمام مشکلات کا بس ایک ہی علاج ہے کہ مرضیاتِ حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے اور

اس کے غیر سے قطع نظر کرلی جائے،،

انہی شیخ محمد عاشق کے نام شاہ صاحب کے ایک اور خط سے احمد شاہ کی شاہ صاحب کے پاس آمد کا حال معلوم ہوتا ہے (احمد شاہ محمد شاہ کا فرزند و جانشین تھا اور ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا تھا) شاہ صاحب لکھتے ہیں،

،، بادشاہ اور اس کی والدہ آئے تھے، پہلے مسجد میں زنانہ کا انتظام کیا گیا اس صورت سے بادشاہ کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بے تکلف ہو کر کچھ دیر ٹھہرے۔ تقریباً تین چار گھنٹہ وہ بیٹھا کھانا بھی کھایا اس کی زیادہ تر باتیں مخلوق خدا کی بھلائی کے کاموں میں مدد چاہنے سے متعلق تھیں ۔،،

سطور بالا میں شاہان وملوک سے خصوصی ملاقاتوں اور خط وکتابت کے ذریعہ اصلاح حال کی ولی اللٰہی کوششوں کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں عمومی خطابات کے ذریعہ انھوں نے سلاطین وامرا اور ارکان دولت کے دل میں حمیت اسلامی اور اپنے فرائض کا احساس جاگزیں کرنے کی جس طرح کوشش کی۔ اس کی ایک مثال ان کا وہ خطاب ہے جو مختلف طبقاتِ امت سے ان کے خصوصی خطابات کے سلسلہ میں ان کی کتاب التفہیمات الالٰہیۃ میں موجود ہے۔

ذیل کی سطروں میں اس خطاب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

،، اے مسلم بادشاہو! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں تمہارے متعلق یہ ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو پھر انھیں اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکوں سے بالکل جدا نہ فرمادے اور اہل کفر وفسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جاکر شامل نہ ہوجائیں اور خود اپنے لیے ان میں کچھ کرنے کی سکت باقی نہ رہے۔

وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کله لله

پھر جب کفر واسلام کے درمیان ایسا کھلا امتیاز پیدا ہوجائے تب تمہیں چاہیئے کہ ہر تین یا چار دن کی سفر کی منزلوں پر اپنا ایک صاحب عدل حاکم مقرر کرو۔ جو ظالم سے

لہ سیاسی مکتوبات صفحہ ۱۳۵۔ صفحہ ۱۳۶

مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو اور خدا کی حدود کو قائم کر سکتا ہو اور اس کی کوشش کرے کہ لوگوں میں پھر بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے۔ نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے، ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہیے کہ ہر شہر کے امیر کے پاس اتنی قوت و شوکت ہو جس کے ذریعہ وہ اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح پر قابو پا سکے مگر اتنی شوکت و قوت اس کے پاس نہ ہو کہ وہ اس سے خود فائدہ اٹھانے لگے۔ اور بادشاہ وقت سے سرکشی کرنے لگے ہر اقلیم (صوبہ) میں ایک بڑا امیر مقرر ہو جس کے ذمہ صرف جنگ کی ذمہ داری عائد کی جائے اور اس کے ساتھ ایسے بارہ ہزار مجاہدوں کی فوجی جمعیت رکھی جائے جو اللہ کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوف زدہ نہ ہوں اور ہر سرکش باغی سے جنگ کر سکتے ہوں جب یہ ہو چکے تب ملاء اعلیٰ کی مرضی یہ ہوگی کہ تم لوگوں کی عائلی اور معاشرتی زندگی کی طرف توجہ کرو۔ اور عقود و معاملات کی جانچ پڑتال کرو اور ایسا انتظام کردو کہ کوئی معاملہ شرعی قوانین کے خلاف نہ ہونے پائے تاکہ لوگ ہر لحاظ سے چین و سکون کی زندگی بسر کریں۔[1]

شاہ صاحبؒ کے اس خطاب کے متعلق ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ اس کا انداز صرف سلبی اور منفی نہیں بلکہ اس میں اصلاح حال کی مفصل اور پر زور مثبت دعوت دی گئی ہے دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ اس میں معاشرتی اصلاح سے پہلے پایۂ تخت کی مضبوطی و دشمنوں کی سازشوں کی بیخ کنی اور پھیلی ہوئی بد امنی کے اسباب کے ازالہ پر زور دیا گیا ہے۔ جو لوگ حقیقت پسندی کا ذوق رکھتے ہیں اور اجتماعی نظام کے صلاح و فساد کی ترتیب سے واقف ہیں انھیں اس ترتیب کے منطقی اور معقول ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جس حکمراں کا اپنی سلطنت پر اختیار ہی نہیں ہوگا اور جس کے ملک میں دشمنوں کو تخریبی کارروائیوں کی پوری چھوٹ ہوگی وہ نہ قوانین کی اصلاح کر سکے گا اور نہ قانون کے

---

[1] تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص ۲۱۵ ۔ ص ۲۱۶

نفاذ کی اس میں قدرت ہو گی۔

ہندوستان میں زوال پذیر مسلم اقتدار کے تحفظ کیلئے شاہ صاحبؒ کی عملی کوشش

عام معیار کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے ان عمومی و خصوصی رابطوں اور اصلاحی خطابات کے ذریعہ اپنا فرض ادا کر دیا تھا، لیکن ان کی دور بین نگاہ یہ دیکھ رہی تھی کہ حکمراں خاندان کا زوال اپنی آخری حدود کو پہنچ رہا ہے۔ اور انھیں اس خاندان میں کوئی ایسا رجل رشید نظر نہیں آ رہا تھا جو کمر ہمت کس کر میدان میں آئے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ اس خاندان کا زوال اس ملک میں مسلم اقتدار کے زوال کا، اور کفر کی طاقتوں کے عروج کا سبب بن جائے گا، لہذا باوجود ان کمزوریوں کے جو طویل موروثی اقتدار کی وجہ سے اس خاندان میں آ گئی تھیں اور جن کا شاہ صاحبؒ کو پورا ادراک بھی تھا اور احساس بھی، پوری حقیقت پسندی کے ساتھ وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ خاندان ہی برسر اقتدار رہے کیونکہ ہندوستان جن مختلف نسلی و مذہبی گروہوں کی باہمی کشمکش کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، اس کو دیکھتے ہوئے مغل خاندان کے سوا سے کوئی اور متحد نہیں رکھ سکتا تھا، چنانچہ انھوں نے صرف مشوروں اور نصیحتوں پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ درباری امراء کے محدود حلقے سے باہر نکل کر ان امراء سلطنت، قائدین افواج اور عالی حوصلہ سرداروں سے رابطہ قائم کیا جن کے خاکستر میں ان کو دینی حمیت اور عزت نفس کی کوئی دبی ہوئی چنگاری نظر آئی، اور بار بار خطوط لکھ کر ان کو مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کے مسلسل حملوں سے درپیش اس خطرناک صورت حال کے مقابلہ اور ہندوستان میں مسلم اقتدار کے تحفظ کیلئے سرگرم عمل ہونے کی دعوت دی۔ مستند تاریخ سے ہمیں ایسے دس امراء کے نام معلوم ہوتے ہیں جن پر ان کی خصوصی نگاہ تھی۔ ایک امیر الامراء نواب نجیب الدولہ اور دوسرے احمد شاہ ابدالی والی افغانستان۔

نواب نجیب الدولہ کے نام شاہ صاحبؒ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"خدائے عز وجل امیر المجاہدین کو نصرت ظاہر اور تائید واضح کے ساتھ مشرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے درجہ میں پہنچا کر بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں اس پر مرتب کرے۔

فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت مشام واضح ہو کہ نصرت مسلمین کے لیے یہاں دعا کی جارہی ہے اور سروش غیبی سے آثار قبول محسوس ہوتے ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر طریقۂ جہاد کو زندہ کر کے اس کی برکات اس دنیا اور آخرت میں عطا فرمائے گا۔

ایک اور خط میں ان کو امیر الغزاۃ اور رئیس المجاہدین کے لقب سے یاد فرماتے ہیں؛
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب نواب نجیب الدولہ کے نام خطوط میں دعا و تہنیت پر اکتفا نہیں کرتے ان کو بڑے مفید بنیادی مشورے بھی دیتے ہیں اور ان غلطیوں اور واقعات کے اعادہ سے محتاط و محترز رہنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں جو اس سے پہلے حملہ آوروں اور مسلمان افواج سے ظہور پذیر ہوئے اور جو خدا کی نصرت و تائید سے مانع بن جاتے ہیں۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جب افواج شاہی کا گذر دہلی میں ہو تو اس وقت اس بات کا پورا انتظام واہتمام ہونا چاہیے کہ شہر سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے دہلی والے کئی مرتبہ لوٹ مار، ہتک عزت اور بے آبروئی کا تماشہ دیکھ چکے ہیں اسی وجہ سے مطلب برآری اور مقاصد میں تاخیر پیش آرہی ہے۔ آخر میں مظلوموں کی آہ بھی اثر رکھتی ہے۔ اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جو تشنۂ تکمیل تھے وہ مکمل ہو جائیں تو اس بات کی پوری تاکید و پابندی ہونی چاہیئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے۔

شاہ صاحبؒ نے اپنی بالغ نظری سے اس حقیقت کو بھی سمجھ لیا تھا کہ نواب نجیب الدولہ اپنی ذہانت و شجاعت کے باوجود حالات کی سنگینی کے پیش نظر تنہا کافی نہیں ہیں اور ان کے ذریعہ ان طاقتوں کا زور نہیں توڑا جا سکتا جنھوں نے اپنی فوجی طاقت بہت زیادہ بڑھائی تھی، اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی قائد کی ضرورت تھی جو اس ملک کے لئے نہ تو بالکل اجنبی ہو اور نہ

یہاں کے نشیب و فراز سے بالکل ناواقف ہو اور جس سے یہ توقع بھی کی جا سکے کہ وہ آگ بجھا کر عنانِ حکومت یہیں کے قدیم حکمراں خاندان کے کسی اہل اور با صلاحیت فرد کے حوالہ کر کے واپس چلا جائے گا۔ اس کام کیلئے شاہ صاحبؒ کی نظرِ انتخاب احمد شاہ درانی والیٔ افغانستان پر پڑی وہ اس سے پہلے بار بار ہندوستان آچکا تھا مکارمِ اخلاق اور شرافتِ نفس کی صفات کا جامع تھا۔ چنانچہ شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو نجیب الدولہ سے خطوط لکھوائے پھر براہ راست ایک پر زور اور پر اثر خط لکھا جس میں ہندوستان کی صورت حال، اس کا طویل طرزِ حکومت مختلف صوبوں کا نظم و نسق مختلف نسلی و مذہبی گروہوں کی تعداد و طاقت کا تناسب نیز ان کے بارے میں مسلمان بادشاہوں کی سیاسی غلطیوں کے نتیجہ میں تدریجی طور پر ان کے طاقت پکڑ لینے اور مسلمانوں پر پے در پے حملوں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

اس خط میں شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے:

"اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار و شوکت ہو اور لشکر کفار کو شکست دے سکتا ہو دور اندیش و جنگ آزما ہو سوائے آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے ......

ہم بندگانِ الٰہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر کفار سے جہاد کریں تاکہ خدائے تعالیٰ کے یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے اور دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں اور مسلمان دست کفار سے خلاصی پا جائیں۔

یہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بالواسطہ اور بلا واسطہ دعوت ہی کا نتیجہ تھا کہ احمد شاہ ابدالی نے دسمبر ۱۷۵۹ء (۱۱۷۳ھ) میں ہندوستان کا قصد کیا اور ایک سال تک چلنے والی ذیلی جنگوں اور جھڑپوں کے بعد ۱۱۷۴ھ میں (۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء) پانی پت کے میدان میں وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دیا اور مرہٹوں کو ہندوستان کے نئے ابھرتے ہوئے سیاسی نقشہ سے باہر نکال دیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا تذکرہ ہمارے موضوع سے باہر ہے تاہم بہت سے قارئین کی

تشنگی دور کرنے کیلئے اتنا اشارہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے مقررہ نقشہ کے مطابق احمد شاہ پانی پت سے دہلی آیا اور ہندستان کا بادشاہ شاہ عالم کو مقررہ کیا اور بادشاہ سے شجاع الدولہ کے وزیر اور نجیب الدولہ کے امیر الامراء ہونے کی سفارش کی۔ شاہ عالم اس وقت دہلی میں نہیں تھا۔[1]

احمد شاہ ابدالی نے اسے بلوانے کیلئے اپنا آدمی بھیجا لیکن یہ ہندستان ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ کا عجیب المناک واقعہ ہے کہ "مدعی سست گواہ چست" اور "مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے" کے مصداق جس کے راستہ سے رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے یہ سارے پاپڑ بیلے گئے تھے۔ یعنی شاہ عالم وہ ساری کوششوں کے باوجود اپنی پست ہمتی اور شکست خوردگی کی وجہ سے دہلی آنے اور زمام سلطنت سنبھالنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"اگر سلطنت میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کیلئے قائم کر سکتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت بے روح جسم کے مانند تھی جنگ پانی پت کا اصلی فائدہ فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا ہے"

اور اس طرح تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء کا ایک بار پھر ظہور ہوا اور شاہ ولی اللہؒ اور ان کے اخلاف کے ذریعہ اقتدار و اختیار سے محرومی کے زمانہ میں خدمت اسلام اور ملت کے تحفظ کی ان کوششوں کا مبارک سلسلہ شروع ہوا جو طویل مدت تک محکومیت کی حالت میں رہنے والے دین کے خادموں کیلئے نشانِ راہ کا کام دے گا۔

اس مضمون میں حضرت شاہ صاحب کی جن کوششوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان میں یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ ایک طرف تو شاہ صاحبؒ نے بادشاہان و امراء کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی اور دوسری طرف ایک ہمدرد اور حقیقت پسند دوست کی حیثیت سے ان خطرناک اندرونی

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۴۵

و بیرونی سازشوں سے ان کے اقتدار کو بچانے کی بھی بھرپور کوشش کی جن کی کامیابی کی صورت میں ایک خاندان کی سلطنت کا زوال ہی نہیں بلکہ ملک میں موجود مختلف گروہوں کی طاقت کے توازن کا یکسر بدل جانا یقینی تھا۔ اس پوری کوشش میں وہ کہیں بھی "اپوزیشن" پارٹی کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے نظر نہیں آتے بلکہ عظمت کی ان چوٹیوں پر جلوہ افروز نظر آتے ہیں جو صرف انبیاء علیہم السلام کے جانشینوں کے شایان شان ہیں۔

اس موقعہ پر اس طرف بھی اشارہ مفید ہوگا کہ احمد شاہ ابدالی وغیرہ جن امراء کو انھوں نے محبت کی نگاہ سے دیکھا اور ان سے اتنا بڑا کام لیا وہ اپنی تمام تر خوبیوں کے باوجود ان کمزوریوں سے مبرا نہیں تھے جو عموماً اس طبقہ میں پائی جاتی ہیں بلکہ، بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

"احمد شاہ درانی شاہ صاحب کے زمانہ میں چھ مرتبہ ہندوستان آکر اور مقامی وقتی ضرورتوں کو پورا کر کے واپس جا چکا تھا ان حملوں میں اپنی فوجی طاقت کے مظاہرہ اور وقتی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ کوئی اور مفید کام اس نے انجام نہیں دیا تھا اس کی فوج نے ان اسلامی تعلیمات و آداب کی پابندی بھی نہیں کی تھی جن کی ایک پابند شریعت مسلمان سے توقع کی جاتی ہے"

"لیکن اسے شاہ صاحب کی پُر امید شخصیت کا کرشمہ کہیے یا ان کی ژرف نگاہی کہ وہی ایک ستارۂ امید تھا جو اس تاریک افق پر انھیں نظر آتا تھا ایک مرتبہ انھوں نے حکیم ابوالوفا کشمیری سے فرمایا تھا کہ ابدالی کو حصول مقصد میں جو دشواریاں پیش آرہی ہیں وہ اس وبال ظلم کی بنا پر ہیں جو اس نے ہندوستان کے شہروں پر کئے ہیں بعد کو اس کے حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔

آخر میں اپنا یہ احساس صاف لفظوں میں پیش کر دینے کا جی چاہتا ہے کہ اس گئے گذرے دور میں بھی عالم اسلام پر برسر اقتدار طبقہ میں ڈھونڈھنے سے ایسے افراد مل جائیں گے جن کے خاکستر میں ایمان کی چنگاری دبی ہوئی ہے جس کو اگر فروزاں کر دیا جائے تو بہت کام ہو سکتا ہے لیکن اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ وہ تمام لوگ جن کو اللہ نے دینی شعور اور احیاء اسلام کی فکر عطا فرمائی ہے وہ رائج الوقت سیاست وصحافت کے مزاج سے ہزاروں میل دور رہنے کا التزام کریں اور اس داعیانہ شفقت و محبت اور ہمدردی و دلسوزی کو سیکھیں جس کی چند مثالیں سطور بالا میں پیش کی گئی ہیں اور جس کے تذکروں سے دعوت و اصلاح کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

گفتگو ختم کرنے سے پہلے اس طرف اشارہ کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا کہ اس وقت ان معروضات کا محرک پاکستان کی یہ صورت حال ہوئی ہے کہ ایک شخص گذشتہ ۱۱ سال سے برسراقتدار تھا، اس کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد پاکستان کے اہل قلم نے جن الفاظ میں اس شخص کا ذکر خیر کیا اس سے کم از کم ہم دور افتادگان کو پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک بھی یہ بندۂ خدا ان خوبیوں کا حامل تھا، ورنہ زندگی میں ان میں سے بیشتر حضرات کی طرف سے ان کے ساتھ جو طرز عمل مستقل طور پر روا رکھا گیا اس سے اس بات کا اندازہ لگانا ہم کم نظروں کے توبس سے باہر ہی تھا اس ہیچمداں کے خیال میں اس کی ایک وجہ ہمارے مزاج اور طرز عمل پر غیر شعوری طور پر دعوتی و اصلاحی رنگ کے بجائے صحافتی و سیاسی ذوق کا غلبہ بھی ہے اور یہی خیال اس وقت جب کہ یہ راقم الحروف طویل علالت کے دور سے گذر رہا ہے اس مضمون کے سپرد قلم کرنے کا محرک بنا خدا کرے کہ یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہو۔ آمین

دعا کی درخواست:۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ اور راقم الحروف کی علالت کا تذکرہ گذشتہ شمارے میں کیا گیا تھا۔ بہت سے حضرات کے خطوط سے معلوم ہوا کہ انھوں نے دعاؤں کا اہتمام کیا، بعض مخلصین نے لکھا کہ انھوں نے مسنون طریقہ پر صدقہ کا بھی اہتمام کیا اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی خاصی ہوگی جنھوں نے خوب دعائیں کی ہوں گی لیکن انھوں نے بیماروں کی راحت کا خیال کر کے خیریت طلبی کے خطوط بھی نہیں لکھے۔ بہرحال سب اہل تعلق کی خدمت میں عرض ہے کہ حضرت والد ماجد کی طبیعت اگرچہ پہلے سے کچھ بہتر ہے لیکن ابھی بہت سی تکلیفیں باقی ہیں اسی وجہ سے معارف الحدیث کا جو سلسلہ جاری ہے اس سے یہ شمارہ بھی خالی جا رہا ہے ـــــ راقم الحروف کی طبیعت بھی الحمدللہ روبہ صحت ہے۔ لیکن ابھی بیشتر معمولات پر پابندی ہے۔ یہ ناچیز سب اہل تعلق و محبت سے حضرت والد ماجد مدظلہ اور اپنے لئے دعاؤں کا طالب و سائل ہے ـــــ واجرکم علی اللہ

مولانا نسیم احمد فریدی نمبر:۔ گذشتہ شمارے میں مولانا فریدی نمبر کے بارے میں عرض کیا گیا تھا کہ انشاء اللہ اس کے بارے میں تفصیلی اعلان آئندہ شمارے میں کر دیا جائے گا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ حضرت والد ماجد مدظلہ اور ناچیز راقم الحروف دونوں کی موجودہ حالت کی وجہ سے نمبر نکالنے کا قطعی پروگرام ترتیب نہیں دیا جا سکا ہے۔ اسلئے تفصیلی اعلان اس شمارے میں بھی نہ کر سکنے کی معذرت پیش کی جاتی ہے۔ امید کہ قارئین کرام ہمارے عذر کو قبول فرمائیں گے اور اس کے لئے بھی دعا فرمائیں گے کہ مولانا فریدی علیہ الرحمہ کے تذکرہ و افادات پر مشتمل الفرقان کی خصوصی اشاعت جلد شائع ہو جائے اور بندگان خدا کیلئے مفید ہو۔

افاداتِ عارف باللہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رح

ترتیب :۔ مولانا محمد تقی عثمانی

شیطان اور اس کا تریاق

فرمایا کہ انسان خطاؤں کا پتلا ہے، بشر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اسمیں نیکی کے ساتھ ساتھ غلطیوں، خطاؤں اور گناہوں کی صلاحیت بھی ودیعت کی گئی ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ :

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا

"قسم ہے نفس کی اور اُس کی جس نے اسے قاعدے میں بنایا،
اور اسکے دل میں گناہ اور تقویٰ دونوں کی باتیں ڈال دیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بشر کو قاعدے کے مطابق ٹھیک ٹھیک بنانے ہی کا ایک حصہ یہ ہے کہ اسمیں گناہ اور تقویٰ دونوں کی صلاحیتیں رکھدی گئی ہیں، اگر اس میں صرف نیکی کی صلاحیت رکھی جاتی ۔ گناہ کی نہ رکھی جاتی تو وہ بشر نہ ہوتا، فرشتہ بن جاتا ۔

دوسری طرف ان دونوں قسم کی صلاحیتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ محرکات بھی پیدا فرمائے ۔ نیکی کے محرکات انسان کو عبادت و طاعت و فرمانبرداری اور خیر کے کاموں پر اُبھارتے ہیں، اور بدی کے محرکات بدی اور گناہوں کی طرف مائل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہیں، اور ان کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، لہٰذا جس طرح نیکی کی صلاحیتوں اور ان کے پیدا کرنے میں حکمت ہے اسی طرح گناہ کی صلاحیتوں اور ان کے محرکات کی تخلیق بھی عین حکمت پر مبنی ہے ۔ دونوں میں سے کوئی حکمت سے خالی نہیں۔

بدی کی صلاحیتوں اور اس کے محرکات کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ان کے بغیر انسان کو "تقویٰ" کا مقام بلند حاصل نہیں ہو سکتا ۔ جس شخص میں گناہ کی صلاحیت ہی نہ ہو، اگر وہ گناہ نہ کرے تو اسمیں اس کا کیا کمال ہے؟ جو شخص بھوک پیاس کی ضروریات سے

مبرا ہو، اُس کا روزہ بے معنی ہے، جس شخص میں جنسی خواہش کی صلاحیت ہی نہ ہو اس کے لئے عفت وعصمت نہ کوئی کمال ہے، نہ وہ اس کے فضائل کا مستحق ہو سکتا ہے۔ بدی کے ان محرکات کا فائدہ یہ ہے کہ جب انسان ہمت سے کام لیکر ان محرکات پر قابو پاتا ہے، اور نیکی کے محرکات کو ان پر غالب کرتا ہے تو اسکی زندگی میں تقوی کی شمع روشن ہوتی ہے، اُسے تقویٰ کے فضائل اور اس کے انوار و برکات حاصل ہوتے ہیں، اسی کو مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ از و حمامِ تقویٰ روشن است

پھر بدی کے محرکات کی تخلیق کی حکمت یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے بھی آگے انکی ایک اور حکمت ہے جسکی طرف ذہن کم جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان بعض اوقات کوشش کے باوجود بدی اور گناہ کے محرکات کو مغلوب کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا، اور اس سے بشری تقاضے کی بنا پر کسی غلطی یا گناہ کا صدور ہو جاتا ہے۔ تو اگر دل میں ایمان ہے، اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے تو اُسے ندامتِ قلب، شکستگی اور عاجزی کے ساتھ توبہ واستغفار کی توفیق ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اسکے مقام عبدیت میں ترقی ہوتی ہے، اور انجام کار وہ بندگی کا ایک اور زینہ چڑھ جاتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ گناہ کے ساتھ سرکشی اور سینہ زوری نہ ہو، بلکہ گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ہو، اور اس پر ندامت موجود ہو۔

نتیجہ یہ ہے کہ ایسے بندے کو اگر گناہ سے بچنے کی توفیق ہوتی ہے تو اسے تقویٰ کا مقام حاصل ہوتا ہے، اور اسکے درجات بلند ہوتے ہیں، اور اگر بشری تقاضے سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو چونکہ وہ ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کے ذریعے اسکی عبدیت کے مقام میں ترقی ہوتی ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں اس کا فائدہ ہے، اور گناہوں کی صلاحیت اور ان کے محرکات کی تخلیق اس کے لئے دونوں صورتوں میں بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

بہر کیف! اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر "فجور" اور "تقویٰ"، دونوں کی صلاحیتیں عین حکمت سے پیدا فرمائی ہیں۔ فجور کے محرکات میں سب سے بڑا محرک شیطان ہے۔ جسکی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے ہو گئی تھی، یہ زہر اس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ

انسان اس سے بچنے کا اہتمام کر کے "تقویٰ" کا مقام حاصل کرے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ سے یہ بعید تھا کہ وہ زہر پیدا فرمائیں، اور اس کا تریاق نہ بتائیں، اور اس تریاق کا عملی تجربہ نہ کرائیں۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیج کر انہیں خلافتِ ارضی کا منصب عطا کرنے سے پہلے جنت ہی میں اس زہر اور اس کے تریاق کا عملی تجربہ بھی کرایا گیا، شیطان نے آپ کو بہکایا، اس سے آپ نادم اور پریشان ہوئے تو آپ کو استغفار کے وہ کلمات سکھائے گئے جو اس زہر کا تریاق تھے۔

قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:۔

فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ

پس آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے، پس اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔

یہ کلمات کیا تھے؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ بتائے گئے ہیں:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

ان دونوں (آدم و حوا علیہما السلام) نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر آپ نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

یہ تھا اس زہر کا تریاق، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ کاملہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نظری اور عملی دونوں طرح یہ بتا دیا کہ تمہارے ساتھ یہ زہر بھی دنیا میں بھیجا جا رہا ہے، یہ تمہیں قدم قدم پر ڈسنے کی کوشش کرے گا۔ اول تو رجوع الی اللہ اور ہماری عطا کی ہوئی ہمت سے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ لیکن اگر کبھی یہ شیطان تمہیں ڈس ہی لے تو فوراً استغفار اور توبہ کا تریاق استعمال کر لو، اس سے نہ صرف یہ کہ

زہر کے اثرات فوراً زائل ہو جائیں گے، بلکہ تمہارے مقامِ عبدیت میں ترقی ہوگی۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو شروع ہی سے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی کیلئے پیدا فرمایا تھا، اور تخلیق سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ۔ لیکن تخلیق کے فوراً بعد انہیں زمین پر نہیں بھیجا، گویا خلافت فی الارض کا منصب اس وقت تک عطا نہیں فرمایا جبتک انہیں لغزش کے نتیجے میں استغفار کی تلقین نہیں فرما دی۔ جب لغزش اور توبہ کے مراحل انہوں نے طے کر لئے، تب خلافت فی الارض کی خلعت پہنا کر دنیا میں بھیجا گیا۔

لہٰذا توبہ اور استغفار درحقیقت انسان کو عبدیّت کے مقام تک پہنچاتے ہیں، ان سے نہ صرف گناہ معاف ہوتے ہیں، بلکہ درجات بھی بڑھتے ہیں، اس لئے جب کبھی عملی زندگی میں کوئی لغزش، کوئی غلطی، یا گناہ سرزد ہو جائے تو صاحبِ ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ فوراً توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہو، اور اس طرح اس زہر کا تریاق کرے۔ یہ شر کے محرکات سے بچنے اور ان کے اثرات سے محفوظ رہنے کا انتہائی آسان نسخہ ہے، بس عادت ڈالنے کی ضرورت ہے خاص طور پر ہر مسلمان کو چاہئے ہر روز رات کو سونے سے پہلے چند منٹ خاموشی سے بیٹھ کر اپنے دن بھر کے اعمال کا جائزہ لے، ان میں جہاں جہاں غلطی اور لغزش ہو، اس پر توبہ و استغفار کرے۔ پھر دیکھئے کیا سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق کامل مرحمت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

شیطان کی حدودِ اختیار

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو عین حکمت سے انسان کی آزمائش کیلئے پیدا تو فرمایا ہے، لیکن لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ اُسے اتنی زیادہ طاقت دی گئی ہے کہ جس کا مقابلہ انسان کی طاقت سے باہر ہو، حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ ایک صاحبِ ایمان کی قوتِ ایمانی شیطان کی طاقت کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:۔

اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا

بلاشبہ شیطان کا مکر کمزور ہے

لہٰذا اس کمزور مکر سے ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہاں اس سے بچنے کے لئے صحیح تدبیر کی ضرورت ہے، اور یہ تدبیر بھی ہمیں قرآن و سنت ہی نے بتادی ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ شیطان کو شیطان بنانے والی چیز اُس کا تکبر، اُسکی رعونت اور اُس کی سرکشی ہے۔ لہٰذا اس کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی، شکستگی، فرو مائیگی اور خود سپردگی ہی سے کیا جاسکتا ہے، جس کا دوسرا نام "عبدیت" ہے، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبدیت اختیار کریگا، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنی "انانیت" کو مٹاکر ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھے گا۔ اور اپنی ہر مشکل میں انہی کو پکاریگا، اُس پر شیطان کا کوئی جادو نہیں چل سکتا، خود اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمادیا تھا کہ:-

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

بلاشبہ میرے "بندوں" پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں۔

لہٰذا جو شخص واقعی اللہ تعالیٰ کا بندہ بن جائیگا، وہ شیطان کی حدودِ اختیار سے باہر ہے۔ شیطان خود بھی اس حقیقت کو جانتا ہے، چنانچہ اپنی بہکانے پھسلانے کی طاقت کے حوالے سے اُس نے بڑی ڈینگیں ماریں، اور کہا کہ میں ان سب کو بہکا کر گمراہ کروں گا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ:-

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ

مگر ان میں سے جو تیرے خالص کئے ہوئے
بندے ہیں، (انہیں نہ بہکا سکونگا)

معلوم ہوا کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان مقامِ عبدیت کو اختیار کرلے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا سرِ نیاز خم کرکے اُس کے ساتھ عبدیت کے رشتے کو مضبوط بنالے۔ اسی کی طرف رجوع اور انابت کی عادت ڈالے، تو شیطان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہمارے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس سلسلے میں بڑی لطیف بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ شیطان جب اپنے بہکانے کی طاقت کی بنیاد پر اپنے عزائم کا اظہار

کر رہا تھا کہ:۔

لآتینھم من بین ایدیھم و من خلفھم

وعن ایمانھم وعن شمائلھم

میں ان (انسانوں) کے پاس ان کے سامنے سے آؤنگا۔
ان کے پیچھے سے آؤں گا، ان کے دائیں سے آؤں گا، اور اُن
کے بائیں سے آؤں گا۔

تو اس نے چار سمتیں تو بیان کر دیں، لیکن دو سمتوں کا نام نہیں لیا، یعنی اوپر کی اور نیچے کی، معلوم ہوا کہ ان دو سمتوں سے آنے کی اُسے قدرت نہیں دی گئی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نیچے کی سمت یعنی عبدیت اور فنائیت کو اختیار کرلے، اور اپنا تعلق اُوپر کی سمت یعنی اللہ تعالیٰ سے جوڑلے تو شیطان اس پر کبھی حملہ آور نہیں ہوسکتا ؂

تصور عرش پر ہے، وقفِ سجدہ ہے جبیں میری
مرا پھر پوچھنا کیا؟ آسماں میرا، زمیں میری

خلاصہ یہ کہ شیطان کو غیر محدود اختیارات کا مالک سمجھنا بالکل غلط ہے، وہ تو آزمائش کا ایک برائے نام ذریعہ ہے، جس پر قابو پانے کا طریقہ بھی ہمیں بتادیا گیا ہے کہ مقامِ عبدیت پر آجاؤ۔ اور یہ مقامِ عبدیت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت ہو۔ اپنے ہر معاملے میں اسی سے دعا کرنے کی عادت ڈالی جائے، ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی انہی سے مانگی جائے، اور جب کبھی شیطانی اثرات کا ذرا بھی احساس ہو تو فوراً اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کی جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔

پس اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ
محسوس ہو تو اللہ کی پناہ طلب کرو۔

جب وہ خود فرمارہے ہیں کہ ہم سے پناہ طلب کرو، تو گیا وہ طلب کرنے والے کو

شیطان کے سامنے بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے؟ ناممکن ہے، محالات میں سے ہے کہ پناہ مانگنے والے کو پناہ نہ دی جائے۔ دی جائیگی۔ اور ضرور دی جائیگی اسمیں تخلف ممکن نہیں۔

لہٰذا جس شیطان کا حال یہ ہے کہ اسکی ساری طاقت و توانائی، اور اس کی ساری فتنہ سامانیاں استعاذے کی ایک پھونک سے اڑ جاتی ہیں تو اندازہ کر لیجیے کہ وہ کس قدر کمزور ہے؟ یہ تو اس کی طاقت اور حدودِ اختیار کا حال ہوا۔ دوسری طرف اگر بالفرض وہ کسی کو بہکانے میں کامیاب ہو جائے۔ تو اس کے پیدا کئے ہوئے اثرات اتنے کمزور ہیں کہ وہ ایک توبہ و استغفار سے اس طرح ختم ہو جاتے ہیں کہ جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

زکوٰۃ کے مصرف "فی سبیل اللہ" پر تحقیقی نظر
اور نظریہ تعمیم کا علمی جائزہ

(آٹھویں اور آخری قسط)

زکوٰۃ کے مصرف "فی سبیل اللہ" کی تشریح کے بارے میں اکثر اہل علم کے نقطۂ نظر کی وضاحت پر مشتمل مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ایک مضمون گذشتہ آٹھ مہینے سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ ذیل کی سطروں میں اس مضمون کی آخری قسط پیش کی جا رہی ہے۔ اس مضمون کی دوسری قسط شائع کرتے وقت ہم نے حضرات علماء کرام کی خدمت میں گذارش کی تھی کہ وہ "موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مضمون کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں"۔ ساتھ ہی ہم نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ الفرقان کے صفحات اس موضوع پر علمی مذاکرہ کے لئے حاضر ہیں ــــ اب جبکہ اس مضمون کی آخری قسط حاضر خدمت ہے، ہم اپنی یہ گذارش اور پیشکش پھر دوہراتے ہیں۔

ادارہ

مولانا امین احسن اصلاحی کے دلائل کا جائزہ: مولانا امین احسن اصلاحی نے بہت عرصہ قبل زکوٰۃ کے بارے میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو ترجمان القرآن لاہور کے اگست ستمبر ۱۹۵۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، اس مضمون میں اصلاً تو مسئلہ تملیک پر بحث ہے لیکن آخری چند صفحات میں فی سبیل اللہ کو عام قرار دینے کے نظریہ کی تائید کی گئی ہے، مولانا اصلاحی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "فی سبیل" کو عام قرار دینے کا نظریہ نیا نہیں ہے۔ بلکہ قرن اولیٰ ہی سے بہت سے فقہاء اور ائمہ اس کے قائل رہے ہیں، اس سلسلہ

میں مولانا نے جو طریق استدلال اختیار فرمایا ہے وہ کسی طرح مولانا جیسے فہیم اور ثقہ عالم کے شایان شان نظر نہیں آتا۔

کتاب الاموال کے حوالہ کا تجزیہ

مولانا اصلاحی نے ابو عبید کی کتاب الاموال سے انس بن مالک اور حسن بصری کا وہ قول نقل کیا ہے جس پر اوپر ہم بحث کر چکے ہیں۔ مولانا اصلاحی تحریر فرماتے ہیں " ابو عبید نے کتاب الاموال میں انس بن مالک اور حسن بصری کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے۔

قالا ما اعطیت فی الجسور و الطرق فھی صدقۃ ماضیۃ (کتاب الاموال ص ۵۷۰)	ان دونوں کا قول یہ ہے کہ پلوں اور راستوں کی تعمیر میں جو کچھ تم نے دیا وہ بھی صدقہ ادا شدہ ہے [۱] "

کتاب الاموال کی پوری بحث مولانا کے سامنے ہے، انھوں نے وہیں سے انس بن مالک اور حسن بصری کا مسلک نقل کیا ہے پھر تعجب ہے کہ انھوں نے مذکورہ بالا ترجمہ کس طرح کر دیا، ابو عبید نے تو اس بحث میں ان دونوں کا اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ پلوں اور راستوں پر متعین محصلین صدقہ کے وصول کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، دوبارہ زکوٰۃ کے نکالنے کی ضرورت نہیں، مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی اسی مفہوم میں ان دونوں کا قول نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت کے الفاظ تو ایسے واضح ہیں کہ اس میں دوسرے معنی کا وہم ہی پیدا نہیں ہوتا۔ " ما اخذ منک علی الجسور والقناطر فتلک زکوٰۃ قاضیۃ " [۲]

مولانا اصلاحی کے مذکورہ بالا ترجمہ و استدلال کو ہم مغالطہ کے سوا اور کیا نام دے سکتے ہیں غالباً مولانا کے ذہن پر ایک نظریہ کی تائید کا تقاضہ اس قدر غالب ہے کہ وہ عبارت پر صحیح طریقہ سے غور نہیں کر سکے۔ اگر مولانا اصلاحی نے ابن قدامہ حنبلی کی المغنی سے انس بن مالک اور حسن بصری کا قول نقل کر کے مذکورہ بالا ترجمہ کیا ہوتا تو ہمیں زیادہ حیرت نہ ہوتی کیونکہ ابن قدامہ سے خود اس جز

---

[۱] ترجمان القرآن لاہور شمارہ ستمبر ۱۹۵۵ء [۲] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۲۶ مطبوعہ کراچی

مالک اور حسن بصری کا قول سمجھنے میں لغزش ہوئی ہے لیکن ابو عبید نے جس سیاق و سباق میں اور جس بحث کے ذیل میں ان دونوں حضرات کا قول نقل کیا ہے وہاں اس مفہوم و مراد کی کوئی گنجائش نہیں ہے جس کا مغالطہ مولانا اصلاحی صاحب کو ہوا ہے۔

مولانا اصلاحی کا دوسرا استدلال

مولانا اصلاحی نے دوسرا استدلال ابن العربی المالکی کی احکام القرآن کے ایک اقتباس سے کیا ہے اور امام مالکؒ کی طرف یہ مسلک منسوب کرنا چاہا ہے کہ وہ "فی سبیل اللہ" کو عام قرار دیتے ہیں۔ مولانا اصلاحی کا استدلال انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

"ابن العربی احکام القرآن میں امام مالکؒ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال مالک سبل اللہ	فی سبیل اللہ کے متعلق امام مالک کا مذہب
کثیرۃ ۔ احمد واسحاق	یہ ہے کہ اللہ کے راستے بہت ہیں۔ امام احمد
قال انہ الحج والذی یصح	اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حج
عندی من قولہما ان	ہے لیکن میرے نزدیک ان کے قول کا صحیح
الحج من جملۃ السبل مع	منشا یہ ہے کہ حج بھی جہاد کی طرح اللہ کے
الغزو۔	راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔" [1]

یہ بچی بات یہ ہے کہ یہ استدلال کچھ اس قسم کا ہے کہ ہمیں یقین کرنا مشکل ہو رہا ہے کہ کیا واقعۃً مولانا اصلاحی نے یہ استدلال پیش کیا ہے؟ کیونکہ اس استدلال میں ابن العربی مالکی کی پوری عبارت مسخ کر کے رکھ دی گئی ہے چونکہ مولانا محترم کو یہ ثابت کرنا تھا کہ امام مالکؒ کے نزدیک "فی سبیل اللہ" کے دائرے میں تمام کار ہائے خیر آتے ہیں اور ابن العربی کی پوری عبارت نقل کرنے میں ان کے استدلال کی عمارت زمین بوس ہو جاتی اس لیے انھوں نے درمیان سے ابن العربی کی عبارت کا پورا ٹکڑا حذف کر دیا اور اس کے لیے کوئی اشارہ (نقطے وغیرہ) بھی نہیں کیا۔ ابن العربی کی پوری

---

[1] ترجمان القرآن لاہور ستمبر ۱۹۵۵ء

عبارت پڑھیے اور پھر اس استدلال کو عقل و انصاف کی میزان پر تولیے۔ جو الفاظ مولانا کی پیش کردہ عبارت سے حذف کر دیے گئے ہیں انھیں ہم نے خط کشیدہ کر دیا ہے۔

المسألة التاسعة ، قوله	فی سبیل اللہ کے بارے میں امام مالکؒ
وفی سبیل اللہ قال مالک	نے فرمایا ہے کہ اللہ کے راستے بہت ہیں
سبل اللہ کثیرۃ ولکن	لیکن مجھے اس بارے میں کسی کا اختلاف
لا اعلم خلافا فی ان المراد	نہیں معلوم کہ اس آیت میں سبیل اللہ
بسبیل اللہ ھاھنا الغزو	(راہِ خدا) سے مراد راہ خدا میں جہاد ہے۔
من جملۃ سبیل اللہ الاما	ہاں احمد اور اسحاق سے منقول ہے کہ سبیل اللہ
یؤثر عن احمد واسحاق	سے مراد حج ہے میرے نزدیک ان دونوں
فانھما قالا انہ الحج والذی	کے قول کا صحیح محل یہ ہے کہ اللہ کے
یصح عندی من قولھما ان	راستوں میں جہاد کے ساتھ حج بھی اس
الحج من جملۃ السبل مع الغزو[1]	آیت میں مراد ہے۔

مولانا اصلاحی نے اپنے مضمون میں التزام کیا ہے کہ اقتباسات کے ساتھ جلد اور صفحہ کا حوالہ دیا کریں لیکن احکام القرآن لابن العربی کے مذکورہ بالا اقتباس میں جلد اور صفحہ کا حوالہ غائب ہے۔ خدا جانے ایسا دانستہ ہوا ہے یا نادانستہ۔ فی سبیل اللہ کے بارے میں امام مالک کا مسلک اتنا مشہور ہے کہ کسی طرح اسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ قاضی ابو الولید ابن الرشد نے تحریر فرمایا ہے،

واما فی سبیل اللہ فقال	فی سبیل اللہ کے بارے میں امام مالکؒ نے
مالک سبیل اللہ مواضع الجہاد	فرمایا کہ سبیل اللہ سے مراد جہاد اور سرحدی
والرباط وبہ قال ابو حنیفۃ[2]	حفاظت کی جگہیں ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ بھی
	اسی کے قائل ہیں۔

---

[1] احکام القرآن لابن العربی ص ۹۶۹ ج ۲ دار المعرفۃ بیروت [2] بدایۃ المجتہد ص ۲۶۸ ج ۱ المکتبۃ التجاریۃ مصر

مولانا اصلاحی کا تیسرا استدلال

مولانا اصلاحی نے نظریہ تعمیم کی وضاحت ثابت کرنے کے لیے تیسرا نام ابن حزم کا پیش کیا ہے۔ انھوں نے المحلی کا ایک اقتباس استدلال میں پیش کیا ہے۔ یہاں بھی انھوں نے آگے پیچھے کی عبارتیں حذف کر کے مفید مطلب صرف ایک جملہ نقل کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں "علامہ ابن حزم محلی میں فی سبیل اللہ کے تحت یہ فرماتے ہیں:

قلنا نعم، وکل فعل خیر فھو من سبیل اللہ تعالیٰ (ج ۶ ص ۱۵۱)	ہم کہتے ہیں، ہاں نیکی اور بھلائی کا ہر کام فی سبیل اللہ کے تحت داخل ہے[1]

ذیل میں "فی سبیل اللہ" کے بارے میں علامہ ابن حزمؒ کا مسلک اور عبارت بالا کا سیاق و سباق ملاحظہ فرمائیے پھر مولانا اصلاحی کے استدلال کو عقل و انصاف کی کسوٹی پر پرکھئے۔

واما سبیل اللہ فھو الجھاد بحق حدثنا ابو داود ۔۔۔۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتحل الصدقۃ لغنی الالخمسۃ لغاز فی سبیل اللہ ۔۔۔۔	سبیل اللہ سے مراد راہ حق میں جہاد ہے حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ طرح کے لوگوں کے علاوہ کسی مالدار کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں، "راہ خدا میں جنگ کرنے والا (غازی) ۔۔۔۔
فان قیل قد روی عن رسول اللہ ان الحج من سبیل اللہ وصح عن ابن عباس ان یعطی منھا فی الحج، قلنا: نعم وکل فعل خیر فھو من سبیل اللہ	اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہؐ سے مروی ہے کہ حج بھی خدا کی راہوں میں سے ہے اور ابن عباسؓ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ زکوٰۃ میں سے حج کے لیے بھی دیا جائے، تو میں جواب دوںگا کہ ہر نیک

---

[1] ترجمان القرآن لاہور ستمبر ۱۹۵۵ء

الا انه لامنازع فی انه تعالی لم یرد کل وجه من وجوہ البر فی قسمة الصدقات، فلم یجز ان توضع الاحیث بین النص وھو الذی ذکرنا وباللہ التوفیق ۔[1]

کام خدا کی راہوں میں سے ہے مگر اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلے میں سبیل اللہ سے مراد نیکی اور بھلائی کے تمام کام نہیں لہٰذا آیت مصارف میں "سبیل اللہ" کو اسی معنی پہ محمول کیا جائے جسے نص شرعی نے بیان کیا ہے، اور وہ معنی وہی ہے جسے ہم نے اوپر ذکر کیا، توفیق اللہ کی جانب سے ہے۔

انصاف پسند قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ علامہ ابن حزم نے اس عبارت میں "فی سبیل اللہ" کو عام کرنے کی کتنی پرزور اور مدلل تردید کی ہے لیکن مولانا اصلاحی نے اسی عبارت کے ایک ٹکڑے کو سیاق و سباق سے کاٹ کر فی سبیل اللہ کی تعمیم کے حق میں پیش کیا ہے، عقل حیران ہے کہ اس طرز استدلال کو کیا نام دیا جائے، مولانا اصلاحی نے ابن حزم کی دم بریدہ عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی درست نہیں جیسا کہ اہل علم جان سکتے ہیں۔

آخر میں ہم صاف الفاظ میں یہ عرض کر دینا بہتر سمجھتے ہیں کہ مسلک جمہور کے اتباع کا التزام نہ کرنے بلکہ حدیث و سنت اور آثار سلف سے قدرے بے اعتنائی برتنے کا جو مزاج، مولانا کی بہت سی آراء و افکار میں نظر آتا ہے اسی کی جھلک مسئلہ تعمیم کے سلسلہ میں مولانا کی رائے اور استدلال میں دکھائی پڑتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ اعتدال اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] المحلی لابن حزم الاندلسی جلد ۳ جزء ۶ صفحہ ۱۵۱

یاد رفتگاں

جناب مولانا ابو العرفان صاحب ندوی مرحوم۔ صدر شعبہ دینیات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہندوستان کے علمی اور دینی حلقے حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مرحوم کی جدائی کے غم میں سوگوار اور اشکبار تھے کہ اچانک ایک دوسری خبر علمی دنیا پر بجلی بن کر گری، دار العلوم ندوۃ العلماء کے قدیم ترین استاذ اور ہندوستان کے نامور عالم مولانا ابو العرفان صاحب ندوی ۱۷ر نومبر ۱۹۸۸ء کی رات میں تقریباً ۲ بجے جب کہ سارے لوگ محو خواب تھے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ ان کی رحلت کی خبر اکثر لوگوں کو نماز فجر کے وقت ہوئی۔

مولانا ابو العرفان خاں صاحب ندوی مرحوم کا آبائی وطن ضلع جونپور کے قصبہ شاہ گنج سے متصل ایک گاؤں ہے، مولانا مرحوم کے والد ماجد کا پورا نام شمس الدین محمد تھا، لیکن عام طور پر لوگ انھیں دین محمد کے نام سے جانتے پہچانتے تھے، مولانا کے والد ماجد بڑے جید اور صاحب درس عالم دین تھے، خود مولانا مرحوم نے ایک بار فرمایا کہ میرے والد صاحب مرحوم کو متوسطات تک درسی کتابوں کی تدریس کا بڑا ملکہ حاصل تھا، صرف و نحو کی تدریس کا ان کا ایک خاص طرز تھا، ان کے پاس تھوڑی مدت پڑھنے سے صرف و نحو کی ایسی پختہ استعداد پیدا ہو جاتی جو دوسروں کے یہاں کئی سال میں پیدا ہوتی تھی۔ مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ میرے والد ماجد کو علوم عقلیہ خصوصاً منطق و فلسفہ سے بڑا شغف تھا، مولانا مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے والد بزرگوار ہی کے زیر سایہ ہوئی، مرحوم کو ذہانت اور قوت حافظہ سے حصہ وافر ملا تھا، اس پر مستزاد ان کے والد مرحوم کی مخصوص تربیت اور نگرانی تھی، اس لیے مولانا مرحوم نے اپنا علمی سفر بڑی تیز گامی سے طے کیا اور بہت کم عمری میں انھوں نے عربی کی تعلیم کا مرحلہ طے کر لیا۔

مولانا مرحوم کے متعدد اعزہ دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، علم دین کی کشش مولانا مرحوم کو بھی دار العلوم دیوبند لے گئی، انھوں نے تقریباً ڈیڑھ دو سال دار العلوم دیوبند کے خرمنِ علم سے بھی خوشہ چینی کی، پھر صحت کی خرابی اور بعض دوسرے اسباب کی بنا پر موصوف دار العلوم دیوبند سے چلے آئے اور والد ماجد کے زیر سایہ انھوں نے اپنا علمی سفر جاری رکھا، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کی اس زمانے میں خاص شہرت تھی، مدرسہ امدادیہ کے بعض اساتذہ بعض علوم کی تدریس میں امتیازی شہرت رکھتے تھے، مولانا موصوف نے دربھنگہ کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں کے یگانۂ روزگار اساتذہ کے سامنے زانوئے تعلیم تہ کیا، اپنے ظرف اور نصیب کے بہ قدر علم کی موتیوں سے اپنا دامن بھرا۔

مولانا مرحوم کے والد ماجد مولانا شمس الدین محمد صاحب ندوۃ العلماء کی تحریک سے بہ خوبی واقف تھے حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ذاتی مراسم و تعلقات تھے۔ غالباً سید سلیمان ندوی کی ایماء پر انھوں نے اپنے ہونہار فرزند کو اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھیجا، دار العلوم ندوۃ العلماء میں مولانا موصوف نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہ اور دار العلوم کے دیگر ممتاز اساتذہ کے زیر سایہ اپنا تعلیمی سفر مکمل کیا، اور پھر تا حیات دار العلوم ندوۃ العلماء کے ہو کر رہ گئے دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد انھوں نے کچھ مدت ہندستان کے مشہور تصنیفی اور تحقیقی ادارے دار المصنفین اعظم گڈھ میں بہ حیثیت رفیق گذاری، ان پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی نظر تھی، دار المصنفین میں سید صاحب کے زیر سایہ انھوں نے تفسیر اور علم کلام کا گہرا مطالعہ کیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ علامہ ابن قیم، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کی تصنیفات و افکار سے خصوصی مناسبت پیدا کی، دار المصنفین کے مختصر قیام نے ان کی علمی صلاحیتوں کو بہت جلا بخشی، ان کے مطالعہ میں وسعت و گہرائی پیدا ہوئی، سید صاحب کی علمی مجالس اور مفید مشوروں نے سالوں کا علمی سفر مہینوں میں طے کرا دیا، مولانا موصوف سید صاحب کے خاص طور پر بڑے معتقد و معترف تھے، ان کے ذکر و تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے، تحقیق و اتقان، توازن و اعتدال میں سید سلیمانؒ صاحب کو ان کے استاذ علامہ شبلی نعمانیؒ پر ترجیح دیتے تھے۔

دار المصنفین اور کشمیر کے مختصر قیام کے علاوہ مولانا مرحوم کی ساری زندگی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں گذری، موصوف نے تقریباً ۴۵ سال دار العلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی اور انتظامی کاموں میں گذارے، تقریباً دس سال تک انھوں نے کار اہتمام بھی انجام دیا، دار العلوم ندوۃ العلماء کو ان کی علمی اور انتظامی صلاحیتوں سے نفع اٹھانے کا بھرپور موقع ملا، موصوف مادر علمی کی خدمت اپنے لیے سعادت تصور کرتے تھے۔

ذیل میں مولانا مرحوم کے چند امتیازی اوصاف وخصائص کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ طلبۂ علم کی نئی نسل اس سے سبق لے اور اپنے اندر ان اوصاف کو پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

مولانا ابو العرفان خاں صاحب ندوی مرحوم کا سب سے اہم قابل ذکر وصف ان کا شوق علم اور ذوق مطالعہ تھا، ان کو علم سے شغف وگرویدگی تھی، مطالعہ صرف تدریسی یا تصنیفی ضرورت سے نہیں کرتے تھے بلکہ تحقیق ومطالعہ ان کا ذوق ومزاج بن گیا تھا، مطالعہ میں انھیں لذت وراحت محسوس ہوتی تھی، تاریخ عالم خصوصاً عالم اسلامی کی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ پر ان کی مبصرانہ نظر تھی، علوم اسلامیہ کی تاریخ اور عہد بہ عہد ترقیات، نصاب تعلیم کی تبدیلیاں ان کے لوح ذہن پر مرتسم تھیں، انھوں نے وسیع پس منظر میں علم کلام کے بنیادی مسائل اور فرق اسلامیہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا تھا، منطق وفلسفہ ان کے والد مرحوم کے پسندیدہ علوم تھے، مولانا مرحوم نے بھی ان علوم میں کمال پیدا کیا پھر سید سلیمان صاحب ندوی کی رہنمائی میں امام غزالیؒ اور علامہ ابن تیمیہ کی تصنیفات کے آئینہ میں منطق وفلسفہ کا ناقدانہ مطالعہ کیا، عربی، فارسی اردو کے منتخب اشعار ان کے نوک زبان تھے، قرآن پاک کی ادبی اور بلاغی تفسیر پر ان کی ایسی نظر تھی تفسیر بیضاوی اور تفسیر کشاف اکثر ان کے زیر درس رہی، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات سے انھیں شغف تھا، مولانا مرحوم اپنے ہمہ جہت مطالعہ، علم مجلسی سے آگاہی اور خداداد ذہانت کی وجہ سے علمی مجالس اور سیمناروں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے، اپنی بات بڑی قوت واعتماد سے مدلل طریقہ پر پیش کرتے لیکن زیادہ بحث ومباحثہ اور اپنی بات پر اصرار کے عادی نہیں تھے، اپنی متنوع ثقافت وسیع المشربی، ہمہ جہت مطالعہ اور توازن واعتدال کی بنا پر مولانا مرحوم ندوۃ العلماء کی زبان بن گئے تھے، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہ ہندوستان کے سیمنار وں

اور علمی مجالس میں ندوۃ العلماء کی نمائندگی کے لیے اکثر انھیں کو بھیجا کرتے تھے، مولانا مرحوم نے زندگی کے آخری ایام تک اپنا علمی سفر جاری رکھا، علم و عرفان کے اس مسافر نے دوران سفر منزل نہیں کی، حیات مستعار کے آخری دن تک اپنے موضوع کی کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہے۔

مولانا ابوالعرفان ندوی مرحوم کا دوسرا امتیازی وصف ان کا اخلاق و تواضع ہے علم و فضل کے بلند ترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود موصوف بڑے بلند اخلاق اور انتہائی متواضع تھے، ہر شخص سے بہت تپاک اور تواضع سے ملتے، ان کے انداز گفتار سے کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ انھیں اپنی بڑائی یا بلند رتبگی کا احساس ہے، مزاج میں بلا کی سادگی اور بے ساختگی تھی، بڑی باغ و بہار طبیعت پائی تھی، اس لیے ہر ملنے والا ان سے بہت جلد مانوس اور متاثر ہوتا، ان کے بلند اخلاق اور فطری اوصاف نے ان کی شخصیت میں خاص قسم کی جاذبیت اور دلکشی پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے کسی کو ان سے ملاقات اور گفتگو میں حجاب محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ان کی مجلس بڑی باغ و بہار اور قہقہہ زار ہوتی تھی، علماء اور اہل دانش کی محفلوں میں علمی مسائل چھیڑنے اور ان پر اظہار رائے کرنے کا انھیں خاص سلیقہ تھا، ان کا نظریہ تھا کہ اہل علم کی مجالس میں اپنا حاصل مطالعہ پیش کر کے اس پر بحث و مذاکرہ کرنا علم کی افزائش اور پختگی میں بہت معاون ثابت ہوتا ہے، اس نظریہ پر وہ تاحیات عامل رہے۔

مولانا مرحوم کی فیض رسانی کا اصل میدان تدریس ہے ان کے حلقۂ تدریس سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے پیاس بجھائی، ان کے شاگرد تمام ممالک اور تمام اداروں، دانش گاہوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ایسے لوگوں کی تعداد بھی سیکڑوں سے کم نہ ہوگی جو مولانا مرحوم کے رسمی شاگرد تو نہیں لیکن انھوں نے ان کی علمی مجالس اور علمی مشوروں سے بھرپور کسب فیض کیا، تدریس اور مطالعہ کی مصروفیت کی وجہ سے موصوف تصنیف و تالیف کے لیے بہت کم وقت فارغ کر پاتے تھے، اس لیے رسائل و جرائد میں منتشر مضامین کے علاوہ ان کی مستقل تصنیفات بہت کم ہیں، ان کی دو کتابیں "ائمہ اربعہ" اور "علم کلام" ہیں، مرحوم نے مولانا حکیم عبدالحی حسنی رح (پدر بزرگوار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہ) کی شہرۂ آفاق کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کا ترجمہ بھی کیا جسے دار المصنفین اعظم گڈھ نے شائع کیا، زندگی کے آخری

حصہ میں فلسفہ اور تاریخ فلسفہ کے موضوع پر ایک کتاب ترتیب دے رہے تھے، خدا جانے یہ کام مکمل کر سکے تھے یا نہیں۔

مولانا مرحوم تنو مند اور فربہ تھے لیکن آخری چند سالوں میں ذیابیطس کے مرض نے انھیں کافی گھلا دیا تھا، ذیابیطس کے نتیجہ میں چند دوسرے موذی امراض پیدا ہوگئے، ان کی چہل پہل میں فرق تو ضرور آگیا تھا لیکن اپنی بذلہ سنجی اور خوش دلی کی وجہ سے انھوں نے مرض کی شدت کا احساس دوسروں کو نہ ہونے دیا، آخر میں تنفس کی شکایت ہو گئی، ڈاکٹروں کی تشخیص ہوئی کہ قلب کا عارضہ ہوا، امراض قلب کے ماہر ڈاکٹر منصور کے مشورہ پر انھوں نے میڈیکل کالج میں اڈمٹ ہو کر ایکسرے کرایا، اور طبی جانچ کرائی، رپورٹ کے مطابق مولانا کے مرض کی حالت زیادہ تشویشناک نہیں تھی، اسی لیے وہ میڈیکل کالج سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنے مستقر پر آگئے، اس کے بعد دو تین روز تک حسب معمول خوش و خرم رہے، ۱۷ر نومبر ۸۸ء کی رات میں ایک بجے کے بعد ان پر قلبی دورہ پڑا، میڈیکل کالج لے جایا گیا، وہاں پہونچنے کے تھوڑی دیر کے بعد ان کی روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی "ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر لو کنتم تعلمون" اور مولانا مرحوم اس عالم میں پہونچ گئے جہاں ایمان اور عمل صالح کے سوا کوئی اور چیز کام نہیں آتی، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں نماز جنازہ پڑھی گئی، پھر ان کی نعش جون پور لے جائی گئی اور جون پور کے قبرستان میں انھیں تقریباً دس بجے رات کو دفن کیا گیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا ضیاء الحسن اعظمی مرحوم و مغفور

جناب مولانا ابو احمد عرفان صاحب ندوی مرحوم کی جدائی کا غم ابھی تازہ تھا، ابھی اس حادثۂ جانکاہ کو پیش آئے صرف ڈیڑھ مہینہ گزرا تھا کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دوسرے استاذ مولانا ضیاء الحسن صاحب اعظمی صدر شعبۂ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بھی جان جان آفریں کے سپرد کی۔ ۲۰ر جنوری کی شام کو تقریباً ایک مہینہ تک حیات و موت کی شدید کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد موصوف نے سفر آخرت اختیار کیا، بلاشبہ ان کی زندگی بھی قابل رشک تھی اور موت بھی انھیں ایسی ملی کہ ہم جیسوں کو ان کی موت پر بھی رشک آیا۔

مولانا ضیاء الحسن اعظمی مرحوم کی پیدائش ضلع اعظم گڈھ کے مردم خیز قصبہ مئو ناتھ بھنجن میں ۲۰ر فروری ۱۹۳۲ء کو ہوئی، ان کے والد ماجد کا نام حافظ عبدالحی ہے، مولانا مرحوم کا گھرانہ مئو کا معزز دیندار خانوادہ ہے، ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی، متوسطات تک کی تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں حاصل کی، اس وقت مدرسہ مفتاح العلوم اپنے شباب پر تھا، مفتاح العلوم میں مولانا نے جن اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں سے چند نام یہ ہیں (۱) محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہ، (۲) جناب مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی مرحوم (۳) جناب مولانا شمس الدین صاحب اعظمی

دارالعلوم دیوبند میں

مفتاح العلوم میں متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مرحوم نے ازہرالہند دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور تین سال میں علوم اسلامیہ اور علوم عقلیہ کی تعلیم مکمل کی، اس وقت دارالعلوم دیوبند کے درس کی مسندوں پر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب اور علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی جیسی نادرۂ روزگار، شہرہ آفاق ہستیاں رونق افروز تھیں، مولانا مرحوم نے دارالعلوم دیوبند کے علمی اور روحانی ماحول سے بھرپور کسبِ فیض کیا، دارالعلوم دیوبند اور اپنے اساتذہ سے انھیں زندگی کے آخری ایام تک بڑا عقیدت مندانہ اور والہانہ تعلق رہا، ان عالی مرتبت اساتذہ کا جب بھی ذکر آتا محسوس ہوتا کہ ان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا گیا ہے اور ماضی کی خوشگوار یادوں میں گم ہو جاتے۔ اپنی محنت، ذکاوت اور سعادت مندی کی وجہ سے انھوں نے اساتذہ کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر لیا، دورۂ حدیث انھوں نے شعبان ۱۳۷۲ھ میں مکمل کیا۔ دورۂ حدیث کے سال انھوں نے غیر معمولی محنت اور جانفشانی سے کام لیا۔ تمام اساتذہ کی تقریریں حرف بہ حرف قلمبند کیں اور انھیں مجلد کرا کے حرز جان بنائے رہے۔ ان کی وفات کے ہفتہ عشرہ بعد جب میں ان کے مسودات کا جائزہ لینے لگا تو ان میں یہ تمام درسی تقریریں موجود تھیں۔ یہ تمام تقریریں قدیم فل اسکیپ سائز (موجودہ فل اسکیپ سائز کا تقریباً ڈیڑھ گنا ہوتا تھا) کے کاغذ پر بہت باریک حروف میں لکھی ہوئی ہیں۔ تفصیل یہ ہے:-

			صفحات
(۱)	تقریر ترمذی جلد اول	از شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی	۴۰۱
(۲)	تقریر ترمذی جلد ثانی	" " "	۲۳۹
(۳)	تقریر شمائل ترمذی وکتاب العلل للترمذی	از شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب	۱۱۹
(۴)	تقریر بخاری شریف اول	از شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی	۱۹۸
(۵)	تقریر بخاری شریف ثانی	" "	۲۲۹
(۶)	تقریر مسلم شریف جلد اول	از علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی	۲۴۱
(۷)	تقریر ابوداؤد	از شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب	۶۱۶

ان درسی تقریروں کے صفحات کی مجموعی تعداد (۲۲۴۳) ہوئی، ہر تقریر کے آخر میں مولانا مرحوم نے سادہ اوراق شامل کیے، کتب حدیث اور شروح حدیث کے مطالعہ کے دوران جو خاص باتیں انھیں ملتیں ان اوراق میں نوٹ کر لیتے، دارالعلوم کے بلند پایہ اساتذہ کی درسی تقریروں کے یہ مجموعے علوم و معارف کے خزینے ہیں، اگر ان کی اشاعت ہو جائے تو اکابر دارالعلوم کے بہت سے نادر افادات اہل علم کے سامنے آئیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں: دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد علوم ادبیہ کی تکمیل کے لیے مولانا ضیاء الحسن مرحوم نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا، عربی زبان و ادب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے امتیاز کی بڑی شہرت تھی، یہی شہرت مولانا موصوف کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کھینچ کر لے آئی۔ مولانا مرحوم ندوۃ العلماء کے درجہ التخصص فی الادب میں داخل ہوئے جو دوسرے مدارس کے فضلاء کے لیے قائم کیا گیا تھا، دو سال تک انھوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے گرامی قدر اساتذہ اور ممتاز ادیبوں سے استفادہ کیا، ان کے چند اساتذہ کے نام یہ ہیں: (۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہ (۲) مولانا ابوالعرفان خاں ندوی (۳) مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی (۴) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (۵) مولانا عبدالماجد صاحب ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے دو سالہ قیام سے مولانا مرحوم کے ادبی ذوق کو جلا ملی اور عالم اسلامی کے رجحانات سے واقفیت بہم پہنچی۔

تدریسی زندگی اور بلاد اسلامیہ کا سفر دار العلوم ندوۃ العلماء میں دو سالہ قیام کے بعد مولانا کی تدریسی زندگی شروع ہوئی، دار العلوم ندوۃ العلماء میں بہ حیثیت مدرس تقرر سے قبل مولانا مرحوم نے درج ذیل مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں (۱) مدرسہ معہد ملت مالیگاؤں (۲) مدرسہ مفتاح العلوم مئو (۳) مدرسہ مظہر العلوم بنارس۔ مظہر العلوم بنارس میں ان کا طویل قیام رہا وہاں انھوں نے زیادہ تر حدیث کی کتابیں پڑھائیں اور صدر مدرس نیز شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ مولانا ضیاء الحسن صاحب مرحوم پر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہ کی خاص نظر توجہ تھی، مولانا اعظمی دامت برکاتہ کی توجہ اور تربیت سے مولانا موصوف کو فن حدیث خصوصاً اسماء الرجال میں خاص کمال حاصل ہوا۔ ان پر مولانا اعظمی کے اعتماد ہی کی بات تھی کہ جب مصنف عبدالرزاق کی تحقیق مولانا اعظمی دامت برکاتہ نے مکمل کرلی اور بیروت میں اس کی اشاعت کا مرحلہ آیا تو اس کی اشاعت کی نگرانی کے لیے محدث اعظمی دامت برکاتہ کی نظر انتخاب مولانا ضیاء الحسن مرحوم پر پڑی۔ مصنف عبدالرزاق کی اشاعت کے سلسلے میں بیروت میں تقریباً اٹھارہ مہینے مولانا مرحوم کا قیام رہا۔ اسی موقع پر موصوف نے بلاد مقدسہ کی زیارت کی، حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، ترکی وغیرہ کا بھی سفر کیا اور بلاد اسلامیہ کے حالات و رجحانات سے براہ راست واقفیت حاصل کی۔ بیروت میں قیام کے دوران بلاد عربیہ کے ممتاز ترین اہل علم سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔ قیام بیروت کے زمانہ کے شیخ ناصر الدین البانی، شیخ عبدالفتاح ابو غدہ، زہیر شاویش وغیرہ کے واقعات کبھی کبھی لطف لے کر سنایا کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں ذمہ داران ندوہ کی دعوت پر موصوف دار العلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے، زیادہ تر انھیں حدیث شریف کے اسباق دیے گئے، ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے وہ صدر شعبۂ حدیث بنادیے گئے اور بخاری شریف کا درس ان سے متعلق کیا گیا۔

۱۹۷۵ء سے زندگی کے آخری ایام تک موصوف بہ حیثیت مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء سے وابستہ رہے اور اپنے فرائض بڑی پابندی اور احساس فرض کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ ان کا درس حدیث طلبہ میں بہت مقبول تھا، بہت سے طلبہ کے لیے درجۂ فضیلت میں داخلہ کا بڑا محرک مرحوم کا درس حدیث ہوتا تھا۔ مولانا مرحوم درس کی پوری تیاری کے بعد درس گاہ جاتے اور ایسے دلکش

انداز و اسلوب میں درس دیتے کہ ان کا ہر ہر لفظ طلبہ کے دل و دماغ میں اتر جاتا، درس کی بڑی پابندی کرتے، معمولی امراض و اعذار درس حدیث سے ان کے لیے مانع نہ بنتے، درس حدیث کو وہ محض ملازمت نہیں بلکہ عبادت تصور کر کے انجام دیتے تھے۔ درس کے سلسلے میں ان کی پابندی دیکھ کر زمانۂ قدیم کے اساتذہ کی تصویریں نگاہ کے سامنے گردش کرنے لگتیں۔ ان کی درس کی پابندی، سنت کی اتباع اور اخلاق و تواضع کی وجہ سے طلبہ کے دلوں میں ان کے لئے محبت و عظمت کے جذبات تھے۔ مولانا مرحوم ایک بورڈنگ کے نگراں بھی تھے، اس سلسلے میں بھی وہ اپنے فرائض سے ادنیٰ غفلت نہ برتتے۔ طلبہ کی تربیت اور اخلاقی نگرانی پر پوری توجہ کرتے۔

اخلاق و عادات مولانا ضیاء الحسن مرحوم خاموش طبع، خوش خلق، متواضع، منکسر المزاج، متبع سنت، دیندار و خوش اطوار انسان تھے، ان کی زندگی میں دینداری رچ بس گئی تھی۔ صاف گو اور حق گو تھے، معاملات کے بہت صاف تھے، ان کی زندگی بڑی صاف ستھری اور پاکیزہ تھی، اخلاق و تواضع کا حال یہ تھا کہ اپنے خردوں اور شاگردوں کے ساتھ بھی بڑے اکرام کا معاملہ فرماتے اور اس کی پوری کوشش کرتے کہ کسی کو ان سے ادنیٰ گزند نہ پہونچے، عزیزوں اور رفیقوں کے جذبات و احساسات کا بڑا خیال رکھتے۔ ان کے کسی قول و عمل سے اپنی بڑائی کا اظہار نہ ہوتا۔ مولانا مرحوم عمر اور علم کے اعتبار سے میرے اساتذہ کی صف میں تھے لیکن ملاقات کے دوران کبھی یہ تأثر نہ ہونے دیتے کہ وہ علم یا منزلت کے اعتبار سے بلند مقام پر فائز ہیں۔ کبھی کبھی دارالعلوم کے چند اساتذہ کے ساتھ اجتماعی طور پر کھانے پکانے کا اتفاق ہوتا۔ مولانا مرحوم اس میں ضرور شریک ہوتے، ایسے موقعوں پر مولانا مرحوم کام کاج اور پکانے میں سب سے پیش پیش رہتے۔ مولانا مرحوم کی معیت و رفاقت میں گزرے ہوئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے چند سال کبھی فراموش نہ ہو سکیں گے اور مولانا مرحوم کی متواضع اور متوازن شخصیت کی لازوال یادیں کبھی دل سے محو نہ ہو سکیں گی۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، گناہوں کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔

بیماری کے ایام : مولانا مرحوم کی زندگی میں دینی رنگ بہت گہرا تھا۔ متبع سنت

اور پابند شریعت تھے، دینی معاملات میں مجاملت اور مدارات کے قائل نہ تھے، فن حدیث سے اشتغال کی برکت تھی کہ ان کی زندگی ایمانی حالات وکیفیات سے معمور تھی۔ مومنانہ زندگی ہی کا ثمرہ تھا کہ ان کی موت زندگی سے بھی زیادہ قابل رشک ہوئی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تقرر سے پہلے ہی موصوف ذیابطیس جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے تھے، اس موذی مرض نے ان کے سارے اعضاء رئیسہ کو بری طرح کمزور اور متاثر کیا، تقریباً ایک سال سے انھیں خون کی کمی، پیلا پن، ورم، اختلاج قلب، کمزوری اور گراوٹ کی شکایت برابر رہنے لگی، یونانی، ہومیو پیتھ، الوپیتھ ہر طرح کا علاج کیا، معالجوں کی تشخیص تھی کہ جگر میں خرابی ہے، جگر کام کرنا تقریباً چھوڑ چکا ہے، اسی لیے خون نہیں بن رہا ہے، لیکن کسی علاج سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا، حالت دن بدن بگڑتی رہی، جب تک جسم میں سکت رہی، دل ودماغ نے ساتھ دیا ان کے درس کا سلسلہ جاری رہا، مولانا مرحوم کی حالت جب زیادہ خراب ہوئی تو انھیں فاطمہ ہاسپٹل میں داخل کر دیا گیا، یہ دسمبر ۱۹۸۸ء کے اوائل کی بات ہے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ مولانا کے دونوں گردے خراب ہو چکے ہیں، دونوں گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، فاطمہ میں جس روز داخل کیا گیا اسی روز مولانا پر قلبی دورہ پڑا اور آخری حالت معلوم ہونے لگی، پھر کچھ حالت سنبھلی تو فاطمہ اسپتال کے ڈاکٹروں نے میڈیکل کالج میں داخل کرنے کا مشورہ دیا، کیونکہ مولانا مرحوم متعدد پیچیدہ امراض میں مبتلا تھے جن کا علاج میڈیکل کالج ہی میں ہو سکتا تھا، میڈیکل کالج کے ڈاکٹروں نے پوری توجہ سے علاج کیا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ نے جو مولانا مرحوم کے گرویدہ اور شیدائی تھے خدمت کا حق ادا کر دیا اور آخری لمحہ تک پورے ذوق ونشاط کے ساتھ مولانا مرحوم کی راحت رسانی اور خدمت میں لگے رہے، علاج کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا لیکن مولانا کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا، مرحوم کو اس بات کا پورا احساس ہو چکا تھا کہ ان کا وقت آخر آچکا ہے اس لیے وہ سفر آخرت کی تیاریوں میں مصروف تھے۔

قابل رشک موت مرض الموت کے زمانہ میں مولانا مرحوم کے جو حالات تھے وہ ہر صاحب ایمان کے لیے قابل رشک ہیں، مولانا مرحوم نے مرض الموت کے زمانہ میں بڑی

تکلیفیں جھیلیں، خصوصاً آخر کے چند روز بڑی کرب و اذیت میں گزرے، تمام جسمانی نظام مشینوں اور نلکیوں کے ذریعہ قائم تھا لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ مولانا مرحوم کے چار بچے اور دو بچیاں ہیں اور سب ابھی خورد سال ہیں، بڑے بچے کی عمر چودہ (۱۴) سال ہو گی، چھوٹی بچی چند مہینے کی ہے اس کے باوجود مولانا مرحوم بچوں کے لئے فکر مندی کا اور جزع فزع نہیں کرتے تھے مولانا پر یہ فکر و اضطراب مسلط نہیں تھا کہ میرے بعد میرے بچوں کا کیا ہوگا۔ جیسا کہ عموماً ہوا کرتا ہے، وفات سے چند روز قبل اہلیہ محترمہ ملاقات کرنے گئیں تو انھیں تسلی دلائی اور کہا: میرے بعد گذر اوقات کے بارے میں فکر مند نہ ہونا، اللہ تعالیٰ ہی رزاق اور کارساز ہے، وہی تم سب کے لیے اچھا انتظام کرے گا۔ مرض الموت کے زمانہ میں دنیا کی باتوں سے مکمل احتراز کیا، توبہ، استغفار، ذکر واذکار اور کلمہ طیبہ کے ورد میں مشغول رہے، مرض کی شدت اور معذوری کے باوجود وقت پر نماز ادا کرنے کا پورا اہتمام کیا، بے ہوشی کے زمانہ میں بھی جب کبھی ان کا شعور بیدار ہوتا تو فوراً نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے، بسا اوقات دوران نماز غشی طاری ہو جاتی، بے ہوشی کی حالت میں بھی سانس سے صاف ذکر کی آواز محسوس ہوتی۔ وفات سے چند روز قبل یہ نابکار مولانا محمد عارف صاحب سنبھلی کے ہمراہ مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا، اتفاق سے اس وقت مرحوم ہوش میں تھے، مجھ سے فرمایا ایمان مفصل پڑھائیے، میں نے ایمان مفصل کی تلقین کی مرحوم نے والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ کو بار بار دہرایا، ان کے ایک عزیز نے عرض کیا: کھانا آیا ہوا ہے تناول فرما لیجیے فرمایا: مرنے کے وقت کھانا کیا ضروری ہے، پھر غشی طاری ہو گئی، غرضیکہ بڑی ایمانی کیفیات کے ساتھ ان کے مرض الموت کے ایام گذرے، مرض الموت کی شدید تکلیف ان شاء اللہ گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا سبب بھی ہوں گی۔

تصنیفی خدمات تدریس کے علاوہ تحقیق و تصنیف کا بہترین ذوق قسام ازل نے عطا فرمایا تھا، تمام علوم اسلامیہ پر مولانا کی نظر تھی لیکن علوم حدیث میں انھیں خصوصی امتیاز

حاصل تھا۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف عبد الرزاق مولانا کی نگرانی میں شائع ہوئی، ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی (ریاض) نے علوم حدیث، حدیث کے مخطوطات پر جو تحقیقی کام کئے ان میں مولانا ضیاء الحسن مرحوم کا بڑا حصہ تھا۔ بعض کتابوں کے مقدمات میں ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے، متعدد مخطوطے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے تحقیق اور نسخ کے لئے مولانا مرحوم کے پاس بھیجے، جن پر مولانا مرحوم نے کام کیا۔ اپنی آخری زندگی میں مولانا مرحوم نے دو تحقیقی کام کئے جن کا تذکرہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) سید شریف جرجانی نے اصول حدیث میں مختصر رسالہ لکھا ہے مولانا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی نے ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی کے نام سے اس کی ایک مبسوط فاضلانہ شرح لکھی، مولانا فرنگی محلی کی یہ شرح قدیم ہندستانی طرز پر شائع تو ہو گئی ہے لیکن اس میں اغلاط بہت زیادہ تھیں پیراگرافنگ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ دشوار تھا، مولانا ضیاء الحسن مرحوم نے اسے جدید طرز پر ایڈٹ کیا، پیراگرافنگ کی اور جگہ جگہ توضیحی تعلیقات بھی تحریر کیں۔ شخصیتوں اور کتابوں کا تعارف کرایا، مرحوم اس کتاب کی تحقیق و تدوین کا کام مکمل کر چکے تھے، کوئی عربی ناشر اس کتاب کی اشاعت کرے تو ایک مفید ترین کام علمی دنیا کے سامنے آئے۔

(۲) اصول فقہ کی مشہور درسی کتاب اصول الشاشی پر بھی مولانا مرحوم نے تحقیقی کام کیا، جدید طرز پر کتاب کی پیراگرافنگ کی، آیات و احادیث کی تخریج کی، توضیحی تعلیقات قلمبند کیں اجماع کی بحث تک مرحوم تعلیقات لکھ چکے تھے، صرف قیاس کا باب باقی رہ گیا تھا، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی اس علمی یادگار کی تکمیل اور اشاعت کا نظم فرمائے۔

ان دو مستقل کاموں کے علاوہ مولانا کے مسودات میں متفرق مضامین اور علمی یادداشتوں کا پورا انبار ہے جنھیں تلاش کرنے سے بیشمار علمی اور تحقیقی ہیرے اور جواہرات دریافت ہو سکتے ہیں۔

وفات: ۲ جنوری ۸۹ء کو پونے سات بجے شام کو مولانا مرحوم کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں ۱۱ بجے رات میں نماز جنازہ ادا کی گئی، نعش مئو لے جائی گئی اور اگلے دن مئو کے قبرستان میں اس گنج گرانمایہ کو سپرد خاک کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی سیئات سے درگذر فرمائے، جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے، ان کے بے سہارا اہل و عیال کا تکفل فرمائے اور سارے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (ع۔ا۔ب)

خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں
علماء کرام کا متفقہ فیصلہ
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی شہرہ آفاق کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" جب شائع ہو کر مقبول عام ہوئی اور اس کے ذریعہ شیعہ اثنا عشریہ کے اصل عقائد پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آئے تو ہر طرف سے یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ ایسے باطل عقائد اور خیالات رکھنے والوں اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں ائمہ اسلام فقہاء و مجددین اور خصوصاً دور حاضر کے ماہرین فقہ و محقق علماء کرام کی رائے جمع کر کے شائع کی جانی چاہیئے۔
حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے اس تقاضے اور مطالبے کے جواب میں ایک مکمل و مدلل استفتاء مرتب فرمایا اور اس کو ہندوستان و پاکستان اور بعض دیگر ممالک کے علماء کرام اور ممتاز دینی اداروں کو ارسال فرمایا۔ اس کے جو جوابات ان کی طرف سے موصول ہوئے۔ وہ ماہنامہ الفرقان کی دو خاص اشاعتوں میں شائع کر دیے گئے۔ اس کے علاوہ ان میں ائمہ اصلاح و تجدید کا موقف بھی پیش کر دیا گیا۔ الحمد للہ یہ اشاعتیں ہاتھوں ہاتھ لی گئیں اور بہت جلد ختم ہو گئیں۔ شائقین کے پیہم اصرار پر اب ان کے کتابی ایڈیشن شائع کیے گئے ہیں۔
حصہ اول میں :۔ دار العلوم دیوبند، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ سلفیہ بنارس اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی جیسے ہند و پاک کے ۱۰۰ سے زائد ممتاز دینی اداروں اور عصر حاضر کے مقتدر علماء کرام اور اصحاب فتویٰ جیسے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا عبد اللہ مبارکپوری، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی، حضرت مولانا صدیق احمد باندوی، حضرت مولانا عبد الحلیم جونپوری، اور حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی وغیرہ کے فتاویٰ اور ان کے علاوہ دوسرے سیکڑوں علماء کرام کے فتاویٰ و تصدیقات شائع کیے گئے ہیں۔
حصہ دوم میں :۔ سب سے پہلے مولانا نعمانی مدظلہ کا اہم مقدمہ جس میں اثنا عشریوں کی تکفیر کے فتویٰ کے متعلق اٹھائے جانے والے چند اشکالات کے جوابات دیئے ہیں نیز مولانا موصوف کا ایک مضمون "استفتاء میں پیش کردہ شیعی عقائد سے متعلق کچھ اہم اضافے" شائع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد قاضی مظہر حسین صاحب چکوال (پاکستان) کا ایک فاضلانہ مضمون "شیعہ مذہب معاصر شیعہ علماء کی تحریروں کی روشنی میں" ملاحظہ فرمائیں اور آخر میں پاکستان بنگلہ دیش اور برطانیہ کے حضرات علماء کرام کے فتوے و تصدیقات کا مطالعہ کریں۔
سائز ۲۲×۱۸/۸ عکسی طباعت، عمدہ کاغذ خوبصورت ٹائٹل
قیمت حصہ اول :۔ 15/- حصہ دوم :۔ 16/-
الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغرب لکھنؤ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
مدیر
خلیل الرحمن سجاد ندوی

ایک بار پھر

ماہ مبارک کی آمد پر

کتب خانہ الفرقان کی طرف سے عام خریداروں کے لئے

خصوصی رعایت کی پیشکش

یکم شعبان المعظم سے ۲۵ رمضان المبارک تک موصول ہونیوالے ہر آرڈر پر درج ذیل شرح کے حساب سے
خصوصی رعایت دی جائے گی

اپنی اور لکھنؤ کی مطبوعات پر		بیرونی مطبوعات پر	
200/= روپے تک کے آرڈر پر	20/= فیصد	100/= روپے تک کے آرڈر پر	10/= فیصد
200/= سے 500/= تک کے آرڈر پر	25/= فیصد	100/= سے 500/= تک کے آرڈر پر	20/= فیصد
500/= سے زائد کے آرڈر پر	30/= فیصد	500/= سے زائد کے آرڈر پر	25/= فیصد

قرآن مجید، حمائل اور دار المصنفین کی مطبوعات پر

200/= روپے تک کی خریداری پر	10/= فیصد
اس سے زائد پر	15/= فیصد

* تمام اخراجات بہرصورت بذمہ خریدار ہوں گے۔
* ہر آرڈر کے ہمراہ چوتھائی رقم پیشگی آنا لازمی ہے۔
* پاکستان و بیرون ہند کے طالبین کے لیے شرح رعایت جداگانہ ہے، بہتر ہے کہ وہ اپنی فرمائش لکھ کر پہلے معلومات حاصل کرلیں۔

ہمارے اسٹاک میں

اپنی مطبوعات کے علاوہ ہندوستان کے اکثر بڑے دینی وعلمی اداروں کی مطبوعات اور
قرآن پاک وحمائل کا بہت بڑا ذخیرہ رہتا ہے، اس کے بارے میں واقفیت کے لئے۔

ہماری تازہ ترین فہرست

دو روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

بیرونی ممالک کے شائقین ایک پاؤنڈ کا پوسٹل آرڈر (برائے ہوائی ڈاک محصول) ارسال کریں

منیجر — الفرقان بکڈپو لکھنؤ

الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

مارچ سنہ ۱۹۸۹ء ـــ مطابق ـــ رجب المرجب سنہ ۱۴۰۹ھ

جلد نمبر ۵۷ ـــ شمارہ نمبر ۳

فہرست

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال کریں۔ یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

سرپرست

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

مدیر

خلیل الرحمن سجاد ندوی

اس شمارے کی قیمت 3/50

سالانہ چندہ

اندرون ملک ۳۵/۰۰

پاکستان ۸۰/۰۰

دیگر ممالک

ذریعہ بحری ڈاک ۱۰۰/- یا ۵/- پونڈ

ذریعہ ہوائی ڈاک ۲۰۰/- یا ۱۰/- پونڈ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ

ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

ہمارا پتہ

ماہنامہ الفرقان

۳۱ نیا گاؤں مغربی ـــ نظیر آباد لکھنؤ

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے نامی پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

مولانا فریدی نمبر کی ایک جھلک

★ مولانا فریدی کی سوانح حیات

★ مولانا فریدی کی زندگی کے کچھ اہم اور سبق آموز پہلو

★ مولانا فریدی — ایک محقق عالم و مورخ

★ مولانا فریدی — علماء و اولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار

★ مولانا فریدی — ایک عالم و مصلح

★ مولانا فریدی — ایک جامع الکمالات بندۂ خدا

ان عناوین پر
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
پروفیسر خلیق احمد نظامی
ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
مولانا عتیق احمد بستوی
جناب انیس احمد فاروقی
اور مولانا محب الحق بہاری (وغیرہم)
کے مضامین توقع ہے کہ شامل اشاعت ہوں گے۔

ان مضامین کے علاوہ

مولانا فریدی علیہ الرحمہ کا ایک نہایت اہم غیر مطبوعہ مضمون بھی، جو انھوں نے الفرقان ہی کے لئے لکھا تھا، اور جس میں انھوں نے مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی کی ایک کتاب "مولانا اسماعیل شہید۔ اور۔ تقویۃ الایمان" پر مبسوط تبصرہ کیا ہے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

گذشتہ تقریباً ۵۰ سال کے دوران الفرقان میں شائع ہونے والے مولانا فریدی کے مضامین کی ایک مفصل فہرست بھی انشاء اللہ اس نمبر کی زینت بنے گی۔

انشاء اللہ یہ نمبر دو سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ اور گذشتہ خاص نمبروں کی طرح اعلیٰ کتابت، معیاری کاغذ و عکسی طباعت سے مزین ہوگا۔

نوٹ: اپنی فرمائش بھیجنے سے قبل صہ۳ ملاحظہ فرمائیں

ہمارا پتہ: ماہنامہ الفرقان — ۳۱ نیا گاؤں مغربی، لکھنؤ — 226018

اسے ضرور پڑھئے

مولانا فریدی نمبر ——— کچھ ضروری باتیں

۱۔ الفرقان کا یہ خاص نمبر چار شماروں بابت ماہ مئی، جون، جولائی، اگست ۱۹۸۰ء کا بدل ہوگا اور ۹۶ صفحات مزید ہوں گے۔ انشاء اللہ یہ نمبر جولائی میں منظر عام پر آجائیگا

۲۔ مستقل خریداروں کی خدمت میں یہ خاص نمبر کسی اضافی قیمت کے بغیر پیش کیا جائے گا۔ اس نمبر سے خریداری شروع کرنے کے خواہشمند حضرات سے بھی کوئی اضافی قیمت نہیں لی جائے گی

اس نمبر کو رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانے کے لئے

اندرون ملک کے نئے اور پرانے مستقل خریداروں کو چھ روپے الگ سے بھیجنا ہوں گے

★ نئے خریدار حضرات (سالانہ چندہ مع رجسٹری فیس) ۴۱/- روپے ارسال فرمائیں۔ نمبر اُن کی خدمت میں رجسٹرڈ روانہ کیا جائے گا۔ اور وہ ایک سال کے لئے خریدار بھی بن جائیں گے۔

★ پاکستان کے لئے رجسٹری فیس ۱۲/- روپے ہے

★ اس نمبر کی قیمت ۲۰/- روپے ہوگی ——— جو لوگ صرف یہ نمبر رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانا چاہیں وہ صرف ۲۲/- روپے بھیج کر اپنی فرمائش ابھی سے درج کرا سکتے ہیں۔

★ خریدار حضرات ہر قسم کی خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

★ جو حضرات اس نمبر سے خریداری شروع کرنا چاہتے ہوں وہ اس کی وضاحت ضرور کریں کہ وہ اسی نمبر سے خریداری شروع کر رہے ہیں۔

ایجنسیوں کے ذمہ دار حضرات اور عام قارئین سے اس نمبر سے الفرقان کی توسیع اشاعت کی نئی جدوجہد کی گذارش ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱ فروری کو کچھ نوجوان راقم الحروف کے پاس آئے، انھوں نے کہا:

"مولانا! سلمان رشدی کی "شیطانی آیات" کا آج کل بہت چرچا ہے ہم لوگ اس بارے میں کیا طرز عمل اختیار کریں؟"

اس سوال کے جواب میں میں نے ان نوجوانوں سے جو گفتگو کی اسے انھوں نے ریکارڈ کر لیا۔ اس کے دو تین دن بعد جب میں نے حضرت والد ماجد مدظلہ سے دریافت کیا کہ اس مرتبہ نگاہ اولیں کے صفحات میں مجھے کیا لکھنا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ابھی تک الفرقان کے صفحات میں سلمان رشدی کی شیطنت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا ہے اب جو صورت حال اس مسئلہ نے اختیار کر لی ہے اس کے پیش نظر امت کی اور دنیا کی خیرخواہی کا یہ تقاضہ ہے کہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی جائے، لہٰذا بہتر ہے کہ اس شمارہ میں تم اسی پر کچھ لکھو۔ میں نے مناسب سمجھا کہ جو گفتگو میں نے ان نوجوانوں سے کی تھی اسی کو قدرے حذف و ترمیم کے ساتھ الفرقان کے ان صفحات میں منتقل کر دوں، شاید گفتگو کا بے تکلف انداز قارئین کو بھی زیادہ دلچسپ اور موثر محسوس ہو چنانچہ ذیل کی سطروں میں وہی گفتگو پیش خدمت ہے —

— میں نے ان نوجوانوں سے کہا:

سب سے پہلے تو آپ یہ سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہمارے ماں باپ

اور دل و جان آپ پر قربان ہوں) کو محبوبیت کا وہ "مقام محمود" عطا فرمایا ہے جو ہزاروں دوسری خصوصیات کی طرح صرف آپؐ ہی کا حصہ ہے، ایک عامی مسلمان گنہگار کے دل میں بھی آنحضرتؐ کے ساتھ عقیدت و محبت کے ایسے جذبات چھپے ہوئے ہوتے ہیں جن کا بعض وقت دوسروں کو تو کیا خود اس شخص کو بھی احساس نہیں ہوتا، جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ جب کبھی کوئی بدبخت اس مبارک ہستی کو تنقیص و ملامت یا سب و شتم کا نشانہ بناتا ہے یا آپؐ کی بے آبروئی کی کوشش کرتا ہے تو وہ لوگ بھی جو بظاہر بس نام کے مسلمان نظر آتے ہیں، آپے سے باہر ہونے لگتے ہیں اور ناموسِ رسول کے تحفظ کے لئے مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

سچی بات یہ ہے کہ بے شمار حوصلہ شکن اور مایوس کن علامتوں کے درمیان یہ ایک بات ہے جو امید افزا ہے۔ جبتک یہ باقی ہے اور جب تک محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ محبت کا یہ نورانی دھاگہ سلامت ہے تب تک گویا ہمارے پاس دلوں کے تالوں کو کھولنے کی ایک چابی موجود ہے جس دن دل اس بچے کھچے سرمایہ سے بھی خالی ہو جائیں گے اس دن ایک بڑی نعمت سے ہم محروم ہو جائیں گے اور پھر نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان بنانے کا کام پہلے سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

لیکن اس سلسلہ میں ایک بات اور قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اسلام کے دشمنوں کی ہر زمانہ میں یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں اور دنیا کے عام انسانوں کے درمیان کسی نہ کسی مسئلہ پر لڑائی ٹھنی رہے تاکہ حریفانہ کشمکش اور مقابلہ کی نفسیات سے متاثر ہو کر ایک طرف تو مسلمانوں کے اندر ایسی ہیجانی کیفیت بلکہ چڑچڑا پن پیدا ہو جائے کہ وہ ہمدردی و شفقت اور معتدل مزاجی کے ساتھ دعوت الی اللہ کا وہ کام نہ کر سکیں جس سے دشمنانِ اسلام ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں، کیونکہ بار بار کے تجربوں سے وہ حقیقت خوب سمجھ گئے ہیں کہ مسلمانوں کی مضبوطی اور عزت و سربلندی کا اصل میدان دعوتِ حق ہے اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن کروڑوں انسانوں کو انھوں نے مختلف تدبیروں سے اسلام سے بدظن کر رکھا ہے، اگر مسلمانوں کے مزاج میں اعتدال آگیا اور انھوں نے دعوت الی اللہ کے چھوٹے ہوئے کام اور ذوق و مزاج کو پھر سے اپنا لیا اور اس کے نتیجہ میں اسلام کی صحیح دل آویز اور پرکشش تصویر ان انسانوں کے سامنے آگئی تو پھر اسلام کے سیل رواں کو تھامنا ان کے بس سے باہر ہو جائے گا۔

آپ جانتے ہوں گے کہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک باب اسپین (اندلس) سے تعلق رکھتا ہے اور دنیا کے اس خوبصورت، زرخیز اور مختلف پہلوؤں سے خصوصی اہمیت کے حامل خطّہ میں مسلمانوں کے

عروج وزوال کی تاریخ بڑی عبرتناک اور سبق آموز ہے، میں اس وقت اس تاریخ کا صرف ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔

۸۲۲ء سے ۸۵۲ء تک وہاں کا حکمراں عبدالرحمٰن الثانی تھا، مورخین لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن الثانی کا یہ دورِ حکومت مسلم اندلس کی سیاسی وثقافتی شان وشوکت کے عروج کا دور ہے لیکن اس عہد کے آخری حصہ میں ایک خطرناک فتنہ برپا ہوا جس نے آگے چل کر اندلس میں اشاعتِ اسلامی اور حکومتِ اسلامی ہی کو نہیں بلکہ اسلامی وجود کو بھی سخت نقصان پہونچایا ــــــ ہوا یہ کہ کچھ عیسائی پادریوں کے اکسانے پر کچھ پرجوش عیسائیوں نے اجتماعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ایک مہم شروع کی، وہ لوگ جلوس کی شکل میں سڑکوں پر نکلتے اور کھلم کھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو سب وشتم اور توہین وتمسخر کا نشانہ بناتے، "انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا" کے مقالہ نگار نے اس واقعہ کے تذکرہ کے ضمن میں لکھا ہے کہ:-

'Abd ar-Rahman II sought to persuade the 'Criminals' to retract, by alleging some pretext or by affirming that the insult had been profeered involuntarily. Failing in this effort, he was obliged to impose the death penalty.

"عبدالرحمٰن الثانی نے یہ کوشش کی کہ مجرمین کوئی حیلہ بہانہ کر کے یا یہ اعتراف کر کے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا جرم مجبوراً سرزد ہوا ہے، اپنی گستاخی سے توبہ کرلیں لیکن جب اسے اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی تو مجبوراً اسے ان کو سزائے موت دینی پڑی۔"

آگے چل کر اسی مقالہ نگار نے ایک بہت اہم بات یہ کہی ہے کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا پانے والے بہت سے جوشیلے عیسائی ایسے بھی تھے جو پادریوں کے جوش دلانے سے شہید تو ہو گئے، لیکن کلیسا نے ان کے شہید ہو جانے کے بعد ان کے معاملہ سے بالکل لاعلمی اور بے تعلقی ظاہر کی۔

This persecution, provoked by the Christians themselves, took a toll of 53 victims, the last of whom found themselves disavowed by their own ecclesiastical authorities.

مجھے یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ متعدد شواہد سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ شانِ رسالت میں گستاخی کی اس منظم کوشش کے پیچھے اسپین میں حکمراں مسلمانوں اور عیسائی عوام کے درمیان مستقل طور پر نفرت وعداوت کی دیوار کھڑی کر دینے کا ایک شیطانی منصوبہ تھا جو آگے چل کر پوری طرح کامیاب ہوا اور بالآخر وہاں اسلامی

اقتدار ہی نہیں اسلامی وجود ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک تجربہ اسی صدی میں ہمارے برصغیر میں بھی ہو چکا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع کی بات ہے عظیم تر ہندستان کے مختلف علاقوں میں اہل دل علماء ربانیین کی کوششوں سے یہاں کے سادہ دل عوام خاصی تیز رفتار سے اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور یہ بات ان انگریزوں کے لیے ناقابل برداشت تھی، جن کے یہاں آنے کا بڑا مقصد یہاں کے عوام اور مسلمانوں کے درمیان نفرت وعداوت کے جذبات پیدا کر کے اشاعت اسلام کے کام کو روکنا تھا۔ چنانچہ بیسویں صدی کے شروع میں ہندوستان میں ایسی کئی کوششیں کی گئیں جن کا مشترکہ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اشتعال دلایا جائے، اور یہاں کے مقامی باشندوں اور مسلمانوں کے مابین منافرت پھیلائی جائے، اس سلسلہ میں خاص طور پر جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ یہ تھا کہ وہ کسی شردھانند، یا کسی راج پال، یا کسی ناتھورام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر، خاکم بدہن، کیچڑ اچھالنے اور آپ کی بے آبروئی کرنے پر آمادہ کیا جاتا، اس کے نتیجہ میں مسلمان مشتعل ہوتے اور پس کارروائیوں اور جوابی کارروائیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا، اور یہ نتیجہ ضرور نکلتا کہ اشاعت اسلام کا کام رک جاتا،

ہمارے زمانہ میں دشمنوں کی تمام تدبیروں، اور اپنی تمام تر غفلت وکوتاہی کے باوجود عالمی سطح پر اسلام کی پیش قدمی جس انداز سے جاری ہے، دشمنان اسلام اس پر خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ اسکا یہ تقاضا فطری ہے کہ ان کی طرف سے مسلمانوں اور عام انسانوں کے درمیان منافرت کی آگ از سر نو بھڑکانے کی کوششوں کا نیا سلسلہ شروع ہو، ہمارے نزدیک سلمان رشدی کی شیطانی آیات اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

یہ بات کہ عالمی سطح پر اسلام آگے بڑھ رہا ہے، خیالی دنیا کی بات نہیں ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ وہ دنیا اب آپ لوگوں کے لئے بالکل اجنبی نہیں رہی ہے جہاں ٹھوس حقیقتوں کا خود مشاہدہ وتجربہ کیا جاتا ہے۔ اور جہاں کی خبروں سے وہ لوگ بڑی حد تک بے خبر ہی رہتے ہیں جن کی معلومات کا زیادہ تر انحصار اخبارات وغیرہ دیگر ذرائع ابلاغ پر رہتا ہے۔ پس آپ لوگوں کے لیے اس بات پر یقین کرنا، انشاء اللہ بہت آسان ہوگا کہ عصر حاضر میں ہزار دشواریوں اور نامساعد حالات کے باوجود دعوت واشاعت کے میدان میں بحمد اللہ اسلام تمام مذاہب سے آگے ہے۔ تاہم جو تھوڑی سی مرعوبیت موجودہ ذرائع ابلاغ کی ابھی آپ کے دل میں باقی رہ گئی ہو، اس کی رعایت کر کے میں آپ کو چند اخباری تراشے بھی دکھانا چاہتا ہوں،

یہ دیکھئے آپ کے سامنے یہ جو تراشہ ہے یہ مشہور برطانوی اخبار "GUARDIAN" کے شمارے بابت ۱۶ اکتوبر ۱۹۸۶ء کا ہے۔ اس میں اخبار کے مذہبی امور کے مراسلہ نگار کے قلم سے ایک رپورٹ چھپی ہے جس کا عنوان ہے FEWER IN CHURCH AS MOSQUES FLOURISH مسجدوں میں اضافہ اور گرجوں میں کمی (یہ رپورٹ اخبار کے پورے کالم میں چھپا ہے۔ اس کا صرف ایک اقتباس ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔)

Christian church membership declined to just under 7 million last year, compared with nearly 7.5 million in 1930 and 8.5 million in 1970. The number of mosques increased from four in 1960 to 814 last year.

"برطانیہ میں عیسائی کلیسا کے ممبروں کی تعداد ۱۹۷۰ء میں ۵ء۸ لاکھ تھی، ۱۹۸۰ء میں یہ تعداد ۵ء۷ لاکھ رہ گئی، اور گذشتہ سال ۱۹۸۵ء میں تو یہ تعداد ۷ لاکھ سے بھی کم رہ گئی۔ (اس کے برخلاف) ۱۹۶۰ء میں برطانیہ میں کل ۴ مسجدیں تھیں، اور ۱۹۸۵ء تک برطانیہ میں مسجدوں کی تعداد ۸۱۴ تک پہونچ چکی تھی۔"

یہ دوسرا تراشہ "ہندوستان ٹائمز" کے شمارے بابت ۱۱ دسمبر ۱۹۸۷ء کا ہے اس میں ایک رپورٹ زیر عنوان "ISLAM IN FRANCE" (فرانس میں اسلام) چھپی تھی، اس رپورٹ کے یہ جملے خاص طور سے قابل غور ہیں۔

Islam has made huge strides in France, with mosques spreading across the landscape and increasingly self-assured Muslims demanding recognition that this is now a partly Muslim country. Interior Minister Charles Pasqua has instructed his staff to prepare him a report on this strange new "France of the Thousand Mosques" detailing the influence of Islamic fundamentalists. The newspaper and broadcasting have also discovered the "Islamic French" thanks to a major new book by a specialist in Islamic studies and political science professor, Gilles Kepel

فرانس میں اسلام تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ ملک میں ہر طرف مسجدیں بن رہی ہیں اور مسلمان بڑھتی ہوئی خود اعتمادی کے ساتھ اب یہ تسلیم کیے جانے کا مطالبہ

کر رہے ہیں کہ فرانس اب ایک جزوی طور پر مسلم ملک ہے۔ فرانسیسی وزیر داخلہ نے اپنے عملہ سے کہا ہے کہ وہ "ایک ہزار مسجدوں والے اس نئے اور عجیب و غریب فرانس" کے بارے میں اپنی مفصل رپورٹ پیش کریں جس میں اسلامی بنیاد پرستی کے اثرات کی پوری تفصیل درج ہو، ...... آگے چل کر اس رپوٹ میں کہا گیا ہے کہ

"گذشتہ ۱۵ سال میں مسجدوں اور عبادت گاہوں کی تعداد تقریباً ایک درجن سے بڑھ کر ایک ہزار (۱۰۰۰) تک پہنچ گئی ہے..."

اس رپورٹ کے مطابق فرانس میں گذشتہ ۱۵ سال کے دوران مسلمانوں کی تعداد میں تو کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ خود مسلمانوں میں کافی تیز رفتار کے ساتھ بیداری بڑھی ہے۔

اسی طرح کی ایک رپورٹ مشہور بین الاقوامی رسالہ TIME کے ۲۳ مئی ۱۹۸۸ء کے شمارہ میں AMERICANS FACING TOWARDS MECCA کے زیر عنوان چھپی تھی جس میں امریکا میں اشاعت اسلام اور مسلمانوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس رپورٹ میں امریکی مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے مختلف اسباب کے تذکرہ کے بعد کہا گیا ہے۔

"U.S. Muslims are expected to surpass Jews in number and, in less than 30 years, become the country's second largest religious community, after Christians."

"امریکی مسلمانوں کی تعداد مستقبل میں یہودیوں سے بڑھ جانے کی امید ہے، توقع ہے کہ آئندہ ۳۰ سال میں مسلمان، عیسائیوں کے بعد ملک کی دوسری سب سے بڑی آبادی ہو جائیں گے۔"

یہ تو ہوئی اخباری اطلاعات کی بات! میں یہ بات پھر دہراتا ہوں کہ ہم لوگ نہ اخباری خبروں کو پوری طرح قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ اور نہ بحمداللہ صورت حال سے باخبری کے لیے ان ذرائع ابلاغ کے محتاج ہیں جن پر اس وقت بڑی حد تک یہودیوں اور اسلام دشمن طاقتوں کا قبضہ ہے۔ ہمیں اپنے براہ راست مشاہدہ و تجربہ اور دنیا کے چپہ چپہ میں براہ راست رابطہ والی اور خالصۃً عملی جدوجہد کرنے والے ہزاروں بندگان خدا کی کارگذاریوں کے ذریعہ دنیا کی صورتحال کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ عصر حاضر میں ایک طرف تو دائیں بائیں مختلف قسم کے نظاموں کو برتنے کے باوجود اپنے خوابوں کو پہلے

سے زیادہ تشنہ آنکھیں دیکھ کر اور اپنی روح کی روز افزوں پیاس سے بری طرح پریشان ہو کر دنیا کے عام انسان اسلام ہی کو اپنے درد کا درماں سمجھنے لگے ہیں...... اور دوسری طرف مسلمانوں کے سنجیدہ طبقے میں روز بروز یہ احساس عام ہوتا جا رہا ہے کہ ہمارے مسائل کا حل، اور ہماری جدوجہد اور تگ و تاز کا اصل میدان صرف اور صرف دعوت الی اللہ ہے۔ سیاسی شور و غل اور ہنگامہ آرائی سے ہمارے مسئلے اور الجھتے جا رہے ہیں۔ اور اگر کچھ مدت تک یہ ماحول برقرار رہ گیا تو دو اور دو چار کی طرح اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا کہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے مزاج میں اعتدال آجائے گا اور دعوت اسلامی کے آگے بڑھنے کے لیے ماحول مزید سازگار ہو جائیگا اور یہی وہ نتیجہ ہے، جسے دشمنان اسلام کسی قیمت پر ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتے۔ اسی وجہ سے ہر کچھ دن کے بعد کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کو مشتعل کر دینے والا کوئی واقعہ بپا کر دیا جاتا ہے جس سے ہر طرف ذہنی تناؤ اور کشیدگی (TENSION) پھیل جاتی ہے اور دونوں فریقوں کا موڈ بری طرح بگڑ جاتا ہے۔

میں نے اپنی گفتگو کے شروع میں کہا تھا کہ تاریخ یہ بتاتی ہے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عام مسلمانوں کو جو جذباتی محبت ہے، اسلام دشمنوں نے اکثر اسے اپنے اس مذموم مقصد کے لیے، نہایت کامیابی اور عیاری کے ساتھ استعمال کیا ہے، ہمیں اس بارے میں ذرا بھی شک شبہ نہیں ہے کہ سلمان رشدی والا قضیہ بھی دراصل اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اب آپ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر بتایئے کہ آپ کی رائے میں سلمان رشدی کی اس شیطنت کے بارے میں مناسب طرز عمل کیا تھا؟ آیا یہ کہ اس کے خلاف شور بپا کیا جائے، ہنگامے کئے جائیں، مظاہرے کئے جائیں۔؟ یا یہ کہ اسے پوری طرح نظر انداز کر دیا جائے، اور پوری یکسوئی اور صبر و استقلال کے ساتھ اپنا کام (دعوت الی اللہ) جاری رکھا جائے؟؟؟

پہلے طریق کار میں دل کی بھڑاس نکل جائے گی، جذبات کی تسکین بھی ہو جائے گی، چاروں طرف سے شاباش بھی خوب ملے گی۔ البتہ دشمن کو ہماری کم عقلی پر ایک بار پھر ہنسنے کا موقع ملے گا! —— اور دوسرے طریق کار میں پتھر رکھنا ہوگا، جذبات کی قربانی دینی ہوگی، بزدلی اور بے حسی کے طعنے بھی سننے پڑیں گے، البتہ اسلام کا بھلا ہوگا، دین کو تقویت پہنچے گی دشمن ناکام اور اس کا حوصلہ پست ہوگا، اور سب سے بڑھ کر اللہ راضی ہوگا، اور اس کے رسول کی منشا پوری ہوگی۔ ——— سیرت نبوی کے ایک واقعہ سے ہمیں زیر بحث مسئلہ میں رہنمائی مل سکتی ہے۔ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے جاں نثار صحابی حضرت ابوبکر صدیق رض

کے ساتھ تشریف فرما تھے، کچھ اوباش کافروں نے آپ کو گالیاں دینی شروع کر دیں، کچھ دیر تک تو صدیق اکبرؓ بھی خاموش رہے، لیکن بالآخر صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، ناموس رسول کی اس طرح بے آبروئی صدیق اکبر سے دیکھی نہ گئی، پلٹ کر ان اوباشوں کو مخاطب کر کے کچھ کہہ دیا، مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکدم سے اٹھ کر چل دیئے، صدیق اکبر نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ! جب تک میں خاموش رہا آپ نے مجھے اپنے قرب سے محروم نہیں فرمایا، لیکن جیسے ہی میں بولا! آپ اٹھ کر چل دیئے؟ یہ کیا ماجرا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! ابوبکر! جب تک تم خاموش تھے ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دہی پر مامور تھا، لیکن جب تم بول پڑے تو وہ فرشتہ تمہارے پاس سے چلا گیا سو میں بھی چلا آیا۔

یاد رکھیے! اس قسم کی بیہودہ شیطانی بکواس کا بہترین جواب موجودہ حالات میں یہی ہے کہ خاموش رہا جائے، لیکن ایسے موقعوں پر خاموش رہنا بھی سیکھنا پڑتا ہے، خدا کرے کہ موقع محل کی تمیز اور جہاں خاموشی بہتر ہو وہاں اپنے جذبات پر قابو رکھنے اور خاموش رہنے کی عادت، یہ دونوں چیزیں سیکھنے کی ضرورت کا ہمیں خاطر خواہ احساس ہو جائے۔

ابھی میں نے آپ سے اس ڈرامے کے صرف ایک کردار (سلمان رشدی) کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ڈرامے کے دوسرے اداکار آیۃ اللہ خمینی کے رول کی وضاحت بھی کافی تفصیل طلب ہے۔ اور اگرچہ کمزوری و نقاہت کے باعث میں بہت تھک چکا ہوں، تاہم اس سلسلہ میں بھی کچھ نہ کچھ کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔

صورت حال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایران کی ناکام شورش پھر اچانک ایران عراق کی جنگ بند ہونے کے بعد سے اور امریکہ و اسرائیل کے ساتھ ایران کے خفیہ تعلقات کا راز فاش ہو جانے کے بعد سے خمینی صاحب کی مقبولیت میں تیزی سے کمی آگئی تھی اور ان کی امامت کے غبارہ کی ہوا نکل چکی تھی۔ لیکن اسلام دشمن طاقتوں و ایران سے ابھی جو مزید کام لینا تھا اسکے لیے ضروری تھا کہ اس غبارہ میں پھر سے ہوا بھری جائے۔ اور خمینی صاحب کو دوبارہ امام المسلمین کے مقدس منصب پر جلوہ افروز کیا جائے۔ اور پھر جس وقت سارا عالم اسلام خمینی صاحب کی جرأت و ہمت اور اسلامی غیرت پر خوشی سے تالیاں بجا رہا ہو اور عقیدت کے پھول برسا رہا ہو، ٹھیک اسی وقت ایران سے افغانستان اور پاکستان میں اسلام کی جڑ کھودنے کا کام مہارت سے لیا جائے کہ سلمان رشدی کے قضیہ کے شور میں کسی کا ذہن بھی اس طرف منتقل نہ ہو سکے۔

واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں صدر ضیاء الحق کی شہادت سے لے کر اب تک جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں شیعوں اور قادیانیوں کا کردار سب سے زیادہ نمایاں ہے ـــــــ اور افغانستان میں ۱۱ سالہ بے مثال قربانیوں پر خط تنسیخ پھیر دینے، اور لاکھوں شہیدوں، کا خون ضائع کر دینے کی جو منحوس کوشش اس وقت آیۃ اللہ خمینی کی قیادت میں ایران کر رہا ہے، وہ اسلام دشمنوں کی منشاء کے ہی نہیں، شیعوں کی تاریخ کے بھی عین مطابق ہے۔

لیکن افسوس! کہ بحیثیت مجموعی مسلمانوں پر جو خداوندی سزائیں مسلط ہیں ان میں سے ایک ان میں عقل وشعور کا فقدان اور یادداشت کی بے حد کمزوری بھی ہے۔ (نسوا اللہ فأنساهم أنفسهم)

مسلمانوں کو یہ نہیں یاد رہا کہ سلمان رشدی کو سبّ رسول کے جرم میں واجب القتل قرار دیئے جانے والا شخص خود کس حد تک اس جرم سے بری ہے؟ ابھی تھوڑے دن کی بات ہے دنیا بھر کے اخبارات ورسائل میں خمینی صاحب کا یہ بیان چھپا تھا کہ "پیغمبر اسلام بھی مکمل اور مثالی اسلامی انقلاب برپا نہیں کر سکے تھے اس لئے کہ ان کو وہ مخلص ساتھی نہیں ملے جن کی اس عظیم کام کے لئے ضرورت تھی۔ اسی بیان میں خمینی صاحب نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ ہم وہ انقلاب برپا کر کے دکھائیں گے جسے (نقل کفر کفر نباشد) پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی برپا نہیں کر سکے تھے)

خدارا کوئی بتائے! اس سے بڑی بھی کوئی گستاخی فخر الرسل اور امام الانبیاء کی شان میں کی جاسکتی ہے؟ صحابہ کرام کے متعلق خمینی صاحب کے جو خیالات ہیں، ان کا بھی ظاہر ہے کہ اصل نشانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہی ہے۔

مسلمانوں کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ جو شخص اس وقت ساری دنیا کے مسلمانوں کا ترجمان بن کر کھڑا ہوا ہے، اس کے اپنے خیالات کیا ہیں، اس کا کردار کیا ہے، اسلام دشمنوں سے اس کے روابط کس قسم کے ہیں؟ اس کے حقیقی عزائم اور منصوبے کیا ہیں؟

ادھر کچھ دنوں سے روس اور ایران کے درمیان براہ راست بات چیت کی خبریں آرہی تھیں۔ ایران کے وزیر خارجہ روس گئے، کچھ اور اعلیٰ سطحی ایرانی حکام بھی روس کے دورہ پر گئے۔ اور اب آخر میں روسی وزیر خارجہ نے ایران کا جو دورہ کیا ہے اس کا مقصد بتایا گیا ہے کہ برطانیہ اور ایران کے مابین ثالثی کی روسی پیشکش پر تبادلۂ خیال تھا، مزے کی بات یہ ہے کہ دنیا میں تو مشہور یہی ہے کہ برطانیہ اسی مغربی بلاک کا اہم ترین ملک ہے جو بنیادی طور پر روس کا حریف ہے، اور ایران میں بھی مرگ بر امریکا کے ساتھ مرگ بر روس

کے نعرے زور وشور سے بلند ہوتے رہے ہیں، پھر بھی یہ پوچھنے کی ضرورت کسی نے نہیں سمجھی کہ دو دشمنوں کے درمیان ثالثی کا کام، ایک ایسا تیسرا ملک کیسے کر رہا ہے جس سے دونوں کے تعلقات اچھے نہیں ہیں؟!

شاباش! دجالی سیاست کے لیڈرو! شاباش! ساری دنیا کی آنکھ میں دھول جھونکنے کی کوشش میں تم مسلسل کامیاب ہو رہے ہو! روسیوں اور ایرانیوں کے درمیان افغانستان میں آخری وار کے لئے تفصیلی اور براہ راست بات چیت کی ضرورت تھی مگر اس کیلئے کوئی ایسا عنوان درکار تھا جس کو سامنے رکھ کر ساری دنیا کو خصوصاً مسلمانوں کو بے وقوف بنایا جا سکے، لہٰذا طے یہ ہوا کہ سلمان رشدی کی اس کتاب کی حمایت کا بیڑا برطانیہ اٹھائے، اور مخالفت کا علم ایران بلند کرے۔ پھر اس قضیہ کو لے کر دونوں ملکوں میں تو تو میں میں ہو، اور پھر روس دونوں کے درمیان بیچ بچاؤ کے بہانے کود ے اور اس طرح روسی استادوں کو اپنے ایرانی شاگردوں کو خاص کر پاکستان اور افغانستان میں تخریبی کارروائیوں کے مجوزہ نقشۂ عمل کے بارے تفصیلی ہدایات دینے کا اطمینان سے موقع مل جائے۔

اسلام کے دشمن اکثر ایک تیر سے کئی شکار کرتے ہیں۔ سلمان رشدی کے اس قضیہ سے اولاً تو مسلمانوں اور دنیا کے عام انسانوں کے درمیان منافرت کے جذبات بڑھانے کا کام لیا گیا پھر آیۃ اللہ خمینی کی "رجعت" کا کام بھی اس قضیہ سے لیا گیا۔ اور اب اسی کی آڑ میں ایران اور روس کے درمیان باہم صلاح ومشورہ جاری ہے۔

اب مسئلہ کے پس منظر کے بارے میں ان تمام تفصیلات کو سامنے رکھئے اور خود فیصلہ کیجئے کہ سلمان رشدی کے اس قضیہ کے بارے میں ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے؟

یہاں پر میری یہ گفتگو پوری ہوئی، تو ان نوجوانوں نے ایک اور سوال کیا۔ سوال یہ تھا، "آپ کی اس گفتگو سے تو ہم یہ سمجھے ہیں کہ ہم مسلمانوں کی بے شعوری سب سے بنیادی مسئلہ ہے؟ اس کا آخر کیا علاج ہے؟"

میں نے اس وقت تو اس سوال کے جواب سے معذرت کی اور کسی دوسری نشست میں اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا۔ ان سطور کے لکھنے سے پہلے وہ دوسری نشست بھی ہو چکی ہے۔ اس نشست میں ان کے اس سوال کے جواب میں جو کچھ مجھ سے بن پڑا میں نے عرض کیا ۔۔۔۔ میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا ہوں کہ وہ معروضات بھی الفرقان کے ذریعہ آپ سب تک پہنچاؤں یا نہیں؟ اگر آپ اپنی رائے سے مجھے مطلع فرمادیں تو مجھے فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی ؎ یار زندہ صحبت باقی۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب والفضائل (۲۰)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (۵)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! تُرْسِلُنِي وَأَنَا حَدِيثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِي بِالْقَضَاءِ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتَّى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ: فَمَا شَكَكْتُ فِي قَضَاءٍ بَعْدُ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قاضی بنا کر یمن بھیجا (یعنی بھیجنے کا فیصلہ فرمایا) تو میں نے عرض کیا کہ اے رسولِ خدا! آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں اور میں نوعمر ہوں، اور مجھے قضاء کا (یعنی نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کا کما حقہ) علم نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا (یعنی دل میں وہی ڈالے گا اور زبان سے وہی کہلوائے گا جو صحیح اور حق ہوگا) جب تمہارے پاس دو آدمی کسی نزاعی معاملہ کا فیصلہ کروانے کے لیے آئیں تو تم (معاملہ کو) پہلے پیش کرنے والے کے حق میں فیصلہ نہ کر دینا یہاں تک کہ دوسرے فریق کی بات سن لو، یہ طریقہ

تم کو فیصلہ کرنے میں زیادہ کارآمد ہوگا"۔۔۔۔۔۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ (حضورؐ کی اس تعلیم اور دعا کے) بعد مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے کے بارے میں شک و شبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح:۔ متن حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ میں کر دی گئی ہے البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کی روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف راویوں سے کی گئی ہے جن میں سے بعض میں کچھ اضافے ہیں، ان سب روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد پورا واقعہ سامنے آجاتا ہے۔

کنز العمال میں ابن جریر کے حوالے سے واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"یمن کے کچھ لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے یہاں کسی ایسے صاحب کو بھیج دیجئے جو ہمیں دین سکھائیں اور شریعت کی تعلیم دیں، اور ہمارے نزاعات اور جھگڑوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کریں۔ تو حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم اس کے لئے یمن چلے جاؤ، حضرت علیؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا ہو سکتا ہے کہ وہاں کے لوگ، میرے پاس ایسے مقدمات اور ایسے قضیے لے کر آئیں، جن کے بارے میں مجھ کو علم نہ ہو تو حضورؐ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا "اِذْهَبْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِیْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ"، (جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا) آگے حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ اس کے بعد سے اب تک، مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے میں، کوئی شک و شبہ پیش نہیں آیا۔"[1]

کنز العمال ہی میں مستدرک حاکم، ابن سعد، مسند احمد، ابن جریر وغیرہ کے حوالہ سے اسی واقعہ کی ایک اور روایت حضرت علیؓ ہی سے کی گئی ہے۔ اس میں ہے کہ:

"جب میں نے حضورؐ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نو عمر ہوں اور مجھے نزاعات اور

---

[1] کنز العمال ص ۱۱۳ جلد نمبر ۱۳ مطبوعہ حلب

مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کوئی خاص بصیرت حاصل نہیں ہے تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور دعا فرمائی "اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَهٗ وَاهْدِ قَلْبَهٗ"
(اے اللہ تو اسکی زبان کو ثابت رکھ اور اس کے قلب کو ہدایت عطا فرما)
آخر میں حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ "فَمَا أَشْكَلَ عَلَيَّ قَضَاءٌ بَعْدُ"
(تو حضورؐ کی اس دعا کے بعد میرے لئے کسی قضیہ کا فیصلہ مشکل نہیں ہوا۔)[1]

اس عاجز راقم سطور کا خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے سینہ پر دست مبارک رکھا اور وہ دعا فرمائی جو روایت میں ذکر کی گئی ہے اور ساتھ ہی آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ دعا قبول فرمالی گئی تو آپ نے فرمایا، "إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ"۔ —— "سیهدی" میں "س" یقین کے اظہار کے لئے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے، انھوں نے اپنی قوم سے کہا: كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيْنِ"

یہ حقیقت امت کے مسلمات میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو نزاعات اور خصومات کے فیصلہ کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور اس بارے میں آپ کو تخصص اور امتیاز کا مقام حاصل تھا۔ —— اور بلاشبہ یہ ان کی ایک بڑی فضیلت ہے اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيكَ مَثَلٌ مِنْ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ أَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا أُمَّهٗ وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى أَنْزَلُوْهُ مَنْزِلَتَهُ الَّتِي لَيْسَتْ لَهٗ، ثُمَّ قَالَ: يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُقَرِّظُنِي بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَآنِي عَلٰى أَنْ يَبْهَتَنِي۔ رواه احمد

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تم کو عیسیٰ ابن مریم سے خاص مشابہت ہے، یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض و عداوت کا رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان

---

[1] کنز العمال ص ۱۲۵ جلد ۱۳ مطبوعہ حلب۔

کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ ان کا نہیں تھا، (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں غلو کرنے والے جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں، دوسرے بغض وعداوت میں حد سے بڑھنے والے جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پہ بہتان لگائیں۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا ظہور ان کے دورِ خلافت ہی میں ہوگیا، ——— خوارج کا فرقہ آپ کی مخالفت وعداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپ کو مخرّب دین، کافر اور واجب القتل قرار دیا، اور انہی میں کے ایک شقی عبد الرحمن ابن ملجم نے آپؓ کو شہید کیا اور اپنے اس بدبختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلۂ جنت کا وسیلہ سمجھا ——— اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہونچا دیا اور ایسے بھی جنھوں نے کہا کہ نبوت ورسالت کے لائق دراصل آپؓ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی ورسول بنانا تھا اور جبرئیل امین کو وحی لیکر آپؓ ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن ان کو اشتباہ ہوگیا اور وہ وحی لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ گئے۔ اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنھوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصی اور آپؐ کے بعد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام وخلیفہ اور سربراہِ امت تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے اور مقام ومرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپؓ حامل تھے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں غلو کرنے والے یہ لوگ مختلف فرقوں میں منقسم ہیں، مذاہب اور فرقوں کی تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرقوں کی تعداد پچاس کے قریب تک پہونچتی ہے۔

ان فرقوں میں اکثر وہ ہیں جن کا ذکر صرف کتابوں میں ملتا ہے، ہماری اس دنیا میں جہاں تک ہمارا علم ہے اب ان کا کہیں وجود نہیں ہے ——— جو فرقے اب موجود ہیں ان میں بڑی تعداد فرقۂ اثنا عشریہ کی ہے جس کا دوسرا نام امامیہ بھی ہے، اب اکثر ملکوں اور علاقوں میں اسی فرقہ کو "شیعہ" کہا جاتا ہے، یہ فرقہ

(بقیہ صفحہ ۴۴ پر)

ماہ رمضان المبارک کی آمد پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ

عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ
خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ
مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ
يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ
شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ
شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ
اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ
فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا
مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ
مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى
فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ
اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ
كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً
فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ
وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ
وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک خطبہ دیا — اس
میں آپ نے فرمایا:- اے لوگو! تم پر ایک عظمت
اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک
مہینہ کی ایک رات (شبِ قدر) ہزار مہینوں سے
بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے
فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی
میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل
عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا
ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا
قرب حاصل کرنے کیلئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی
سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ
کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس
مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے
کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ
ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور

اَلْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْئٌ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلَىٰ مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ۔

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے، جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی آجائے۔ —آپ سے عرض کیا گیا کہ:۔ یا رسول اللہ ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غربا اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے ؟) آپ نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو جنت میں جانے تک پیاس ہی نہیں لگے گی ...... اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس مبارک مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دیدے گا۔

افادات عارف باللہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رح

ترتیب :- مولانا محمد تقی عثمانی

مرنا اور جینا اللہ کیلئے

فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ
وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا
اور میرا مرنا اللہ کیلئے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے، اور آپ کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ فضول اور بے فائدہ نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کو یہ منظور معلوم ہوتا ہے کہ جو بندہ یہ بات کہیگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی مدد کی جائیگی۔

لہٰذا ہر بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر روز صبح کو بیدار ہونے کے بعد انسان سچے دل سے یہ کہہ لے کہ "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" اور دل میں یہ پختہ عزم کرلے کہ دن میں جو کوئی کام کروں گا، اللہ کے لئے کروں گا، اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اسکی خوشنودی کا حصول ہوگا، اور یہ عزم کرلینا اسکی یہ مشکل نہیں کہ اس سے زندگی کے کسی ضروری کام میں رکاوٹ پیدا نہیں

ہوتی، جن کاموں کو دنیا کے کام کہا جاتا ہے، مثلاً کھانا پینا، روزی کمانا، بیوی بچوں سے ہنسنا بولنا، رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کرنا، یہ سارے کام اللہ کے لئے ہو سکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ یہ کام غفلت کی حالت میں محض نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے انجام نہ دیئے جائیں، بلکہ انہیں انجام دیتے وقت نیت یہ ہو کہ یہ تمام حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے ذمے عائد فرمائے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کر کے دکھایا ہے، لہٰذا ہم یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی اتباع میں انجام دے رہے ہیں بس یہ نیت کرلی تو یہ سارے کام اللہ کے لئے ہو گئے۔

الحمد للہ، مدتِ دراز تک میں نے اپنے شیخ رح کے فیض سے اس بات کی مشق کی ہے کہ ہر کام اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنّت کی نیّت سے کیا جائے، اور مشق کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اچھا کھانا سامنے آیا، بھوک لگی ہوئی ہے، کھانے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن ایک لمحہ کے لئے رُک گیا کہ ہم یہ کھانا محض نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کھائیں گے، پھر دوسرے ہی لمحے تصوّر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کا بھی ہم پر حق رکھا ہے کہ اسکی ضروریات پوری کریں، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت بھی یہ ہے کہ آپ صلعم کے سامنے کوئی نعمت آتی تو شکر ادا فرماتے، اور اسکی قدر فرماتے تھے، لہٰذا اب اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنّت کی نیت سے کھائیں گے۔

اسی طرح گھر میں داخل ہوتے، گھر میں بچہ ہنستا کھیلتا نظر آیا، اچھا معلوم ہوا، اور بیساختہ دل چاہا کہ کچھ دیر اس کو گود میں لے کر اس سے دل بہلائیں، لیکن ایک لمحے کے لئے رُک گیا کہ محض نفس کی خواہش کی بناء پر بچے سے نہیں کھیلیں گے، پھر دوسرے ہی لمحے تصوّر کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت یہ تھی کہ آپ صلعم بچوں سے پیار فرماتے تھے، انہیں گود میں اُٹھا لیا کرتے تھے، اس تصوّر کے بعد اس سنّت کی اتباع کی نیت سے بچے کو گود میں اُٹھائیں گے۔

اسی طرح عزیز رشتہ دار یا دوست احباب سامنے آئے، دل چاہا کہ ان کے ساتھ کچھ وقت خوش طبعی میں گذارا جائے۔ مگر ایک لمحے کے لئے رُک گیا کہ یہ کام محض نفسانی

خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کرینگے۔ پھر وہی تصور کیا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عزیزوں رشتہ داروں کے حقوق ادا فرماتے تھے، ان سے بشاشت کے ساتھ ملتے تھے، اس تصور کے بعد اتباعِ سنت کی نیت سے ان سے ملیں گے۔

غرض دنیا کا کوئی جائز کام، یہانتک کہ تفریح اور خوش طبعی بھی، ایسا نہیں ہے کہ جسمیں اطاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنت کی نیت نہ کی جا سکتی ہو، بس یہ نیت کرلی تو وہی کام جو بظاہر دنیوی کام تھا اللہ کے لیے ہوگیا۔

اور اس نیت کا ایک لازمی اثر اور فائدہ یہ ہوگا کہ انسان جب اس کام کو اتباعِ سنت کی نیت سے انجام دینے کا سچا ارادہ کرلیتا ہے تو یہ نیت اُسے حدود کے باہر جانے سے بچائیگی، اور کسی مرحلے پر وہ حدود سے باہر نکلنے لگے گا تو دل میں یہ خلش پیدا ہوگی کہ میں نے تو یہ کام اللہ کے لیے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے شروع کیا تھا، لہٰذا سنت کی حدود سے باہر نہ نکلنا چاہیئے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ انسان اپنی زندگی کا ہر ضروری، بلکہ جائز کام بھی اللہ تعالیٰ کیلئے کرسکتا ہے تو صبح کو کام شروع کرنے سے پہلے یہ نیت اور عزم کرلیجئے کہ میں جو کام کرونگا اللہ کے لئے کروں گا، اس عزم کو بار بار ذہن میں دھرا لیجئے، اور پھر دعا کیجئے کہ یا اللہ! میں نے اپنی طرف سے تو یہ عزم کرلیا ہے، لیکن میں کیا؟ اور میرا عزم و ارادہ کیا؟ میں انتہائی کمزور ہوں، میرے عزائم اور ارادے ضعیف ہیں، میرا ان پر از خود ثابت قدم رہنا میرے بس سے باہر ہے، آپ اپنے فضل و کرم سے مجھے اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما دیجئے۔

بس یہ عزم اور یہ دعا کرکے اپنے کام میں لگ جائیے، اور ہر کام کے وقت اس پر حتی الوسع عمل کرنے کی کوشش کیجئے۔ جب سارا دن گذرنے کے بعد رات کو سونے کے لئے بستر پر جانے لگیں تو دن بھر کے اعمال کا مختصر جائزہ لیجئے کہ صُبح جو عزم کیا تھا، اس پر کس حد تک قائم رہ سکے؟ اگر کہیں غلطی نظر آئے تو اس پر توبہ اور استغفار کیجئے کہ یا اللہ! عزم تو کیا تھا، لیکن میں اپنی کمزوری کی بنا پر فلاں فلاں معاملات میں اس پر ثابت قدم نہ رہ سکا۔ فلاں غلطی ہوگئی، فلاں قصور یا فلاں گناہ سرزد ہوگیا، یا اللہ اپنی رحمت سے اسے معاف

فرما دیجئے، میں توبہ واستغفار کرتا ہوں، اللّٰھم انی استغفرک واتوب الیک، انشاء اللہ وہ غلطی معاف ہو جائیگی

اب ایک نازک اور لطیف بات سُنئے۔ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل میں ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی الخ کہا تھا اپنی طرف سے عزم بھی کر لیا تھا، اور پھر اللہ تعالیٰ ہی سے مدد بھی مانگ لی تھی کہ یا اللہ! آپ ہی مجھے اس عزم پر ثابت قدم رکھئے۔ اس طرح میں نے اپنے آپکو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا، پھر مجھ سے یہ غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے کیوں نہیں بچایا؟

یہ بڑا نازک سوال ہے، اور اس کا جواب بھی بڑا نازک ہے، اور وہ یہ کہ جب انسان اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اور حتی المقدور ہمت کو بھی کام میں لائے، اور ہمت کر کے گناہوں سے بچنے کی کوشش بھی کرتا رہے، اس کے باوجود کبھی کوئی غلطی سرزد ہو جائے جس پر ندامت اور توبہ واستغفار کی بھی توفیق ہو جائے تو وہ بھی مشیتِ خداوندی سے ہوئی ہے۔ اس پر مایوس ہونے کے بجائے یہ سوچنا چاہیئے کہ جب میں نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا تو یہ بات ناممکن تھی کہ اللہ تعالیٰ اسکے بعد مجھے بے یار ومددگار چھوڑ دیں، تو جو کچھ ہو گیا، وہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ غلطی کا صدور بھی مشیت ہی سے ہوا، اور جب اس پر استغفار ندامت اور شکستگی کی توفیق ہو گئی تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سارے مجموعے کے ذریعہ ندامت، عاجزی، شکستگی، درماندگی اور عبدیت کی نعمتیں عطا فرمائیں جو انسان کو مورد بناتی ہیں اللہ تعالیٰ کی توابیت کا، اس کی غفاریت کا، اسکی رحمانیت کا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے عزم اور دعا کے بعد بے یار ومددگار نہیں چھوڑا، بلکہ تمہاری مدد فرمائی، اگر مدد نہ ہوتی تو اس ندامت اور توبہ واستغفار کی توفیق نہ ہوتی، جب یہ توفیق عطا فرما دی گئی تو سمجھو کہ "للہ رب العالمین" تک پہنچنے کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار فرمایا گیا ہے، تمہارے ارادوں کو توڑا گیا ہے تاکہ تمہیں اپنی عاجزی کا احساس ہو، تمہاری حقیقت تم پر واضح کی گئی ہے، تاکہ تمہارے دل میں ندامت، شکستگی اور عبدیت پیدا ہو، اور یہ شکستگی ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ؎

(بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

یادِ رفتگاں

سالِ رواں برصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں کے لئے "عام الحزن" ثابت ہو رہا ہے۔ سال کے بالکل ہی آغاز میں صدر ضیاء الحق رخصت ہوئے، پھر ۲۴ ر محرم کو حضرت مولانا عبدالحق صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، پاکستان) واصل بحق ہوئے، ۵ ر ربیع الاول کو مولانا نسیم احمد فریدی کی امروہہ میں وفات ہوئی، ۸ ر ربیع الاول کو مولانا محمد مالک کاندھلوی لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اسی ماہ ربیع الاول کے آخر میں مکہ مکرمہ میں بھائی سعدی رخصت ہوئے، ربیع الثانی میں مولانا ابوالعرفان ندوی کا انتقال ہوا، جمادی الاولیٰ میں مولانا ضیاء الحسن صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) رخصت ہوئے، اور رجب کے ماہ رواں میں حضرت مولانا عبیداللہ بلیاوی (نظام الدین، دہلی) اور ڈاکٹر محمد آصف قدوائی (لکھنؤ) بھی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اسی مہینے میں ایک اور بندۂ خدا رخصت ہوا جس کا نام محمد یوسف پالن پوری تھا، اور جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندازے میں اسلام کا خاص درد، اور دعوتِ دینی کا بڑا جذبہ اور سلیقہ عطا فرمایا تھا۔

الفرقان کے صفحات میں جانے والوں کا تذکرہ اہتمام سے کیا جاتا ہے اور مقصود صرف خراجِ عقیدت پیش کرنا نہیں ہوتا بلکہ جانے والوں کے لیے دعاؤں کے اہتمام کی گذارش کے علاوہ یہ ہوتا ہے کہ ہم پیچھے رہ جانے والے ان آگے جانے والوں کے محاسن کو اپنائیں اور زادِ راہ کی فکر، بہت کم ہے اور سفر بہت دشوار!

آج کی صحبت میں ہم پانچ جانے والوں کا تذکرہ کریں گے، دعا ہے کہ راقم الحروف کو بھی یادِ رفتگاں کی اس بزم سجانے کا اصل مقصد یاد رہے اور آپ سب بھی اسی نیت سے اس بزم میں شریک ہوں۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی: مولانا محمد مالک کاندھلوی، معروف محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے دوسرے فرزند تھے، مولانا نے اپنی تعلیم کے زیادہ تر مراحل دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل میں

طے کئے، پھر تقسیم ملک کے بعد اپنے والد ماجد کے ساتھ پاکستان منتقل ہوئے، مختلف مراحل سے گذرتے ہوئے جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور آخر تک اس خدمت پر فائز رہے۔ درس کے علاوہ تمام اوقات مختلف دینی وعلمی اور تصنیفی مشاغل میں بسر کرتے تھے۔ نہایت سادہ طبیعت پائی تھی نام ونمود، آرائش وزیبائش خود نمائی اور مقابلہ آرائی وجاہ پسندی سے بالکل الگ بلکہ بیزار وبرداشتہ خاطر رہتے تھے، ہر طبقۂ خیال کے اہل فضل وکمال سے روابط ومراسم رکھتے تھے، اور مختلف طبقات کے درمیان فاصلوں کو کم کرنا چاہتے تھے اور شاید یہی جذبہ تھا جو دار العلوم دیوبند کے تنازعہ کے وقت ان کو ہندستان لے کر آیا تھا۔ اگرچہ باہمی اختلاف کو ذرا پسند نہیں کرتے تھے مگر اسلام دشمن تحریکات خصوصاً رد عیسائیت اور قادیانیت کے بارے میں بہت حساس تھے، اور ان فتنوں کی سرکوبی میں خاصے سرگرم رہتے تھے ابھی حال ہی میں شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت . ہم کے استفتاء کے جواب میں جن سیکڑوں علماء نے فتوی تکفیر پر مہر تصدیق ثبت کی تھی ان میں مولانا محمد مالک کاندھلوی بھی تھے۔ نیز اسی سلسلہ کی یادگار مولانا مرحوم کا وہ سفر تھا جو دار العلوم دیوبند میں منعقدہ ختم نبوت کانفرنس کے موقع پر ہوا تھا مگر یہ سب مصروفیات ومشاغل جزوی حیثیت رکھتے تھے، مولانا کا اصل ذوق تفسیر قرآن کا" ۔

قرآن پاک کی تفسیر اور متعلقہ مباحث ومضامین پر مولانا کی وسیع نظر اور گہرے شغف کا مولانا کی تفسیری مؤلفات اصول تفسیر۔ منازل العرفان فی علوم القرآن، اور حضرت مولانا محمد ادریس کی تفسیر معارف القرآن کی آخری جلد سے خوب اندازہ ہوتا ہے جو مولانا محمد مالک نے مرتب فرمائی۔ اس موضوع پر تصنیفات کے ساتھ ساتھ ایک سے زائد مقامات پر درس قرآن کا سلسلہ رہتا تھا سمن آباد۔ لاہور کی جامع مسجد میں ہر اتوار کو درس ہوتا تھا۔ ایک اور مسجد میں بھی درس کا معمول تھا۔ ایک اور درس قرآن ہر جمعہ کی صبح ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہوتا تھا۔ غالباً ان سب میں مسجد سمن آباد کا درس سب سے اہم تھا جس میں اہل علم وذوق اور عمائدین کثرت اور خاصے اہتمام سے شریک ہوتے تھے، یہ تینوں درس آخر تک اسی طرح جاری رہے، اور بیشمار لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ تفسیر کی طرح سیرت کے موضوع سے بھی خاص مناسبت تھی ان دونوں موضوعات پر مولانا کی تقریریں "وہ کہیں اور سنا کرے کوئی" کا ایک مصداق ہوتی تھیں۔

تصنیفات میں "اصول تفسیر" "منازل العرفان فی علوم القرآن" اور "تتمہ تفسیر معارف القرآن"

کے علاوہ "تجرید مسلم" حدیث پاک کے موضوع پر ایک بڑی اور اہم خدمت ہے۔ تجرید بخاری کے طرز پر تجرید مسلم شائع ہو چکی ہے اور تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ فقہ کے موضوع پر مولانا کی سب سے بڑی اور سب سے مفید یادگار ہدایہ اولین کا اردو ترجمہ ہے یہ ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ رد عیسائیت پر مولانا کی کتاب پیغام مسیح علیہ السلام خاصی معروف و مقبول ہے جس کے کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے اور اس کے اثرات و فوائد محسوس کئے گئے۔

۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء جمعہ کی شب میں دل کا دورہ ہوا اور طبی امداد ملنے سے پہلے روح پرواز کر گئی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ جمعہ کے بعد جامعہ اشرفیہ کے وسیع میدان میں مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کی امامت میں نماز جنازہ ہوئی۔ اور نواں کالونی کے قبرستان میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد ادریس کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

یہ لکھنا رہ گیا کہ مولانا جنرل محمد ضیاء الحق کی پہلی شوریٰ کے ایک اہم رکن تھے بعد میں اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر مقرر ہوئے اور غالباً آخر تک رہے۔ رسمی ممبری سے قطع نظر مولانا صدر شہید کے نہایت قریبی اور معتمد علیہ افراد میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور سنا ہے کہ صدر مرحوم ان کی رائے کو خاص اہمیت دیتے تھے[1]

بھائی سعدی مرحوم

بھائی سعدی مرحوم :- تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے کیرانہ کا ایک مرد مجاہد مولانا رحمت اللہ کیرانوی مسیحیت کے خلاف قلمی و لسانی جہاد کی پاداش میں ترک وطن کر کے آغوش حرم میں چلا گیا تھا، وہاں اس نے اپنے کام کی تکمیل کی اور مدرسہ صولتیہ کی تعمیر کی سعادت حاصل کی، مولانا رحمت اللہ صاحب نے اپنی جانشینی اور مدرسہ کے انتظام کے لیے اپنے بھتیجے مولوی محمد سعید صاحب کیرانوی کو ہندستان سے مکہ معظمہ بلایا۔ اپنے پاس رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کی پھر اپنی سب امانتیں ان کو سونپ دیں۔ بھائی سعدی انہی مولانا محمد سعید صاحب کے پوتے تھے۔ ان کا اصل نام تو دادا ہی کے نام پر محمد سعید رکھا گیا تھا، عربوں کے رواج کے مطابق نام کے ساتھ خاندان کا لاحقہ لگنے لگا اس لیئے محمد سعید رحمت اللہ کہلانے۔ گھریلو نام سعدی تھا، اور ہم سب انھیں بھائی سعدی ہی کے نام سے جانتے تھے۔

---

[1] مولانا محمد مالک کاندھلوی کے متعلق یہ معلومات زیادہ تر مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کی فراہم کردہ ہیں جسکے لیے ادارہ الفرقان انکا ممنون ہے۔

بھائی سعدی مکہ مکرمہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، مدرسہ صولتیہ اور سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں سرکاری ملازم ہو گئے تھے، اور مختلف ملازمتوں سے گذرتے ہوئے آخر میں مکہ مکرمہ کے "کاتب العدل" چیف رجسٹرار ہو گئے تھے۔ ایک عرصہ تک بہت عزت اور نیک نامی کے ساتھ اس عہدہ پر کام کرتے رہے آخر میں مستعفی ہو کر تجارت اور کاروبار میں مصروف ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے بھی خوب نوازا تھا، اور امور خیر میں بڑی فیاضی کے ساتھ خرچ کرنے کا ذوق بھی عطا فرمایا تھا، ہندوستان و پاکستان کے علماء و صلحاء سے بہت محبت و خلوص رکھتے تھے، خصوصاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ پر تو فدا تھے، ان کی ہر چیز حضرت کے لیے وقف رہتی تھی، ان کی اور ان کے مہمانوں اور رفقاء کی ایسی مہمانداری کرتے کہ باید و شاید،

والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی ۸۴-۸۵ء میں حرمین شریفین حاضری کے موقع پر جب بھائی سعدی کو پہلے سے ان کے سفر کی اطلاع ملی تھی تو فوراً بذریعہ فون انھوں نے یہ فرمائش کہلا بھیجی تھی کہ ان کا قیام غریب خانہ ہی پر رہے گا اور ایک "چھکڑا" (موٹر کار) بھی حاضر رہے گا۔ پھر مکہ مکرمہ میں پوری مدت انھیں کے خوبصورت اور ہر قسم کی سہولتوں سے آراستہ مکان میں قیام رہا تھا، (مکان کے اس حصہ کو انھوں خاص طور پر حضرت شیخؒ کی معذوریوں کے خیال سے تعمیر کروایا تھا، چنانچہ حضرت والد ماجد مدظلہٗ کو جنھیں خود اسی قسم کی معذوریاں لاحق تھیں، ان انتظامات کی وجہ سے بہت سہولت ہوئی تھی)، اس مدت میں جس محبت اور اپنائیت کے ساتھ بھائی سعدی نے خدمت اور مہمانداری کی تھی، اس کا نقش آج تک حضرت والد ماجد کے دل پر ثبت ہے۔ بلکہ انھوں نے بڑی تفصیل سے اس کی روداد سفر سے واپسی کے بعد الفرقان کے صفحات میں بھی تحریر فرمائی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ ان کے اندر مہمان نوازی، کشادہ دستی، کشادہ جبینی اور اس دولت و ثروت کے باوجود بے تکلفی اور ہر کہہ و مہہ سے محبت و خلوص کا معاملہ جیسے جو بلند انسانی اخلاق تھے، ان کی وجہ سے ہر ایک کے دل میں ان سے محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے تھے۔ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے بھائی سعدی کے انتقال کے بعد حضرت والد ماجد مدظلہٗ کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

ہمارے ضلع میں ایک ایسی جگہ جہاں بھائی سعدی مرحوم یا ہمارے خاندان کا کوئی شخص مدعو یا موجود نہیں تھا کسی صاحب کی زبان پر بھائی سعدی کا نام آیا اور پھر تمام مجلس اور حاضرین اسی ایک تذکرہ میں

مولانا دہلی سے تشریف لائے تھے، وہاں سے واپسی پر دو یوم کے لئے لکھنؤ بھی سفر کیا، اس موقع پر شہر میں بھی کئی نشستیں ہوئی تھیں اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھی دو الگ الگ مجلسوں میں مولانا نے اساتذہ کرام اور طلبہ سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو فرمائی تھی، اس موقع پر مولانا، حضرت والد ماجد مدظلہٗ سے ملاقات کی غرض سے ہمارے گھر بھی تشریف لائے تھے۔

اس سفر سے دہلی واپسی کے چند ہی روز بعد مولانا کو اپنے بہنوئی کے انتقال کی خبر ملی تو فوری طور پر دہلی سے گورکھپور کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس تعزیتی سفر سے مولانا کی دہلی واپسی (غالباً) ۱۲؍ فروری کو ہوئی۔

۱۴؍ فروری کو مولانا نے سخت مشغول دن گذارا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب دامت برکاتہم ایک سفر پر تشریف لے گئے تھے اس لئے روزمرہ کے مشاغل کے علاوہ جماعتوں کو۔ وانگی سے قبل دی جانے والی ہدایات دینے، اور انھیں رخصت کرنے کا کام بھی اس دن مولانا ہی کے سپرد تھا، بعد ظہر حسب معمول مولانا نے عصر تک درس و تدریس کا معمول بھی پورا کیا، پھر دیر رات تک ملاقاتوں اور معمولات کا سلسلہ جاری رہا، اس دن غیر معمولی تکان اور کچھ تکلیف محسوس کر رہے تھے، لیکن کوئی خاص بات محسوس نہیں کی گئی، رات میں گیارہ بجے کے قریب مولانا سو گئے، صبح خلاف معمول جب بیدار نہ ہوئے تو بعض رفقاء نے مولانا کو جگایا، اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مولانا اب اس دنیا میں نہیں رہے، رات میں کسی وقت نہایت خاموشی کے ساتھ وہ اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل ہو چکے تھے۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ وارض عنہ وتقبل حسناتہ وتجاوز عن سیأتہ

محمد یوسف پالن پوری:- مصلحین و مجددین اور اللہ کے منتخب بندگان خدا کے رنگ الگ الگ ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ تعالیٰ نے جو خاص کام لیا وہ عام بندگان خدا کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے، انھیں دین سکھانے اور ان کے اندر اخلاص وللہیت کی صفات پیدا کرنے اور انھیں مردم سازی کا یہ فن سکھانے کا کام تھا جو طریق کار نبوت سے خاص قرب رکھتا ہے۔ دنیا بھر میں ایسے لاکھوں کروڑوں انسان ہوں گے جو دنیا کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے تھے، اور جن کو نہ کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور نہ کسی خانقاہ میں تربیت پانے کا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اس چلتے پھرتے مدرسہ اور چلتی پھرتی خانقاہ سے جوڑ دیا جو تبلیغی محنت کے نام سے دنیا بھر میں جاری

محو ہو گئے ہر شخص اپنی دیدہ و شنیدہ باتیں بتا رہا تھا اور ہر ایک منھ بھر بھر کے تعریف و توصیف کر رہا تھا، اسی میں مجلس تمام ہو گئی، حالانکہ اس مجلس میں نہ اس خاندان کا کوئی فرد موجود تھا نہ شاید کسی کو یہ خیال آیا کہ ہم ایک تقریب میں جمع ہیں، جہاں ایسے تذکرے عموماً نہیں کیے جاتے، ہر ایک اپنی کہتا اور دوسرے سے اظہار غم کرتا تھا۔

ابھی چند ماہ قبل بھائی سعدی مرحوم نے ہندوستان کا ایک سفر کیا تھا، اسی سفر کے دوران ۱۰ ستمبر کو چند گھنٹوں کے لئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور حضرت والد ماجد مدظلہ سے ملاقات کی غرض سے لکھنؤ بھی آئے تھے، بالکل چاق و چوبند اور ہمیشہ کی طرح مسرور و شادماں تھے، یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ تھوڑے ہی دن بعد ان کی زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے ــــ نومبر کے وسط میں خبر ملی کہ ۱۰ نومبر کو ان کا انتقال ہو گیا، بعد میں یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں وہ اپنے باغ میں اہل خانہ کے ساتھ بعد عصر چائے پی رہے تھے کہ اچانک پیغام اجل آ گیا اور بیٹھے بیٹھے وہ رخصت ہو گئے۔ اللہ اکبر، کس قدر قریب ہے موت کی منزل۔ اور کیسی شدید ہے ہماری غفلت!

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی:

ان سطور کے پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو گا جو حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی سے واقف نہ ہو، مولانا مرحوم علمار کرام کی اس نسل کے باقی ماندہ چند خوش نصیب افراد میں سے ایک تھے جس نے داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تربیت رہ کر اس عظیم تجدیدی و اصلاحی جد وجہد کے لیے اپنی پوری زندگی اور اپنی تمام صلاحیتوں کو وقف کر دیا تھا جس کی تاسیس کا کام اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے لیا تھا، اور اب جو تبلیغ و دعوت کے نام سے معروف ہو گیا ہے ــــ ہمارے اندازہ میں ایسے بندگان خدا کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہوگی جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائی، اور ایسوں کی تعداد بھی یقیناً کئی ہزار سے زیادہ ہوگی جن کی زندگیوں اور جان و مال کے بہتر استعمال میں مولانا مرحوم کی ترغیب و تشویق اور حوصلہ افزائی کا بڑا حصہ لگے گا، عمومی اصلاحی کام کے علاوہ مولانا مدرسہ کاشف العلوم بنگلہ والی مسجد، مرکز تبلیغ میں حدیث کی بلند پایہ کتابوں کا درس بھی دیتے تھے۔

۲۷، ۲۸، ۲۹ جنوری کو دھوترا، باندہ میں ایک تبلیغی اجتماع ہوا تھا اس میں شرکت کے لیے

ہے اور پھر ان کی زندگی میں انقلاب آگیا، ان کے عقائد درست ہوئے، عبادات درست ہوئیں ان کے اخلاق و معاملات کی اصلاح ہوئی، ان کے جذبات درست ہوئے اور ان کی ہمت و استعداد کے بقدر ان کے اندر "دین" آگیا۔ ان لاکھوں کروڑوں میں ہزاروں ایسے بھی نکلے جن کی وہ بہترین صلاحیتیں اسلام کے کام آئیں جو بصورت دیگر صرف کام و دہن کے تقاضوں پر ضائع ہو جاتیں اور پھر وہ ایسے نکھرے، ایسے بنے سنورے کہ جو انھیں دیکھتا وہ عش عش کر اٹھتا، ہمارے گمان میں ایسے ہی خوش نصیب اور بلند استعداد لوگوں میں محمد یوسف پالن پوری صاحب بھی تھے، جو پیشہ کے اعتبار سے ٹیکسی ڈرائیور تھے، اور زبردست محنت و قربانیوں کے بل پر وہ اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ ہزاروں کے قافلوں کو جن میں مختلف زبانوں والے، مختلف مزاجوں اور مختلف ملکوں والے لوگ ہوا کرتے تھے، بڑی مہارت اور سلیقہ کے ساتھ چلاتے تھے۔

کچھ مدت تک ایک سنگین بیماری میں مبتلا رہنے کے بعد ۵ رجب کو سورت میں یہ بھائی محمد یوسف پالن پوری انتقال کر گئے۔ اِس وقت تو ان کے انتقال کی اطلاع دے کر اپنے قارئین سے ان کے لئے اور ان کے اہلِ خانہ کے لئے دعاؤں کے اہتمام کی گذارش کرنی ہے۔ انشاءاللہ ان کے بارے میں تفصیل سے آئندہ لکھا جا سکے گا۔

آہ! ڈاکٹر محمد آصف قدوائی:- الفرقان کے اکثر قارئین کے لیے یہ نام نیا نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کے جب مضامین الفرقان میں شائع ہوا کرتے تھے، ان کا جسم مختلف بیماریوں کا شکار اور تکلیفوں سے زار و نزار تھا، لیکن ان کا دل و دماغ، اللہ اکبر! کم از کم ہم نے ان کا جیسا صحت مند، مضبوط مطمئن، معتدل۔ اور سلیم دل و دماغ شاید ہی کبھی دیکھا ہو! واللہ، آصف بھائی قدرت خداوندی کا ایک شاہکار اور حلم خداوندی کی ایک نشانی تھے،

حضرت والد ماجد دامت برکاتہم سے آصف بھائی کا جو تعلق تھا، وہ باپ بیٹے کے تعلق سے بھی سوا تھا، ہم لوگ انھیں اپنے بڑے بھائیوں (مولانا عتیق الرحمن سنبھلی اور جناب حفیظ نعمانی صاحب) کے ساتھ ہی شمار کرتے تھے، اور ان کی بھی محبتیں ہم چاروں بھائیوں اور ہمارے پورے کنبہ کو اسی ترتیب سے حاصل تھیں،

ابھی پچھلے دنوں جب حضرت والد ماجد مدظلہ کی طبیعت تشویشناک حد تک بگڑ گئی تھی تو ایک دن فون پر جب ان کا حال، اس ناچیز راقم الحروف نے انھیں بتایا تو بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے، "سجاد میاں! ہم تو یہ دعا کر رہے تھے کہ ہم ابا جی (وہ حضرت والد ماجد کو ہمیشہ اسی نام سے یاد کرتے تھے) سے پہلے چلے جائیں تاکہ جیسے ہمیں زندگی میں ان کی دعائیں ملتی رہیں مرنے کے بعد بھی ملتی رہیں۔"

شاید اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو سن لیا، ۲۰ فروری بروز دوشنبہ وہ اچانک رخصت ہو گئے اور فوراً ہی خبر آگئی، بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ہم لوگوں پر کیا گذر گئی؟ خاص طور پر جس طرح حضرت والد ماجد مدظلہ دعاؤں کی طرف متوجہ ہوئے اسے دیکھ کر ہم لوگوں کو آصف بھائی پر بڑا ہی رشک آیا، پھر جب اس حالت میں کہ وہ نقل و حرکت سے قریب قریب بالکل ہی معذور ہو گئے ہیں، نماز جنازہ سے آدھے گھنٹے پہلے وہ آصف بھائی کے مکان پر تشریف لے گئے، چند سیڑھیاں چڑھ کر وہ ان کے کمرہ میں جا کر آصف بھائی کے پلنگ کے پاس ٹھیک اسی طرح جا کر بیٹھے جیسے اب تک سال میں دو تین مرتبہ خاص طور پر عیدین کے موقع پر معمول رہا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ان کے گھر والوں کے اصرار پر کھڑے میں دشواری کے باوجود نماز جنازہ بھی پڑھائی اور اس وقت بہت سے لوگوں کو آصف بھائی کے نصیب پر ٹوٹ کر رشک آیا۔ نماز

صفحات کی تنگ دامانی کہہ رہی ہے کہ بس کرو اقلم روکو! اور جذبات ہیں کہ امڈے چلے آ رہے ہیں، یادوں کا سیلاب ہے کہ بہا چلا آ رہا ہے۔ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں موخر الذکر تینوں حضرات کے بارے میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔ اس وقت تو مقصود صرف دعاؤں کے اہتمام کی گذارش ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص الخاص معاملہ فرمائے۔ آمین

الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم ۴ دیکھئے قاعدہ ۸)

مقام اشاعت: لکھنؤ　　وقفۂ اشاعت　　ماہانہ

پرنٹر پبلشر کا نام و پتہ: محمد حسان نعمانی ۳۱ نیا گاؤں غربی لکھنؤ　　قومیت　　ہندوستانی

ایڈیٹر کا نام و پتہ　خلیل الرحمن سجاد ندوی　　قومیت　　ہندوستانی

ملکیت: محمد حسان نعمانی و خلیل الرحمن سجاد ندوی

میں محمد حسان نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں

دستخط　محمد حسان نعمانی

[عصر حاضر میں مطبوعات وتالیفات کا سیلاب آیا ہوا ہے، ہر موضوع پر اتنی کثرت سے تازہ بہ تازہ نو بہ نو کتابیں شائع ہو رہی ہیں کہ ان کا احاطہ دشوار ہے، مطبوعات کی کثرت قارئین کے لئے سنگین مسئلہ بنی ہوئی ہے، مطبوعات کے اس سمندر میں کام کی چیزیں بہت کم ہیں، معدودے چند تحریریں جو بلند پایہ تحقیقی اور معیاری ہوتی ہیں اس ناپید اکنار سمندر میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لئے دور حاضر کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ مطبوعات کے اس سمندر میں علم وتحقیق کے جو موتی سنگریزوں کے تہہ بہ تہہ انبار میں دب کر نگاہوں سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ انھیں منظر عام پر لایا جائے اور ان کی قدر وقیمت اجاگر کی جائے تاکہ علم وتحقیق کے شیدائی علم و عرفان کے شیریں چشموں تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اسی خیال سے ہم نے فیصلہ کیا کہ الفرقان کے صفحات میں کتابوں کے تعارف وتبصرہ کا جو باب عرصہ دراز سے بند چلا آ رہا ہے اب پھر کھول دیا جائے۔ لیکن اس تفصیل کے ساتھ کہ صرف انھیں کتابوں کا تعارف کرایا جائے جن کے تعارف کو ادارہ ضروری اور مفید سمجھے۔ لہٰذا واضح رہے کہ تبصرہ کے لئے آئی ہوئی ہر کتاب کا ذکر ان صفحات میں لازمی نہیں ہے۔]

——— ادارہ

نام کتاب ——— اسلامی عدالت حصہ اول (اسلام کے عدالتی قوانین کا مجموعہ)

مصنف ——— مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی، قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

صفحات ——— ۸۰۴

ناشر ——— قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ویج بلڈنگ حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۳

کتابت، طباعت، کاغذ ——— انتہائی معیاری

قیمت ——— ۱۵۰ روپے

زیر تبصرہ کتاب اسلامی قانون کے میدان میں ایک بڑے خلا کو پر کرتی ہے، اور انسانی ذہنوں کے تراشے ہوئے نظام ہائے قانون کے مقابلہ میں اسلامی نظام قانون کی برتری اور جاودانی کا روشن ثبوت ہے۔ اسلامی عدالت کی جلد اول (جو زیر تبصرہ ہے) میں مصنف نے اسلامی قانون قضا کے اس حصہ کو جس کا تعلق قاضی، عدالت، سماعتِ مقدمہ اور فیصلہ سے ہے دفعہ وار مرتب کر دیا ہے پوری کتاب سات سو چالیس دفعات پر مشتمل ہے۔

کسی کتاب کا تعارف مصنف کتاب سے بہتر کون کر سکتا ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کے تعارف میں لکھا ہے "اس کتاب کی ترتیب میں ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کی فقہی آرا کو سامنے رکھا گیا اور حالات و ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے کہیں کہیں مسلک احناف سے عدول بھی کیا گیا ہے جس کی صراحت کر دی گئی ہے، اور بعض مقامات پر ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر ائمہ مجتہدین کی آرا بھی پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ تمام ہی مندرجات کے مستند حوالے اور اصل عربی عبارتیں حاشیہ میں درج ہوں۔ تاکہ علماء کو خاص سہولت ہو۔ اور اہم مسائل پر تحقیقی بحث حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔ دوسری خاص بات یہ ہے کہ اسلام کے عدالتی قوانین کی ضابطہ بندی کی گئی ہے اور اس کو دفعہ وار جمع کیا گیا ہے، جو نسبتاً مشکل کام تھا۔ لیکن دفعہ وار ترتیب میں کسی قانون کو جاننے میں جو سہولت ہوتی ہے اس کے پیش نظر یہی طریقہ اختیار کیا گیا کہ یہ طرز جدید ہے اور مفید"

(کتاب ہٰذا، صفحہ ۱۳)

فقہ اسلامی کی ہر جامع کتاب میں اسلام کے عدالتی نظام سے متعلق ایک باب "ادب القاضی یا ادب القضاء" کے نام سے ملتا ہے، موضوع کی جلالت شان اور اہمیت کی بنا پر ہمارے مجتہدین اور فقہا نے ادب القاضی کے موضوع پر مستقل کتابیں بھی بہ کثرت تصنیف کی ہیں۔ فاضل مصنف نے اسلامی نظام عدل کے موضوع پر تمام قدیم و جدید ذخیرے کو کھنگال کر یہ کتاب تیار کی ہے، اس کتاب کی تصنیف کے لئے مصنف نے طویل ترین علمی تحقیقی ریاضت کی۔ دریافت و جستجو کی سنگلاخ وادیاں طے کیں، علوم اسلامیہ کے بے کراں سمندر سے چن چن کر موتی جمع کئے۔ فاضل مصنف پچیس سال سے زائد مدت سے امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے منصب قضاء پر فائز ہیں اور اقامتِ عدل کا فریضہ عملاً انجام دے رہے ہیں۔ اس طویل عدالتی تجربات نے ایک طرف

انھیں اس بلند پایہ تصنیف پر آمادہ کیا تو دوسری طرف اس تصنیفی سفر نے ان کے لئے خضر راہ کا بھی کام کیا۔ اس لئے بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی عدالت علم و تحقیق کا ایک شاہکار ہونے کے ساتھ ایک تجرباتی کتاب بھی ہے۔ تحقیق و تجربہ کے حسین امتزاج نے کتاب کی عظمت و افادیت دوچند کر دی ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ (۱۳۴) صفحات پر مشتمل ہے، مقدمہ خود ایک گراں قدر تحقیقی کتاب سے کم نہیں، ابتدائی بارہ صفحات میں مصنف نے ادب القاضی کے موضوع پر فقہاء اسلام کی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے۔ صفحہ ۱۳ سے صفحہ ۵۴ تک مصنف نے دور نبوی، دور صحابہ کے نظام قضا اور قاضیوں کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد تاریخ اسلام کے چند ممتاز اور نامور قاضیوں کے حالات اہم فیصلوں اور فقہی آراء کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ صفحہ ۵۴ سے صفحہ ۹۵ تک مصنف نے "امارت شرعیہ اور نظام قضاء" کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے، جس میں انھوں نے جائزہ لیا ہے کہ غیر مسلم اقتدار میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے امارت شرعیہ اور قضاء شرعی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اور موجودہ ہندوستان میں مسلمان نظام امارت و قضا قائم کرنے کے مکلف ہیں یا نہیں، اس ضمن میں امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے اجتہاد جیسے اہم اور نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ بحث کا حق ادا کر دیا ہے، میرے نزدیک اجتہاد کی بحث اس مقدمہ کی کلیدی اور اہم ترین بحث ہے علماء اور قانون دانوں نیز اجتہاد کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس بحث کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ اجتہاد کی حقیقت کیا ہے؟ مجتہد کے لئے ضروری شرائط کیا ہیں؟ کار اجتہاد کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟ اجتہاد کن مسائل میں ہو سکتا ہے؟ کیا اجتہاد میں تجزی ہو سکتی ہے؟ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ اجتہاد کی وہ کون سی قسم ہے جس کا قیامت تک باقی رہنا ضروری ہے؟ اس طرح کے متعدد اہم اور حساس مسائل پر مصنف نے بڑی بالغ نظری، اعتدال اور ژرف نگاہی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔[۱]

---

[۱] اجتہاد کے متعلق فاضل مصنف کے خیالات آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

اجتہاد کی پرمغز فکر انگیز بحث سے فارغ ہونے کے بعد مصنف نے اسلامی شریعت کے اولین ماٰخذ کتاب و سنت، اجماع و قیاس پر نسبتاً مختصر کلام کرنے کے بعد فقہ اسلامی کے ثانوی ماٰخذ استحسان، استصلاح، سدذرائع، وغیرہ پر بصیرت افروز بحثیں کی ہیں۔ میرے خیال میں اردو زبان میں اتنی جامعیت واختصار کے ساتھ یہ اصولی مباحث پہلی بار آرہے ہیں۔ ارباب فقہ وفتاویٰ اور اسلامی قانون سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مباحث مینارۂ نور ثابت ہوں گے، نیز اس مشینی اور سائنسی دور کے پیدا کردہ مسائل حل کرنے میں بڑے معاون ہوں گے۔

صفحہ ۱۲۸ سے کتاب کا تعارف شروع ہوتا ہے، جس میں مصنف نے اس تصنیف کے محرکات بیان کرنے کے بعد کتاب کی کہانی اپنی زبانی بیان کی ہے، زیر تبصرہ کتاب کا مکمل خاکہ مصنف کے الفاظ میں یہ ہے "اس کتاب کی جلد اول کا موضوع اسلام کے قانونِ قضاء کا وہ حصہ ہے جس کا تعلق قاضی، عدالت، سماعت مقدمہ اور فیصلہ سے ہے۔ کتاب کی دوسری جلد اصولِ دعویٰ اور تیسری جلد ضابطۂ شہادت پر مشتمل ہوگی۔ اگر اللہ نے اسے مکمل کرادیا تو پھر مختلف ابواب فقہیہ خصوصیت کے ساتھ احوال شخصیہ (پرسنل لا) سے متعلق احکام جن کا تعلق قضاء قاضی سے ہے ان پر ایک حصہ لکھا جائے گا، تب جاکر یہ کتاب مکمل ہوگی۔ یہ سب انسانی منصوبے ہیں، یہ رواں دواں "رخش عمر" کہاں تھمے کون جانتا ہے اور مواقع وحالات کس حد تک ساتھ دیتے ہیں کسے معلوم ہے، بس سب کچھ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے" صفحہ ۱۳۱

اس منصوبہ کے مطابق اگر اسلامی عدالت کی چاروں جلدیں مکمل ہوگئیں تو یہ علمی دنیا کے لئے بڑا بیش قیمت تحفہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کی عمر، صحت، قوت، میں برکت عطا فرمائے تاکہ وہ اس سلسلۂ تصنیف کو بہ حسن وخوبی مکمل کرسکیں۔ فاضل مصنف مختلف میدانوں میں مذہب وملت کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کے مختلف مشاغل اور متنوع مصروفیات کہیں اس تصنیفی منصوبہ کی تکمیل میں سدِّ راہ نہ بن جائیں کاش وہ کچھ عرصہ علمی اور تصنیفی اعتکاف کرکے اس سلسلہ کو مکمل کرسکیں۔

صفحہ ۱۳۴ پر مقدمہ مکمل ہونے کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتدائیہ کے عنوان سے مصنف نے قضاء کے موضوع پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تین مکاتیب کا متن اور

ان کا ترجمہ شامل کیا ہے۔ یہ تینوں مکاتیب اسلامی عدالت کے رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں، مصنف نے ان متبرک مکاتیب سے کتاب کا آغاز کرکے حسنِ انتخاب کا ثبوت دیا ہے۔ ابتدائیہ کے بعد "نظام قضاء اسلامی" کے زیر عنوان مصنف نے قضاء کی ضرورت و اہمیت، قضاء کی حقیقت، تفویض قضا، قاضی کے لئے ضروری صفات، دائرہ عمل اور اختیارات، قاضی کی معزولی وغیرہ سے متعلق اسلامی قوانین کو دفعہ وار مرتب کیا ہے، یہ بحث صفحہ ۷۲ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد رکن اول کے زیر عنوان قاضی کی ذات سے متعلق آداب، فریقین کے ساتھ برتاؤ کے آداب، گواہوں کے ساتھ برتاؤ کے آداب، نیابت قضا کے قوانین، تمالئی کے قوانین کی ضابطہ بندی کی گئی ہے۔ کتاب کا رکن دوم قاضی کے فیصلوں سے متعلق ہے۔ اس میں قاضی کے فیصلوں کی بنیادیں، علماء اور اصحاب افتاء سے مشورہ، کتابوں پر اعتماد، اپیل اور نظر ثانی جیسے موضوعات کے اسلامی قوانین کو مرتب کیا گیا ہے۔ یہ بحث صفحہ ۲۰۳ پر ختم ہوتی ہے۔ تیسرا رکن مقضی لہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قاضی کن لوگوں کے مقدمات سن سکتا ہے کن کے نہیں، مثلاً خلیفہ یا سلطان کے مقدمات سن سکتا ہے لیکن اپنی اولاد یا والدین کا مقدمہ نہیں سن سکتا۔ کتاب کا رکن چہارم مقضی فیہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ قضاء کے دائرہ میں کون سے امور و معاملات آتے ہیں اور کون سے نہیں آتے۔ پانچویں رکن کا عنوان ہے مقضی علیہ یعنی وہ فرد یا جماعت جس پر مقدمہ میں کوئی حق عائد ہوتا ہے۔ اس ذیل میں مصنف نے قضاء علی الغائب کے موضوع پر بڑی تحقیقی اور تجزیاتی بحث کی ہے، جس سے مصنف کی مقاصدِ تشریع سے آگاہی اور فقہی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

صفحہ ۲۹۶ سے رکن سادس کے زیر عنوان عدالتی طریقہ کار کی بحث شروع ہوتی ہے۔ اس عنوان کے تحت قاضی کے فیصلہ کی اصطلاحات، قاضی کے حکم کا موضوعِ مقدمہ تک محدود ہونا، قاضی کے کون تصرفات حکم ہیں اور کون نہیں، کون امور قاضی کے فیصلہ کے محتاج نہیں ہیں، دار القضاء کا نظام کار۔ ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام امور قضا میں کن شرائط کے ساتھ معتبر ہوگا ان نازک موضوعات کی ضابطہ بندی کی گئی ہے۔ جس سے اسلامی عدالت کے خد و خال بہت واضح طور پر قارئین کے سامنے آجاتے ہیں۔ اس طرح اصل کتاب صفحہ ۴۳۲ پر ختم ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد سات صفحات میں ماخذ کی فہرست اور ۴۴۱ سے ۴۹۰ تک مضامین کتاب کی تفصیلی فہرست ہے۔

زیر تبصرہ کتاب علماء اور اصحاب افتاء کے لئے بہترین تحفہ ہونے کے ساتھ وکلاء، ججز اور قانون دانوں کے لئے انتہائی معلومات افزا اور مفید ہے۔ مصنف نے اسلام کے عدالتی قوانین کی ضابطہ بندی کر کے اور انہیں جدید طرز پر دفعہ وار مرتب کر کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لئے استفادہ آسان بنا دیا ہے حتی الامکان زبان بھی سہل اور سلیس استعمال کی ہے۔ شاہ بانو کیس کے طوفان کے وقت سے عصری دانش گاہوں اور "دانشوروں" کے حلقوں میں بھی اسلامی قوانین اور اسلام کے عدالتی نظام کے مطالعہ کا رجحان پیدا ہو گیا۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے اسلام کے عدالتی نظام کا مفصل خاکہ ہمارے وکلاء، ججز اور قانون دانوں کے سامنے آجائے گا اور وہ محسوس کریں گے کہ ہمارا موجودہ عدالتی نظام عدل و انصاف مہیا کرنے اور حصول انصاف کو آسان اور یقینی بنانے میں اسلامی نظام عدالت سے بہت پیچھے ہے، کتاب کے مطالعہ سے ہمارے قانون دانوں کو یہ بھی محسوس ہوگا کہ موجودہ عدالتی نظام کے قابل تعریف اجزاء زیادہ تر اسلام کے عدالتی قوانین سے ماخوذ ہیں۔ عصر حاضر میں عدل و انصاف برپا کرنے کے لئے بے شمار ادارے قائم کر دیئے گئے ہیں، ہر ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ عدلیہ پر صرف ہو رہا ہے، لیکن رعایا حقیقی عدل و انصاف کو ترس رہی ہے۔ یورپ کے تیار کردہ موجودہ پرپیچ عدالتی نظام نے انصاف کا حصول انتہائی گراں اور دشوار بنا دیا ہے، دن بہ دن عدلیہ سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے، اس لئے عصر حاضر میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ اسلام کے عدالتی نظام کو ستم رسیدہ عالم انسانیت کے سامنے پیش کر کے بتایا جائے کہ دنیا کے مرض کی دوا اور درد کا درماں خدا کا عطا کردہ نظام عدل ہے، اسلامی نظام عدالت میں انصاف کا حصول یقینی، ارزاں اور آسان ہے۔ زیر تبصرہ کتاب یہ ضرورت بڑی حد تک پوری کرتی ہے خدا کرے اس کتاب کا انگریزی اور عربی ترجمہ جلد از جلد شائع ہو جائے تاکہ کتاب کی افادیت کا دائرہ وسیع تر ہو جائے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے حواشی میں جو بحثیں کی ہیں وہ علماء اور فقہاء کے لئے معرکۃ الآراء اور فکر انگیز ہیں، حواشی نے کتاب کا علمی اور تحقیقی پایہ بہت بلند کر دیا ہے، حاشیہ کے مباحث مصنف کی تفقہ النفسی، اسلامی قانون پر عبور نیز مطالعہ کی گہرائی و گیرائی کا سند ہوتا ثبوت ہیں، بطور نمونہ ملاحظہ ہو (۱) قاضی کے حلف کار کی بحث ۲۱۶ تا ۲۲۲ (۲) قضاء علی الغائب کی

بحث ۲۸۲ تا ۲۹۲　(۳) کتاب القاضی الی القاضی کی بحث ۴۲۸ تا ۴۳۲

کوئی بھی کتاب خواہ کتنی ہی عرق ریزی اور تلاش و تحقیق کے بعد لکھی گئی ہو خامیوں سے پاک نہیں رہ سکتی، سیدنا الامام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بہ قول " اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں ہے کہ اس کی کتاب کے سوا کوئی کتاب کامل ہو" عربی زبان کے صاحب طرز انشاپرداز قاضی فاضل نے مشہور ادیب عماد اصفہانی کے نام ایک خط میں لکھا " میرا خیال ہے کہ کوئی بھی انسان اگر آج کوئی کتاب لکھتا ہے تو آئندہ کل یہ ضرور کہتا ہے کہ اگر یہ بات بدل دی جاتی تو زیادہ بہتر تھا اگر یہ آیت اور لکھ دی جاتی تو زیادہ اچھا ہوتا، اگر یہ بات پہلے ذکر کی گئی ہوتی تو زیادہ عمدہ ہوتا، اور اگر یہ بات نہ لکھی گئی ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ نقص تمام انسانوں پر حاوی ہے "

زیر تبصرہ کتاب کے مطالعہ کے دوران جو خامیاں محسوس ہوئیں ان کی نشاندہی کرنا اسلامی خیر خواہی کا تقاضا اور مصنف کی خواہش کی تکمیل ہے اس لئے یہاں چند اشارے کئے جاتے ہیں۔

(۱) مصنف نے کتاب میں حوالوں کا اہتمام کیا ہے، لیکن عموماً سن اشاعت اور مطبعہ یا ناشر کی صراحت نہیں کی ہے، کتاب جس معیار کی ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ کتب حوالہ کے سنین اشاعت اور ناشرین کی صراحت کردی گئی ہوتی۔ اگر ہر حوالہ کے ساتھ اس کا التزام دشوار اور دیر طلب تھا تو اتنا بہ آسانی ہو سکتا تھا کہ کتاب کے آخر میں مراجع کی جو فہرست دی ہے وہیں ہر کتاب کے مصنف، ایڈیشن اور سن اشاعت کا اندراج کر دیا جاتا تاکہ استفادہ کرنے والوں کو حوالے تلاش کرنے میں سہولت ہو۔

(۲) کتاب کے بلند ترین معیار کے پیش نظر کتاب میں اشاریہ (انڈکس) کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے

(۳) کتاب میں تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا ہے لیکن اتنی ضخیم کتاب میں کچھ فروگذاشتوں کا رہ جانا فطری بات ہے، کتابت، طباعت کی غلطیوں کی نشاندہی سے تبصرہ طویل ہو جائے گا، اس لئے اسے قلم زد کیا جاتا ہے، ان شاء اللہ مصنف اور ناشر اگلے ایڈیشن میں کتابت وطباعت کی اغلاط کا ازالہ کر دیں گے۔

(۴) کتابت عمدہ اور معیاری ہے کہیں کہیں خصوصاً کتاب کے آخری حصہ میں خط بہت جلی ہو گیا ہے جو ذوق لطیف پر بار محسوس ہوتا ہے۔ پوری کتاب میں خط یکساں اور متوازن کرنے سے کتاب کی ضخامت قدرے کم ہو جاتی اور حسن دوبالا ہو جاتا۔

(۵) (الف) صفحہ ۱۴ پر حضرت عمرؓ کا مشہور مقولہ بلاحوالہ نقل کیا گیا ہے، اس کے حوالہ

کی ضرورت تھی (ب) کتاب کی زبان شیریں و شستہ ہے لیکن کہیں کہیں ژولیدگی محسوس ہوتی ہے مثلاً صفحہ ۱۵ پر مسند احمد کی روایت کے ترجمہ میں "میں نے کہا حضرت میرے مقابلہ آپ فیصلہ فرمائیں یہ زیادہ بہتر ہوگا،، (ج) صفحہ ۱۶ پر شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کی کتاب عقد الجید کے اردو ترجمہ کا نام "سلک مواریہ" درج ہے غالباً یہ کاتب کی غلطی ہے، صحیح نام "سلک مروارید" ہے (د) صفحہ ۱۶ پر نسائی اور دار قطنی کا حوالہ نا تمام ہے (ھ) صفحہ ۹۶ پر حدیث نبوی کے اس جملہ "فان المنبت لا ارضا قطع ولا ظهرا ابقى" کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے (کاشتکار نہ زمین کو کاٹ کر بیکار کر دیتا ہے اور نہ اس کی سختی کو باقی رہنے دیتا ہے) یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے، دراصل یہ ایک ضرب المثل ہے، جسے حدیث نبوی میں استعمال کیا گیا ہے، منبت سے مراد وہ شخص ہے جو سواری کو بہت تیز چلائے اس کی وجہ سے منزل تک پہنچنے سے قبل ہی سواری ہلاک ہو جائے اس مثل کا ترجمہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ "بہت عجلت پسند تیز رو نہ منزل تک پہنچتا ہے، نہ اس کی سواری زندہ بچتی ہے" (و) صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸ پر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے نام حضرت عمرؓ فاروق کا جو مکتوب ہے، اس کے متن میں متعدد غلطیاں ہیں (ز) حلقۂ قضا کی دفعات کے ذیل میں ایک دفعہ اس طرح کی بڑھانی چاہیئے کہ جس علاقہ یا شہر میں قاضی مقرر نہیں وہاں کے لوگ اپنے مقدمات کہاں لے جائیں، خصوصاً ہندوستان جیسے ملکوں میں جہاں امارت و قضا کا کوئی مرکزی نظام قائم نہیں، اگرچہ اصولاً یہ دفعہ کتاب الدعویٰ سے متعلق ہے لیکن حلقۂ قضا کے تحت بھی یہ دفعہ آسکتی ہے (ح) مو دلی کے احکام کے ذیل میں دفعہ ۲۴۳ ہے "جن مقدمات کی کاروائی اور فیصلہ مکمل نہیں ہوا ہو ان کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں" اس کے بعد دفعہ ۲۴۴ میں اس کی صرف ایک صورت لکھ کر اور دفعہ ۲۴۵، ۳۴۶ میں اسی پہلی صورت کی دو مثالیں دے کر مصنف نے بحث ختم کر دی ہے، مزید صورتوں کا ذکر نہیں کیا جس سے بحث ادھوری رہ گئی (ط) صفحہ ۳۵۸ کی آخری سطر کی پہلی شق میں "رد نہیں کرے گی" چاہیئے۔ غالباً نہیں چھوٹ گیا جس سے عبارت خبط ہو کر رہ گئی۔

اس طرح کی ہلکی پھلکی غلطیوں سے قطع نظر کتاب اپنے موضوع پر جامع اور مکمل ہے، تحقیق و تلاش کی وادیوں میں مصنف کا اشہب قلم بڑی استواری اور اعتدال کے ساتھ چلا ہے، قاضی پبلشرز نے اس کتاب کی اشاعت کا حق ادا کر دیا ہے، کتابت، طباعت، کاغذ، گٹ اپ کتاب سے کے

شایان شان اور معیاری ہیں، ہم تمام قارئین خصوصاً علماء فقہا، وکلاء ججز، اور قانون اسلامی کے طلبہ اور ریسرچ اسکالروں کو اس اہم ترین کتاب کے مطالعہ کا مشورہ دیتے ہیں۔ فاضل مصنف کو اس عظیم تصنیف پر اور قاضی پبلشرز کو اس بلند پایہ کتاب کی اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں کتاب کی قدر و قیمت اور معیاری اشاعت کے لحاظ سے قیمت علم و تحقیق کے قدردانوں کو شاید زیادہ نہ محسوس ہو لیکن ہم علامہ اقبال کی زبان میں یہ ضرور کہیں گے

کم مایہ ہیں سوداگر اس دیس میں ارزاں ہو

(ع ، ا ، ب)

صفحہ ۲۳ کا بقیہ

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اس شکستگی کے بعد انسان اپنے مقاماتِ قرب میں اور ترقی کر جاتا ہے۔ لہٰذا یہ شکستگی بے وجہ پیدا نہیں کی گئی ہے

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

صفحہ ۷ کا بقیہ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی اولاد میں گیارہ حضرات کو نبیوں کی طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نامزد امت کا امام و حاکم اور آپ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ اور تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اس فرقہ کے عقائد کی تفصیل اور حقیقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بے نظیر فارسی تصنیف "تحفۂ اثنا عشریہ" کے مطالعہ سے معلوم کی جا سکتی ہے اردو خواں حضرات اس موضوع پر امام اہلسنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف نیز اس عاجز راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" کے مطالعہ سے بھی اس فرقہ کا تعارف حاصل کر سکتے ہیں۔

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

از : مولانا محمد منظور نعمانی

- اسلام کیا ہے ؟ —— ۱۰/-
- دین و شریعت —— زیر طبع
- قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ؟ -/۲۸
- معارف الحدیث مکمل مجلد، جلدیں /۲۷۰
- تذکرہ مجدد الف ثانیؒ —— /۲۸
- ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ /۹
- شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ —— /۱۰
- تصوف کیا ہے ؟ —— /۱۱
- کلمہ طیبہ کی حقیقت —— /۴
- نماز کی حقیقت —— /۴
- برکات رمضان —— /۵
- نماز اور خطبہ کی زبان —— ۳/۵۰
- آپ حج کیسے کریں ؟ /۱۳ غیر مجلد /۱۰
- آسان حج —— ۲/۵۰
- منتخب تقریریں عکسی —— /۲۰
- آپ کون ہیں کیا ہیں اور آپکی منزل کیا ہے ؟ —— ۳/۵۰
- قرب الٰہی کے دو راستے —— ۲/۵۰
- انسانیت زندہ ہے —— /۳
- مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت -/۱۸
- تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات —— ۶/۵۰
- بوارق الغیب —— -/۲۸
- فیصلہ کن مناظرہ —— (زیر طبع)
- شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات —— -/۶
- عقیدہ علم غیب قرآن و حدیث اور ارشادات صحابہ کی روشنی میں -/۳
- قادیانی کیوں مسلمان نہیں ؟ -/۱۰
- قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ ۲/۵۰
- کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت -/۱۳
- مسئلہ حیات النبی کی حقیقت -/۳
- ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت اردو -/۲۲ انگریزی -/۳۵
- خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ -/۳۶

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

- تجلیات ربانی تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ مکمل ۲ حصے ۲۵/-
- وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ -/۳
- تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مع خلفاء و صاحبزادگان /۱۳
- تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ /۲۸

تصانیف دیگر مصنفین

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

- صحبتے با اہل دل (نیا عکسی ایڈیشن) /۳۲
- تبلیغ دین کے لئے ایک اہم اصول ۶/۵۰

- تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ -/۱۸
- تذکرہ شیخ الحدیث
- شیخ نمبر دوم = /۱۶
- تاریخ میلاد -
- (مولانا حکیم عبد الشکور مرزاپوری)
- دربار نبوت کی حاضری مولانا مناظر احسن گیلانی /۳
- بریلوی فتنہ کا نیا روپ مولانا محمد عارف سنبھلی /۱۵
- انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت /۳۵
- مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی -/۱۰
- رہنمائے تلاوت سید محمود حسن ایڈوکیٹ -/۱۴
- آئین نسواں بیگم سید اصغر حسین -/۴
- قرآنی علاج مولانا اشرف علی تھانویؒ
- معمولات یومیہ حضرت ڈاکٹر عبد الحیٔ ۵۰/۷
- صبح و شام کی دعائیں۔ مولانا عبد الغفور عباسی ۲/۵۰
- احکام نماز —— قرآن اور احادیث میں وارد بیس بیس احکام کا مجموعہ -/۱

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
مدیر
خلیل الرحمن سجاد ندوی

مولانا فریدی نمبر کی ایک جھلک

- ★ مولانا فریدی کی سوانح حیات
- ★ مولانا فریدی کی زندگی کے کچھ اہم اور سبق آموز پہلو
- ★ مولانا فریدی — ایک محقق عالم و مورخ
- ★ مولانا فریدی — علماء و اولیاء سلف کی ایک بے مثال یادگار
- ★ مولانا فریدی — ایک عالم و مصلح
- ★ مولانا فریدی — ایک جامع الکمالات بندۂ خدا

ان عناوین پر
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
پروفیسر خلیق احمد نظامی
ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
مولانا عتیق احمد بستوی
جناب انیس احمد فاروقی
اور مولانا محب الحق بہاری (وغیرہم)
کے مضامین متوقع ہے کہ شامل اشاعت ہونگے

[illegible]

مولانا فریدی علیہ الرحمہ کا ایک نہایت اہم غیر مطبوعہ مضمون بھی، جو انھوں نے الفرقان ہی کے لیے لکھا تھا، اور جس میں انھوں نے مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی کی ایک کتاب "مولانا اسماعیل شہید ۔ اور ۔ تقویۃ الایمان" پر مبسوط تبصرہ کیا ہے ۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ پیش کیا جائے گا ۔

گذشتہ تقریباً ۵۰ سال کے دوران الفرقان میں شائع ہونے والے مولانا فریدی کے مضامین کی ایک مفصل فہرست بھی انشاء اللہ اس نمبر کی زینت بنے گی ۔

انشاء اللہ یہ نمبر دو سو صفحات پر مشتمل ہوگا ۔ اور گذشتہ خاص نمبروں کی طرح اعلیٰ کتابت، معیاری کاغذ و عکسی طباعت سے مزین ہوگا ۔

نوٹ : اپنی فرمائش بھیجنے سے قبل پشت کے ٹائیٹل کا اندر صفحہ ضرور ملاحظہ فرمائیں ۔

ہمارا پتہ ماہنامہ الفرقان ۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی ۔ لکھنؤ ۔ 226018

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

سرپرست

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

مدیر

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

اس شمارے کی قیمت 3.50

سالانہ چندہ

اندرون ملک ۳۵/۰۰

پاکستان ۸۰/۰۰

دیگر ممالک

ذریعہ بحری ڈاک -/۱۰۰ یا ۵/ پونڈ

ذریعہ ہوائی ڈاک -/۲۳۰ یا ۱۵/ پونڈ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ

ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ

لاہور

ہمارا پتہ

ماہنامہ الفرقان

۳۱ نیا گاؤں مغربی — نظیر آباد

لکھنؤ

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے ... پریس لکھنؤ

میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں ...

ابریل ۱۹۸۹ء — مطابق — شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ

جلد نمبر ۵۷ — شمارہ نمبر

فہرست

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال کریں۔ یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

21 APR 89

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۷-۸ مہینے کا جو عرصہ اِدھر گذرا ہے، اس میں "الفرقان" کے پورے کنبہ پر مختلف قسم کی پریشانیاں آتی رہی ہیں۔ ناچیز مدیر الفرقان شدید علالت میں مبتلا ہوا۔ سرپرست الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ بھی مختلف قسم کی بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوئے۔ الفرقان کے کاتب صاحب بھی اس عرصہ میں مسلسل بیماریوں اور پریشانیوں میں گھرے رہے۔ اور پریس والوں نے بھی روایتی جفا و بے اعتنائی کی روش پھر سے اپنائی جن دوسرے کاتب سے اِن دنوں میں لکھوانا پڑا انھیں اسکی پوری مشق نہ تھی کتابت و طباعت بھی خراب ہوئی، اور غلطیاں بھی بے شمار ہوئیں، تین تین دفعہ تصحیح کی جاتی، پھر بھی نہ جانے کتنی غلطیاں باقی رہ جاتیں گذشتہ مہینے (مارچ) کا پرچہ جیسے تیسے کتابت کرواکے وقت پر پریس والوں کے حوالے کیا تو جس تاریخ کو انھوں نے چھاپ دینے کا وعدہ کیا تھا، اس تاریخ پر یہ خبر دی کہ "ایک ہفتہ کے بعد" رسالہ چھپ سکے گا، اُدھر مشکل یہ تھی کہ محکمۂ ڈاک سے رسالہ کی روانگی کی تاریخ لی جا چکی تھی، لہذا دفتر والوں نے دوسرے پریس والوں کی خوشامد کی رات بھر انھوں نے مشین چلا کر رسالہ چھاپ تو دیا، لیکن ایسا چھاپا کہ حروف چھپنے کے بجائے چھُپ گئے۔

الفرقان کے قدردانوں کو، اس صورتحال کی وجہ سے جو تکلیف ہوتی ہے، وہ بالکل قدرتی ہے اور ہمیں اس کا پورا احساس ہے — تاہم ہمارا خیال ہے کہ خود ہم لوگوں کو اس صورتحال سے جیسی دوہری تکلیف و اذیت ہوتی ہے اس کا اندازہ عام پڑھنے والوں ک

نہیں ہوتا۔ وہ شخص جو محنت سے کچھ لکھتا ہے، سب سے زیادہ اس کا دل چاہتا ہے کہ یہ اس طرح چھپے کہ آنکھوں میں بس جائے، اور ایسا نہ ہو کہ ارباب ذوق، اسکے ظاہری عیب کی وجہ سے اسکے باطنی ومعنوی حسن کی بھی صحیح قدر افزائی نہ کر سکیں۔

ہم تفصیل میں جانا نہیں چاہتے ورنہ عرض کرتے کہ کیا کیا تدبیریں ہم الفرقان کے کتابت وطباعت کے معیار میں بہتری کی کرتے ہیں لیکن پھر بھی ہر کچھ دن بعد کچھ ایسی دشواریاں کھڑی ہو جاتی ہیں کہ جہاں سے چلے تھے، ہم پھر وہیں پہنچ جاتے ہیں، کچھ دوستوں اور رازدانوں کا تو اب یہ اصرار ہے کہ اِن حالات کے پیچھے یقیناً کسی کافر ادا کا غمزۂ خونریز" بھی ہے۔

بہر حال جو بھی ہو الحمد للہ اتنا ایمان نصیب ہے کہ وہ سب اللہ تعالے کی طاقت کے سامنے کچھ بھی نہیں ـــ بس آپ یہ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالے ہم کمزوروں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، اور اپنے دین کی خدمت کے وہ کام ہم سے لے جو اسکی منشاء کے مطابق ہوں اور ہر کام کو "ایمان واحتساب" کے جذبہ کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطانٍ وھامۃٍ وعین لامۃٍ ومن شر حاسدٍ اذا حسد، لا الہ غیرہ۔

مارچ کا شمارہ ۱۶ تاریخ کو روانہ ہو پایا تھا اور آج ۲۳ ہے ـــ ابھی تو وہ بہت سے قارئین تک پہنچا بھی نہیں ہوگا تاہم لکھنؤ اور بعض دوسرے مقامات پر جہاں یہ شمارہ پڑھا گیا وہاں سے کئی لوگوں نے سلمان رشدی کے قضیہ کے متعلق راقم الحروف کی معروضات پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے ـــ ایک بڑے دینی ادارے کے استاد نے کہا کہ "یہ مضمون الفرقان کی تاریخ کے اہم مضامین میں شمار کئے جانے کے لائق ہے" الہ آباد ہائی کورٹ کے ایک جج نے اس مضمون کو پڑھ کر بذریعہ ٹیلیفون مدیر الفرقان کو مبارکباد بھی دی اور یہ اعتراف بھی کیا کہ ہم باخبر لوگ مسائل حاضرہ کی اصل حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔

لکھنؤ کے مشہور کالج لا مارٹینیر کے ایک نوجوان طالب علم ایس ایم سعد نے راقم الحروف کے نام اپنے ایک خط میں لکھا ہے:۔

"شیطانی آیات نامی کتاب کے بارے میں خمینی اور رشدی کے معاملہ کو سمجھنے کا مجھے خود

بہت اشتیاق تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے کچھ مسلم زعماء کی طرف سے خمینی کی تائید کے بعد میرا یہ خیال مزید پختہ ہو گیا تھا کہ خمینی نے فتویٰ قتل جاری کر کے بہت اچھا کام کیا ہے، بلکہ میں نے ایک خط کے ذریعہ جناب خمینی تک اپنی مبارکباد پہنچانے کی بھی کوشش کی تھی ۔ لیکن جب سے الفرقان میری نظر سے گذرا اس وقت سے میرا یہ خیال ہو گیا ہے کہ اس سزا کا جتنا مستحق رشدی ہے، اتنا ہی خود خمینی بھی ہے“

آگے چل کر اس نوجوان نے یہ فرمائش کی ہے کہ میں اپنی گفتگو کا بقیہ حصہ بھی الفرقان میں شائع کر دوں ـــــ تاہم اب نہ وقت میں گنجائش باقی بچی ہے اور نہ اس شمارہ میں، اور اسکے بعد ”مولانا فریدی نمبر“ کا مرحلہ درپیش ہے اسلئے اپنی معروضات کا بقیہ حصہ نمبر کے بعد ہی پیش کیا جا سکے گا۔

راقم السطور نے یہ جو خیال ظاہر کیا تھا کہ ”سلمان رشدی“ کے قضیہ کے پیچھے پوری دنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان منافرت پھیلانے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے اسکی تائید اُن خبروں سے برابر ہو رہی ہے جو دنیا کے مختلف ملکوں سے موصول ہو رہی ہیں، مثال کے طور پر وہ خبر ملاحظہ ہو جو ٹائمز آف انڈیا لکھنؤ نے اپنے ۲۲ مارچ کے شمارہ میں ص ۱۲ پر ایسوسی ایٹیڈ پریس کے حوالہ سے شائع کی ہے۔

اس خبر میں کہا گیا ہے کہ شمالی انگلینڈ کے شہر شیفیلڈ میں اتوار کی رات میں ایک ہجوم نے ایک مسلم محلہ پر مبینہ طور پر سلمان رشدی کی حمایت میں، ہلّہ بول دیا، رپورٹروں کا کہنا ہے کہ انھوں نے ٹوٹی ہوئی کھڑکیاں، اکھاڑے ہوئے درخت، اور کاروں پر پھینکے ہوئے مختلف رنگ دیکھے، مکانات اور مذہبی مراکز پر بھی رنگ پھینکے گئے تھے، رشدی کی حمایت میں نعرے بھی لگائے جا رہے تھے ـــــ وہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک مسجد پر ”پاکستانی مردہ باد“ کا نعرہ بھی چسپاں کیا گیا تھا ـــــ پولیس کا کہنا ہے کہ ابھی تک کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آئی ہے۔

لندن کے مضافات میں مقیم ایک برطانوی نژاد نو مسلم انگریز نے جس نے حال ہی میں اسلام قبول کیا ہے لکھنؤ میں مقیم اپنے ایک دوست کو لکھا ہے کہ ”مجھے اپنے خاندان، رشتہ داروں اپنے دوستوں اور اپنی پوری قوم کا رویہ ایک دم بدلا ہوا نظر آ رہا ہے، چاروں طرف سے لوگ حملے کر رہے ہیں، جملے کس رہے ہیں، اور خمینی کا نام لے کر چڑھا رہے ہیں ـــــ میں سوچ بھی نہیں

لکھا تھا کہ انگریز قوم کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے اسلام سے اتنی سخت نفرت پیدا ہو جائیگی
اس واقعہ سے پہلے جو چند ماہ میں نے اسلام لانے کے بعد یہاں گذارے تھے ان کے دوران
مجھے ایسی تلخی کا کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔

خدا کرے کہ یہ بات ہماری سمجھ میں آجائے کہ رشدی و خمینی کا یہ چکر اقوام عالم کو اسلام
سے دور رکھنے کی اسلام کے دشمنوں کی مسلسل کوششوں کا ایک حصہ ہے بلکہ اسکے نتیجہ میں خدا کے
ان خوش نصیب بندوں کے اسلام پر جمے رہنے میں بھی دشواریاں پیدا ہو رہی ہیں جنھیں اس نے
اپنے فضل وکرم سے ہدایت عطا فرما دی ہے اگر ہم اسلام کے دشمنوں کے اس دجل و فریب کا
پردہ چاک کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تو کم از کم اتنا تو ہو کہ انجانے میں اسکی تقویت
و تائید کا سبب نہ بن جائیں۔ اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم۔

حضرۃ الاستاذ مولانا ابو العرفان ندوی مرحوم اور شیعہ (اثناء عشری) فرقہ کی تکفیر

الفرقان کے شمارے بابت ماہ فروری ۸۹ء میں رفیق گرامی مولانا عتیق احمد
بستوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے استاذنا مولانا ابو العرفان
ندوی صاحب مرحوم پر ایک مفصل مضمون شائع ہوا تھا لیکن اس میں مولانا مرحوم کی
علمی زندگی کے ایک اہم واقعہ کا ذکر غالباً سہواً رہ گیا تھا حال میں جب مدیر الفرقان
کی توجہ برادر گرامی مولانا محمد عارف سنبھلی استاذ تفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء نے
اس سہو کی طرف مبذول کرائی تو اس غلطی کا احساس ہوا۔ راقم الحروف نے
انہی سے درخواست کی کہ وہ ایک نوٹ بطور استدراک لکھدیں — مولانا
محمد عارف صاحب نے ازراہ کرم وہ نوٹ تحریر فرما دیا جو ذیل کی سطروں میں پیش کیا جارہا ہے:

"تاریخ اور علم عقائد وکلام ہمارے استاذ مولانا ابو العرفان خاں صاحب مرحوم کے خصوصی
مضمون تھے، خوارج، معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ فرقوں کی تاریخ پر مولانا کی گہری نظر تھی،
یہ اتفاقی بات تھی کہ ابتداء اسلام ہی میں پیدا ہونے والے شیعہ فرقہ اور اس دور آخر

میں پیدا ہونے والے قادیانی اور بہائی فرقہ کا مولانا کا کوئی خصوصی مطالعہ نہیں تھا، تاہم وہ شیعہ اثنا عشری فرقہ کو سخت گمراہ فرقہ ہی جانتے تھے، اِس کا بخوبی اندازہ اُس وقت ہوا جب جشن ایران کے موقع پر مولانا ایران تشریف لے گئے، مولانا نے واپس آکر بتلایا تھا کہ ایران میں میری کوشش یہ رہتی تھی کہ شیعہ امام کا مقتدی نہ بنوں، سرحد کے مفتی محمود علیہ الرحمہ کا بھی یہی حال تھا، فرماتے تھے کہ کبھی ہم ہوٹل ہی میں نماز پڑھ لیتے تھے اور کبھی پارک میں، ایک دن کا واقعہ نقل کرتے تھے کہ میں اور مفتی محمود صاحب مرحوم پارک میں بیٹھے تھے کہ دو تین شیعہ نوجوان ہمارے پاس آئے انھوں نے کہا کہ نماز تیار ہے اگر آپ حضرات فوراً چلے چلیں گے تو جماعت پا سکیں گے، مولانا نے فرمایا کہ میں نے انھیں بتایا کہ حضرت مفتی صاحب کے پیر میں تکلیف ہے، اس لئے یہ چلنے سے معذور ہیں، ہم لوگ یہیں نماز ادا کر لیں گے، وہ لوگ سمجھ گئے ___ یا پہلے سے ہی سمجھے ہوئے تھے ___ کہ ہم شیعہ امام کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھنا چاہتے اس لئے انھوں نے بھی ہمارے ساتھ پارک ہی میں نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا، مولانا نے فرمایا کہ میں نے اندازہ لگا لیا کہ جب نماز کو کھڑے ہونگے تو ضرور ان ہی میں سے کوئی امامت کیلئے بڑھ جائے گا، اس لئے میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا اچھا تو تکبیر کہئے، اس طرح میں نے کسی شیعہ کو امامت کا موقع نہیں دیا۔

مولانا کے بیان کئے ہوئے اِس واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ مولانا اُس وقت تک شیعوں کی تکفیر کے قائل نہیں تھے، مگر انھیں ایسا شدید گمراہ اُس وقت بھی جانتے تھے کہ اُن کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے روادار نہ تھے۔

اس فرقہ کے عقائد کے تعلق سے الفرقان اور اُسکے مکتبہ سے جو تحریریں شائع ہو رہی تھیں مولانا بغور اُنکا مطالعہ فرماتے تھے، علمی لحاظ سے انھیں ان تحریروں سے پورا اتفاق تھا، اِسکے باوجود وہ اثنا عشری فرقہ کی تکفیر کے حق میں نہیں تھے، جس کی وجہ وہ یہ بیان فرماتے تھے، کہ اسلاف نے اس فرقہ کی تکفیر نہیں کی مولانا نے یہ اشکال اپنی مختلف مجلسوں میں دھرایا، یہاں تک کہ دسمبر ۱۹۸۷ء میں "خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ" کے نام سے مستقل ایک کتاب ادارہ الفرقان

سے شائع ہوئی، اِس میں ایک تفصیلی مقدمہ عم بزرگوار حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے قلم سے شامل تھا، اس مقدمہ میں مولانا مدظلہ نے اسی اشکال کو دور کرنے کیلئے اکابر اُمت کی عبارتیں نقل فرمائی تھیں جن میں اس فرقہ کی کھلی تکفیر کی گئی تھی ۔۔۔ مولانا ابوالعرفان صاحب نے اس مقدمہ کو بغور ملاحظہ فرمایا اور اسے پڑھ کر اُن کا مذکورہ اشکال بالکل ختم ہو گیا، اور اب مولانا اپنی رائے کی تبدیلی کا اظہار بھی پوری صفائی کے ساتھ فرمانے لگے چنانچہ انھوں نے ایک ملاقات میں مدیر الفرقان برادر عزیز و اعز مولوی خلیل الرحمن سجاد ندوی سے بھی اس کا اظہار فرمایا جو اُنکے فتوے کے ساتھ الفرقان میں نقل ہو چکا ہے، مجھ سے بھی مولانا نے فرمایا کہ "مولوی عارف صاحب! میرا یہ اشکال ذہن سے دھل کر صاف ہو گیا ہے کہ اسلاف نے اثنا عشریہ فرقہ کی تکفیر نہیں کی، واقعہ یہ ہے کہ مولانا نعمانی صاحب نے ایسا اصولی مقدمہ لکھا ہے اور ایسے ناقابل شکست دلائل پیش فرما دیئے ہیں کہ اگر کوئی اپنی رائے تبدیل نہ کرے تو وہ صریحاً ضد پر قائم ہوگا، میں نے تو اس فرقہ کے کفر پر تحریر دیدینے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے" چنانچہ انھوں نے جو تحریر عزیزی مولوی خلیل الرحمن سجاد کو دی وہ یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء میں مذہب شیعی امامیہ اثنا عشریہ کے جو عقائد بیان کئے گئے ہیں اور اس فرقہ کی مستند کتابوں سے جن کی تصدیق ہوتی ہے، انکی بنیاد پر اس فرقہ کی تکفیر صحیح ہے۔

ابوالعرفان ندوی وکیل کلیۃ الشریعۃ و اصول الدین

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا ابوالعرفان صاحب کی وفات کا سانحہ پیش آیا تو بہت سے اخبارات اور رسائل میں اُن پر تعزیتی مضامین شائع ہوئے، خود الفرقان میں اُن پر لکھا گیا مگر کسی بھی رسالہ میں فرقہ اثنا عشریہ کے سلسلہ میں انکی اِس اہم تبدیلی اور انکے اس فتوے کا تذکرہ نظر سے نہیں گذرا حالانکہ یہ چیز مولانا کی عظیم حسنات میں ہے اور اہل علم کے لئے قبول حق اور اُسکے اعتراف و اعلان کا بہترین نمونہ بھی ہے، اسی خیال کے تحت میں نے مولانا کے اس جہاد عظیم کا تذکرہ ضروری خیال کیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اس کی بیش از بیش جزاء خیر عطا فرمائے۔

آپ اس شمارے میں منتخب نئی مطبوعات کے زیر عنوان "معارف الحدیث" جلد ہفتم کے انگریزی ترجمہ کا مفصل تعارف ملاحظہ فرمائیں گے ــــ جو لوگ الفرقان کے مزاج سے واقف ہیں، انھیں یہ تعارف پڑھ کر یہ احساس ہو سکتا ہے کہ کہیں یہ اُس رسم و مزاج سے انحراف کی علامت تو نہیں جو الفرقان اور صاحب الفرقان کی شناخت بن چکا ہے اور جس کی رو سے الفرقان کے صفحات میں اپنی کاوشوں کا جب بھی ذکر آیا ہے، تعریف و تحسین کے پیرایہ میں نہیں، بلکہ نہایت سادہ لب و لہجہ میں، اور اپنی کوتاہی و نا اہلی کے اعتراف کے ساتھ ہی آیا ہے ......؟؟

یہ راقم الحروف ایسے حضرات کو جن کے دل میں یہ شبہ آئے، یہ اطمینان دلاتا ہے کہ نہیں! الحمد للہ ایسا نہیں ہے! ــ الفرقان انشاء اللہ اپنی اسی روش پر گامزن ہے اور رہے گا ــــ یہ جو کچھ معارف الحدیث کے بارے میں راقم الحروف نے لکھا ہے، شدید ضرورت کے احساس کی بناء پر، تصحیح نیت کے پورے اہتمام کے ساتھ لکھا ہے اور بڑی مشکل سے اسکی اشاعت کی اجازت مدیر الفرقان کو سرپرست الفرقان حضرت مولانا نعمانی مدظلہ سے مل سکی ہے ــــ ارشاد نبوی انما الاعمال بالنیات، وانما لکل امرئ ما نوی (ہر عمل کا نتیجہ اس عمل کے اصل داعیہ و محرک ہی کے مطابق نکلتا ہے اور ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جو کسی کام سے اس کا اصل مقصود ہوتا ہے) کے بموجب راقم سطور کو پوری امید ہے کہ اس "بدعت حسنہ" سے بہت سے ایسے لوگ علم و معرفت کے اس چشمۂ صافی "معارف الحدیث" سے استفادہ کی طرف سے متوجہ ہونگے جو اب تک مختلف قسم کے حجابات کی وجہ سے کتاب کے مطالعہ کی ضرورت محسوس نہیں کر سکتے تھے .... راقم الحروف نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اور صرف اسی مقصد کے پیش نظر لکھا ہے۔

گذشتہ شمارہ میں ہم نے حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی، ڈاکٹر محمد آصف قدوائی اور بھائی محمد یوسف پالنپوری (علیہ الرحمہ) کے حادثۂ انتقال پر مختصر نوٹ کے ضمن میں لکھا تھا کہ انشاء اللہ ان تینوں حضرات کے بارے میں آئندہ شمارے میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔ ــــ اس شمارہ میں گنجائش باقی نہ رہنے کی وجہ سے صرف ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کے متعلق والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا ایک مفصل مضمون دیا جا رہا ہے ــــ حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی اور بھائی یوسف صاحب کے متعلق انشاء اللہ مولانا فریدی

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

کتاب المناقب و الفضائل (۲۱)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (۶)

عن صهيب أنّ النبي صلى الله عليه وسلم قال لعليٍّ: من أشقى الأوّلين؟ قال، الّذي عقر النّاقة يا رسول الله، قال: صدقت فمن أشقى الآخرين؟ قال، لا علم لي يا رسول الله قال: الّذي يضربك على هذه وأشار إلى يافوخه، فكان عليٌّ يقول لأهل العراق: وددتُ أنّه قد انبعث أشقاكم فيخضب هذه يعني لحيته، من هذه، ووضع يده على مقدم رأسه ـــــ رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے (ایک دن) فرمایا، (بتلاؤ) اگلی امتوں میں سب سے زیادہ شقی اور بدبخت کون تھا؟ تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ اے رسول خدا (قوم ثمود کا) وہ بدبخت آدمی تھا جس نے اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اسکو مار ڈالا تھا جسکو حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پتھر کی چٹان سے پیدا فرمایا تھا، یہ جواب سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا کہ تم نے سچ اور ٹھیک بتایا، (اب بتلاؤ) بعد کے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور بدبخت کون ہوگا؟ انھوں نے عرض کیا، مجھ کو اس کا علم نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے سر کے اگلے حصہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ (انتہائی بدبخت اور سب سے زیادہ شقی) وہ ہوگا جو (تلوار سے) تمھاری اس جگہ پر ضرب لگائے گا ـــــ تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (حضورؐ کے اس ارشاد کی بنا پر اپنی داڑھی پکڑ کر) فرمایا،

کرتے تھے، اے عراق والو! میں آرزو مند ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شقی اور بدبخت ترین آدمی اٹھے اور میری اس داڑھی کو رنگ دے میرے اس پیشانی کے خون سے۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح: ۔ قرآن مجید کے آخری پارہ کی سورۂ والشمس کے آخر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم، ثمود کی بدترین کافرانہ سرکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے "كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا" الآیات ۔۔۔۔ ان آیتوں میں اس شخص کو "أَشْقَى" یعنی انتہائی درجہ کا شقی اور بدبخت فرمایا گیا ہے جس نے اس اونٹنی کو مار ڈالا تھا جسکو اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر پیدا فرمایا تھا ۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضورؐ کے دریافت فرمانے پر انھیں آیات کی روشنی میں عرض کیا تھا کہ اگلی امتوں میں کا انتہائی درجہ کا شقی اور بدبخت وہ تھا جس نے اس ناقہ کو مار ڈالا اس عاجز راقم سطور کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ سے حضورؐ کا یہ سوال دراصل تمہید تھی اس پیشگوئی کی جو آپؐ نے حضرت علیؓ سے خود انھیں کے بارے میں فرمائی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت علیؓ کی شہادت کی پیشگوئی اس تفصیل کے ساتھ فرمائی کہ بدبخت قاتل تمہارے سر کے اگلے حصہ پر تلوار سے ضرب لگائے گا جسکے نتیجے میں تمہاری یہ داڑھی خون سے رنگ جائے گی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ وہ قاتل بعد میں آنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور انتہائی درجہ کا بدبخت ہوگا۔
آگے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی شہادت کے بارے میں حضورؐ کی اس پیشگوئی کو اپنے حق میں بڑی بشارت سمجھتے تھے، اور اپنے دارالحکومت عراق کے شہر کوفہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل عراق! میں اس کا آرزو مند ہوں اور شوق سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں، جب تم میں کا بدبخت ترین انسان میرے سر کے خون سے میری داڑھی کو رنگ دیگا۔ اور جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا آپؐ کی وفات کے قریباً تیس سال بعد بالکل اسی طرح حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ ۔ بلاشبہ یہ پیشگوئی اور اس کا ٹھیک اسی طرح پورا ہو جانا آپؐ کے معجزات میں سے ہے ۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت

صاحب مجمع الفوائد نے حضرت صہیبؓ کی مندرجہ بالا روایت کے بعد متصلاً معجم کبیر طبرانی ہی کے حوالہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کس قدر تفصیل سے اسمٰعیل راشد کی روایت سے نقل کیا ہے ذیل میں اس کا حاصل اور خلاصہ ندر ناظرین کیا جا رہا مناسب

معلوم ہوا، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ فرقۂ خوارج کا کچھ تعارف کرا دیا جائے ــــ یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی کا ایک خاص گروہ تھا جو اپنی حماقت اور ذہنی کجروی کی وجہ سے انکے ایک فیصلہ کو غلط اور معاذ اللہ قرآن مجید کے صریح خلاف سمجھ کر ان کا مخالف اور آمادۂ بغاوت ہو گیا تھا، انکی تعداد کئی ہزار تھی، پھر حضرت علی مرتضیٰ کی افہام و تفہیم کے نتیجہ میں ان میں سے ایک خاص تعداد راہ راست پر آگئی لیکن انکی بڑی تعداد اپنی گمراہی پر قائم رہی اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئی بالآخر حضرت علی مرتضیٰ کو انکے خلاف طاقت استعمال کرنی پڑی (تاریخ میں یہ معرکہ جنگ نہروان کے نام سے معروف ہے) جسکے نتیجے میں ان میں سے اکثر کا خاتمہ ہو گیا، کچھ باقی رہ گئے، ان باقی رہ جانے والوں میں سے تین شخص برک[1] ابن عبد اللہ، عمرو[2] ابن بکر تمیمی اور عبد الرحمٰن[3] ابن ملجم مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے، انھوں نے صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کیا اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ سارا فتنہ ان لوگوں کی وجہ سے جن کے ہاتھوں میں حکومت ہے، انکو کسی طرح ختم کر دیا جائے، اس سلسلہ میں انھوں نے تین حضرات کو متعین طور پر نامزد کیا ــــ حضرت معاویہ، حضرت عمرو[2] ابن العاص، حضرت[3] علی مرتضیٰ رض ــــ برک نے کہا کہ معاویہ کو قتل کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عمرو تمیمی نے کہا کہ عمرو ابن العاص کو ختم کر دینے کی میں ذمہ داری لیتا ہوں، عبد الرحمٰن ابن ملجم نے کہا کہ علی کو قتل کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، پھر انھوں نے آپس میں اس پر عہد و پیمان کیا اور اسکے لئے یہ اسکیم بنائی کہ ہم میں سے ہر ایک ۱۷ رمضان المبارک کو جبکہ لوگ فجر کی نماز پڑھانے کیلئے نکل رہے ہوں، حملہ کر کے اپنا کام کریں، اُس دور میں نماز کی امامت خلیفۂ وقت یا انکے مقرر کئے ہوئے امیر ہی کرتے تھے۔

اپنے بنائے ہوئے اس پروگرام کے مطابق برک ابن عبد اللہ حضرت معاویہ رض کے دار الحکومت دمشق روانہ ہو گیا، اور عمرو تمیمی مصر کی طرف جہاں کے امیر و حاکم حضرت عمرو ابن العاص رض تھے، اور عبد الرحمٰن ابن ملجم حضرت علی مرتضیٰ رض کے دار الحکومت کوفہ کیلئے روانہ ہو گیا۔

۱۷ رمضان کی صبح فجر کی نماز پڑھانے کے لئے حضرت معاویہ رض تشریف لے جا رہے تھے، برک نے تلوار سے حملہ کیا، حضرت معاویہ رض کو کچھ محسوس ہو گیا اور انھوں نے دوڑ کر اپنے کو بچانا چاہا پھر بھی برک کی تلوار سے انکی ایک سرین پر گہرا زخم آگیا، برک گرفتار کر لیا گیا (اور بعد میں قتل کر دیا گیا) زخم کے علاج کیلئے طبیب بلایا گیا، اس نے زخم کو دیکھ کر کہا کہ جس تلوار

کا زخم ہے اُسکو زہر میں بجھایا گیا تھا، اسکے علاج کی ایک صورت یہ ہے کہ گرم لوہے سے زخم کو داغ دیا جائے اس طرح امید ہے کہ زہر سارے جسم میں سرایت نہیں کر سکے گا ___ دوسری صورت یہ ہے کہ میں آپ کو ایک ایسی دوا تیار کر کے پلاؤں جس کا اثر یہ ہو گا کہ اسکے بعد آپ کی کوئی اولاد نہ ہو سکے گی، حضرت معاویہ نے فرمایا کہ گرم لوہے کے داغ کو تو میں برداشت نہ کر سکوں گا اس لئے مجھے وہ دوا تیار کر کے پلادی جائے، میرے لئے دو بیٹے یزید اور عبداللہ کافی ہیں ___ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت معاویہ رضؓ صحتیاب ہو گئے۔

عمرو بمیمی اپنے پروگرام کے مطابق حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو ختم کرنے کے لئے مصر پہونچ گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ ۱۷ر رمضان کی رات میں حضرت عمرو بن العاص کو ایسی شدید تکلیف ہو گئی کہ وہ فجر کی نماز پڑھانے کیلئے مسجد نہیں آسکے تھے، انھوں نے ایک دوسرے صاحب خارجہ بن حبیب کو حکم دیا کہ وہ ان کی جگہ مسجد جا کر نماز پڑھائیں چنانچہ وہ آئے اور نماز پڑھانے کیلئے امام کے مصلے پر کھڑے ہوئے، تو عمرو نے انکو عمرو ابن العاص رضؓ سمجھ کر تلوار سے وار کیا۔ وہ وہیں شہید ہو گئے، عمرو گرفتار کر لیا گیا، لوگ اسکو پکڑ کر مصر کے امیر و حاکم حضرت عمرو بن العاص رضؓ کے پاس لے گئے، اس نے دیکھا کہ لوگ ان کو امیر کے لفظ سے مخاطب کر رہے ہیں، اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ یہ مصر کے امیر و حاکم عمرو بن العاص رضؓ ہیں، اس نے کہا میں نے جس شخص کو قتل کیا وہ کون تھا؟ بتلایا گیا وہ خارجہ ابن حبیب تھے، اُس بدبخت نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کو مخاطب کر کے کہا اے فاسق! میں نے تجھکو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، حضرت عمرو بن العاص رضؓ نے فرمایا تو نے یہ ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ وہ تھا جو ہو گیا، اس کے بعد خارجہ ابن حبیب کے قصاص میں عمرو بمیمی کو قتل کر دیا گیا۔

ان میں کا تیسرا خبیث ترین اور شقی ترین بدبخت عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے پروگرام کے مطابق کوفہ پہونچ گیا تھا وہ ۱۷ر رمضان کو فجر سے پہلے مسجد کے راستہ میں چھپکر بیٹھ گیا، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کا معمول تھا کہ وہ گھر سے نکل کر الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارتے ہوئے اور لوگوں کو نماز کے لئے بلاتے ہوئے مسجد تشریف لاتے، اس دن بھی حسب معمول اسی طرح تشریف لا رہے تھے کہ اُس بدبخت ابن ملجم نے سامنے سے آکر اچانک آپ کی پیشانی پر تلوار سے وار کیا اور بھاگا لیکن تعاقب کر کے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت علی مرتضیٰ کے سامنے پیش کیا گیا،

آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو اس قاتل ابن ملجم کے بارے میں جیسا چاہوں گا فیصلہ کروں گا چاہوں گا تو معاف کردوں گا، اور چاہوں گا تو قصاص میں قتل کرادوں گا اور اگر میں اس میں فوت ہو جاؤں تو پھر اس کو شرعی قانون قصاص کے مطابق قتل کر دیا جائے لیکن مثلہ نہ کیا جائے (یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء الگ الگ نہ کاٹے جائیں) کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کٹ کھنے کتے کو بھی مارا جائے تو اس کو مثلہ نہ کیا جائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خبیث ابن ملجم کی اس ضرب کے نتیجہ میں واصل بحق ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس بدبخت کو قتل کیا گیا، اور غیظ و غضب سے بھرے ہوئے لوگوں نے اس کی لاش کو جلا بھی دیا۔

صفحہ ۸ کا بقیہ

کے بعد کے شماروں میں ہم اپنے وعدہ کو پورا کر سکیں گے۔

آصف صاحب پر حضرت والد ماجد مدظلہ نے بڑے اہتمام سے لکھایا ہے خدا کرے کہ اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جائے ـــــ انکی زندگی سے بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی اور اسکی خوشنودی حاصل کرنے کے راستے بے شمار ہیں، اس کے یہاں کسی کی اجارہ داری نہیں ـــــ اصل مقصود اندر کی طلب، اور عزم مصمم ہے اور اللہ کے نیک بندوں سے تعلق، پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ ـــــ وما کان عطاء ربك محظورا۔

گذشتہ شمارہ میں مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کی تازہ تصنیف "اسلامی عدالت" کے تعارف کے ذیل میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ اجتہاد کے متعلق فاضل مصنف کے خیالات الفرقان کے شماروں میں پیش کئے جائیں گے، بعد میں ناشر کی طرف سے کتاب میں مطبوعہ یہ اعلان نظر سے گذرا کہ اس کتاب کے مضامین کی جزوی اشاعت کیلئے بھی ناشر کی پیشگی اجازت درکار ہوگی لہذا فی الحال وہ ارادہ ترک کرنا پڑا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

ڈاکٹر محمد آصف قدوائی (علیہ الرحمۃ)

مشاہدات و تاثرات

یہ عاجز راقم السطور ۱۹۴۲ء کے اواخر میں اپنے سابق مستقر بریلی سے لکھنؤ منتقل ہوا تھا، اسکے لئے لکھنؤ منتقل ہونے کا خاص محرک حضرت مولانا محمد الیاس رح کی دینی دعوت سے تعلق اور اس کام کے سلسلہ میں رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی رفاقت کا داعیہ تھا، مولانا کا تعلق اس دینی دعوت سے مجھ سے پہلے قائم ہو چکا تھا اور لکھنؤ میں اس کام کیلئے فضا خاصی سازگار ہو گئی تھی اور احباب کی ایک اچھی جماعت رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ اس کام میں لگ گئی تھی۔

لکھنؤ میں فضا کی سازگاری کا ایک ظاہری سبب یہ بھی تھا کہ رجب ۱۳۶۲ھ میں یعنی اپنی وفات سے ٹھیک ایک سال پہلے حضرت مولانا محمد الیاس رح ستر اسی رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لائے تھے، اور قریباً ایک ہفتہ قیام فرمایا تھا، اس وقت شہر کے مختلف حلقوں میں بڑے بڑے اجتماعات بھی ہوئے تھے، جن سے بہت اچھی فضا بن گئی تھی، میرا اس زمانہ میں قیام بریلی میں ہی تھا، اور میں حضرت مولانا الیاس رح کے ایماء پر بریلی سے آکر اس قافلہ میں شریک ہو گیا تھا۔

ادھر بریلی کا حال یہ تھا کہ وہاں فضا اس کام کیلئے بالکل سازگار نہیں تھی اور کام کرنے والے ساتھی بھی نہیں تھے اس لئے میرا معمول یہ ہو گیا تھا کہ ہر مہینہ ایک جمعرات کو نظام الدین دہلی چلا جاتا اور باقی دو تین جمعراتوں کو مراد آباد جاتا تھا، جہاں کام اچھے پیمانہ پر ہو رہا تھا اور مراد آباد سے میرا وطنی تعلق بھی تھا، اس دوران جماعتوں کے ساتھ

سفر بھی ہوا کرتے تھے اور انہی اسفار کے سلسلہ میں بعض وقت کئی کئی دن لکھنؤ قیام رہتا اور اکثر ایسا ہوتا کہ لکھنؤ میں اس کام سے تعلق رکھنے والے دوست آگے کے سفر میں ہمارے شریک ہو جاتے یہ حضرات اکثر اصرار کرتے کہ میں بریلی سے منتقل ہو کر لکھنؤ آجاؤں۔[1] رفیق محترم مولانا علی میاں نے بھی بار بار فرمایا بالآخر میں ۱۹۴۶ء کے اواخر میں لکھنؤ منتقل ہو گیا۔

اس وقت لکھنؤ میں ہفتہ واری اجتماعات امین آباد کی ایک چھوٹی سی مسجد "مسجد نوازی" (بکریا والی مسجد) میں ہوا کرتے تھے جسے مولانا ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ کے مکان کے قرب کی وجہ سے ہم لوگ ڈاکٹر صاحب والی مسجد کہا کرتے تھے۔ پھر جب آنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی اور چھوٹی سی مسجد کا دامن تنگ ہونے لگا تو یہ اجتماعات ندوۃ العلماء کی وسیع مسجد میں منتقل کر دیئے گئے، تاہم ہم لوگوں کو شہر میں ایک ایسی مسجد کی ضرورت تھی جسے اس دینی جدوجہد کا مرکز بنایا جا سکے ـــــ وسط شہر میں کچہری روڈ پر ایک ویران مسجد تھی جس کے ساتھ اچھی خاصی افتادہ زمین بھی تھی، اس سب پر ایک صاحب نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا ـــــ ایک نیک دل بندۂ خدا حافظ خیراتی صاحب نے محض للہ فی اللہ برسوں تک عدالتی کاروائی اور اس میں ہزاروں روپئے صرف کر کے کسی طرح ان صاحب کے قبضۂ غاصبانہ کو ختم کرایا، اور اپنی ہی طرف سے مسجد کی پوری مرمت اور مسجد کی ضروریات غسل خانہ، وضو خانہ وغیرہ تعمیر کرا کے آباد کرنا چاہا ـــــ ہم لوگوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی مدد سمجھا اور طے کیا کہ اسی مسجد کو تبلیغی کام کا مرکز بنا لیا جائے، جب حافظ خیراتی صاحب سے اس سلسلہ میں بات کی گئی تو انھوں نے بڑی خوشی سے ہماری پیشکش کو قبول کیا اور اس طرح اس مسجد میں جو اب مرکز والی مسجد کے نام سے متعارف ہے ہماری آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس مسجد سے کچھ ہی فاصلہ پر ڈاکٹر زین العابدین قدوائی صاحب کا رہائشی مکان اور مطب تھا، ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بھی اس مسجد میں نماز پڑھنے کا معمول بنا لیا

---

[1] اب تو یہ سارے دوست اپنے اپنے وقت پر اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ایک بھائی مقصود حیات ہیں۔ انھوں نے کچھ عرصہ پہلے ایک ملاقات میں بتایا تھا کہ "حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے آخری مرض کے زمانہ میں مولانا علی میاں کے ساتھ میں نظام الدین حاضر ہوا تھا آپ بھی وہاں موجود تھے میں نے وہاں خوب دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر دیں کہ آپ لکھنؤ آجائیں۔

اور اس طرح ان سے ہمارا رابطہ ہوا — میں جب ان سے ملنے انکے گھر جاتا تو دیکھتا کہ نہایت خوبرو ایک جوان مسہری پر لیٹے ہوئے ہیں، انکے سرخ وسفید چہرے اور انکی باتوں سے اس کا شبہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ مستقل مریض اور صاحب فراش ہیں — معلوم ہوا کہ یہ ڈاکٹر زین العابدین قدوائی صاحب کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ہیں اور یہ کہ وہ کئی سال سے ایسے مریض ہیں کہ اٹھنا بیٹھنا تو درکنار آسانی سے کروٹ بھی نہیں لے سکتے، انکی ریڑھ کی ہڈی نیچے سے اوپر تک گویا ایک تختہ بن گئی ہے۔

پھر ان سے مختلف صحبتوں میں باتیں کرنے کے بعد یہ بھی اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو بڑی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ انتہائی درجہ کے ذہین اور سلیم الفکر ہیں مطالعہ بھی بہت وسیع ہے، ملک کی تقسیم کے بعد ہم ہندوستانی مسلمانوں کیلئے جو مسائل پیدا ہو گئے ہیں وہ انکی فکر کا خاص موضوع ہیں، وہ بہت صحیح سوچتے ہیں، ہم جیسوں کو خاص کر اس باب میں انکی رائے اور فکر سے استفادہ کرنا چاہیے — تو ایک دن میں نے ان سے کہا کہ جب آپ کی طبیعت موزوں ہو تو الفرقان کیلئے کچھ لکھدیا کیجئے، چنانچہ الفرقان میں انکے مقالات ومضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا، ان مضامین کا تعلق زیادہ تر ان مسائل سے ہوتا جو ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے پیدا ہو گئے تھے۔

پھر انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت، معجزات اور سیرت مقدسہ کے مختلف پہلوؤں پر مقالات کا ایک سلسلہ شروع کیا انکے یہ مقالے ۵۴-۱۹۵۵ء اور سنہ ۱۹۵۶ء عیسوی کے الفرقان کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے پھر جب رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سربراہی میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام قائم ہوئی تو غالباً سب سے پہلے اسکی طرف سے ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کے ان مضامین ہی کا مجموعہ "مقالات سیرت" کے نام سے شائع ہوا۔

اس پوری مدت میں ان سے رابطہ بڑھتا ہی رہا اور ہم دونوں کے درمیان ذہنی مناسبت وہم آہنگی آہستہ آہستہ خاص قسم کی محبت میں تبدیل ہوتی گئی، جس میں شاید ہی کوئی اور شریک ہو۔

انگریزی زبان میں ان کی دینی خدمات :- انکے اردو مضامین تو میں خود پڑھتا تھا اور ان کے سلجھے ہوئے طرزِ فکر اور اندازِ تحریر کی وجہ سے ان کی قدر و محبت میں روز افزوں اضافہ ہوتا تھا، لیکن اسی دوران اس عاجز کو یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ انگریزی کے بھی صف اول کے اصحاب قلم میں ہیں، اور آگے چل کر تو اللہ تعالےٰ نے انگریزی زبان میں تحریر و ترجمہ کی لائن سے دین کی خدمت کی جو توفیق انھیں عطا فرمائی وہ بہت کم انگریزی کے اہل قلم کو میسر آئی ہوگی انھوں نے خود بھی انگریزی زبان میں اہم دینی موضوعات پر مقالے لکھے جو مستقل کتابچہ کی شکل میں یا ملک و بیرون ملک کے بعض وقیع رسائل و جرائد میں شائع ہوئے اسکے علاوہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں کا انھوں نے انگریزی میں ترجمہ بھی کیا اور اللہ تعالےٰ نے اپنی خاص توفیق سے دینی سلسلہ کی جو چند کتابیں اس عاجز سے لکھوائیں ان میں "اسلام کیا ہے ؟" — "دین و شریعت" — "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے ؟" — اور "معارف الحدیث" کی چھ جلدوں کو بھی انھوں ہی نے انگریزی میں منتقل کیا، اور یہ سارا کام انھوں نے اسی بیماری و معذوری کی حالت میں کیا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے — اس پورے عرصہ میں انکی تکلیفوں میں ایک خاص رفتار کے ساتھ برابر اضافہ بھی ہوتا رہا لیکن اللہ تعالےٰ نے انکو ہمت کا ایک خاص جوہر عطا فرمایا تھا وہ اسی حال میں کام کرتے رہے — امید ہے کہ دینی کتابوں کے ترجمہ کا یہ کام انکی بڑی نیکی اور بہت مقبول دینی خدمت شمار ہوگا۔

اس عاجز کا یہ بھی خیال ہے کہ خاص کر معارف الحدیث کے ترجمہ کے کام نے خود انکو عظیم دینی نفع پہنچایا، انھوں نے حضورؐ کے ہر ارشاد اور آپ کی ہر ہدایت پر یقین اور اپنے کو اسکے مطابق ڈھال لینے کی نیت رکھی اور اسکی ممکن حد تک کوشش کرتے رہے۔

یہ عاجز راقم السطور خود تو انگریزی زبان سے بالکل واقف نہیں لیکن انگریزی زبان کا اچھا ذوق رکھنے والے اہلِ قلم کا یہ تأثر وقتاً فوقتاً میرے علم میں آتا رہا ہے کہ ڈاکٹر آصف صاحب کا انگریزی اسلوب نہایت بلند پایہ اور معیاری ہے — اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ غالباً ۶۲ء میں ایک کام کے سلسلہ میں ہمیں کچھ انگریزی

اہلِ قلم کا تعاون درکار ہوا، اس سلسلہ میں اس عاجز اور ہمارے قدیم رفیق کار ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی صاحب نے علی گڑھ کا سفر کیا اور ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب سے ملاقات کی (جو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے چھوٹے بھائی اور ان دنوں یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر تھے) دورانِ گفتگو جب ہم نے ان سے یہ ذکر کیا کہ اس سلسلہ کا اتنا کام ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب نے اپنے ذمہ لے لیا ہے باقی کام کے لئے ایسے ہی دو تین حضرات کے مزید تعاون کی ضرورت ہے، انھوں نے کہا "میری نظر میں ہماری یونیورسٹی میں کوئی ایک بھی نہیں ہے جو ڈاکٹر محمد آصف قدوائی جیسی انگریزی لکھ سکے"...... جہاں تک یاد ہے آصف صاحب کی انگریزی کے بارے میں کسی صاحبِ نظر کا ایسا تأثر پہلی بار ڈاکٹر یوسف حسین صاحب ہی کی زبانی سنا تھا۔ بعد میں برابر ملک و بیرون ملک کے انگریزی اہلِ قلم کی طرف سے اس کی توثیق و تائید ہی علم میں آتی رہی۔

اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک نہایت ممتاز سیاسی مبصر اور انگریزی صاحبِ قلم ہونے کی وجہ سے ان کیلئے عین ممکن تھا کہ وہ مختلف اخبارات و رسائل میں کالم لکھتے اور اس سے گرانقدر معاوضہ حاصل کرتے بلکہ میرے علم کے مطابق ملک و بیرونِ ملک کے ممتاز اخبارات و رسائل نے ایک سے زیادہ مرتبہ ان کو خود یہ پیشکش کی، لیکن انھوں نے ہر دفعہ یہی کہہ کر معذرت کی کہ میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں اپنے قلم کو صرف دین کی خدمت کیلئے استعمال کروں گا، واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کو زندگی کے آخری لمحہ تک جس طرح نبھایا وہ ان کی مزاجی وضع داری اور مثالی استغنا کی سب سے روشن دلیل ہے، اور ہم جیسوں کیلئے بہت سبق آموز۔

بیعت

اس عاجز اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کا تعلق جب سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت سے قائم ہوا تھا، قریباً اسی وقت سے ہم دونوں کا نہ صرف عقیدتمندانہ بلکہ مسترشدانہ تعلق مرشدنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے قائم تھا اور حضرت کی خصوصی عنایت

وشفقت ہم دونوں کو نصیب رہی، اس سلسلہ میں بار بار حضرت کی لکھنؤ تشریف آوری ہوئی ایک دو دفعہ حضرت کا قیام دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں رہا، ایک دفعہ جبکہ اس عاجز کی رہائش احاطہ سلیمان قدر میں تھی، غریب خانہ کو بھی یہ شرف نصیب ہوا۔ یہ سب اس وقت تک ہوا جب تک کچہری روڈ پر واقع دینی دعوت کا ہمارا وہ مرکز قائم نہیں ہوا تھا جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، اس کے قیام کے بعد حضرت قدس سرہ کی جب جب تشریف آوری ہوئی اس مرکز ہی میں قیام فرمایا —— ڈاکٹر زین العابدین قدوائی مرکز والی مسجد میں نماز کے لئے تشریف لاتے اور حضرت کی مجالس میں بھی بیٹھتے، ہم لوگوں نے حضرت سے ان کا تعارف کرایا اور انکے صاحبزادے ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کا حال بھی بتلایا، حضرت انکو دیکھنے کیلئے انکے گھر تشریف لے گئے، انکو دیکھ کر اور انکی غیر معمولی صلاحیتوں کے بارے میں ہم سے سنکر حضرت بہت متأثر ہوئے اور ہمارا اندازہ ہے کہ ان کے ساتھ حضرت کو غیر معمولی قلبی تعلق ہو گیا، حضرت کا معمول سفر و حضر میں روزانہ صبح قریباً دو ڈھائی میل چلنے کا تھا لکھنؤ کے قیام میں بھی یہی معمول رہا، ہم خدام بھی پیچھے پیچھے حضرت کے ساتھ ہوتے واپسی پر حضرت روزانہ ڈاکٹر زین العابدین قدوائی صاحب کے مکان پر ضرور تشریف لے جاتے اور کچھ دیر ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کے پاس قریب والی کرسی پر تشریف رکھتے جہاں تک یاد ہے اس معمول میں ایک دن بھی ناغہ نہیں ہوا —— انھیں دنوں میں ڈاکٹر زین العابدین صاحب اور انکے یہ صاحبزادے ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب بھی حضرت سے بیعت ہوئے اور اس عاجز کا خیال ہے کہ اس تعلق کی بھرپور روحانی برکتیں انھیں نصیب ہوئیں۔ واللہ اعلم

اب یہ عاجز انکی چند ایسی صفات و خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہے جو میرے نزدیک ان پر اللہ تعالےٰ کے خصوصی انعامات تھے اور خاص کر میرے لئے بہت سبق آموز اور قابلِ رشک۔

ایمان و یقین اور صبر و تسلیم

انکی ساری تعلیم اسکولوں کالجوں اور آخر میں یونیورسٹی میں ہوئی اور معلوم ہے کہ ان

تعلیم گاہوں کا ماحول اُس حقیقت کیلئے جس کو دین کی خاص اصطلاح میں "ایمان" کہا جاتا ہے کس قدر ناسازگار ہوتا ہے، لیکن قریباً چالیس سال تک ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کا حال دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے ان کے قلب کو کمالِ ایمان نصیب ہے۔ والعلم عند اللہ۔

پچاس سال سے زیادہ مدت کی بیماری میں اور خاص کر آخری چند برسوں میں ان کا جو حال رہا جس کو صرف انکے خاص تیماردار ہی جانتے تھے اور جسکو سنکر بھی دل لرزنے لگتا ہے، اس حال میں ایمان کے دشمن شیطان نے کیسے کیسے وسوسے انکے دل میں ڈال کر انکے ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کی ہوگی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، لیکن ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص فضل تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رحیم و کریم ہونے پر پورا یقین رکھنے کی وجہ سے ان تکلیفوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرم ہی کی ایک شکل یقین کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اس پر اجر کی امید رکھتے تھے ــــــ ایک دن میں نے ان کو تسلی دینے ہی کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل" (جس کا مطلب ہے کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں انکے بعد درجہ بدرجہ ان بندوں پر جو دین و ایمان کے لحاظ سے ان کی امتوں میں افضل ہوتے ہیں) تو میں نے دیکھا کہ یہ حدیث شریف سنکر ان کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور زبان سے اس کا اظہار بھی کیا ــــــ اسی طرح ایک دن میں نے انکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائی جس کا مطلب ہے کہ آخرت میں جب وہ اہل ایمان جو دنیا میں آرام و عافیت سے رہے تھے، اپنے ان اصحابِ ایمان بھائیوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمتیں اور انکے درجات کی بلندی دیکھیں گے جو اس دنیا میں شدید تکلیفوں میں مبتلا رہے اور اس حال میں بھی اپنے پروردگار کے وفادار بندے اور صابر و شاکر رہے تو انکو حسرت ہوگی کہ کاش دنیا میں ہم کو بھی ایسی ہی تکلیفیں پہونچی ہوتیں! یاد آتا ہے کہ حدیث کے آخری الفاظ ہیں "لَوْ أَنَّ جُلُوْدَنَا قُرِضَتْ بِالْمَقَارِيْضِ" (کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں) لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی

ہم کو تعلیم ہے کہ ہم بندے اپنے آپ کو ضعیف و ناتواں سمجھتے ہوتے اللہ تعالےٰ سے عافیت ہی کی دعا کیا کریں، اور ہر قسم کی تکلیفوں مصیبتوں سے پناہ مانگا کریں اور حضورؐ کا اپنا معمول بھی یہی تھا تو انھوں نے اس پر بھی بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

اسکے علاوہ بھی بار بار اس کا تجربہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو صبر و شکر کا وہ مقام عطا فرمایا تھا جو خاص مقبول بندوں ہی کو عطا ہوتا ہے۔

یہ تو مجھے معلوم تھا کہ قریباً ڈیڑھ دو سال سے بعض دوسری ناقابل ذکر تکلیفوں کے علاوہ انکو ایک تکلیف یہ بھی لاحق ہو گئی تھی کہ ان کی دونوں ٹانگوں میں زخم ہو گئے تھے اور دونوں ٹانگوں کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ ان کو الگ الگ رکھنا ان کیلئے سخت دشوار تھا انھوں نے ٹیلیفون پر اس عاجز سے اپنی اس تکلیف یا کسی بھی تکلیف کا ذکر کیا تو ہمیشہ صرف دعا کیلئے ـــــ میں اسکے جواب میں ان تکلیفوں کے اخروی اجر و ثواب کا ذکر کرتا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں بیان فرمایا گیا ہے تو وہ کبھی کبھی کہتے کہ میں اسی امید پر جی رہا ہوں ـــــ انکو آخری غسل دینے والوں نے جن میں میرے قریبی عزیز دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ مولوی محمد زکریا بھی ہیں، انکی ٹانگوں کے زخموں کا جو حال بیان کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہمارے اس زمانہ میں (خدا کرے بے ادبی نہ ہو) صبر ایوبی کا ایک نمونہ تھے۔

اس موقعہ پر بے تکلف اپنا یہ حال عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ بیماری اور تکلیف کی حالت میں کسی سے ملنے اور بات کرنے سے طبیعت گریز کرتی ہے، اور مزاج میں چڑچڑے پن اور جھنجھلاہٹ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو یقیناً ایک بری حالت ہے، اللہ تعالےٰ اسکی اصلاح فرمائے، لیکن میں نے آصف صاحب کو دیکھا کہ وہ صبر و رضا کا ایک پیکر بنے ہوئے سخت سے سخت تکلیف کی حالت میں بھی آنے جانے والوں سے بے تکلف ملتے، باتیں کرتے ان میں کبھی غصہ اور جھنجھلاہٹ کا اثر محسوس نہ ہوتا اسکے علاوہ روزانہ مغرب کے بعد قریباً دو ڈھائی گھنٹے تک ایک معالج کی حیثیت سے مریضوں کو دیکھتے، ان کا حال سنتے اور ان کیلئے دوا تجویز کرتے خود نسخہ لکھتے ـــ بلاشبہ یہ ان پر اللہ تعالےٰ کا خاص انعام تھا اور میرے نزدیک

ان کی کرامت۔

ہمّت و عزیمت

آصف صاحب کی زندگی کا ایک سبق آموز پہلو انکی وہ ہمت و عزیمت ہے جسکے نتیجہ میں شدید تکلیفوں میں مبتلا ہوتے کے باوجود زندگی کا یہ طویل اور دشوار گذار سفر انھوں نے اس شان سے طے کیا کہ ہزاروں تندرست انکی کامیاب زندگی پر رشک کر سکتے ہیں، وہ آٹھویں درجہ میں پڑھتے تھے، اور جوانی کی عمر کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ ان کی ٹانگوں میں ایک خاص قسم کا درد شروع ہوا جو ہر طرح کے علاج کے باوجود بڑھتا ہی گیا، اسی حال میں انھوں نے ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ اور پھر لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔اے اور ایم اے کیا پھر جب پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھنا شروع کیا تو درد کی تکلیف بڑھ کر ریڑھ کی ہڈی تک پہنچ گئی، اب وہ مستقل صاحب فراش ہو گئے، یہاں تک کہ ریڑھ کی پوری ہڈی نیچے سے اوپر تک ایک تختے کی طرح ہو گئی، اٹھنا بیٹھنا تو درکنار خود کروٹ لینا بھی مشکل ہو گیا، اسی حال میں پی ایچ ڈی کا مقالہ مکمل کر کے یونیورسٹی میں داخل کیا، مقالہ ہندوستان کے سیاسی حالات سے متعلق تھا، جسے اس وقت کے خاص حالات میں خصوصاً ایک نومشق اور نوعمر مصنف کے لیے کسی بھی لحاظ سے آسان موضوع نہیں کہا جا سکتا، لیکن آصف صاحب نے اپنی اس پہلی تصنیفی کوشش میں اس درجہ کی کامیابی حاصل کی کہ لندن یونیورسٹی کے محقق استاد ماہر سیاسیات پروفیسر لاسکی نے نہ صرف یہ کہ مقالہ کے بارے میں اطمینان ظاہر کیا بلکہ شاندار تعریفی نوٹ بھی لکھا ـــــ اسکے بعد تقریباً بیالیس سال انھوں نے جس طرح گذارے اس سے بلاشبہ سبق لینے والوں کو ہمت و عزیمت اور بہادری و استقامت کا جیسا خالص عملی سبق ملتا ہے دور دور تک اسکی نظیر ملنی مشکل ہے۔

نظم اوقات

بیماری اور معذوری کے قریباً بیالیس ۴۲ سال کی مسافت میں پھیلے ہوئے عرصہ میں

ان کے اوقات کا جو نظام تھا وہ بھی خاص طور سے قابل ذکر اور لائق تقلید ہے۔

فجر کی نماز کیلئے وقت پر بیدار ہوتے، وہ پورا وضو کرنے سے معذور تھے کسی عزیز تیماردار کی مدد سے کہنیوں تک ہاتھ اور منھ دھو لیتے، تیمم کا سامان قریب رہتا تھا، تیمم کرکے نماز ادا کرتے، نماز کے بعد اذکار و تسبیحات کا اپنا معمول پورا کرتے ــــ راقم سطور نے اب سے تقریباً پینتالیس ۴۵ سال پہلے قرآن مجید کی پچاس، اور اسی طرح رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی پچاس، منتخب دعائیں مرتب کرکے عام فہم ترجمہ کے ساتھ شائع کرادی تھیں اس کا نسخہ انکے پاس تھا، وہ قرآن وحدیث کی ان سو ۱۰۰ دعاؤں کا متن ترجمہ کے ساتھ پڑھتے، اس پورے وقت میں نہ کسی سے بات کرتے اور نہ کسی کی طرف متوجہ ہوتے، اس کے بعد اسی طرح بستر پر لیٹے لیٹے خفیف ناشتہ اور چائے لیتے، پھر چند رکعت نفل پڑھتے، اس کے بعد اخبار اہتمام سے پڑھتے، اور پھر ضروریات سے فارغ ہوتے، اسکے بعد قریباً دو ڈھائی گھنٹہ تک تحریر و تصنیف یا ترجمہ کا کام کرتے، بارہ ۱۲ بجے کے قریب ان کی ہمشیرہ ان کو کھانا کھلانے کیلئے آتیں، انھیں جو کچھ لینا ہوتا اسی طرح لیٹے لیٹے لے لیتے، اسکے بعد قریباً ایک گھنٹہ تک بہنوں بھائیوں وغیرہ گھر کے لوگوں سے باتیں کرتے، پھر ظہر کی نماز ادا کرتے، اسکے بعد عصر تک آرام کرتے، پھر عصر کیلئے اٹھ کر نماز ادا کرتے، عصر سے لے کر مغرب تک گھر کے بچوں اور بچیوں کے لئے مخصوص تھا ان کے ساتھ تربیتی اور تفریحی باتیں کرتے، نماز مغرب ادا کرنے کے بعد متصلاً کوئی مشروب لے لیتے بس یہی ان کا رات کا کھانا تھا ــــ اسکے بعد مریضوں کی آمد شروع ہو جاتی ان کو دیکھتے، حال سنتے، اور دوا تجویز کرتے، یہ سلسلہ قریباً دو ۲ تین ۳ گھنٹے تک چلتا، یہی وقت ان کے مطب کا تھا، اسی وقت میں ان سے ملنے والے آتے، ان کیلئے بھی بس یہی وقت تھا ــــ اس سے فارغ ہو جانے کے بعد وقت آجانے پر مختلف ملکوں کی ریڈیو کی خبریں سنتے، پھر عشاء کی نماز ادا کرتے ــــ اسکے بعد آرام کرتے۔

یہ ان کے اوقات کا ایسا لگا بندھا نظام تھا، جو ان سے تعلق رکھنے والوں کو عام طور سے معلوم تھا، وہ بھی اسکی رعایت کرتے۔

اپنے اوقات کو اس طرح منظم کر لینا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اسکی وجہ سے وقت فضولیات میں ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے، اور آدمی بہت سی خرافات سے محفوظ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

ایک خواب

ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کے سانحۂ انتقال سے صرف تین چار دن پہلے میرے عزیز مولوی محمد زکریا نے (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) مجھے بتایا کہ انھوں نے آج رات خواب دیکھا ہے کہ گویا حشر برپا ہو چکا ہے، دربار خداوندی میں، میں بھی حاضر ہوں، اور میرے ساتھ بھائی مولانا محمد عارف صاحب بھی ہیں[1]، اور ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب بیٹھے ہیں، تو بھائی مولانا محمد عارف صاحب نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں بہت ہی اچھے الفاظ میں جو مجھے محفوظ نہیں رہے عرض کیا ہے کہ ہم دونوں اسکی شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے علم و مشاہدہ میں یہ (ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب) مومن صادق، آپ کے فرمانبردار اور آپ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابعدار اور پیروکار تھے۔

جب انھوں نے مجھے اپنا یہ خواب سنایا تو فوراً دل میں یہ بات آئی کہ معلوم ہوتا ہے کہ بھائی آصف صاحب کے اس دنیا سے اٹھا لئے جانے کا وقت قریب آگیا ہے۔

اس کے اگلے ہی دن میرے لڑکے حسّان نعمانی سلمہ نے مجھے بتایا کہ آصف بھائی کی طبیعت زیادہ خراب ہے، کل سے ان پر بار بار غشی کا دورہ ہوا ہے، انھوں نے خاص طور پر دعا کے لئے کہا ہے، میں نے ان سے کہا کوئی انتظام کرو، میں انکے پاس جانا چاہتا ہوں[2]، انھوں نے کہا کہ میں انشاء اللہ آج رات کو ان سے اور انکے تیمارداروں سے دریافت کر لوں گا کہ آپ کے آنے کیلئے کون سا وقت مناسب ہے، اگلی صبح انھوں نے

---

[1] یہ دونوں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد ہیں اور میرے حقیقی بھتیجے۔

[2] راقم سطور اب اس حال میں ہے کہ گھر میں اپنی ضروریات کے لئے بھی چند قدم نہیں چل سکتا اس لئے کسی ضرورت سے باہر جانے کے لئے کچھ انتظامات کرنے پڑتے ہیں جنکی تفصیل لکھنا غیر ضروری ہے۔

بتایا کہ رات بھائی آصف صاحب اس حال میں تھے کہ ان سے آپکے آنے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جاسکی ـــــ تھوڑی ہی دیر کے بعد جبکہ آٹھ بجنے والے تھے، خبر آگئی کہ اب سے تقریباً دس منٹ پہلے ان کی روح جسم سے مفارقت اختیار کر کے عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

میری دعا ہے اور ارحم الراحمین کی رحمت سے مجھے پوری امید ہے کہ وہ اُن مقبول بندوں میں شامل کئے جائیں گے، جن سے کہا جائیگا۔ یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی إلی ربك راضیۃ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

ہمارے بھائی آصف صاحب پر اس اللہ کا، جو تندرستوں کا بھی رب ہے اور بیماروں اور معذوروں کا بھی، ایک خاص انعام یہ بھی تھا کہ انکے قریبی عزیزوں کے دل میں اللہ تعالےٰ نے انکی ایسی محبت ڈال دی تھی جسکی وجہ سے اتنی طویل مدت تک وہ جی جان سے انکی خدمت اور تیمارداری کرتے رہے ـــــ انکے بڑے بھائی محمد عارف قدوائی صاحب نے تقریباً ۴۲ سال انکے پلنگ کے قریب ہی گذارے، شاید وہ اس پوری مدت میں ایک رات بھی زنان خانے میں نہ سوئے ہوں، وہ یو۔ پی سکریٹریٹ میں اعلیٰ عہدہ پر تھے، دوران ملازمت ایک دفعہ انکے تبادلہ کے احکامات جاری ہوئے، مگر وہ اپنے عزیز اور معذور بھائی کو چھوڑ کر جانے کیلئے آمادہ نہیں ہوئے اور مجبوراً معذرت کے ساتھ استعفا پیش کر دیا، لیکن افسران بالا نے، جو ملازمت کے سلسلہ میں انکی پاکبازی سے متأثر تھے، تبادلہ کا حکم منسوخ کر دیا ـــــ اسی طرح انکی بہنوں نے بھی اپنے بھائی کی جس طرح خدمت کی، اسکی مثال نہ دیکھی گئی نہ سنی گئی، خاص کر آخری چند سالوں میں جب انکی تیمارداری کا کام بہت صبر آزما ہو گیا تھا، بھائی، بہنوں اور بھتیجوں خاص کر عزیزی احمد ہارون سلمہ نے انکی تیمارداری اور خدمت کا حق ادا کر دیا۔

یہ عاجز اپنے مالک کے حضور میں دست بدعا ہے کہ اب وہ اپنے اس بندے کو جس نے بہت تکلیفوں کے ساتھ زندگی گذاری، اپنی اُن رحمتوں سے پوری طرح لطف اندوز فرمائے جن کا پہلا جھونکا ہی ہزاروں سال کی تکلیفوں کو بھلا دینے والا ذائقہ رکھتا ہے، اور ان گھر والوں کو طویل اور صبر آزما خدمت کی بھرپور جزا دے، اور ہم سب کو اس مثالی زندگی سے سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

منتخب نئی مطبوعات

نام کتاب ـــــ (معارف الحدیث ـ انگریزی ایڈیشن ـ جلد پنجم)
MEANING AND MESSAGE OF THE TRADITIONS VOL. V.
مصنف ـــــ مولانا محمد منظور نعمانی
مترجم ـــــ ڈاکٹر عباد الرحمن نشاط
صفحات ـــــ ۳۶۶
ناشر ـــــ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ـ پوسٹ بکس ۱۱۹ ـ لکھنؤ
طباعت و کاغذ ـــــ انتہائی معیاری
قیمت ـــــ غیر مذکور

اسلام کی عمارت جن عقیدوں، حقیقتوں اور جن تعلیمات و احکام پر کھڑی ہے وہ ناقابلِ تغیر و تبدل بھی ہیں، اور ناقابلِ تنسیخ و ترمیم بھی، اور قیامت تک کے لئے انسانوں کی سعادت اور رشد و فلاح ان حقیقتوں کو دل سے قبول کر کے اسلامی طرز زندگی اپنانے میں منحصر ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور تغیر پذیر ہے اور اس کا شباب ہر وقت قائم ہے۔ ؏

جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

انسانی نسلوں کی زبانیں، سوچنے کا طریقہ اور ان کے اندر بے اطمینانی پیدا ہونے کے وجوہ و اسباب اور ان کے رفع کرنے کے ذرائع و اسالیب ان کے اندرون سے اٹھنے والے سوالات اور ان کو مطمئن کرنے والے جوابات سب بدلتے رہتے ہیں۔

امت مسلمہ چونکہ آخری اور عالمگیر خداوندی پیغام کی حامل، آخری اور عالمگیر امت ہے، اور چونکہ اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے، وہ سب سے زیادہ پر از تغیرات اور پر از انقلابات

ہے، اسلئے جتنے مختلف قسم کے انسانوں اور مزاجوں سے اس کا واسطہ رہا ہے اور جیسی کشمکش کا اسے مقابلہ کرنا پڑا ہے دنیا کی تاریخ میں کوئی دوسری امت اسکی نظیر پیش نہیں کر سکتی، دین کی اس ابدیت اور قطعیت اور زندگی کی اس تغیر پذیری اور ناپائیداری کی متضاد کیفیت کے نتیجہ میں جو صورتِ حال وجود میں آتی ہے، اس کی وجہ سے دین کے خدمت گزاروں اور اس کے ترجمانوں کے کاموں میں سے ایک انتہائی ضروری کام یہ قرار پاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانہ میں اللہ کے ابدی دین کی تفہیم و تشریح اس طرح کریں جس سے ان کے زمانہ کے لوگوں کے دلوں میں یقین و اطمینان کی روشنی اور عمل کا جذبہ پیدا ہو۔

لیکن یہ کام جتنا ضروری ہے اتنا ہی مشکل اور نازک بھی اسکے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ جو شخص اس میدان میں قدم رکھے وہ ایک طرف تو دین کو اسی معتدل مزاج کے مطابق سمجھے ہوئے ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور صحبت سے صحابۂ کرام کا بنا تھا اور پھر یہ مزاج بعد کی نسلوں تک منتقل ہوا اور جو قیامت تک کیلئے مثالی اور معیاری رہے گا اور دوسری طرف وہ اپنے زمانہ کے فکری رجحانات، شکوک و شبہات، اور عام لوگوں کی ضرورتوں اور الجھنوں سے بخوبی واقف ہو اور وہ دین و شریعت کا مزاج داں ہونیکے ساتھ ساتھ اپنے زمانہ کا صحیح نبّاض بھی ہو ــــــ اسلام کی تفہیم و تشریح کا عظیم اور نازک کام کرنیوالا شخص اگر اپنے زمانہ کا مزاج شناس نہیں ہو گا تو خطرہ ہے کہ اس کی مخلصانہ کوششوں کے نتائج بھی الٹے بر آمد ہوں، حضرت علیؓ کے حکیمانہ مقولہ "کلموا الناس علی قدر عقولھم أتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ" (لوگوں سے ان کی ذہنی سطح اور عقلی استعداد کا لحاظ کر کے گفتگو کرو کیا تم چاہتے ہو کہ (تمہاری اس گفتگو سے جو انکے ذہن و عقل سے بالاتر ہے) وہ اللہ اور اسکے رسول کی باتوں کو جھٹلانے لگیں) میں اسی خطرہ کا اظہار کیا گیا ہے ــــــ اور اگر اس کام کو انجام دینے والے شخص کے فہم دین اور ذوق و مزاج میں کسی بھی وجہ سے خامی یا عدم توازن رہ جاتا ہے تو فطری طور پر ایسے شخص کی ترجمانی اور تفہیم و تعبیر کے نتیجہ میں جو طرزِ فکر اور دینی مزاج تشکیل پاتا ہے، وہ بھی شروع سے آخر تک اسی کچے پن اور عدم توازن کا شکار رہتا ہے۔

انیسویں صدی کی ابتداء سے مغرب کے بڑھتے ہوئے سیاسی اقتدار اسکے نمایاں مادی

تفوق اور ملحدانہ مزاج کے ساتھ سائنسی اور تجرباتی علوم کے میدان میں اسکی پے در پے فتوحات کا جو زبردست اثر پوری انسانی دنیا کے طرز فکر اور علمی مزاج پر پڑا ہے، اس کی وجہ سے اسلام کی تفہیم و تشریح کا کام از سر نو کرنا ضروری ہو گیا۔

اسلام کا سرچشمہ اولاً قرآن مجید ہے جو لفظاً و معنیً کلام اللہ ہے اور ثانیاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات ہیں (جنکے مجموعہ کا معروف نام "حدیث و سنت" ہے) بلکہ سچی بات یہ ہے کہ جس فضا اور ماحول میں دین کا پورا سر سبز و بارآور ہوتا ہے اور جس طرح کے اخلاق اور جن جذبات و کیفیات کے استحکام کے بغیر قرآنی تعلیمات عملی زندگی میں داخل نہیں ہو سکتیں انکی صحیح اور جیتی جاگتی تصویر حدیث و سنت اور سیرت نبوی ہی سے سامنے آتی ہے کیونکہ زندگی کیلئے زندگی شرط ہے اسلئے ہر زمانہ میں اسلام کی تفہیم و تشریح کا اصل محور قرآن و حدیث کی تفہیم و تشریح کا کام ہوتا ہے ــــ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ عصر حاضر میں اسلام کی تفہیم و تشریح کی غرض سے جو لٹریچر تیار ہوا ہے، اس میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی یہ تین کتابیں "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" "دین و شریعت" اور "معارف الحدیث" جامعیت، دقت نظر، توازن و اعتدال، سلامتی فہم اور عام فہم و دلنشین انداز کے اعتبار سے نہایت کامیاب اور منتخب کتابیں ہیں ــــ ہمارے پیش نظر چونکہ معارف الحدیث جلد پنجم کے انگریزی ترجمہ پر تبصرہ کا کام ہے اس سے پہلے ہم اس کتاب کے تعارف کیلئے کچھ ضروری باتیں عرض کریں گے۔

"معارف الحدیث" جلد اول کے دیباچہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۶۱ھ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ:-

> "اس زمانہ کے خاص حالات و ضروریات کا لحاظ رکھ کر اردو میں حدیث نبوی کی ایک خدمت کی جائے، اور اسکے لئے احادیث نبویہ کا متوسط درجہ کا جدید مجموعہ خاص اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر خود ترتیب دیا جائے اور اپنے زمانہ کے عام مسلمانوں کی دینی علمی اور ذہنی و فکری حالت اور عصر حاضر کے خاص علمی مزاج کو پیش نظر رکھ کر عام فہم اردو زبان میں حدیثوں کی تشریح کی جائے"۔

اس وقت سے اب تک پچاس سال کی مدت میں معارف الحدیث کی ساتھ جلدیں شائع ہو کر

مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں جن میں تقریباً دو ہزار احادیث نبویہ کا ترجمہ و تشریح کی گئی ہے، اور ہر باب کے شروع میں اس باب سے متعلق نبوی تعلیمات و اسلامی احکام کی حکمتوں کے متعلق نہایت جچے تلے انداز سے گفتگو کی گئی ہے، ان سات جلدوں میں "معارف الحدیث" کا سلسلہ مکمل نہیں ہوا ہے بلکہ ابھی یہ سلسلہ جاری ہے خدا کرے کہ مصنف کے نقشہ کے مطابق یہ عظیم کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔[1]

کتاب کو غور سے پڑھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ مصنف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق شاملِ حال ہے اور وہ اپنی اس کوشش میں پوری طرح کامیاب ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم اور آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی تصویر اس طرح سامنے آجائے کہ اس کا مطابقِ فطرت، سراسر مبنی بر حکمت اور انسانیت کیلئے باعث صلاح و فلاح ہونا بھی کھلتا چلا جائے اور ناظرین کے قلوب میں نور یقین و اطمینان اور جذبۂ عمل بھی پیدا ہو۔

اگر توفیق الٰہی تیسیر اسباب کا نام ہے تو اس عظیم اور نازک کام میں مولانا نعمانی مدظلہ، کی کامیابی کا اولین سبب رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی وہ دولت ہے جو کاملِ الفن اور مقبول و منتخب اساتذہ و مشائخ سے (جن میں سرآمد علمائے متاخرین حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اور داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے نام نامی سب سے نمایاں ہیں) طالبانہ استفادہ کی بدولت انھیں ملی اور جسکی وجہ سے ناچیز تبصرہ نگار کے گمان کے مطابق دینی حقائق پر وہ غیر متزلزل ایمان اور علمی و ذہنی طور پر مکمل انشراح کی وہ نعمت انھیں نصیب ہوئی جس کے بغیر یہ نازک اور دشوار کام نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں مولانا کے قلب و مزاج پر اخلاص، تواضع اور عبدیت کے رنگ کا جو غلبہ ہے، اور مولانا کی قوت عقل جس قدر ہشیار و بیدار اور عمیق اور انکی رائے و فکر جتنی صائب اور متوازن رہتی ہے اس کا اندازہ ان کی تصانیف کے مطالعہ سے ان لوگوں کو بھی بخوبی ہو سکتا ہے، جنھیں ان کی شخصیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

---

[1] آٹھویں جلد زیر کتابت ہے۔

نے معارف الحدیث جلد پنجم کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ :۔

"یہ محض احادیث صحیحہ کا ایک انتخاب، ضروری ترجمہ اور تشریح کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایسے عالم کے فہم حدیث، فکر و نظر اور ذوقِ سلیم کا نتیجہ ہے جس نے کامل الفن اساتذہ سے پوری محنت و توجہ کے ساتھ علم حدیث حاصل کیا پھر سالہا سال مدارس میں اس کا درس دیا، شراح حدیث کی محنتوں اور تحقیقات سے استفادہ کیا، فراغت کے بعد سے اس وقت تک دعوت و اصلاح اور تحریر و تصنیف کے کام میں مصروف رہا، اور اس طرح مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے ذہن و دماغ، فہم و استعداد اور انکی ضرورتوں اور الجھنوں سے اسکو وسیع اور گہری واقفیت کا موقع ملا اور "کلموا الناس علی قدر عقولھم" کی وصیت و ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی، پھر ذوقی طور پر اس جلد کے موضوع ذکر و دعا سے اللہ تعالیٰ نے مصنف محترم کو خاص مناسبت، اور اس سے بہرۂ وافر عطا فرمایا اور اس طرح یہ موضوع ان کیلئے محض علمی ذہانت کا نتیجہ نہیں رہا بلکہ ذوقی و طبعی بن گیا، ان تمام وجوہ سے جو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہیں، انکو اس موضوع پر لکھنے کا استحقاق حاصل تھا، اور بلا کسی مدح و تملق کے عرض کیا جاتا ہے کہ وہ اس کا حق ادا کرنے میں بہت کامیاب ہوئے اور اس موضوع پر اردو میں ایک ایسی جامع و مفید اور مؤثر و دلپذیر کتاب تیار ہو گئی، جس میں ہزاروں صفحات کا عطر اور ضخیم کتابوں کا خلاصہ آگیا ہے"۔

مولانا نعمانی کی تمام تصنیفات بالخصوص مذکورہ بالا تین کتابوں میں عام ذہنوں کی تشفی کا جو سامان ہے اور اسلام کی کامیاب جامع اور متوازن ترجمانی کا جو نمونہ ان میں موجود ہے، اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کی تحقیقات سے صرف استفادہ ہی نہیں کیا بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ذوق ولی اللہی کو انکے دل و دماغ نے پوری طرح قبول

کر دیا ہے ـــــ مولانا نعمانی نے معارف الحدیث جلد سوم کے دیباچہ میں عصر حاضر میں پوری انسانی دنیا کے طرز فکر پر پڑنے والے مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور اشاعت کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں اس دور کے علماء کی اس ذمہ داری کا ذکر کیا ہے کہ وہ اس ذہنی اور فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کو پیش کریں، وہاں اس کام کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے افادات کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ نے اب سے دو سو سال پہلے ٹھیک اسوقت جبکہ ان مغربی علوم و افکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوا دی تھی، ان کی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کیلئے پوری روشنی موجود ہے، اس عاجز کا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے، ایسا پورے اسلامی کتب خانہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے..... اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور اسکی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اسکی ایک خصوصیت تو یہی ہے کہ اس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اسکی یہ ہے کہ اس کی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی و اجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے افسوس ہے کہ ہماری درسگاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللہی طریقہ

رواج نہیں پاسکا حالانکہ ہمارے اس دور کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔

قارئین کرام معاف فرمائیں، تبصرہ نگار کے ذمہ تو معارف الحدیث جلد پنجم (انگریزی) کا تعارف کرانا تھا، لیکن اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا تعلق ترجمہ سے نہیں اصل کتاب سے ہے اگرچہ سچی بات یہ ہے کہ ابھی اسکے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکا۔ — تاہم سلسلۂ کلام کو یہیں روک کر اب زیر تبصرہ انگریزی ترجمہ کی بابت کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

معارف الحدیث انگریزی ترجمہ کے متعلق ایک بات تو یہ قابل ذکر ہے کہ اسکی چھ جلدوں کو انگریزی زبان میں ایک ایسا مترجم میسر ہوا جو مصنف وکتاب کے مزاج سے مناسبت تامہ اور اردو و انگریزی دونوں زبانوں پر یکساں مہارت کے لحاظ سے اس کام کیلئے موزوں ترین شخص تھا، میری مراد ڈاکٹر محمد آصف قدوائی سے ہے، ڈاکٹر قدوائی مرحوم ایک نہایت صحت مند دل و دماغ اور متوازن طرز فکر کے حامل تھے ان کا اسلوب تحریر بھی نہایت سادہ اور دل نشین اور مولانا نعمانی کے مخصوص اسلوب کی طرح غیر ضروری تمہید حشو و زائد اور مترادفات سے مبرا تھا، خود تبصرہ نگار نے ڈاکٹر محمد آصف قدوائی کو کئی بار یہ کہتے ہوئے سنا کہ مولانا نعمانی کی کتابوں کے مطالعہ سے ایک ایسے مصنف کا تصور ذہن میں آتا ہے جس کا انگریزی کتابوں کا مطالعہ بہت وسیع اور عمیق ہے، اس لئے کہ ان کا اسلوب تحریر موجودہ انگریزی اسلوب تحریر سے بہت قریب ہے جس میں الفاظ کم ہوتے ہیں اور معانی زیادہ — ڈاکٹر قدوائی مرحوم نے معارف الحدیث کی جلد اول تا چہارم اور جلد ششم و ہفتم کا ترجمہ کیا تھا، جو مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ہی کے زیر اہتمام چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکا ہے جلد پنجم (جو ذکر و دعا کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات وتعلیمات پر مشتمل ہے) کا ترجمہ بعض وجوہ سے مؤخر کردیا گیا تھا، اور جب اسکے ترجمہ کی نوبت آئی تو ڈاکٹر قدوائی مرحوم

شدید امراض و عوارض کا شکار ہو کر اس نازک اور طویل کام کے قابل نہیں رہ گئے تھے، اور اس وجہ سے حضرت مولانا نعمانی اور ڈاکٹر فدوائی دونوں حضرات اس جلد کے ترجمہ کے بارے میں بہت فکر مند تھے ــــ ہمارے خیال میں تو یہ اس کتاب کی مقبولیت کا ایک اور ثبوت ہے کہ ٹھیک ان دنوں میں جب کہ اس بارے میں فکر تشویش کی حد تک پہنچ گئی تھی، ایک نہایت پُر خلوص شخصیت کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا پردۂ غیب سے نمودار ہوئی میری مراد ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط سے ہے، ڈاکٹر نشاط صاحب صوبہ بہار کے ایک سعادت مند و جوان عمر مسلمان ہیں، جنھوں نے انگریزی ادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری امریکہ کی ایک ممتاز یونیورسٹی سے حاصل کی اور اسکے بعد مکہ مکرمہ میں واقع ام القریٰ یونیورسٹی کے شعبۂ انگریزی میں بحیثیت استاد ان کا تقرر ہو گیا ــــ انھیں اللہ تعالیٰ نے دورِ طالب علمی ہی سے دینی ذوق اور علماء صالحین سے تعلق کی دولت عطا فرمائی تھی خصوصاً حضرت مولانا ندوی و حضرت مولانا نعمانی سے انھیں گہری عقیدت تھی۔

تبصرہ نگار کو نہیں معلوم کہ معارف الحدیث جلد پنجم کیلئے نشاط صاحب کا انتخاب کس کی تجویز پر ہوا لیکن ترجمہ کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا کہ حق بحق دار رسید ــــ ترجمہ کی ایک خوبی تو یہ ہے کہ اس میں جدید ترین انگریزی زبان استعمال کی گئی ہے جو بہت آسان بھی ہے، اور بہت مؤثر بھی اس جلد کے مقدمہ سے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی عبارت کا جو اقتباس اوپر پیش کیا گیا ہے، اس میں انھوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا نعمانی کو اس جلد کے موضوع ذکر و دعا سے خاص مناسبت اور اس سے بہرۂ وافر عطا فرمایا ہے اور اس طرح یہ موضوع ان کیلئے محض علمی ذہانت کا نتیجہ نہیں رہا بلکہ ذوقی و طبعی بن گیا ــــ کتاب کے ترجمہ اور عرضِ مترجم کو غور سے پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس جلد کے مترجم ڈاکٹر عبادالرحمٰن نشاط کو بھی اللہ تعالیٰ نے عاجزی و انکسار رقتِ قلب اور ذوقِ دعا سے حصۂ وافر عطا فرمایا ہے اور اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اصل اردو کتاب میں دل کا جو سوز و گداز

ملتا ہے، جہاں تک انگریزی زبان متحمل ہوسکتی ہے، انگریزی ترجمہ میں بھی وہ محفوظ ہے، اور جو لوگ انگریزی زبان کی نفسیات سے واقف ہیں انکے نزدیک یہ بہت اہم بات ہے — ترجمہ کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس میں احادیث کے عربی متن کو بھی باقی رکھا گیا ہے، سابقہ جلدوں میں ایسا نہیں تھا — ایک اور بہتری یہ ہے کہ کتابوں اور اعلام کے نام زیادہ صحیح انداز تحریر (SPELLING) سے لکھے گئے ہیں۔

اہل نظر جانتے ہیں کہ اسلامی اصطلاحات گزشتہ پچاس سال پہلے مغربی زبانوں کیلئے بڑی حد تک نامانوس اور اجنبی تھیں لیکن اب دعوتِ اسلامی کی پیش قدمی، مواصلات کے روز افزوں وسائل اور قوموں اور تہذیبوں کے تداخل و امتزاج کی وجہ سے صورتِ حال جتنی بدل گئی ہے اس کا اندازہ آج کل شائع ہونے والے انگریزی بین الاقوامی رسائل و مجلات اور ذرائع ابلاغ کے بغور مطالعہ سے کیا جا سکتا ہے — اب اللہ تعالےٰ کی ذات عالی کیلئے GOD کہنے کی ضرورت نہیں رہی ALLAH کا لفظ کثرت سے مستعمل ہے، اسی طرح صلوٰۃ کو PRAYERS زکوٰۃ کو CHARITY صوم کو FASTING حج کو PILGRIMAGE کہنا غیر ضروری ہوگیا ہے (حد یہ ہے کہ نو منتخب امریکی صدر جارج بش نے اپنی ایک حالیہ تقریر میں یہ کہنے کیلئے کہ فلاں کام آسان نہیں سخت محنت طلب اور صبر آزما ہے لفظ جہاد کا استعمال کرتے ہوئے کہا "IT IS NO EASY JOB, IT IS A BIG "JIHAD" —

فاضل مترجم نے اس تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی اصطلاحات کا اچھا استعمال کیا ہے لیکن اس طور پر کہ اکثر جگہ پہلے انگریزی لفظ استعمال کیا اسکے بعد بریکٹ میں اصل عربی لفظ بھی لکھ دیا، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو ص ۱۳۵ جس میں SALATUL FARD، ADHAN، IQAMAH، SALAT، HAJJ وغیرہ اسلامی اصطلاحات کو تو بریکٹ میں لکھا ہے، اور ان سے پہلے ان کے انگریزی مترادفات OBLIGATORY PRAYERS، FIRST AND SECOND PRAYER CALL، PRAYER اور JOURNEY OF PILGRIMAGE — استعمال کئے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ مستقبل قریب میں انگریزی اہلِ قلم کو جو انداز اختیار کرنا ہوگا وہ اسکے،

برعکس ہوگا، یعنی یہ کہ بریکیٹ کے درمیان تو انگریزی الفاظ کو رکھا جائیگا اور عبارت میں مسلسل آنے والے الفاظ اسلامی وعربی ہوں گے اور آگے چل کر یہ اسلامی وعربی الفاظ اتنے معروف ہو جائیں گے کہ ان کے تعارف کے لئے انگریزی الفاظ بین القوسین لکھنے لکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی (انشاء اللہ)

چونکہ الفرقان کے صفحات میں منتخب نئی مطبوعات کے تعارف کے سلسلہ کے از سر نو آغاز سے مقصود صرف ایک رسمی تبصرہ نہیں، بلکہ "مطبوعات کے سمندر میں علم وتحقیق کے جو موتی سنگریزوں کے تہہ بہ تہہ انبار میں دب کر نگاہوں سے مخفی ہو جاتے ہیں، انھیں منظر عام پر لانا اور انکی قدر وقیمت اجاگر کرنا ہے تاکہ علم وتحقیق کے شیدائی علم وعرفان کے شیریں چشموں تک رسائی حاصل کر سکیں" اس لیۓ اس عظیم کتاب کے تعارف کیلیۓ ابھی تک جو کچھ عرض کیا جاسکا ہے، اسکی طوالت کیلیۓ یہ تبصرہ نگار کسی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ___ البتہ ابھی جو کہنا باقی ہے، اسے اپنی زبانی کہنے کے بجائے فاضل مترجم کی زبان سے سنوانا بہتر معلوم ہوتا ہے، ڈاکٹر عباد الرحمٰن نشاط صاحب نے زیر تبصرہ کتاب کے شروع میں جو مختصر سا مضمون عرض مترجم کے طور پر لکھا ہے، ذیل میں اس کا اردو ترجمہ قارئین الفرقان کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے ___ اس سے ترجمہ کے مزاج اور مترجم کے ذوق واستعداد کے بارے میں کسی حد تک اندازہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

عرض مترجم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

"سنہ ۱۹۸۱ء میں جب کہ اپنے ریسرچ کے سلسلہ میں میرا قیام امریکہ میں تھا، ڈی کیلب (DE KALB) میں واقع یونیورسٹی (NORTHERN ILLINIOS UNIVERSITY) کی اسلامی سوسائٹی کے ذریعہ مجھے اطلاع ملی کہ شکاگو کے ایک مکتبہ میں کچھ اسلامی کتابیں موجود ہیں، اور میں سوسائٹی کے ذریعہ اپنی فرمائش بھیج سکتا ہوں، میں نے فوراً ___

(MEANING AND MESSAGE OF THE TRADITIONS جو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی کتاب معارف الحدیث کا انگریزی ترجمہ ہے) کی غالباً تین جلدوں کے لئے فرمائش بھیجدی، مجھے اب تک نہیں معلوم کہ اس کتاب میں وہ کیا خاص بات تھی جس کی وجہ سے کتاب پر پہلی نظر پڑتے ہی میرا دل خوشی اور عقیدت واحترام کے جذبات سے معمور ہو گیا تھا، اس کتاب کو پاکر میں اس طرح خوش ہوا تھا، جیسے ایک بہت ہی محبوب دوست وطن سے ہزاروں میل دور اس اجنبی سرزمین میں اچانک مجھے مل گیا ہو، مجھے یاد ہے اس وقت میں کتاب کو اس طرح گھر لے کر آیا تھا جیسے کوئی شخص اپنے دیرینہ جگری دوست کو لاتا ہے، اس وقت مجھے خبر نہیں تھی کہ اس کتاب سے اتنا غیر معمولی دلی لگاؤ مجھے کیوں محسوس ہو رہا ہے لیکن اب جبکہ میں نے اسکی ایک جلد کا ترجمہ کیا ہے میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ شروع ہی میں میرے دل میں اس کتاب کی گہری محبت اس لئے ڈال دی گئی تھی کہ مستقبل میں مترجم کی حیثیت سے اسکے ساتھ میرے رشتہ کا قائم ہونا میرے لئے مقدر ہو چکا تھا —— یا یوں کہئے کہ اب مجھے اسکی ایک جلد کے ترجمہ کی جو سعادت ملی ہے، وہ اس کتاب کے ساتھ میرے دیرینہ غیر معمولی قلبی تعلق کی برکتوں میں سے ایک ہے۔

۱۹۸۴ء میں مجھے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور کی طرف سے خطوط ملے جن میں اِن دونوں موقر بزرگوں نے مجھے معارف الحدیث کی جلد پنجم کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا، میں اپنی محدود صلاحیت سے واقف تھا لیکن جب یہ کام میرے سپرد کیا گیا تو میں یکسو ہو گیا اور بنام خدا کام کا آغاز کر دیا، سب سے پہلے میں حرم شریف حاضر ہوا اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے نصرت اور رہنمائی کی بھیک مانگ کر کتاب کے ابتدائی جملوں کا ترجمہ کیا اور اس طرح الحمد للہ کام شروع ہو گیا۔

چند مہینے بعد حضرت مولانا نعمانی مدظلہ مکہ مکرمہ تشریف لائے اس موقعہ پر میں نے اُن سے یہ درخواست کی کہ وہ کتاب کی ایک حدیث باضابطہ طور پر مجھے پڑھا دیں تاکہ اس کتاب سے میرا تعلق اور رشتہ صرف ایک مترجم کا نہ ہو بلکہ ایک طالب علم کا بھی ہو، جو حقیقتاً خود بھی اس کتاب سے استفادہ کا محتاج ہے حضرت نے مجھے ایک حدیث (کتاب کی حدیث نمبر

بڑھائی اور پھر اپنے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں اٹھا کر بآواز بلند دعا کے الفاظ ادا کرتے ہوئے میرے لئے دعا کی، مجھ پر اس درس کی روحانی تاثیر اتنی شدید اور پُر اسرار تھی کہ اسے بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، مجھے خود نہیں معلوم کہ جس وقت میں نے حدیث شریف کا عربی متن پڑھنا شروع کیا تھا تو اس وقت بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہو گئے تھے ؟

بہت جلد مجھے ترجمہ کے کام سے ایسا تعلق ہو گیا، جسے میں عشق سے تعبیر کروں تو مبالغہ نہ ہوگا، روز بروز میرا یہ یقین پختہ ہوتا جاتا تھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے ساتھ میری یہ مشغولیت ایک ایسا مبارک عمل ہے، جس پر اللہ تعالے کی بے انتہا رحمتیں مجھے حاصل ہو جائیں گی، کبھی کبھی تو اس کام پر اللہ کی رضا کے حصول کے بارے میں میں اتنا پر امید ہو جاتا تھا کہ والہانہ انداز سے اپنے گھر والوں کو بھی یہ سوچ کر اس نیک کام میں شریک کرنے کی کوشش کرنے لگتا کہ وہ بھی اللہ کی رحمت کے مستحق ہو جائیں کبھی میں عبارت املا کرتا اور میری اہلیہ عائشہ اسے لکھ کر اس کام میں شریک ہوتیں کبھی میری بہن صابرہ مسودہ ٹائپ کرتے اور اسکی تصحیح اور مقابلہ کے کام میں میرا ہاتھ بٹاتی اور کبھی میں اپنی پانچ سالہ بچی آمنہ اور ڈھائی سالہ بچے خلیل کے ہاتھ میں اپنا قلم پکڑا دیتا اور احادیث نبوی کے چند الفاظ ان سے لکھوانے کی کوشش کرتا اور اپنے کریم رب سے یہ آس لگا لیتا کہ وہ میرے اس جذبہ کو قبول فرما کر ان معصوم بچوں کو آگے چل کر اپنے رسول کے پیغام کی خدمت کے مقدس کام کیلئے قبول فرمائے گا، کہ انھوں نے اس وقت آپ کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے دو لفظ اپنے قلم سے لکھنے کی کوشش کی تھی جب کہ وہ کمسن بچے تھے۔

بہر حال اللہ کی توفیق سے ترجمہ پورا ہوا اور میں نے مصنف کتاب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی خدمت میں مسودہ بھیج دیا، انھوں نے یہ دیکھ کر کہ میں نے "عرض مترجم" کے طور پر اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا تھا (کیوں کہ میرے خیال میں اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی) مجھے تحریر فرمایا کہ اس کتاب کے سلسلہ میں اپنے تاثرات قلمبند کر دوں، اور جس جذبہ اور لگن سے میں نے اس کا ترجمہ کیا ہے اس کا بھی ذکر کروں۔

جہاں تک اس کتاب کی احادیث کا تعلق ہے تو اس بارے میں مجھ جیسا عاجز و کمسواد کیا عرض کرے؟ — صوبہ بہار (ہندوستان) کے ایک مخلص مسلمان ڈاکٹر مہدی حسن ہیں جو اسلامیات کے ایک سنجیدہ طالب علم ہیں، انھوں نے یہ سن کر کہ میں معارف الحدیث کی ایک جلد کا ترجمہ کر رہا ہوں، مجھے مبارک باد دیتے ہوئے اپنے ایک خط میں جو کچھ لکھا تھا اس سے کتاب کے بارے میں خود میرے احساسات کی بہترین ترجمانی ہوتی ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقعہ پر ان کے وہ الفاظ نقل کر دوں، انھوں نے لکھا تھا:۔

"مجھے حضرت مولانا (ابوالحسن علی ندوی) دامت برکاتہم کے ذریعہ یہ خوشخبری ملی کہ معارف الحدیث جلد پنجم کے ترجمہ کا کام آپ کے سپرد کیا گیا ہے، یہ آپ کی خوش نصیبی کی علامت ہے — معارف الحدیث اُن چند کتابوں میں سے ایک ہے جنھوں نے میری زندگی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں، خاصکر اسکی پانچویں جلد — میں نے اس جلد کو اتنی بار پڑھا ہے کہ اللہ کی توفیق سے متن اور سند دونوں تقریباً حفظ ہو چکے ہیں میں جب کبھی اسے پڑھتا ہوں مجھے نیا ذائقہ نصیب ہوتا ہے، حقیقت میں یہ ایک حیرت انگیز طور پر مفید کتاب ہے اور مسلمانوں کی نگاہوں میں حد درجہ محترم ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نہایت مخلص اور متقی بندگانِ خدا میں سے ایک ہیں، ان کے اخلاص کی قوت ان کی تمام تصنیفات میں جھلکتی ہے، ان کی ہر تصنیف اثر آفریں اور ملہم ہے جو اللہ کے مخلص اور منتخب بندوں کی تصنیفات کی نمایاں خصوصیت ہے، آپ کو اس کتاب کے ترجمہ کے کام میں بھرپور توجہ اور کوشش صرف کرنا چاہیئے، احادیث کے ساتھ مشغولیت بذات خود اللہ کی عظیم نعمت ہے، اور آپ کو تو یہ کام سرزمین مقدس میں کرنے کا موقعہ ملا ہے، نُورٌ علیٰ نُور۔

ایک عالم ربّانی کی کسی کتاب کی ترجمانی کا شرف ایک ایسا خداوندی انعام ہے جو ہر ایک کو نہیں ملا کرتا"

جب بھی میں سوچتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے اس پوری جلد کے ترجمہ کا کام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں انجام دینے کی سعادت بخشی ہے تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی بلکہ اس کتاب کے کچھ حصوں کا ترجمہ تو میں نے حرم مکی میں بیت اللہ کے روبرو بیٹھ کر اور مسجد نبوی میں روضۂ اطہر کے قریب بیٹھ کر کیا ہے' بلاشبہ یہ مجھ پر میرے پروردگار کا بہت بڑا انعام ہے' میں اپنے مالک کی اس توفیق پر بھی اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے برابر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے ترجمہ کے کام کی نزاکت اور اسکی عظمت و تقدس کا خیال رہا میں نے کبھی اس کام کو صرف ایک علمی منصوبہ نہیں سمجھا مجھے برابر یہ استحضار رہا کہ اس کام سے میرے ایمان و یقین میں اضافہ ہوگا میری روح کو جِلا ملے گی اور آخرت میں یہ کام میرے لئے بڑا قیمتی ذخیرہ ثابت ہوگا' ترجمہ کا کام پورا ہو جانے پر مجھے بے حد خوشی بھی تھی تاہم یہ خیال بڑا غم انگیز ثابت ہو رہا ہے' کہ اس کام کی تکمیل کے ساتھ ساتھ میری زندگی کی ایک عظیم ترین اور مقدس ترین مشغولیت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

اس کام کی تکمیل درحقیقت مولانا نعمانی اور مولانا ندوی کی دعاؤں اور توجہات کا صدقہ ہے —— ان کی طرف سے جو مدد اور حوصلہ افزائی مجھے ملی اللہ تعالےٰ اس پر ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

میں جناب اورنگ زیب خاں صاحب۔ (شعبۂ انگریزی ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ) کا بھی بہت ممنون ہوں جنھوں نے مسودہ کو از اول تا آخر حرف بحرف پڑھا اور قیمتی مشورے دیئے، اس کام کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً میں ڈاکٹر سید عبدالوحید صاحب (شعبۂ انگریزی ام القریٰ یونیورسٹی) اور جناب علی احمد ندوی صاحب (ریسرچ اسکالر شعبۂ اسلامیات ام القریٰ یونیورسٹی) سے بھی مشورے لیتا رہا میں ان دونوں حضرات کا بھی شکر گذار ہوں۔

مجھے اس موقعہ پر گہرے دینی جذبات رکھنے والے اپنے ایک عزیز نوجوان اشرف کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیئے جس نے مختلف طریقوں سے اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا۔

جہاں تک ان اصولوں اور شرائط و اصطلاحات کا سوال ہے جنکی پابندی میں نے

ترجمہ میں کی ہے، تو ان کی وضاحت کی میں کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میں نے احادیث کے اردو ترجمہ کو سامنے رکھا ہے جو مصنف کتاب مولانا نعمانی کا کیا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ مولانا نعمانی نے احادیث کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے سلیس اور بامحاورہ زبان میں ترجمہ کیا ہے اور میں نے بھی مصنف کتاب کے اس وضاحتی ترجمہ کو انگریزی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اپنے تعلیمی پس منظر کو دیکھتے ہوئے میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ احادیث نبوی کی کسی خدمت میں مجھے کبھی شرکت میسر ہوگی۔ میں اپنے مالک کا کیسے شکر ادا کروں کہ بالکل اسی طرح جیسے آسمان سے اچانک ابر کرم اٹھتا ہے اور رحمت برسنے لگتی ہے، یہ سعادت دفعۃً مجھے نصیب ہوگئی ـــــ کاش کہ میرے پاس اپنے مالک کی شکر گزاری کے لئے الفاظ ہوتے

اللہ تعالیٰ میری اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے، اپنے محبوب رسولؐ کی مبارک احادیث انگریزی پڑھنے والے ایک ایک شخص تک پہنچا دے اور میری کوتاہیوں کو معاف فرمادے ـــــ وہ بلاشبہ بہت فیاض اور بہت معاف فرمانے والا ہے۔"

امید ہے کہ کتاب کے تعارف میں ناچیز تبصرہ نگار نے جو کچھ اپنی طرف سے براہ راست "سر دلبراں در حدیث دیگراں" کے مصداق ڈاکٹر نشاط صاحب کی زبانی عرض کیا ہے اس سے اگر علم و عرفان کے کسی ایک طالب کی رہنمائی بھی علم و معرفت اور ایمان و اخلاص کے اس چشمۂ صافی تک ہو جائیگی تو اس کی پوری محنت وصول ہو جائے گی۔

جو لوگ مسلمان یا غیر مسلم، اردو یا انگریزی پڑھ سکتے ہیں انھیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کتاب کے مطالعہ کی ترغیب دینی چاہیے۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ اس کتاب کے انگریزی ایڈیشن کی اشاعت پر خصوصی مبارکبادی کی مستحق ہے۔ (س۔ن)

اگر آپ "الفرقان" کے خریدار نہیں ہیں تو آج ہی خریدار بنیئے اور دوسروں کو بھی خریدار بنائیے

ماہ رمضان المبارک کے موقع پر

عام خریداروں کے لئے خصوصی رعایت

۲۵ رمضان المبارک تک موصول ہونے والے ہر آرڈر پر درج ذیل شرح کے حساب سے رعایت دی جائے گی۔

اپنی اور لکھنؤ کی مطبوعات پر		بیرونی مطبوعات پر	
-/۲۰۰ روپے تک کے آرڈر پر	۲۰٪	-/۱۰۰ روپے تک کے آرڈر پر	۱۰٪
-/۲۰۱ سے -/۵۰۰ تک کے آرڈر پر	۲۵٪	-/۱۰۱ سے -/۵۰۰ تک کے آرڈر پر	۲۰٪
-/۵۰۱ سے زائد کے آرڈر پر	۳۰٪	-/۵۰۱ سے زائد کے آرڈر پر	۲۵٪

قرآن مجید وحمائل۔ اور دار المصنفین کی مطبوعات پر

-/۲۰۰ روپے تک کی خریداری پر ۱۰٪ — اس سے زائد پر -/۱۵

نوٹ:۔ تمام اخراجات بذمہ خریدار ہوں گے۔ ہر آرڈر کے ہمراہ چوتھائی رقم آنا لازمی ہے۔ منیجر

مختصر فہرست الفرقان بکڈپو

قرآن پاک حمائلیں پارے قاعدے

- مصری قرآن مجید نمبر 326 عکسی حافظی ۱۵ سطری -/40
- مصری قرآن مجید نمبر 326 ۱۵ سطری 20X30/8 -/36
- 〃 نمبر 53 ریگزین ۱۶ سطری 20X26/8 -/27
- 〃 نمبر 124 حافظی ۱۵ سطری مجلد ریگزین 20X30/8 -/36
- 〃 نمبر 62 ریگزین ۱۸ سطری سائز 20X26/8 -/26
- 〃 نمبر 100 (جلی قلم) ۱۱ سطری 〃 20X30/8 -/50
- 〃 نمبر 303 (ورلڈ) ریگزین 〃 20X30/8 -/34
- 〃 (اشاعت اسلام) جلی قلم 〃 20X30/8 -/46
- 〃 نمبر 3 مجلد ریگزین ۱۳ سطری 〃 20X30/8 -/44
- 〃 نمبر 203 〃 〃 〃 20X30/8 -/44
- 〃 نمبر 55 (اشاعت حق) 〃 18X22/8 -/24
- قرآن مجید نمبر 101 ۱۵ سطری 〃 20X30/8 -/36
- مصری حمائل نمبر 123 ریگزین -/24 پریس -/36
- 〃 نمبر 223 -/23 〃 -/33
- 〃 نمبر 119 پلاسٹک -/20 〃 -/36
- مصری حمائل نمبر 19 (پلاسٹک) ۸۵۰ صفحات -/20
- 〃 〃 نمبر 347 〃 حافظی -/15
- 〃 〃 نمبر 147 〃 پاکٹ سائز پریس -/18
- قرآن مجید معہ ترجمہ وتفسیر نمبر 81 مترجم مولانا اشرف علی تھانویؒ -/55 -/62
- 〃 〃 حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ -/85
- 〃 〃 نمبر 326 مولانا فتح محمد مع تفسیر شاہ رفیع الدینؒ -/52
- 〃 〃 نمبر 64 مترجم مولانا تھانویؒ -/50
- 〃 〃 نمبر 146 مع تفسیر مولانا تھانویؒ -/35
- 〃 〃 نمبر 90 حضرت تھانوی کلاں سائز -/200
- حمائل شریف مترجم نمبر 2 معہ تفسیر مولانا تھانویؒ -/32
- 〃 نمبر 48 (پلاسٹک) مع تفسیر 〃 -/23
- 〃 〃 〃 (پریس) 〃 -/35
- پارہ عم پارے نمبر 1 تا نمبر 6 فی -/1 اردو کا قاعدہ (پلاسٹک) 2/50
- قاعدہ بغدادی خورد (۱۶ صفحہ) -/50 — کلاں (۸ صفحہ) -/50
- 〃 پلاسٹک تختی 1/25
- قاعدہ یسرنا القرآن خورد 1/50 کلاں 3/25
- قاعدہ بغدادی پلاسٹک خورد -/2 کلاں -/3

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

از: مولانا محمد منظور نعمانی

اسلام کیا ہے؟ ——— ۱۰/-
دین و شریعت ——— زیر طبع
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ ۲۸/-
معارف الحدیث مکمل مجلد، جلد ۱/- ۲/-
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ ——— ۲۸/-
ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۹/-
شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف
پروپیگنڈہ ——— ۱۰/-
تصوف کیا ہے؟ ——— ۱۱/-
کلمہ طیبہ کی حقیقت ——— ۴/-
نماز کی حقیقت ——— ۴/-
برکات رمضان ——— ۵/-
نماز اور خطبہ کی زبان ——— ۲/۵۰
آپ حج کیسے کریں؟ ۱۳/- غیر مجلد ۱۱/-
آسان حج ——— ۲/۵۰
منتخب تقریریں عکسی ——— ۲۰/-
آپ کون ہیں کیا ہیں اور آپکی
منزل کیا ہے؟ ——— ۳/۵۰
قرب الٰہی کے دو راستے ——— ۲/۵۰
انسانیت زندہ ہے ——— ۳/-
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت ۱۸/-

تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور
بریلوی حضرات ——— ۶/۵۰
بوارق الغیب ——— ۲۸/-
فیصلہ کن مناظرہ ——— (زیر طبع)
شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت
کے الزامات ——— ۶/-
عقیدہ علم غیب قرآن و حدیث اور
ارشادات صحابہ کی روشنی میں ۲/-
قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ۱۰/-
قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ ۲/۵۰
کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت ۱۳/-
مسئلہ حیات النبی کی حقیقت ۳/-
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت
اردو ۲۲/- انگریزی ۳۵/-
خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں
علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ۳/-

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

تجلیات ربانی تلخیص و ترجمہ مکتوبات
مجدد الف ثانیؒ مکمل ۲ حصے ۵۵/-
وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ۳/-
تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مع خلفاء و صاحبزادگان ۱۳/-

تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ۲۸/-

تصانیف دیگر مصنفین

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
صحبتے با اہل دل (نیا عکسی ایڈیشن) ۲/-
تبلیغ دین کے لئے ایک اہم اصول ۱/۵۰
تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ ۱۸/-
تذکرہ شیخ الحدیث
شیخ نمبر دوم ۱۶/-
تاریخ میلاد
(مولانا حکیم عبد الشکور مرزاپوری)
دربار نبوت کی حاضری مولانا مناظر احسن گیلانی ۲/-
بریلوی فتنہ کا نیا روپ مولانا محمد عارف سنبھلی ۱۵/-
انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت ۳۵/-
مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی ۱۰/-
رہنمائے تلاوت سید محمود حسن ایڈوکیٹ ۱۴/-
انیس نسواں بیگم سید اصغر حسین ۴/-
قرآنی علاج مولانا اشرف علی تھانویؒ
معمولات یومیہ حضرت ڈاکٹر عبد الحیؒ ۱/۵۰
صبح و شام کی دعائیں۔ مولانا عبد الغفور عباسی ۲/۵۰
احکام نماز ——— قرآن اور احادیث
میں وارد بیس احکام کا مجموعہ ۱/-

دوسرے اداروں کی مطبوعات

آپ بیتیاں

- آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث مکمل مجلد ۱۵/-
- آپ بیتی مولانا دریابادی ۲۵/-
- طوفان سے ساحل تک ۲۳/-
- کاروان زندگی اول ۳۵/-
- " دوم ۳۰/-
- " سوم ۳۵/-
- چند سوانحی تحریریں ۶/-

آداب

- آداب زندگی ۶/۵۰
- آداب المتعلمین ۲/۵۰ آداب المعلمین ۲/۵۰
- آداب القرآن ۳/-
- آداب معاشرت ۷/-
- آداب المساجد ۳/۵۰
- آداب الاسلام ۳/-

اخلاق

- اسوۃ الصالحین ۳۵/-
- اسلامی اخلاق قرآن وسنت کی روشنی میں ۱۲/-
- ام الامراض ۶/۵۰
- اصلاح المسلمین از افادات مولانا تھانوی ۱۲/-
- حیات المسلمین ۱۶/-
- مخزن اخلاق ۴۵/-
- سماج کی تعلیم وتربیت ۱۵/-

ادبی کتب

- اردو غزل ۲۹/-
- اردو زبان کی تمدنی اہمیت ۲۴/-
- اقبال کامل ۴۸/-
- انتخابات شبلی ۱۶/-
- چند سوانحی تحریریں ۶/-
- خیام ۴۵/-
- سازودھن میں نغمۂ غالب ۱۸/-
- شعر الہند مکمل ۶۶/-
- کلیات شبلی ۱۳/-
- ذکر وفکر اکبر الہ آبادی ۳۰/-
- نقوش اقبال ۳۲/-

اسلامیات

- احکام اسلام عقل کی نظر میں ۱۶/-
- اسلام اور چھوت چھات ۲/-
- اسلام کے چار رکن ۶/۵۰
- اسلام مکمل دین مستقل تہذیب ۳۰/-
- اسلام کا پیغام بنی نوع انسانی کے نام ۲۰/-
- اسلامی فکر وتہذیب کا اثر ہندستان پر ۹/-
- اسلامیات اور مغربی مستشرقین ۸/-
- اسلام ہمارا رہنما ہے ۱۲/-
- اسلام کے سائے میں ۲۵/-
- اسلامی ثقافت ۶۵/-
- اسلام اور عصری مسلمان ۷/-
- اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ۳۵/-
- اسلام اور غیر اسلامی تہذیب ۲۲/-
- انسائکلوپیڈیا آف اسلام مکمل دو حصے ۸۰/-
- تعلیم ہدایت ۹/-
- تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات ۱۸/-
- دنیا کی حقیقت ۱۰/-
- دنیا کا سفر ۸/-
- شمع ہدایت ۷/-
- مذہب وتمدن ۱۵/-
- مساجد اور اسلام ۵/-
- معرکۂ ایمان ومادیت ۱۸/-
- منصب نبوت ۲۵/-

ایمان افروز واقعات، حکایات وقصے

- آخرت کے ذکر سے دل کے پچاس قصے ۴/-
- اسلامی تاریخ کی سچی کہانیاں ۸/-
- اسلامی تاریخی کہانیاں ۶/-
- اسلامی کہانیاں ۵/-
- اللہ والوں کے پچیس قصے ۸۵/
- ایک نہایت عجیب وعبرتناک واقعہ ۱/۲۵
- بہترین کہانیاں ۵/-
- بچوں کی قصص الانبیاء مکمل ۵ حصے ۳۵/-
- بہترین لطیفے ۵/-
- اللہ والوں کے قصے ۶/-
- حکایات صحابہ ۱۱/-

تاریخ

- اسلام اور عربی تمدن ۲۹/-
- اسلام اور مستشرقین مکمل ۵ حصے ۱۳۹/-
- مختصر تاریخ اسلام ۳۵/-
- بزم تیموریہ مکمل (۳ حصے) ۶۹/-
- بزم مملوکیہ ۲۵/- بزم صوفیہ ۴۲/-
- تاریخ اسلام (اکبر شاہ نجیب آبادی) مکمل مجلد ۳ جلد عکسی ۱۵۰/-
- تاریخ اسلام مکمل ۴ جلد ۱۱۸/-
- تاریخ الاحکام ۲۵/-
- تاریخ اندلس ۳۲/-
- تاریخ بیت المقدس ۲۵/-
- تاریخ تفسیر ومفسرین ۶۰/-
- تاریخ حرمین شریفین ۳۲/-

تاریخ دولت عثمانیہ مکمل ۲ حصے ۶۶/-
تاریخ صقلیہ مکمل ۲ حصے ۷۱/-
تاریخ مدینہ ۲۰/-
تاریخ فرشتہ ۱۶۰/-
تاریخ الخلفاء ۵۵/-
صلیبی جنگ ۴/-
غزوات اسلام ۹/-
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری مکمل ۳ حصے ۸۴/-
ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں مکمل ۲ حصے ۴۴/-
ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک ۴۶/-
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے ۲۵/-
ہندوستان کے عہد وسطیٰ کا فوجی نظام ۴۴/-
ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ۱۸/-
ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے ۴۳/-
ہندوستان کی کہانی ۸/-
ہماری بادشاہی ۱۵/-
یادِ ایام عکسی ۱۵/-

تبلیغ

ایک مطالعہ یا ایک مغالطہ ۴/-
ایک تبلیغی جماعت کی کارگذاری ۴/-
تاریخ احیاء اسلام کے علمبردار ۳/-
ایک اہم دینی دعوت ۴/-
تبلیغ دین مکمل ۱۳/۵۰
تبلیغی تحریک کے بنیادی اصول ۹/-
تبلیغ دین کے لئے ایک اہم اصول ۱/۵۰
تبلیغی نصاب ایک مطالعہ کا جواب ۱۵/-
جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات ۱۲/-
حضرت جی کی یادگار تقریریں ۱۰/-
حضرت مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت ۱۵/-
روشنی مکمل دو حصے ۸۶/-
فضائل اعمال یا تبلیغی نصاب اول ۴۵/-
" " " دوم ۵۰/-
کتب فضائل پر اشکالات کے جوابات ۱۲/-

تجوید و قرأت

آسان تجوید ۱/۲۵
احکام الضاد ۱/-
تسہیل التجوید ۵/-
جمال القرآن ۴/-
زینۃ القاری ۶/
ضیاء القرأۃ ۳/۵۰
فوائد مکیہ ۲/۵۰
مظہر التجوید ۳/۵۰
معرفۃ التجوید ۱/-
معین التجوید ۳/-
مفتاح التجوید ۳/-
نزہۃ القاری ۲/۵۰

تذکرے

پرانے چراغ مکمل ۲ حصے ۵۰/-
تذکرۃ المحدثین حصہ اول ۲۹/ دوم ۳۲/
تذکرہ ائمہ اربعہ ۱۶/-
تذکرہ مصلح الامت مکمل دو حصے ۵۷/-
تذکرہ مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی ۸/-
تذکرہ مولانا محمد اویس نگرامی ۱۰/-
تذکرۃ المصنفین ۳۱/-
حالات المصنفین و تذکرۃ الفنون ۱۶/-
دس بڑے مسلمان ۳۰/-
کاروان ایمان و عزیمت ۱۲/-
مختصر تذکرہ خلفائے راشدین ۶/-
وفیات ماجدی ۱۵/-

تصوف

احیاء العلوم مکمل ۴ جلدیں ۳۵۰/-
ارشاد الملوک ۱۴/-
اکابر کا تقویٰ ۱۰/-
اکابر کا سلوک و احسان ۶/۵۰
انسان کامل ۴۵/-
انفاس عیسیٰ ۵۰/-
بہجۃ القلوب ۴/-
تاریخ مشائخ چشت ۱۵/-
تالیفات مصلح الامت ۴۵/-
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۲۰/-
خلاصہ تسہیل قصد السبیل ۵/-
سلوک سلیمانی اول و دوم ۷۱/-
شریعت و طریقت ۲۵/-
صراط مستقیم ۲۴/-
غنیۃ الطالبین ۵۵/-
فتوح الغیب ۱۳/-
فیضان محبت ۲۳/-
فیض شیخ ۶/-
کشف المحجوب ۴۰/-
کلیات امدادیہ ۲۰/-
تسویب شریعت مکمل ۱۰۰/-
معارف شیخ ۱۲/-

تفاسیر

ام الکتاب (تفسیر سورہ فاتحہ) ۳۲/-

تفسیر ابن کثیر مکمل ۴ جلد ۳۵۰/-
تفسیر الفوز الکبیر اردو ۱۰/-
تفسیر بیان القرآن ۲۵۰/-
تفسیر معارف القرآن ۶۵۰/-

تقاریر و خطبات

اصلاحی تقریریں ۶/-
چراغ زندگی ۱۸/-
تحفۂ کشمیر ۱۲/-
تحفۂ مشرق ۶/-
تحفۂ دکن ۸/-
خطبات مدراس کلاں ۱۶/-
...ولی ۵۰/-
خطبات حکیم الاسلام عکسی مکمل بجلد چار جلد ۱۵۰/-
گلدستۂ تقریر ۲/۵۰
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ۱۸/-
مسلمانان ہند سے صاف صاف باتیں ۴/-
مواعظ حسنہ ۲۵/-
... دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں ۱۵/-

حج

آپ حج کیسے کریں؟ ۱۰/۵۰
... سان حج ۲/۵۰
حج اور اس کی دعائیں ۲/-
... کے چند مشاہدات ۳/-
... کی باتیں ۴/-
... کی شرعی حیثیت ۲/-
خواتین کا حج وعمرہ ۸/-
سفر حجاز ۴۰/-
طریقۂ حج ۱۲/-

کاروان مدینہ ۱۸/-
معلم الحجاج ۱۵/-

حدیث و علوم حدیث

ابن ماجہ شریف ۶۰/-
الابواب والتراجم عربی مکمل ۶ حصے ۳۰/-
بخاری شریف مترجم ۳۵۰/-
تجرید بخاری ۳۵/-
مشکوٰۃ شریف ۱۳۲/-
ترمذی شریف اردو مکمل ۹۰/-
〃 مترجم ۱۸۵/-
تنظیم الاشتات مکمل ۱۴۰/-
درس ترمذی عکسی اول ۵۰/- دوم ۴۵
ریاض الصالحین عربی ۵۰/-
ریاض الصالحین اردو ترجمہ ۴۵/-
زاد سفر مکمل دو حصے ۵۰/-
شمائل ترمذی مع خصائل نبوی ۲۰/-
صحیح مسلم شریف اردو مکمل ۶۰/-
〃 مترجم ۳۰۰/-
موطا امام محمد اردو ۴۵/-

حقوق

اسلامی حقوق وفرائض ۱۲/-
پڑوسی کے حقوق ۲/-
جانوروں کے حقوق ۳/-
حقوق البیت ۳/-
حقوق الوالدین ۶/۵۰
حقوق العلم ۶/-
حقوق زوجین ۵/-
حقوق والدین ۵/-
والدین کے حقوق مع اولاد کے حقوق ۴/-

دعائیں اوراد و وظائف

الحزب الاعظم عکسی مترجم ۵/-
صبح وشام کی ماثورہ دعائیں (اور فضیلہ) ۲/-
پنج سورہ مترجم ۵/-
حصن حصین ۱۲/-
حل مہمات ۱/-
قرآنی دعائیں ۳/۵۰
دعائیں ۴/-
دعائیں اور اسلامی آداب ۵/-
رسول اللہ کی دعائیں ۹/-
مسنون و مقبول دعائیں ۳/۵۰
مسنون دعائیں ۴/-
مناجات مقبول حضرت تھانویؒ ۱۵/-
مناجات مقبول مولانا دریابادی ۹/-

رد شرک و بدعت اور شیعیت

آپ خود فیصلہ کریں ۱/۵۰
اصلاح المسلمین ۳/- اور ۸/-
اعلیحضرت کا دین ۶/-
بدعت کیا ہے؟ ۱۵/-
الشہاب الثاقب ۱۵/-
باطل شکن ۲/۵۰
بدعات محرم اور تعزیہ ۴/-
بدعت کی باتیں ۱۰/-
تعارف مذہب شیعہ ۲۰/-
تعزیہ علماء کی نظر میں ۱/۵۰
تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان ۳۵/-
تقویۃ الایمان خورد ۶/-

تکفیر کے پردے میں ۱۰/-
توحید کا خنجر ۱۴/-
حق نما ۱/۵۰
حسین و یزید ۲/۵۰
حضرت تھانویؒ اور اعلیحضرت ۶/-
حق پر کون ہے؟ ۴/-
خمینیت عصر حاضر کا عظیم فتنہ ۱۰/-
دو بھائی ۸/-
دیوبند سے بریلی تک ۱۰/-
دو متضاد تصویریں ۱۲/-
رضاخانی ترجمہ و تفسیر ایک نظر میں ۲۰/-
رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ ۱۲/-
زلزلہ در زلزلہ ۱۲/-
شب برات ۱/-
شریعت یا جہالت ۶۰/-
شہید کربلا ۱۵/-
شیعہ اور قرآن ۲۰/-
صداقت ۶/-
فتح حقانی ۸/-
قاتلان حسین کی خانہ تلاشی ۷/-
قرآن پر ظلم ۲/۵۰
وہابی کی پہچان ۱/-
وہابی کون ہے ۲/۵۰
ہدایۃ الشیعہ ۲/۵۰

سیرۃ النبیؐ

آخری رسولؐ ۱۸/-
اصح السیر ۵۵/-
النبی الخاتم ۱۲/-
پیغمبر عالم ۳۵/-
پیغمبر اعظم و آخر ۶۰/-
رحمت عالم ۱۰/-
رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ ۳۵/-
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ۳۵/-
رسول رحمت ۹۵/-
رسالتمآب ۶۰/-
سیرت طیبہ ۲۰/-
سیرت النبی — (علامہ شبلی)
مکمل، ۷ حصے غیر مجلد ۳۰۱/-
〃 〃 مجلد ۳۵۰/-
سیرت النبی مکمل (ابن ہشام) مترجم ۱۶۰/-
نفحۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ ۸/-
نبی خاتم اور دین کامل ۴/-

سیر و سوانح

اسوۂ صحابہ مکمل ۲ حصے ۵۲/-
اسوۂ صحابیات ۸/-
اصحاب رسول ۳۵/-
اصحاب کہف ۸/-
الفاروق ۲۵/-
الغزالی ۱۸/-
امام رازی ۲۸/-
امام اعظم ابوحنیفہ ۲۵/-
اہل کتاب صحابہ و تابعین ۱۵/-
جب ایمان کی بہار آئی ۱۴/-
حیات سلیمان ۴۴/-
حیات شبلی ۵۸/-
حیات حضرت امام ابوحنیفہ ۶۵/-
حیات الصحابہ مکمل ۱۸۰/-
حیات حکیم الامت ۳/-
خلفائے راشدین ۲۸/-
حیات مصلح الامت ۵۰/-
سوانح عبدالقادر رائے پوریؒ ۲۰/-
سیرت ائمہ اربعہ ۲۵/-
سیرت خدیجۃ الکبریٰ ۵/-
سیرت عبدالرحمٰن بن عوف ۵/-
سیرت زینب، رقیہ، ام کلثوم ۵/-
سیرت حضرت یوسف ۱۱/-
سیر انصار مکمل ۵۳/-
سیر الصحابیات ۱۵/-
سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل ۱۲۰/-
سیرت خلفاء راشدین ۱۲/-
سیرت عمر بن عبدالعزیز ۱۶/-
سیرت مولانا محمد علی مونگیری ۲۰/-
سوانح شیخ الحدیث مولانا زکریا ۳۰/-
مہاجرین مکمل ۲ حصے ۵۶/-
مقام محمود ۴۰/-
ولادت نبویؐ ۹/-
ہمارے اسلاف ۱۰/-
ہادی اعظم ۵/-

علوم قرآنی

تعلیم القرآن ۱۲/-
فقہ القرآن ۴۰/-
قاموس القرآن ۳۵/-
قرآن ایک نظر میں ۳۵/-
مطالعہ قرآن حکیم ۳۵/-
مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی ۱۵/-

عملیات و طب

اعمال قرآنی ۸/۵۰ و ۱۰/-

پریشانیوں کا شرعی علاج ۷/-
پھلوں سے علاج ۱۵/-
حل المشکلات ۸/-
دوا اور دعا سے علاج ۵/-
حل مہمات ۲/-
شہد ۴/۵۰
طب روحانی ۱۲/-
طب نبوی ۱۸/-
مشکل کشا ۱۰/-
غذا اور صحت ۷/-

عورتوں کیلئے کتابیں

امت کی مائیں ۷/-
امت مسلمہ کی مائیں ۶/-
انیس نسواں ۴/۵۰
بہشتی زیور ۴۵/-
بنات اربعہ ۳۵/-
بہادر خواتین اسلام ۱۱/-
پاک دسترخوان ۱۲/-
حسن معاشرت ۴/۵۰
سیرت حضرت عائشہؓ ۲۵/-
خواتین اور دین کی خدمت ۴/-
دختران اسلام ۱۲/-
ذائقہ ۴/۵۰
رضیہ کا شاہی دسترخوان ۱۵/-
رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں ۷/-
عورت اور پردہ ۴/-
عورتوں کی نماز مع ضروری مسائل ۵/-
عورت کیا کچھ کرسکتی ہے ۲/۵۰
مسلمان بیوی ۸/-
مسلمان عورت ۲۰/-

فقہ وفتاویٰ

اسلامی فقہ اول ۴۰/-
اصول الفقہ ۲۰/-
امداد الفتاویٰ مکمل ۴۰۰/-
جدید فقہی مسائل مکمل ۲ حصے ۳۰/-
جواہر الفقہ مکمل ۳ جلدیں ۵۰/-
دین دنیا ۴۰/-
سپریم کورٹ کا فیصلہ ۱۰/-
علم الفقہ ۶۰/-
فتاویٰ دار العلوم دیوبند مکمل ۴۲۵/-
فتاویٰ رشیدیہ ۳۶/-
فتاویٰ عبدالحئی فرنگی محلی ۵۰/-
مسلم پرسنل لا اور اس کا عائلی نظام ۳۰/-

لغات و ڈکشنریاں

اردو عربی ڈکشنری ۲۵/-
قاموس القرآن ۴۰/-
القاموس الجدید (عربی اردو) خورد ۳۰/-
" اردو عربی متوسط ۸۵/-
" " خورد ۲۶/-
القاموس الاصطلاحی ۳۵/-
المعجم الوسیط ۱۵۰/-
المنجد (عربی اردو) ۱۲۰/-
بیان اللسان ۵۰/-
جامع لغات جیبی سائز ۱۵/-
فیروز اللغات کلاں ۱۲۵/-
" متوسط ۴۰/-
لغات فیروزی ۳۰/-
مصباح اللغات مکمل مجلد ۱۱۵/-

موت اور اس کے بعد

احوال برزخ ۴/-
اہم سفر ۵/-
جنت اور دوزخ ۵/-
حالات جہنم ۶/-
خدا کی جنت ۴/-
دوزخ کا کھٹکا ۱۲/-
سفر آخرت ۶/-
شیطان کا فریب ۲/۵۰
قبر کے حالات ۱۵/-
قیامت کا منظر ۸/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا ۱۸/-
موت کی یاد ۴/-
موت کے حیرت انگیز واقعات ۶/-
میدان حشر ۹/-

مسائل

اتحاد و اختلاف کے شرعی حدود ۳/-
احکام المیت ۸۵/
احکام اسلام عقل کی نظر میں ۱۴/-
ارکان اربعہ ۴۰/-
ارکان اسلام ۸/-
اسلامی قانون وراثت ۱۲/-
اشرف الجواب ۵۰/-
اصلاح انقلاب امت مکمل ۲ جلد ۳۶/-
بہشتی ثمر مکمل ۲ حصے ۱۲/-
تعلیم الاسلام مکمل مجلد ۸/۵۰
تراویح کی بیس رکعتیں یا آٹھ ۴/۵۰

ٹیلی ویژن وی سی آر شریعت کی نظر میں ۸/-
جدید مسائل کے شرعی احکام ۱۳/۵۰
جدید میڈیکل مسائل ۱۰/-
اصلاح الرسوم ۱۰/-
داڑھی کا فلسفہ ۱/-
رفیق سفر ۳/۵۰
رمضان اور اس کے روزے ۱/۸۰
روزہ کی شرعی حیثیت ۲/-
زکوٰۃ کی اہمیت ۵/-
زکوٰۃ کی شرعی حیثیت ۳/-
مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل ۵/-
مسائل قبور ۱/۵۰
مسئلہ ایصال ثواب ۱۵/-
معاشرتی مسائل ۲۵/-
نان نفقہ کا مسئلہ ۱۲/-

مکاتیب

اکابر کے خطوط ۱۵/-
تبرکات ۱۸/-
مفاوضات رشیدیہ ۷/-
مکاتیب رشیدیہ ۲۰/-
مکاتیب شبلی مکمل ۲ حصے ۴۹/-
مکتوبات شیخ مکمل ۲۷/-
مکتوبات ماجدی مکمل دو جلد ۹۰/-
مکتوبات مجدد الف ثانی ۱۰/-

ملفوظات و مواعظ

آئینہ ملفوظات ۲۵/-
احسن المواعظ ۲۰/-
اشرف المواعظ ۱۶/-
افضل المواعظ ۱۶/-
اکرم المواعظ ۱۵/-
تسہیل المواعظ مکمل ۸۰/-
گنجینۂ اقوال ۸/-
ملفوظات فقیہ الامت مکمل ۲ حصے ۲۸/-
وعظ بے نظیر ۱۴/-

متفرقات

امثال عبرت ۱۲/۵۰
ازالۃ الاوہام ۳/-
انتخاب الہلال ۳۵/-
اردو خط و کتابت ۶/-
آپ اپنے بچوں کے نام کیا رکھیں ۶/-
اختلاف امت اور صراط مستقیم ۳۵/-
بصیرت ۱۶/-
بابری مسجد حقائق کے آئینہ میں ۲۱/-
بابری مسجد ۵/-
پیام امن ۱۵/-
تجارت اور اسلام ۴/-
تلبیس ابلیس ۳۵/-
جوہر علوم الشریعہ ۱۸/-
جہیز ایک سماجی لعنت ۱۲/-
رسول اکرمؐ کی ۱۰۰ وصیتیں ۶/-
رفیق سفر ۳/۵۰
سائنس اور اسلام ۶۰/-
شیخ کا رمضان ۵/-
شاہنامہ اسلام مکمل (۵ حصے) ۳۵/-
شوریٰ کی شرعی حیثیت ۶۰/-
عالم عرب کا المیہ ۲۲/-
علم جدید کا چیلنج ۲۸/-
فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان
قیامت کب آئے گی
گھریلو جھگڑے اور ان کا حل
منہاج العابدین
مجالس الابرار
مشاہیر کے آخری کلمات
مطالعۂ فطرت اور ہمارا ایمان
معجزات و کرامات
ہندوستان اور نظام قضا
ہدایت الحکمت

نماز

آئینہ نماز
اپنی نمازیں درست کیجئے
برکت نماز
رسول اکرمؐ کا طریقۂ نماز
شرعی نماز با تصویر
میری نماز
نماز کیا ہے
نماز کی باتیں
نماز کی برکتیں
نماز کی اہمیت
نماز کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات
نماز کی شرعی حیثیت
نماز مترجم پاکٹ ۱/۵۰ کلاں
احکام نماز
ارکان نماز ۱/۵۰
رہنمائے نماز ۳/-
احکام الصلوٰۃ ۴/-
شان نماز ۱/۲۵

اسے ضرور پڑھئے

مولانا فریدی نمبر ——— کچھ ضروری باتیں

۱۔ الفرقان کا یہ خاص نمبر چار شماروں بابت ماہ مئی، جون، جولائی اگست ۸۹ء کا بدل ہوگا اور ۴۰ صفحات مزید ہوں گے۔ انشاء اللہ یہ نمبر جولائی میں منظر عام پر آجائیگا

۲۔ مستقل خریداروں کی خدمت میں یہ خاص نمبر کسی اضافی قیمت کے بغیر پیش کیا جائے گا۔
اس نمبر سے خریداری شروع کرنے کے خواہشمند حضرات سے بھی کوئی اضافی قیمت نہیں لی جائے گی

اس نمبر کو رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانے کے لئے

اندرون ملک کے نئے اور پرانے مستقل خریداروں کو چھ روپے الگ سے بھیجنا ہوں گے

★ نئے خریدار حضرات (سالانہ چندہ مع رجسٹری فیس) =/۴۱ روپے ارسال فرمائیں۔ نمبر اُن کی خدمت میں رجسٹرڈ روانہ کیا جائے گا۔ اور وہ ایک سال کے لئے خریدار بھی بن جائیں گے۔

★ پاکستان کے لئے رجسٹری فیس =/۱۲ روپے ہے

★ اس نمبر کی قیمت =/۲۰ روپے ہوگی ——— جو لوگ صرف یہ نمبر رجسٹرڈ ڈاک سے منگوانا چاہیں وہ صرف =/۲۲ روپے بھیج کر اپنی فرمائش ابھی سے درج کرا سکتے ہیں۔

★ خریدار حضرات ہر قسم کی خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

★ جو حضرات اس نمبر سے خریداری شروع کرنا چاہتے ہوں وہ اس کی وضاحت ضرور کریں کہ وہ اسی نمبر سے خریداری شروع کر رہے ہیں۔

ایجنسیوں کے ذمہ دار حضرات اور عام قارئین سے اس نمبر سے الفرقان کی توسیع اشاعت کی نئی جدوجہد کی گذارش ہے

FURQAN MONTHLY
NAYA GAON WEST
KNOW-226 018 (INDIA)
e : 45547

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 57 No. 4
April, 1989

بمبئی میں

خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصی پیش کش

ڈرائی فروٹ برفی

بلک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں

ہندوستان میں ملنے کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی
فون
320059

نمبر کا پی — ۳۲ — محمد علی روڈ بمبئی - ۳

Only Cover Printed at CLASSIC PRINTERS, Kaiserbagh, Lucknow

خصوصی اشاعت

ماہنامہ

الفرقان

لکھنؤ

بیادگار

حضرت مولانا مفتی

نسیم احمد فریدی

رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست:
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:
خلیل الرحمن سجاد ندوی

بمبئی میں

خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور

مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون

اس کے علاوہ خصوصی پیش کش

ڈرائی فروٹ برفی

ملک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی

ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں

خریدنے کا قابل اعتماد مرکز

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی
فون: 320059

بیکری: ۳۳ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳

فریدی نمبر

مدیر الفرقان

مد ظلہ

سالانہ چندہ:

اندرون ملک: ———— ۳۵/=
اس نمبر سے اجرا کے لئے مع رجسٹری فیس ———— ۴۵/=
پاکستان ۸۰/= (اس نمبر سے اجرا کے لئے ———— ۱۰۰/=

بیرونی ممالک (بحری ڈاک) ۱۰۰/= یا £5/=
بیرونی ممالک (ہوائی ڈاک) ۲۲۰/= یا £15/=
فی شمارہ ———— ۳/۵۰
اس نمبر کی قیمت ——— ۲۵/=

اگر اس دائرہ میں ⓧ سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا اطلاع اگست کے آخر تک وصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔ (منیجر)

٭ پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے اسکائی لائن پرنٹرس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان نظیر آباد لکھنؤ سے شائع کیا۔

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

مولانا نسیم احمد فریدیؒ نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے، مولانا کی شخصیت اور انکے مجاہدات و کمالات پر نظر کی جائے تو یہ مجموعہ کچھ بھی نہیں لیکن جن حالات میں یہ نکلا ہے اور جس انداز سے اس شکل تک پہنچا ہے اس سب کو دیکھتے ہوئے اسے مولانا کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت کا ظہور کہنا بھی شاید بیجا نہ ہوگا۔

چند ماہ قبل (۱۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ - ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو) حضرت مولانا فریدیؒ کا وصال ہوا تو اس خاص تعلق کی بناء پر جو الفرقان اور صاحب الفرقان کو انکی ذات گرامی سے رہا ہے راقم سطور کے دل میں سخت تقاضا پیدا ہوا کہ مولانا کی یاد میں ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جائے، میں ان دنوں سخت بیماری کے مرحلے سے گذر رہا تھا، چنانچہ جب میں نے اپنا یہ خیال والد ماجد مدظلہ کے سامنے رکھا تو انھیں اسے قبول کرنے میں کچھ تردد ہوا۔ تاہم بالآخر انھوں نے فیصلہ فرمالیا۔ اور اب یہ نمبر الحمدللہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

الفرقان گذشتہ ۵۶ سال سے الحمدللہ مسلسل شائع ہو رہا ہے اس عرصہ میں برصغیر کا شاید ہی کوئی ممتاز اہل قلم ایسا ہو، جس کے نتائج فکر سے الفرقان کا دامن خالی رہا ہو لیکن مولانا فریدی کی اس درجہ خصوصیت رہی کہ گذشتہ پچاس سال کی فائلوں میں بہت کم شمارے ایسے ہیں جو مولانا کے افادات سے خالی ہوں — رسمی طور پر تو مولانا الفرقان کے مدیر تھے نہ رفیق، لیکن جو بے لوث تعلق انھیں الفرقان سے تھا اور جیسی قدر افزائی وہ اسکی کرتے تھے شاید مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے علاوہ اسمیں کوئی ان کا شریک و سہیم نہ ہو۔

۱۹۷۳ء میں ایسے حالات آئے تھے کہ الفرقان کا جاری رکھنا بہت مشکل نظر آنے لگا تھا اور سنجیدگی سے یہ بات زیر غور تھی کہ مجبوراً الفرقان بند کر دیا جائے لیکن آخری فیصلے سے پہلے (ستمبر ۷۳ء کے شمارے میں) اس سلسلہ میں الفرقان کے قارئین اور قدر دانوں سے

ان کی رائے طلب کی گئی تھی، اس کے جواب میں مولانا فریدی نے والد ماجد کے نام اپنے خط میں جو کچھ لکھا تھا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ الفرقان کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے، اور انھیں اس رسالہ سے کیسا گہرا مخلصانہ تعلق تھا۔ مولانا نے لکھا تھا :-

"الفرقان کے متعلق آپ کا نوٹ پڑھوا کر سن لیا تھا جس کا قلب پر بیحد اثر ہوا۔ الفرقان آپ کی زندگی میں بند نہیں ہونا چاہئے بلکہ آپ وصیت فرمائیں کہ آپ کے بعد بھی یہ پرچہ چلتا رہے۔ اسکے ذریعہ منجملہ اور اہم کاموں کے یہ اہم کام بھی ہو گیا کہ آپ کے مطالعہ کا اور تعلیقات و ترقیمات کا ایک بڑا ذخیرہ مرتب ہو گیا، جس میں مناظرے بھی ہیں، تصوّف و سلوک بھی ہے، قرآن پاک کی تشریح و ترجمانی بھی ہے اور احادیث کے دفتر بھی ہیں یہ رسالہ نہ ہوتا تو شاید آپ اپنے طور پر ایک جگہ بیٹھ کے یہ کام انجام نہ دے سکتے۔ خود میرے تراجم و تلخیصات بھی الفرقان کے ذریعہ سے لکھے گئے ورنہ میں انتہائی درجہ کا لاؤبالی انسان ہوں آپ کی دعاؤں و توجہات نیز مولوی عتیق الرحمن سلمہٗ کی تحریر و تاکید نے مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور اس طرح یہ کام ہو گیا۔ الفرقان جیسے پرچے روز روز نہیں نکلا کرتے بند کرنے کا نام نہ لیجئے![1]

یہ تو ہوئی بات الفرقان کے ساتھ مولانا فریدیؒ کے تعلق کی! جہاں تک صاحب الفرقان (حضرت مولانا نعمانی مدظلہ) کی ذات گرامی کے ساتھ مولانا کے تعلق کا معاملہ ہے تو وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے اور اسکے بارے میں یہ کم سواد صرف اتنا ہی عرض کر سکتا ہے کہ ہمیں اپنے کو اس لحاظ سے بھی بہت خوش نصیب سمجھنا چاہئے کہ اِن دونوں بزرگوں کے مابین بے مثال تعلق کی برکت سے ہماری آنکھوں نے علم و دین کے دو ہمعصر خادموں کے باہمی قدر و احترام اور ایک دوسرے کے ساتھ تواضع و اعتراف والے معاملہ کا نہایت بلند نمونہ دیکھ لیا ہے ـــــ جسے اگر موجودہ ماحول اور پھیلی ہوئی نفسانیت کے تناظر میں دیکھا جائے تو اسکی قدر و قیمت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس نمونہ کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیں اور اپنے مزاج کو اس رنگ میں رنگ سکیں۔

ان دونوں بزرگوں (والد ماجد اور مولانا فریدی) کے درمیان جس قسم کا للّٰہی تعلق تھا،

---

[1] الفرقان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۳ء

اسکو سمجھنے کے لئے چند واقعات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا تھا جو راقم الحروف کے علم میں ہیں، لیکن کسی طرح انھیں لکھنے کی اجازت اسے والد ماجد کی طرف سے نہیں مل سکی ــــ مجبوراً اس اجمال پر اکتفاء کرتا ہوں کہ مشکل وقتوں میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور تعاون علی البر والتقوی اور ایثار و وفا کی جو روش اِن حضرات نے زندگی بھر نباہی ہے اس کی یاد۔ ع

بہر تسکیں دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر

اور بہتر ہو کہ اِن باتوں کے سنتے سناتے پر اکتفاء کر لینے کی عادت سے اب توبہ کر لی جائے، اور اللہ والوں کے احوال و کوائف اور اوصاف و اخلاق کو براہ راست دیکھا جائے کہ "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" اور۔ ع

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ انکو

• بہر حال الفرقان اور صاحبِ الفرقان کے ساتھ جو خصوصی تعلق و یگانگت مولانا فریدیؒ کو تھی اس کے پیشِ نظر مولانا کی یاد میں الفرقان کے ایک خاص نمبر کی اشاعت دل کا ایک قدرتی تقاضا اور ادارۂ الفرقان کے ذمہ ایک فریضہ تھا ــ خاص کر اس وجہ سے بھی کہ بے وفائی، ناقدری اور احسان فراموشی کے اس دور میں اپنے مشائخ، بزرگوں اور محسنوں کے ساتھ وفا شعاری مولانا کا خاص وصف اور انکی زندگی کا اہم پیغام ہے ــ اپنے بزرگوں کے ایک ایک حرف کو آنکھوں سے لگاتے اور انکے حالات و سوانح کی تدوین و اشاعت سے شغف کا اتنا بلند معیار جو شخص قائم کر گیا ہو اگر خود اسکے تذکرہ کا شوق اسکے شاگردوں اور خادموں میں پیدا ہو تو اس میں ذرہ برابر تعجب کی بات نہیں۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

اب آئیے اس نمبر کے مشتملات پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے!

نمبر کا افتتاح والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے مضمون سے ہوا ہے اس سادہ اور مختصر سے مضمون میں مولانا فریدی کے ساتھ تعلق کی مختصر تاریخ بھی آگئی ہے اور مولانا کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ بھی نہایت جچے تلے انداز سے آگیا ہے۔

اسکے بعد مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا مضمون اس خاص نمبر کی زینت ہے تنگ وقت میں بعجلت لکھے گئے اس مختصر مضمون میں حضرت مولانا موصوف

نے خاص طور پر مولانا فریدیؒ مرحوم کے صرف ایک امتیازی وصف کو اجاگر فرمایا ہے اور وہ ہے
امام ربانی مجدد الف ثانیؒ قدس سرہٗ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلے کے اکابر و مشائخ اور ملت
اسلامیہ ہندیہ کے محسنین کے حالات و خدمات سے گہری واقفیت۔ اور انکی تدوین و اشاعت
کے سلسلے میں سخت جدوجہد اور جانفشانی جس میں بقول حضرت مولانا ندوی مدظلہ کم ہی کوئی
ان کا شریک و سہیم ہوگا جو لوگ اس موضوع پر حضرت مولانا ممدوح کے وسیع و عمیق مطالعہ
اور اس باب میں انکی سندی حیثیت و مقام سے واقف ہیں انکے نزدیک حضرت مولانا کی
یہ شہادت خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اس کے بعد آپ والد ماجد کے نام حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم
کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں گے، جس میں انھوں نے مختصراً، مولانا فریدیؒ کے بارے میں اپنے
احساسات و تاثرات تحریر فرمائے ہیں، مولانا موصوف سے مولانا فریدی کو غایت درجہ مخلصانہ
تعلق تھا لہذا ضروری تھا کہ الفرقان کے اس خاص نمبر میں مولانا فریدی کے بارے میں انکے
تاثرات بھی محفوظ ہو جاتے اسی بناء پر مولانا موصوف سے بھی درخواست کی گئی مولانا اس
دوران ایک طویل سفر پر تھے تاہم انکے چھوٹے بھائی مولانا ارشد میاں زید مجدہ کے اہتمام کی
بدولت حضرت مولانا اسعد میاں مدظلہ کی طرف سے حضرت والد ماجد کے نام ایک خط کی
شکل میں مولانا فریدیؒ کے بارے میں ان کے احساسات و تاثرات ہمیں بروقت موصول
ہو گئے ـــــ ہم اس بیش قیمت تعاون کیلئے مولانا ارشد میاں کے خاص طور پر شکر گذار ہیں۔
اسکے بعد سلسلہ شروع ہوتا ہے سوانحی مضامین کا جس کا آغاز مولانا فریدیؒ مرحوم کے
بھتیجے اور کاتب جناب انیس احمد فاروقی صاحب کے مضمون سے کیا گیا ہے جس سے مولانا فریدی مرحوم
کی شخصیت کا ایک جامع خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ـــــ اس کے بعد مولانا فریدیؒ
کے بھانجے اور ممتاز مصنف و دانشور پروفیسر خلیق احمد نظامی، مولانا کے برادر زادے اور
معروف صاحب قلم ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور مولانا کے خادم خاص مولانا محب الحق صاحب
امروہوی کے مفصل مضامین ہیں ـــــ ان چاروں مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مولانا
کے اہل خانہ اور شب و روز ساتھ رہنے والے معاونین و خدام نے لکھے ہیں اور اس اہتمام اور
عرق ریزی سے لکھے ہیں کہ انکی بدولت کہا جا سکتا ہے کہ اس نمبر میں مولانا فریدی کی شخصیت
کے متعلق کوئی اہم اور قابل ذکر پہلو تشنہ نہیں رہ گیا ـــــ ادارۂ الفرقان ان چاروں

حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہے۔

ان سوانحی مضامین کے بعد تین مضمون اور ہیں جن میں سے ایک ہمارے مستقل قلمی معاون اور رفیق گرامی قدر مولانا عتیق احمد بستوی صاحب کے قلم سے ہے جس میں انھوں نے مولانا فریدی مرحوم کی شخصیت کے متعلق اپنے کچھ تاثرات بیان کرنے کے بعد مولانا کی تصنیفات کا تعارف کرایا ہے ــــ اور دوسرا مضمون امروہہ کے معروف طبیب جناب حکیم صیانت اللہ صاحب کا مرقومہ ہے جو مولانا کے قدیم معالج بھی تھے اور ابتدائی زمانۂ طالب علمی میں ہم مدرسہ بھی۔ کسی شخص کے بارے میں ایسے لوگوں کا شہادت دینا جو نہ شاگرد ہوں نہ ارادت مند، مگر اتنے قریبی ہوں کہ ان سے کسی چیز کا اخفاء ممکن نہ ہو اہل نظر کے نزدیک بڑی اہمیت رکھتا ہے ــــ اور اس اعتبار سے حکیم صاحب موصوف کا مضمون جس کا انداز بھی بہت مؤثر و دل نشیں ہے، خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ادارۂ الفرقان حکیم صاحب موصوف کا ممنون ہے۔

مضامین کے اس سلسلہ کا اختتام برادر معظم مولانا عتیق الرحمن سنبھلی زید مجدہ کے ایک مضمون پر کیا گیا ہے جو دراصل اُس مضمون کا ابتدائی حصہ ہے جو انھوں نے اس نمبر کے لئے لکھنا شروع کیا تھا اور جس میں وہ مولانا کی تصنیفات پر مفصل تبصرہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب وہ وقت کے اندر مکمل نہ ہو سکا تو انھوں نے اسے روک کر صرف وہ تمہیدی حصہ ہمارے مطالعہ کیلئے بھیج دیا جو وہ لکھ چکے تھے ــــ بھائی صاحب کا اسلوب تحریر ایسا منفرد ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو وہ نامکمل مضمون بھی ایسا بھرپور لگا کہ اُسے چھوڑنے پر طبیعت کسی طرح آمادہ نہیں ہوئی۔ مضمون کے اس حصہ میں بھائی صاحب نے مولانا فریدی کی بے نفسی و سادگی کا نقشہ کھینچا ہے جو ہمارے نزدیک انکی اصل خصوصیت تھی اور ان کے سارے کمالات کا سرچشمہ بھی ــــ! ہم نے اس مضمون کو سب سے آخر میں اسی خیال سے رکھا ہے کہ دوسری تفصیلات میں الجھ کر مولانا فریدی کے کردار کے اس مرکزی نقطہ کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے بلکہ قارئین کے ذہن ساری تفصیلات سے گذر کر اسی ایک نقطہ پر مرتکز ہو جائیں تاکہ اپنی شخصیت کی تعمیر کی طرف سنجیدہ توجہ کرنے والے اسی مرکزی نقطہ "بے نفسی و سادگی اور تواضع و مسکنت" سے "کام" کا آغاز کریں کہ مکتبِ عشق کی بسم اللہ بھی یہی ہے اور آمین بھی یہی ــــ اور اس کے بغیر سب ہیچ ہے۔

اس کے بعد آپ مولانا فریدی مرحوم کا ایک غیر مطبوعہ مضمون ملاحظہ فرمائیں گے

پیسوا میں۔ میں ان کا پہا

جو انھوں نے تقریباً دو سال قبل الفرقان کیلئے تحریر فرمایا تھا لیکن بعض وجوہ سے ۔ جنکی تفصیل والد ماجد مدظلہ نے مولانا فریدی کے اس مقالہ پر اپنے پیش لفظ میں بیان کردی ہے ۔۔۔ اسکی اشاعت میں تاخیر ہوتی چلی گئی ۔۔۔ اس مقالہ میں مولانا فریدی علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور انکی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی فاروقی کی ایک تصنیف کا جائزہ لیا ہے اور جامع مسجد دہلی میں ۱۲۴۰ھ میں ہونے والے ایک مناظرہ کی صحیح اور مکمل روئیداد تحریر فرمائی ہے ۔۔۔ ہم نے تو مولانا کی زندگی میں اس مضمون کے شائع نہ ہوسکنے سے یہ نیک شگون لی ہے کہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے اکابر و محسنین کے دفاع اور ان کے پیغام کو عام کرنے کا جو کام مولانا فریدی سے زندگی بھر لیا جاتا رہا ۔۔ انشاءاللہ وہ کام دنیا سے ان کے رخصت ہوجانے کے بعد بھی جاری رہے گا کیا عجب ہے کہ یہ اسی تقدیر الٰہی کا کرشمہ ہو کہ جو محفل مولانا کے ماتم کیلئے سجائی گئی تھی، اس میں مولانا خود شریک ہیں اور حضرت شہیدؒ کے بارے میں پھیلائی گئی کچھ غلط باتوں کی تردید پورے جوش و خروش سے فرما رہے ہیں اور گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مولانا فریدی نے کئی بار والد ماجد سے یہ فرمائش کی تھی کہ وہ انکے اس مقالہ پر کچھ لکھدیں اُس وقت ہم دیکھتے تھے کہ کوئی خاص داعیہ والد ماجد کے دل میں اس موضوع پر کچھ لکھنے کا نہیں پیدا ہوتا تھا پھر جب رمضان مبارک میں والد ماجد نے مولانا فریدی کی فرمائش کی تعمیل میں کچھ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور ان کے مقالے کو بغور پڑھا تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے ان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا ہو اور انکے زار و نزار جسم میں ایک نئی لہر دوڑا دی ہو ۔۔۔ مضامین کی ایسی آمد شروع ہوئی کہ تھامنا مشکل ہوگیا درمیان میں بار بار طوالت کا خوف لگام لگاتا رہا ۔۔۔ لیکن ہم لوگ یہ عرض کرتے رہے کہ ہماری نئی نسل اس موضوع سے ۔۔۔ یعنی حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر لگائے گئے الزامات اور انکے جوابات سے ۔۔۔ صحیح طور پر واقف نہیں ہے اس لئے اگر اس بارے میں زندگی بھر کے مطالعہ کا نچوڑ سادہ و سلیس انداز میں محفوظ ہوجائے تو انشاءاللہ یہ بہت کارآمد چیز ہوگی بہرحال تقریباً ڈھائی مہینے کی شدید محنت کے نتیجے میں والد ماجد مدظلہ کے قلم سے اس موضوع پر جو مواد مرتب ہوگیا ہے جسے آپ مولانا فریدی

کے مقالے کے بعد تکملہ کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائیں گے، وہ اور مولانا فریدی کا مقالہ اس نمبر میں خاصے کی چیز ہیں اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مسلک و مشرب اور طرز اصلاح کے بارے میں یہ دونوں مضمون تاریخی و علمی مواد کے لحاظ سے بنیادی ماخذ اور شاہ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں ـــــ ظاہری و جسمانی طور پر والد ماجد کا جو حال چل رہا ہے، اس میں اتنی محنت وجانفشانی پر ان کی آمادگی کو مرضی الٰہی کے ظہور اور مولانا فریدی کے صدق طلب کی تاثیر کے علاوہ کسی اور چیز پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

سب سے آخر میں الفرقان میں شائع شدہ مولانا فریدی علیہ الرحمہ کے مضامین و مقالات کی ایک مکمل فہرست پیش کی گئی ہے تاکہ مولانا کے افادات کا جو خزانہ الفرقان میں محفوظ ہے اس کی ایک فہرست لوگوں کے ہاتھ میں آجائے اور اس سے استفادہ آسان ہو ـــــ یہ فہرست الفرقان اور صاحبِ الفرقان کے ایک شیدائی جناب قطب الدین ملا صاحب نے مرتب کر کے بھیجی ہے جس کیلئے وہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالےٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

بلاشبہ حضرت مولانا فریدی بردالله مضجعہ رئیس التحریر اور سلطان القلم تھے، وہ کیا بلحاظ تصنیف اور کیا بحیثیت تالیف و تدوین اور کیا از روئے مقالہ نگاری ایک کامیاب بلند پایہ محقق و مبصر تھے انھوں نے مولانا گیلانی کے بارے میں یہ جو لکھا تھا کہ:-

> "وہ پی، ایچ، ڈی نہ تھے لیکن اس راہ کے کتنے امیدواروں کو انھوں نے کامیاب بنایا ہے اور ایسی شاہراہ قائم فرمادی ہے کہ میدان تحقیق میں ایک ذہین طالب علم بآسانی گامزنی کر سکے اور اسلاف کی کتابوں، تاریخوں اور تذکروں کے بحر ذخار سے علم و حکمت کے موتی نکال سکے سچ پوچھئے تو پی، ایچ، ڈی بننا آسان ہے ـــــ مناظر احسن بننا مشکل"۔

آج یہ بات خود مولانا فریدی پر حرف بحرف صادق آتی ہے انھوں نے بلا مبالغہ سیکڑوں مقالے لکھے اور ان میں خداداد بصیرت اور علمی و فنی کاوش کا پورا پورا ثبوت دیا، نصف صدی سے زیادہ عرصے تک ان کا دریائے علم و تحقیق مجلاّتی مقالات اور گراں قدر

تصنیفات کی شکل میں خوب خوب روانی اور جولانی دکھاتا رہا۔ انکے خونِ جگر کی گل کاریوں سے چمن علم وتحقیق میں تازہ بہاریں آگئیں ــــ جو لوگ انکے مقالات کو غور سے پڑھتے رہے ہیں، ان کیلئے تو کسی مثال کی ضرورت نہیں لیکن جو لوگ سرسری مطالعے کے عادی ہیں۔ اور افسوس ہے کہ اکثریت انھیں کی ہے۔ ان کی خدمت میں مولانا کے مطالعہ وتحقیق کا ایک نمونہ پیش کر دینا یہاں پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر (۵۷ھ) میں مولانا مناظر احسن گیلانی رح کا ایک تفصیلی مقالہ شائع ہوا تھا جو مولانا گیلانی رح کی وفات کے بعد انکی یاد میں شائع ہونے والے الفرقان کے خاص نمبر (۱۳۷۶ھ) میں مولانا فریدی کی تلخیص وتمہید کے ساتھ دوبارہ شائع ہوا تھا۔ اس مضمون پر اپنی تمہید میں مولانا فریدی نے فتنۂ اکبری کے متعلق ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جو نہ صرف اس فتنہ کے مختلف عناصر بلکہ اکبر کے بعد مغل سلطنت کے رخ کی بتدریج تبدیلی کے اسباب اور شہنشاہ جہانگیر کی شخصیت اور اس مثبت طرز عمل پر غور کرنے والوں کے لئے نشان راہ کی حیثیت رکھتی ہے جو اس دور کے باتوفیق خادمان اسلام نے جہانگیر کے رخ کو موڑنے اور جادۂ حق پر اس کے قدم جمانے کی کوشش کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا ــــ ذیل کی سطروں میں ہم مولانا فریدی کی وہ پوری متعلقہ عبارت، انکے طرز مطالعہ وتحقیق کے ایک نمونہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں ــــ مولانا نے ارقام فرمایا تھا:۔

"ابوالفضل اور فیضی یہ دونوں بھائی دربار اکبری پر چھائے ہوئے تھے، ان میں اول الذکر میر منشی اور اعلیٰ منصب دار تھا، دوسرا ملک الشعراء اور معلّم شاہزادگان ــــ علوم عقلیہ کا دونوں پر پورا پورا اثر تھا۔ نقلی علوم سے بہرہ وری نہ تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کے عقائد بھی تباہ کرنے کی کوشش کی اور ایسی اسکیم دربار اکبری میں تیار کی جس سے اسلام کا نام ونشان ہی مٹ جائے ــــ سچ پوچھئے تو دین الٰہی کے "کنویز" یہ دونوں بھائی ہی تھے ــــ ناخواندہ اکبر پر ان دونوں نے اپنا سکہ جما لیا تھا ــــ مورخین حال، ابوالفضل کے قتل کی وجہ لکھتے تو ہیں، لیکن ایک وہ خاص وجہ جس کو خود جہانگیر نے اپنے قلم سے تزک میں لکھا ہے چھوڑ جاتے ہیں۔ اور تماشے کی بات ہے کہ طبع کراتے وقت تزک جہانگیری کے ایڈٹ کرنیوالے

ایک ریفارمر قسم کے بزرگ نے نہ معلوم کس مصلحت سے اس حصے کو حذف کر دیا ہے، وہ تو یہ کہیئے مجھے مدرسۂ اشاعت العلوم بریلی کے کتب خانے سے مستعار آیا ہوا ایک قدیم قلمی تزک کا نسخہ دفتر الفرقان میں مطالعہ کرنے کیلئے مل گیا تھا اور یہ باتیں میں نے اسی وقت اپنے دل میں نوٹ کر لی تھی۔ اس وقت قلمی تزک تو میرے سامنے نہیں ہے۔ "تذکرہ فاتحان ملک ہند قلمی" سے تزک کا مضمون نقل کرتا ہوں ممکن ہے الفاظ میں کچھ تفاوت ہو لیکن مفہوم بالکل وہی ہے۔

در کتابے کہ بر واقعات خود بر نگاشتہ و تزک جہانگیری نام داشت می نگارد کہ از ابوالفضل رو گرداں بودم از آنکہ در پیرانہ سالی پدرم را از راہ مستقیم باز داشتہ۔	جہانگیر نے اپنی خود نوشت تزک میں لکھا ہے کہ میں ابوالفضل سے اس وجہ سے ناراض تھا کہ اس نے میرے باپ (اکبر) کو بڑھاپے میں راہ مستقیم سے ہٹا دیا تھا۔

اسی تذکرۂ فاتحان ہند سے تفصیل سنئے جو اکثر و بیشتر تزک ہی سے ماخوذ ہے:۔

زمانیکہ شہر یار۔ چراغ بگاہی بود از شاہزادہ مرزا سلیم شکر رنجی کشید۔	جس زمانے میں اکبر بادشاہ چراغ سحری تھا شاہزادہ سلیم (جہانگیر) سے اس کی ناچاقی ہو گئی۔

ناچاقی زیادہ بڑھی تو اکبر نے ابوالفضل کو دکن سے مشورہ کیلئے بلایا وہ وہاں مع اہل و عیال اقامت گزیں تھا ابوالفضل نے جلدی میں اپنے اہالی موالی وہیں چھوڑے اور خود یکہ و تنہا چل پڑا۔

جہانگیر کو جو چند وجوہ اس سے رنجیدہ تھا ـــــ اچھا موقع ہاتھ آیا ـــــ قتل کرانے کا منصوبہ گانٹھ لیا۔ وہ وجوہ کیا تھیں؟ ـــــ سنئے

یک، آنکہ بد کیش بود	اول یہ کہ ابوالفضل بد مذہب تھا۔
دوم آنکہ خسرو را در پیرانہ سالی بہ آئینے آورد کہ میگفت قرآں نہ کلام ربانی است از زبان رسول ایزد لیست۔	دوسری وجہ یہ تھی کہ ابوالفضل نے اکبر کو بڑھاپے میں یہ پٹی پڑھادی تھی کہ قرآن عظیم کلام ربانی نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ (نعوذ باللہ)

پھر کیا ہوا ـــــ ابوالفضل گوالیار کے راستے سے آرہا تھا، راناسالدیو سے جو جہانگیر کا خسر تھا سازش کر کے قتل کروادیا ـــــ خود جہانگیر نے تاریخ قتل ابوالفضل یہ نکالی۔

تیغ اعجاز جناب آنسرور صلے اللہ علیہ وسلم سرباغی برید   تیغ اعجاز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سرباغی کاٹ دیا۔

(باغی کا سر یعنی پہلا حرف (ب) کاٹ کر اچھی خاصی تاریخ نکل آتی ہے۔)

یہ خدا کی طرف سے بات تھی کہ وہ جہانگیر جو ایام شاہزادگی میں کیا اپنی سلطنت کے کئی برسوں میں بھی مذہبی حیثیت سے کمزور تھا۔ اس جہانگیر کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں اتنی صلاحیت موجود تھی کہ وہ اس روح فرسا الحاد و زندقہ کو برداشت نہ کرسکا۔ اگرچہ حصول سلطنت کی خواہش بھی ملی ہوئی ہو لیکن قتل ابوالفضل کی نمایاں وجہ اس کا الحاد ہے ـــــ یہ بھی اعجاز رسول ہی کا صدقہ ہے کہ اس بڑے سبب کو بربنائے مصلحت مٹانے اور چھپانے کے باوجود تاریخ نے اس حقیقت کو اپنے اندر محفوظ رکھا۔

دیکھا آپ نے مولانا فریدیؒ کے اخذ و مطالعہ کا انداز! مولانا تزک جہانگیری کے قلمی نسخہ کا مطالعہ فرمارہے ہیں اس میں انکی نظر سے یہ اشارہ گذرتا ہے کہ "جہانگیر نے ابوالفضل کو جو قتل کروایا تھا تو اسکے پیچھے زیادہ تر اس کا یہ احساس تھا کہ اس نے یعنی ابوالفضل نے میرے باپ اکبر کو بڑھاپے میں راہ سے بے راہ کردیا تھا" ـــــ اسے پڑھ کر مولانا یوں ہی نہیں گذر جاتے بلکہ اس بات کو "اپنے دل میں نوٹ کر لیتے ہیں" ـــــ یہ ہے مطالعہ کا وہ انداز جسے اپنانے کی ہم سب کو شدید ضرورت ہے، مولانا فریدیؒ کے اس وصف کا تذکرہ آپ آئندہ صفحات میں ان لوگوں کی زبانی سنیں گے جنھوں نے مولانا کو اور انکے اوصاف و کمالات کو بہت قریب سے دیکھا اُن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی مضمون کو سنتے یا پڑھتے وقت ایک ایک لفظ کو پوری وضاحت اور اطمینان کے ساتھ سمجھے بغیر آگے بڑھنا انکی شریعت میں قطعاً حرام تھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ جو کچھ سنتے یا پڑھتے تھے اسے پوری طرح ہضم کرتے تھے، اس سے پورا کام لیتے تھے، اور وہ انکی عقل و یادداشت میں محفوظ بلکہ لوحِ دل پر نقش ہوجایا کرتا تھا ـــــ مطالعہ کے اس انداز کے ساتھ مستقل ذکر و فکر کے نتیجے میں ایسی گہری بصیرت بھی انھیں عطا ہوگئی تھی

جس کی روشنی میں معلومات کی اہمیت کے بارے میں ان کا اندازہ اکثر بالکل درست ہوا کرتا تھا ــــــ اور یہی باتیں علم و تحقیق کے میدان میں کامیابی کی بنیادی شرطیں ہیں۔

اس بات کو میں طول اس لئے دے رہا ہوں کہ ہم پڑھنے پڑھانے والوں کے علم و فہم میں آج جو سطحیت نظر آرہی ہے یہ نتیجہ ہے اس سرسری پن اور صحافتی انداز کا جو ہمارے پورے وجود پر چھا گیا ہے اور جس سے ہمارا مطالعہ کا انداز بھی بہت زیادہ متأثر ہوا ہے۔ چنانچہ ہم جو کچھ پڑھتے ہیں نہایت سرسری انداز سے پڑھتے ہیں۔ اور اسی لئے ہمارا اکثر مطالعہ ضائع ہو جاتا ہے ــــ ــــ کیا ہی اچھا ہو کہ مولانا فریدیؒ کی اس مثال کو سن کر ہم اپنے طرزِ عمل میں مستقل تبدیلی لے آئیں۔ تھوڑے دن شروع میں یہ تکلف عادت ڈالنی ہوگی۔ پھر تو طبیعت اسی رنگ میں رنگ جائے گی۔

اب جب بات چھڑ ہی گئی ہے مولانا کے خاص اوصاف و کمالات کی تو بہتر ہے کہ اسی سیاق میں مولانا کی شخصیت کے ان کمالات کی طرف بھی کچھ اشارہ ہو جائے جو ان علمی کمالات سے بھی عظیم تر ہیں، اور جن سے اپنے کو کسی نہ کسی درجہ میں آراستہ کرنے کا معاملہ، کم از کم خدمت دین کی طرف منسوب ہم جیسے لوگوں کیلئے نفل کا نہیں فرض کا بلکہ فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے ــــــ میرا اشارہ مولانا کے روحانی کمالات کی طرف ہے۔

ہم اپنی علم و دانست پر تو کیا بھروسہ کریں، بڑے بڑے اہل نظر کی زبانی آپ آئندہ صفحات میں یہ شہادت سنیں گے کہ مولانا فریدیؒ اخلاص و تقویٰ او عبدیت و مسکنت کا مجسمہ تھے وہ فضل و کمال اور زہد و ورع کا پیکر، اور مقام تجرید و تفرید اور توکل و رضا کا مظہر تھے وہ معصوم نہ تھے لیکن پارسائی کا کامل نمونہ ضرور تھے۔ ارشاد و ہدایت، پند و نصیحت درس و تدریس تلاش و مطالعہ تصنیف و تالیف انکے عمر بھر کے مشاغل رہے جود و سخا، تواضع و انکسار، حق گوئی و صداقت، ایثار و قربانی، صبر و تحمل، تشکر و احسان، محبت علماء و صلحاء ان کا شعار تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے جذب دروں کو زندگی بھر فقر و درویشی اور انکسار و تواضع کی اوٹ میں ایسا چھپائے رہے کہ انھیں پہچاننے کے لئے جوہری کی نگاہ درکار تھی۔

میں سچ کہتا ہوں کہ اس نمبر کے طفیل دو تین مہینے کی جو صحبت مولانا کی وفات کے بعد انکے ساتھ رہی اور انکے جو حالات و کوائف علم میں آئے تو اپنی بے نظری و ناقدری پر بہت رونا آیا اور بڑی شدت سے احساس ہوا کہ کاش مولانا کے بارے میں یہ باتیں انکی زندگی میں

علم میں آجاتیں تو کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی شاید توفیق مل جاتی لیکن یہ عجیب سا رواج ہو گیا ہے کہ اللہ والوں کے دنیا سے جانے کے بعد ہی انکے کمالات کا تذکرہ ہوتا ہے اور کچھ دن اس کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے پھر سب کچھ اپنے معمول پر آجاتا ہے ـــ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ رواج بھی اسی وجہ سے ہوا ہے کہ اہل اللہ کو تلاش کرنے اور ان کے چراغ سے اپنا چراغ روشن کرنے کا جذبہ خود ہمارے اندر سرد پڑ گیا ہے۔

مولانا فریدیؒ تو ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو گئے لیکن یہ دنیا اس دور قحط الرجال میں بھی بالکل خالی نہیں ہے، اور ہمارا برصغیر تو نسبتاً زیادہ ہی خوش نصیب ہے ـــ اللہ کے کچھ بندے یہاں آج بھی عشق و محبت کی دوکانیں لگائے بیٹھے ہیں، ان کو قریب سے (اور وہ بھی دیدۂ مجنوں سے) دیکھنے کی ضرورت ہے اللہ کرے کہ ہمیں ان بندگان خدا کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت کا کماحقہ احساس ہو جائے ـــــ آمین۔

بس اب یہ فضولی بیچ سے ہٹا جاتا ہے اس گذارش کے ساتھ کہ جب آپ مولانا فریدیؒ کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے ہوں تو روح فریدی سے اس عاجز و مسکین کا سلام کہہ دیجئے گا اور یہ کہ آپ کے الفرقان کا یہ خادم بہت شرمندہ ہے کہ آپکے شایانِ شان آپ کا تذکرہ و تعارف نہیں پیش کیا جا سکا۔ مگر اس کا عذر یہ ہے کہ ؎

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو ترا وہی ترے اوصاف پہچانے

البتہ تسلی اس سے ہوتی ہے کہ اس مالی نے جن باغبانوں سے پھولوں کی سوغات لا لا کر گلدستہ سجایا ہے ان میں کئی گوہر شناس اور صاحب بصیرت بھی ہیں ـــــ بس اب دعا یہی ہے کہ ؎

تری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کیلئے

✽ ✽ ✽ ✽ ✽ ✽

قریباً ۶۲-۶۳ سال پہلے کی بات ہے، امروہہ ضلع مراد آباد کے مدرسہ عالیہ (چلّہ) میں یہ عاجز مدرس تھا، تین سال وہاں اس سلسلہ سے قیام رہا، میں فطری طور پر کم آمیز واقع ہوا ہوں، اس لئے بس مدرسہ کے طلبہ، اساتذہ اور مدرسہ سے خاص تعلق رکھنے والے بعض حضرات ہی سے تعلق تھا، اسکے علاوہ شہر کے لوگوں سے ملنا جلنا بہت ہی کم ہوتا تھا مگر ایک نوجوان جنکی عمر اس وقت سولہ سترہ سال کے قریب رہی ہوگی بہت مہذب اور اس نوجوانی میں بہت صالح تھے، اکثر ملتے تھے، اُن کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ بہت فہیم اور سلیم الفطرت ہیں۔۔۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے اُن سے دریافت کیا ہو کہ آپ نے کیا پڑھا ہے اور کیا پڑھ رہے ہیں، بعد میں معلوم ہوا کہ مڈل، ہائی اسکول، اردو اعلیٰ قابلیت اور منشی کامل (فارسی) کے امتحانات پاس کر لئے تھے، اس زمانے کے خاص حالات میں ان امتحانات کے پاس کر لینے کے بعد اُن کو کسی اسکول یا کالج میں اردو فارسی کے استاذ کی حیثیت سے اچھی ملازمت مل سکتی تھی، اور انکے گھر کے معاشی حالات کا یہی تقاضا بھی تھا کہ وہ اسی لائن کو اختیار کر لیتے، لیکن انھوں نے خالص دینی جذبہ اور حسنۂ آخرت کی طلب میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔۔۔ یہی نوجوان تھے جو بعد میں مولانا مفتی نسیم احمد فریدی کے نام سے معروف ہوئے۔

یہ عاجز تین سال امروہہ قیام کے بعد مدرسہ سے بلکہ تدریس کے مشغلہ ہی سے ترکِ تعلق کر کے چلا آیا تھا، پھر محرم ۱۳۵۳ھ (مارچ ۱۹۳۴ء) میں بریلی سے الفرقان جاری کیا۔۔۔ مولانا نسیم احمد فریدی اپنے وطن امروہہ ہی میں درس نظامی کے درجۂ موقوف علیہ

تک کی تعلیم پوری کرکے دار العلوم دیوبند چلے گئے، وہیں انھوں نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، اسکے بعد عربی ادب اور معقولات منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھنے کے لئے جو دورۂ حدیث سے پہلے نہیں پڑھی جاسکی تھیں دار العلوم دیوبند ہی میں رہے۔

۱۳۵۷ھ کا آغاز تھا کہ بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ کے صدر مدرس مولانا وثوق علی صاحب سلطانپوری کا انتقال ہوگیا، مدرسہ کے مہتمم صاحب نے انکی جگہ کسی صاحب کے تقرر کیلئے اس عاجز سے مشورہ کیا، میں نے مولانا نسیم احمد فریدی کے بارے میں مشورہ دیا، انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ہی اُن کو بلا دیجئے میں نے دیوبند مولانا کو خط لکھا یاد آتا ہے کہ میں نے اس میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ مدرسہ میں دورۂ حدیث پڑھنے والے طلبہ بھی ہیں' اس لئے صدر مدرس کی حیثیت سے بخاری شریف، ترمذی شریف آپ ہی کو پڑھانی ہونگی اور یاد آتا ہے کہ میں نے یہ بھی لکھدیا کہ مجھے امید ہے کہ آپ انشاء اللہ کامیابی کے ساتھ یہ خدمت انجام دے سکیں گے انھوں نے میرا وہ خط اپنے (اور اس عاجز کے بھی) شفیق ترین استاذ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دکھلا کر مشورہ چاہا، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ فوراً چلے جایئے، کچھ تردد تامل مت کیجئے، مولانا نے یہ پوری بات مجھ کو لکھدی اور لکھا کہ انشاء اللہ فلاں تاریخ کو آپ کے یہاں پہونچ جاؤں گا، چنانچہ وہ تشریف لے آئے، میں نے مدرسہ اشفاقیہ کے مہتمم صاحب کو اطلاع دیدی' وہ خود آکر مولانا کو اپنے ساتھ لے گئے اور طے ہوا کہ فی الحال مولانا کا قیام میرے ہی پاس رہے گا ___ اور اس طرح جس تعارف کا آغاز امروہہ میں ہوا تھا وہ قریبی تعلق بلکہ رفاقت میں بدل گیا۔

جیسا کہ میں نے مولانا کو لکھدیا تھا، دورۂ حدیث کی کتابوں میں سے بخاری شریف اور حدیث کی دو ایک اور کتابوں کے درس کی بھی ذمہ داری مولانا کو لینی پڑی ___ بلاشبہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سلسلۂ تدریس کے آغاز ہی میں بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث پڑھانے کا انکو موقعہ ملا، ظاہر ہے اسکے لئے انکو شدید محنت کرنی پڑتی تھی ___ مدرسہ اشفاقیہ میں بخاری شریف کی کوئی شرح نہیں تھی' حسن اتفاق کہ میں نے اسی سال علامہ بدر الدین عینی کی شرح بخاری "عمدۃ القاری" خریدی تھی جو پچیس جلدوں میں چھپ کر اسی زمانہ میں مصر سے آئی تھی' اہل علم واقف ہیں کہ بخاری شریف کی یہ شرح بہت ہی مبسوط ہے' مولانا نے درس بخاری میں اُس سے پورا فائدہ

اٹھایا، مولانا اگرچہ جسمانی حیثیت سے جوانی کی اس عمر میں بھی بہت ہی نحیف اور لاغر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انکو درس و مطالعہ میں محنت و جانفشانی کی بڑی قوت و ہمت عطا فرمائی تھی، بہت کم وقت آرام کرتے، سارا وقت کتابوں کے مطالعے اور درس میں مصروف رہتا۔

یہی سال تھا جب الفرقان کا مجدد الف ثانی رح نمبر شائع ہوا تھا، مولانا فریدی مرحوم جو میرے ساتھ ہی مقیم تھے، تدریسی مشغولیت کے باوجود اسکی ترتیب و تیاری میں برابر میرے شریک اور معاون رہے، انھوں نے اس نمبر کے لئے امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے خلفاء پر ایک مبسوط مقالہ بھی لکھا جو اس نمبر کے اہم مقالات میں سے تھا، جس میں حضرت رح کے ستائیس خلفاء کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کے آغاز میں جو تمہیدی نوٹ مولانا نے لکھا تھا، وہ یہاں نقل کر دیا جائے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:۔

"ادارۂ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانی رح نمبر نکالنے کی تجویز طے کی اور یہ ارادہ عزم کے درجہ میں آیا، اس وقت میں حسن اتفاق سے بریلی آچکا تھا، اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر الفرقان ہی میں رہا، مدیر الفرقان مدظلہ العالی نے مجھکو بھی اس "بزم مسعود" میں شرکت کی دعوت دی ——— اہل اللہ اور خاص کر حضرت امام ربانی رح عارف باللہ کا تذکرہ یقیناً بڑی سعادت ہے، میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بسلسلۂ تعمیل حکم غور کرنے لگا کہ حضرت ممدوح کے کس شعبۂ حیات پر لکھوں، دل میں یہ آیا کہ براہ راست حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے متعلق تو دیگر حضرات اہل قلم روشنی ڈالیں گے ہی، میں آپ کے خلفاء باصفا کا کچھ تذکرہ سپرد قلم کروں کہ بالواسطہ وہ حضرت رح ہی کا تذکرہ ہے۔

جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے، اسی طرح شاگرد سے استاذ اور مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا صحیح صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، بالفاظ دیگر شاگرد و مرید اپنے استاذ و پیر کے آئینے ہوتے ہیں جن میں انکے خط و خال صاف صاف نظر آجاتے ہیں، اسی اصول پر قرآن مجید نے حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کے ثبوت میں آپ کے تلامذہ و مسترشدین یعنی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال و اعمال کو بھی بطور شاہد پیش کیا ہے: محمد رسول اللہ والذین معہ أشداء علی الکفار رحماء بینہم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلاً من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من أثر السجود۔ (الآیۃ)

بہر حال دل نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ سرہندیؒ کے خلفاء کے متعلق کچھ لکھوں تاکہ تعلیم و تربیت اور قوت تاثیر کی راہ سے بھی حضرت شیخ کے کمال کا کچھ اندازہ ہو سکے، اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جس انسان کے ذریعہ اتنے نفوس کے اندر ایمان و عمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نور عرفان کی ایسی چمک پیدا ہو گئی وہ خود کس قدر پر نور و با کمال ہوگا۔"

الفرقان میں مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کا یہ پہلا مضمون تھا، اس کے بعد وقتاً فوقتاً انکے مضامین اور مقالات شائع ہوتے رہے[1]، جنھوں نے بلاشبہ الفرقان کے مزاج کے عین مطابق اسکے پیغام کو عام کرنے، اور اسکی جڑوں کو مضبوط کرنے اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی توجہات کو کھینچنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

---

[1] یہاں یہ بات لکھ دینے کا بھی دل میں تقاضا ہے کہ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ مولانا فریدیؒ کو تحریر و تصنیف سے خاص مناسبت بریلی میں میرے ساتھ رہنے سے پیدا ہوئی، واقعہ یہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انکی فطرت میں تحریر و تصنیف کا سلیقہ ودیعت فرمایا تھا، انھوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ جبکہ انکی عمر دس گیارہ سال کی رہی ہوگی انکے دل میں کتاب تصنیف کرنے کا شوق پیدا ہوا، چند کتابوں کا مطالعہ کر کے ایک چھوٹی سی کتاب تیار کر لی، اسکا نام مجمع البیان رکھا، اور انکے ایک دوست حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم نے اسکو چھپوا بھی دیا۔

میرا حال یہ ہے کہ مجھے فطری طور پر تحریر و تصنیف سے بالکل مناسبت نہیں، بغیر کسی ادنیٰ انکسار کے لکھ رہا ہوں کہ مولانا فریدی مرحوم کا جو تمہیدی نوٹ اوپر ناظرین کرام نے ابھی ابھی پڑھا ہے اس طرح کی تحریر میں اب تک قادر نہیں ہوں، میرا حال یہ ہے کہ جو کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں ذہن اور دماغ پر پورا زور ڈال کر زبردستی لکھتا ہوں، میں ادیب اور انشاء پرداز بھی نہیں ہوں، میرے پاس الفاظ کا بس وہی ذخیرہ ہے جو بولتا ہوں، جو کچھ لکھتا ہوں وہ انھیں الفاظ میں لکھ دیتا ہوں، میں شاعر بھی نہیں ہوں، ساری عمر میں ایک مصرعہ بھی موزوں نہیں ہو سکا —— مولانا فریدی مرحوم ادیب اور انشاء پرداز بھی تھے اور اچھے شاعر بھی۔

مولانا کا خاص محبوب موضوع تھا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے لے کر اب تک کے اپنے سلسلہ کے اکابر و مشائخ، مصلحین امت کا تذکرہ، ان کی سوانح حیات اور ایمان افروز مکتوبات و ملفوظات (جو عموماً فارسی زبان میں ہیں) عہد حاضر کے اردو خواں مسلمانوں کیلئے سادہ و سلیس اور دلکش و دلنشین اردو زبان میں منتقل کر کے مرتب کرنا ـــــ اس سلسلہ میں وہ جو کچھ لکھتے تھے جہاں تک اِس عاجز کا اندازہ ہے اللہ کی رضا، اجر آخرت کی طلب اور امت محمدیہ کی خدمت ہی کی نیت سے لکھتے تھے اور خاص بات یہ تھی کہ سب سے پہلے خود ان کا قلب سلیم اس سے سبق اور اثر لیتا تھا، انکے اخلاص وللّٰہیت اور قلبی کیفیت کے اثر سے انکی یہ تحریریں، ہر پڑھنے والے کے دل کو غیر معمولی طور پر متاثر کرتی تھیں، اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے کہ انکے ان مقالات نے کتنے بندوں کے دلوں میں خدا طلبی، آخرت کی فکر اور ان اکابر و مشائخ عباد اللہ الصالحین کے نقش قدم پر چلنے کا شوق و جذبہ پیدا کیا، ایمان و یقین کی کیفیت میں اضافہ ہوا اعمال صالحہ کی توفیق ملی، اور قرب و رضاء الٰہی کی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی ـــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہوئے خداوندی قانون و منشورِ رحمت "من دلّ علی خیر فلہ اجر مثل فاعلہ" کے مطابق یقین ہے کہ ان سب بندگانِ خدا کے اعمال کا اجر بھی ان کو عطا ہوگا۔

ناظرین کرام کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ ادھر قریباً پندرہ[۱۵] سال سے مولانا کی بینائی بالکل ختم ہو گئی تھی لکھنا تو درکنار ایک سطر خود پڑھ بھی نہیں سکتے تھے ـــــ لیکن اسکے باوجود مطالعہ اور تحریر و تصنیف کا کام جاری رہا ـــــ دوسروں سے پڑھوا کر سنتے، یہ ان کا مطالعہ تھا اور خود بول کر دوسروں کے قلم سے لکھواتے، یہ ان کی تحریر و تصنیف تھی ـــــ ہم جیسوں کے لئے اُن کا یہ حال بڑا ہی سبق آموز ہے۔

اسی نابینائی کی حالت میں تحریری اور تصنیفی کام کے علاوہ امت محمدیہ کی دینی خدمت جس طرح بھی ان کیلئے ممکن ہوتی اس سے دریغ نہ کرتے، تبلیغی جماعتوں کے ساتھ سفر بھی کرتے، میلوں پیدل چل کر قرب وجوار کے دیہاتوں میں بھی کام کرتے، مکاتب قائم کرنے کی بھی کوشش فرماتے ـــــ لوگوں کے باہمی جھگڑوں کو سلجھانے کے سخت صبر آزما کام میں بھی وقت اور دماغ کھپاتے ـــــ دار العلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند اور دینی دعوت کے اس سلسلہ سے جو تبلیغی

جماعت کے نام سے معروف ہو گیا ہے انکو گہرا قلبی اور جذباتی تعلق تھا، مزاج وفطرت کے لحاظ سے بہت ہی حلیم اور متحمل تھے، لیکن اس عاجز کا ذاتی تجربہ ہے کہ اِن تینں اداروں کے بارے میں اتنے غیر معمولی حساس تھے کہ انکے خلاف کچھ سننا ان کیلئے ناقابلِ برداشت ہوجاتا تھا۔

یوں تو ہمیشہ ہی سے انکی زندگی سادہ وغریبانہ تھی لیکن قریبًا پندرہ[۱۵] سال سے محلہ کی مسجد ہی کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا تھا۔ وہ ایک درویش صفت، فقیرانہ زندگی گذارنے والے اکثر زمین اور چٹائی پر سونے والے اس طرح کے صاحبِ درس و افتاء اور صاحبِ قلم وصاحبِ تصانیف عالم دین تھے جیسے کبھی پہلے ہوا کرتے تھے جن کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے احوال اور اوصاف واخلاق کے بارے میں دیگر حضرات کے مضامین میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، یہ عاجز انکے جن حالات سے بہت زیادہ متاثر ہوا ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ بریلی میں میرے ساتھ مقیم تھے، اس وقت انکی عمر ۳۰ کے لگ بھگ تھی۔ مجھے یاد ہے میں نے ان دنوں ان سے انکی شادی کے سلسلہ میں بات کی، تو انھوں نے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میرے دو بھائی ایسی دماغی حالت میں ہیں کہ وہ اپنے بچوں کی پوری فکر نہیں کر سکتے۔ انکے اہل وعیال کی ممکن خدمت میں نے اپنے ذمّہ لے رکھی ہے اگر میں خود گھر بسالوں گا تو انکی کچھ خدمت نہ کر سکوں گا ـــــ یہ بات جوانی کے زمانہ کی ہے، وہ اپنے اس عہد پر زندگی بھر قائم رہے۔ اور صرف اپنے معذور بھائیوں کے بچوں کی خدمت کی خاطر پوری زندگی تجرد میں گذار دی۔ اللہ اکبر، اس زمانہ میں ایسا ایثار، ایسی قربانی اخص الخواص بندگانِ خداہی کے بس کی بات ہے ـــــ اور دوسرا واقعہ وہ ہے جو پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جس زمانے میں مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم شعبۂ دینیات کے صدر تھے، انھوں نے چاہا کہ مولانا فریدی یونیورسٹی کے اِس شعبہ سے وابستہ ہوجائیں، پہلے بطور خود اس کیلئے تحریک کی مگر جب مولانا نے معذرت کی تو پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کو واسطہ بنا کر پھر کوشش کی (جو مولانا مرحوم کے نہایت عزیز حقیقی بھانجے ہیں) لیکن مولانا نے کسی طرح اسکو منظور نہیں فرمایا ـــــ مجھے معلوم ہے کہ مولانا کی زندگی ہمیشہ عسرت اور غربت کی زندگی رہی، بریلی اور امروہہ کے جن مدرسوں میں پڑھایا وہاں انکی تنخواہ بیس پچیس روپئے یا اسکے قریب رہی، اگر مولانا اکبر آبادی کی پیشکش کو قبول کر لیتے تو اس عاجز کا خیال ہے کہ وہاں ان کا مشاہرہ پانچ چھ سو روپئے سے کم نہ ہوتا۔

یہ واقعہ بجائے خود مولانا کے مقام کی بلندی اور ہم جنسوں میں انکے امتیاز اور علو ہمت کی دلیل ہے لیکن یہ عاجز اس بات سے انتہائی متاثر ہے کہ میرے ساتھ اتنے قریبی تعلق کے باوجود کبھی اشارۃً بھی مجھسے اس کا ذکر نہیں فرمایا، مجھے یہ واقعہ پہلی دفعہ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کے اس مضمون سے معلوم ہوا جو اس نمبر میں شامل ہے، یہ ممکن ہے کہ ہر شخص اس بات کی غیر معمولی اہمیت محسوس نہ کر سکے لیکن یہ عاجز انکی زندگی کے تمام دوسرے حالات سے زیادہ انکی اس بات سے متاثر ہوا کہ چونکہ اس واقعہ سے انکی بلند مقامی، علو ہمت اور فقر پسندی کا پتہ چلتا تھا اسلئے کبھی اسکو میرے جیسے قریبی رفیق و دوست سے بھی ظاہر نہیں کیا، میرے نزدیک بہت سی نفل نمازیں اور بکثرت نفلی روزے رکھنا اور اسی طرح ذکر و تلاوت جیسی عبادات کی کثرت آسان ہے، لیکن ہمارے اس زمانے میں اپنے ایسے حال و کمال کا اس درجہ اخفاء بہت مشکل، حیرت انگیز اور سو بار رشک کے قابل اور اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگی جائے۔

سلسلۂ سلوک و طریقت میں مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے پہلے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی، اور حضرت محمد فرح کے تلقین فرمائے ہوئے اذکار و اشغال معمول رہے اس سے پہلے حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن امروہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتوں سے بھی استفادہ کیا تھا (جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے خلیفہ و مجاز تھے) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تجدید کی حضرت شیخ نے انکو اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔

حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مجاز تھے حضرت مولانا حافظ عبد الرحمن امروہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث شریف میں تلمذ اور صحبت سے استفادہ کی سعادت حاصل تھی، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ بھی بیک واسطہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے خلیفہ و مجاز تھے، الغرض ان تینوں واسطوں سے مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔

اس عاجز کا اندازہ ہے کہ مولانا فریدی علیہ الرحمۃ تقوے اور فتوے میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے قدم بہ قدم تھے۔ اس خصوصی نسبت کا اثر تھا کہ وفات سے کچھ پہلے (جیسا کہ انکے خاص خادموں کا بیان ہے) مولانا نے خادموں سے فرمایا کہ حضرت گنگوہی تشریف لائے ہیں (ظاہر ہے کہ یہ روحانی مشاہدہ تھا) فطوبیٰ له ثم طوبیٰ له —— یہ عاجز مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان اور انکے خاص خدام سے اس موقع پر یہ بات عرض کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ ان خاص حالات میں جن کا ذکر بعض دوسرے مضامین میں آگیا ہے مولانا کی تدفین مسجد کے اس حجرہ میں کی گئی جس میں مولانا کا قیام رہتا تھا، اب ایسا نہ ہو کہ جاہل

لوگ مولانا کے مدفن کے ساتھ وہ معاملہ کرنے لگیں جو بہت سے بزرگانِ دین کے مزارات کے ساتھ ہو رہا ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سخت خلاف ہے اور انکی انتہائی ناراضگی کا باعث اور ان بزرگوں کی روحوں کیلئے انتہائی اذیت کا سبب۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ اس بارے میں اس درجہ متشدد تھے کہ گنگوہ میں سال کے جن دو تین دنوں میں حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کا عرس ہوتا تھا، اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو حضرت کی سخت ہدایت تھی کہ ان دنوں میں مجھ سے ملنے کیلئے بھی کوئی گنگوہ نہ آئے اگر غلطی اور ناواقفی کیوجہ سے حضرت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھنے والے کوئی صاحب اُن دنوں پہونچ جاتے تو حضرت اُن سے ملاقات نہ فرماتے، فوراً واپسی کی ہدایت فرماتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خطرہ تھا کہ محبت میں غلو کرنیوالے میرے جاہل امتی میری قبر کی پرستش نہ کرنے لگیں، حدیث شریف میں ہے کہ آپ اپنے مرض وفات میں دعا فرماتے تھے "اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ" (اے اللہ! ایسا نہ ہو کہ میری قبر کی پرستش کی جانے لگے)۔ بہر حال مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان اور خصوصی خدام کا فرض ہے کہ وہ اس خطرہ سے مولانا مرحوم کے مدفن کی حفاظت کا بھی جو انتظام کر سکیں اس سے دریغ نہ کریں۔

آخر میں یہ عاجز راقم سطور اپنے اس قصور کا اعتراف کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ قریباً ساٹھ سالہ تعلق، بریلی کی تین چار سالہ رفاقت، خط و کتابت کے مسلسل رابطے اور اکثر سالوں میں ایک دو دفعہ ملاقات کے باوجود، میں مولانا کے بلند مقام کو نہیں جان سکا، وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے انھوں نے میرے ساتھ معاملہ ایسا ہی رکھا جیسا کہ چھوٹوں کا بڑوں کے ساتھ ہوتا ہے، اس عاجز کا رویہ بھی کچھ اسی طرح کا رہا، لیکن انکے اس دنیا سے جانے کے بعد احساس ہوا کہ وہ بہت بڑے تھے میں اُن سے بہت چھوٹا تھا، مجھے اُن کے ساتھ اس طرح کا تعلق رکھنا چاہئے تھا جس طرح چھوٹے بڑوں کے ساتھ رکھتے ہیں، اب اپنی اس تقصیر پر بے حد افسوس ہے۔ ہم جیسوں کا عام مرض ہے کہ نعمت کی قدر اُس سے محروم ہو جانے کے بعد ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ میں اپنے باقی ماندہ دنوں میں انکے لئے زیادہ سے زیادہ دعاؤں کا اہتمام کر کے اپنے قصور کی تلافی کر سکوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ فرمائے، درجاتِ عالیہ سے نوازے، انکے فیوض کو جاری رکھے اور شر و فساد کے اس زمانے میں ان جیسے علماء صالحین اور مخلص خادمانِ دین پیدا فرمائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید — نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے — دگر دانائے راز آید کہ ناید (اقبال)

برصغیر ہند کی سرزمین میں جس کو ایک بالغ نظر مورخ[1] نے آکالۃ الامم کہا ہے اور جہاں باہر سے آئی ہوئی کوئی قوم اپنے اصلی خط و خال کے ساتھ اور کوئی دین اپنی اصلی روح، صحیح تعلیم اور امتیازات کے ساتھ عرصہ تک باقی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے داخلہ کے بعد سے ہر دور میں ایسے راسخ العلم، غیور طبع اور صاحبِ عزیمت علمائے ربانی پیدا کئے جنھوں نے اسلام کو کتاب و سنّت کی تعلیم اور شریعت اسلامی کے تحفّظ، اور ملت اسلامیہ کو اپنے مخصوص عقائد اور دعوت، اور اپنے ملی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ باقی رہنے کے لئے جد و جہد کی اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

محافظینِ شریعت اور مصلحینِ امت کا یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے جب اسکی سب سے زیادہ ضرورت تھی اور اس عظیم سلطنت کی باگ ڈور ایک ناخواندہ لیکن صاحب عزم اور مالکِ نظم فرماں روائے مملکت کے ہاتھ میں آگئی تھی جسکو باور کرایا گیا تھا کہ ہر دینِ سماوی کی عمر ایک ہزار برس ہوئی ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ نبیِ اُمّی کی جگہ شہنشاہ اُمّی، ایک نئے دین، نئی شریعت اور نئے نظام زندگی کا آغاز کرے[2]، اس قدسی گروہ کے سرخیل و پیشوا حضرت شیخ احمد بن شیخ عبد الاحد سرہندی (م ۱۰۳۰ھ) تھے، جن کو اہلِ نظر نے بجا طور پر مجدّد الف ثانی کا خطاب دیا اور جس کو ایسی قبولیت عامہ حاصل ہوئی کہ یہ لقب

---

[1] مکتوب علامہ سید سلیمان ندوی رح بنام راقم سطور۔
[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" کا حصہ چہارم مختص بہ سیرت حضرت مجدد الف ثانی رح از راقم، و مقدمہ "سیرت سید احمد شہید رح" بقلم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رح۔

انکے نام نامی کا قائم مقام بن گیا، انکی اور انکے فرزندانِ گرامی مرتبت بالخصوص حضرت خواجہ محمد معصومؒ کی مساعی جمیلہ سے سلطنت مغلیہ کے تخت پر (جو سلطنت عثمانیہ کے بعد سب سے بڑی مسلم مملکت تھی) جو فرمانروا آیا وہ پہلے فرمانروا سے کہیں بہتر اور احترام دین وشریعت میں کہیں اعلیٰ اور برتر تھا، اور جو سلسلہ ایک "ماحیِ دین" (اکبر) سے شروع ہوا تھا وہ چوتھے نمبر ہی پر ایک اعلیٰ درجہ کے "حامیِ دین" (شہنشاہ محی الدین اورنگ زیب) پر جا کر منتہی ہوا، جس کو ایک عرب فاضل[1] اور مبصر مؤرخ نے سادس الخلفاء الراشدین (چھٹا خلیفۂ راشد) کا بجا خطاب دیا ہے۔

اس مثبت اور تعمیری انقلاب میں (جسکے لئے خون کا ایک قطرہ بہانے کی ضرورت پیش نہیں آئی) مخفی طور پر جس کا ہاتھ کام کر رہا تھا، وہ حضرت مجددؒ کی ذات اور مجددی خاندان تھا۔

پھر اسی عَلَمِ تجدید و اصلاح کو اسی سلسلہ کے حامل و منتسب اور جانشین حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور انکے فرزندانِ گرامی قدر اور خلفائے کبار اور تلامذۂ نامدار نے بلند کیا، جن کی مساعی جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے کہ ملّت اسلامیہ ہندیہ اس وقت تک اپنے دین و شریعت اور اپنے ملّی تشخص کے ساتھ باقی ہے۔ انکے چاروں صاحبزادگان حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ عبدالغنی اور انکے نبیرۂ گرامی مرتبت حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نیز حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے دونوں نامدار نواسوں حضرت شاہ محمد اسحاق اور حضرت شاہ محمد یعقوب، اسی کے ساتھ اسی خاندان کے نسب و نسبت اور تلمذ اور تربیت کا تعلق رکھنے والے بزرگ مولانا عبدالحی صاحب بڑھانوی (خلیفۂ اجل حضرت سید احمد شہیدؒ) اور خود اسی خاندان کے تربیت یافتہ اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خلیفہ نامدار حضرت سید احمد شہیدؒ جن کو بہت سے اہل نظر اور اہل انصاف نے تیرھویں صدی ہجری کا مجدد مانا ہے[2]، کے کارناموں کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ ؎

این سلسلہ از طلائے ناب است　　　این خانہ تمام آفتاب است

زمانہ کے تغیر اور نئے تقاضوں کے مطابق اس نسبی اور نسبتی سلسلہ نے "حفاظتِ شریعت" کے ساتھ "اشاعتِ شریعت" کا کام بھی اپنے ذمہ لیا۔ قرآن مجید کی باقاعدہ تدریس و تفہیم،

---

[1] علامہ علی طنطاوی شامی مقیم حجاز، صاحب تصانیف کثیرہ۔

[2] ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا مقالہ "الفرقان" کے مجدد نمبر میں۔

اردو تراجم قرآن، حدیث کی نشر و اشاعت و تدریس، صحاح ستہ کو نصاب درس میں داخل کرنے، اور حدیث و سنت کے سکّے کو ہندوستان کے علمی حلقوں اور عمومی زندگی میں رواں کرنے اور ردّ شرک و بدعت و اصلاح رسوم کے عظیم الشان لیکن پُر خطر کام کا بیڑہ اٹھانے کی وہ عظیم الشان خدمت انجام دی کہ اس خاندان اور اسکے منتسبین کو مجموعی طور پر اس عہد میں دین کا مجدّد اور شریعت و سنت کا پہرہ دار اور "نقیب و مراقب کا" خطاب دیا جا سکتا ہے، اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں دینی حمیت و حمایت، شریعت و سنت پر عمل کی توفیق توحید و شرک اور سنت و بدعت میں امتیاز کی صلاحیت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور تبلیغ و دعوت کا جذبہ، مدارس عربیہ کا وجود، علوم دینیہ اور عربی زبان سے شغف و وابستگی دینی کتب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت اسی خاندان فاروقی ولی اللہی نسبًا، مجددی نسبتہً و حجازی و یمنی تلمذًا کے افراد اور انکے خلفاء و تلامذہ کی مساعی و جد و جہد کا نتیجہ ہے۔

ضرورت تھی اور احسان مندی کا تقاضہ بھی تھا، نیز ایک تاریخی و علمی فریضہ تھا کہ ان دونوں خاندانوں پھر ان دونوں چراغوں سے روشن ہونے والے ایک تیسرے چراغ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور ان دونوں کے تربیت یافتہ علماء، داعیان مصلحین و محیین اور اساتذۂ کبار کے حالات سے گہری واقفیت، حاصل کی جائے، ان کی تصنیفات پر وسیع و عمیق نظر ہو، پھر محض مؤرخانہ قابلیت اور انشاپردازانہ صلاحیت کے ساتھ ہی نہیں، اندرونی جذبہ، قلبی تقاضہ اور عشق و عقیدت کی حرارت کے ساتھ اس کام کو نہ صرف انجام دیا جائے ان شخصیتوں کے کارناموں کا نئی نسل سے تعارف کرایا جائے، بلکہ اسکو زندگی کا مقصد اور سعی و جہد کا موضوع بنا لیا جائے، اس لئے کہ ناخواندہ طبقہ اور منکرین و متعصبین کو بھی چھوڑ کر ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل ان دونوں خانوادوں اور ان اصلاحی و تجدیدی سلسلوں کی ممتاز شخصیتوں اور کارناموں سے روز بروز ناآشنا ہوتی جا رہی تھی، اور نہ صرف ناواقفیت تھی بلکہ انکے بارے میں شدید غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی تھیں، اللہ تعالےٰ نے اس کام کیلئے جن چند شخصیتوں کو خاص طور پر منتخب فرمایا ان میں امروہہ کے اس مردم خیز قصبہ (جسکو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ایک ممتاز ترین تلمیذ و مسترشد حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہی کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے)

کے مایہ ناز فرد مولانا نسیم احمد صاحب فریدی تھے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی اور ساری خداداد علمی و تحریری صلاحیتیں اس موضوع کیلئے وقف کر دیں اور اسکو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے (اور مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے) کہ خاندان مجددی اور خاندان ولی اللٰہی کے سلسلہ میں اگر کسی تحقیق اور علمی اطمینان اور تاریخی ثبوت کی ضرورت ہوتی تو انھیں سے سب سے زیادہ رہنمائی حاصل ہوتی، مولانا نے تجلیات ربانی (۱-۲) "مکتوبات خواجہ محمد معصوم" "تذکرۂ حضرت خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان" "تذکرۂ حضرت شاہ اسماعیل شہید" وغیرہ شائع کر کے بہت سے ناواقف حلقوں کیلئے واقفیت بہم پہونچائی اور بہت سے ایسے معتقدین اور محبین کیلئے جن کو ضخیم کتابوں کے پڑھنے کی فرصت یا ہمت نہیں تھی ان حضرات سے واقف کرایا۔ آخر میں انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ان مکتوبات کے مرتب کرنے اور شائع کرنے کا اہتمام کیا تھا جو حیدر آباد کے مخطوطات و نوادر کے ذخیرہ میں مدفون تھے، نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات مرتبۂ فاضل گرامی مؤرخ ہند پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کی بازیافت و دریافت اور ترتیب میں بھی انکی رہنمائی شامل تھی، رسالہ "الفرقان" کے ان دو قابل قدر اور بیش قیمت خصوصی نمبروں میں بھی جو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرات شہیدین کی یاد میں نکالے گئے اور جنھوں نے ضخیم اور محققانہ مستقل تصنیفات کی قائم مقامی کی اور ان بھولی ہوئی داستانوں کو یہ کہکر یاد دلایا اور تازہ کر دیا ہ

> تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
> گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

ان کا بنیادی اور مرکزی حصہ رہا ہے، اور انکے مؤثر اور پُر از معلومات مقالات نے انکی قدر و قیمت میں اضافہ کیا ہے، ان کو ان دونوں سلسلوں اور ہندوستان کے آخری دور کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) کہنا صحیح ہوگا، اور ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے، موجودہ نسل کے ذہنی رجحان اور خاص طرح کے علمی ذوق کے پیش نظر اس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے، راقم سطور نے اپنی تقریر میں جو ان کی وفات کی اطلاع پاکر دار العلوم ندوۃ العلماء کے جلسہ میں کی تھی اور جس میں حسن اتفاق سے ان کے نامور اور قابل فخر خواہر زادہ پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی بھی موجود تھے۔ صحیح کہا تھا کہ "انکی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں انکی فنائیت ہے، علم سے انکو وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے، علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف

دتحقیق کا کام کرنے والے بہت مل جائیں گے، مگر ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لئے غذا، دوا، شفا سب کچھ ہو، وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔"

راقم نے اس مقالہ میں مولانا مرحوم کی دوسری دینی و علمی و روحانی خصوصیات انکے اخلاق و شمائل، ذوق عبادت، تعلق باللہ، اور سلسلہ و طریق پر روشنی ڈالنے کی کوشش نہیں کی کہ امید ہے کہ ان پہلوؤں کو روشن کرنے کے لئے متعدد مضامین اس نمبر میں پہلے سے موجود ہوں گے، راقم نے صرف ایک ہی امتیازی وصف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، اور وہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے محسنین، نئے دور کے بانیوں اور ائمہ دعوت و عزیمت کے حالات و خیالات سے گہری واقفیت اور باخبری، اور ان کی اشاعت کا جذبہ اور اس کی سعی محمود ہے، جس میں (اپنے ناقص علم میں) کمتر ہی کوئی ان کا سہیم و شریک ہوگا۔ والعلم عند اللہ۔

اس عزیمت کدۂ اسلام میں خدا کے جن برگزیدہ بندوں نے دین حجازی کی صحیح ترجمانی اور نمائندگی کی، اور پھر جن کی مساعی جلیلہ نے اس کو اپنی بیشتر خصوصیات کے ساتھ باقی رہنے کا موقعہ دیا، ان کے حالات ان کی دعوت کی اشاعت کی کوشش کو بھی دین حجازی کی نسبت سے "نسیم حجاز" کا ایک جھونکا کہنا چاہئے، معلوم نہیں ایسے روح پرور جھونکے اس سرزمین گرد و غبار کو جلد جلد حاصل ہوتے رہیں گے یا نہیں؟ مولانا مرحوم کی روح کو یہ شعر پڑھنے کا حق ہے ؎

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

مولانا فریدی ایک صاحب خدمت بزرگ

(حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے نام مولانا موصوف کے تازہ مکتوب سے ماخوذ)

مخدوم و محترم زاد اللہ شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔ حضرت مولانا فریدی رحمۃ اللہ کے تعلق سے "مولانا فریدی نمبر" کی اشاعت کی مسرت آگیں اطلاع سے بیحد خوشی ہوئی، مولانا مرحوم اپنے گوناگوں صفات و محاسن کی بناء پر اس کے واقعی مستحق ہیں کہ انکی یادگار کے طور پہ رسائل وجرائد نمبر نکالیں، پھر ماہنامہ "الفرقان" کے ساتھ تو ان کا قدیمی و خصوصی رابطہ تھا۔ اس لئے اسکی جانب سے یہ پیش قدمی اور پہل برمحل ہے۔

بندہ کو چونکہ تحریر و مقالات نگاری سے کوئی خاص مناسبت نہیں ہے اور نہ کثرتِ مشاغل و ہجوم کار اسکی فرصت دیتے ہیں کہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر کچھ لکھا پڑھا جائے، اس لئے مولانا مرحوم کے بارے میں معلومات کے باوجود سر دست کوئی تفصیلی مضمون ممکن نہیں، لیکن مرحوم کی عنایات و توجہات (جو اس بندہ پر تھیں) اس کی بھی اجازت نہیں دیتیں کہ معذرت کر کے خاموش بیٹھ رہوں اس لئے تعمیل حکم میں حضرت مولانا مرحوم کے بارے میں اپنے کچھ تأثرات سپرد قلم کر رہا ہوں۔ خدا کرے وقت پر آپ کو یہ تحریر موصول ہو جائے۔

حضرت مولانا فریدی مرحوم اپنی مختلف النوع صلاحیتوں اور خوبیوں کی بناء پر اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر تھے، سادہ مزاجی، تواضع اور نرم خوئی انکی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ سلوک و تصوّف کے مشاغل میں انہماک کے ساتھ ساتھ جو سالک کی ساری دماغی و قلبی توانائیوں کو ایک مرکز پر منجمد کر دیتا ہے، مولانا کا خالص علمی و تحقیقی ذوق اور اس سلسلے میں انکی غیر معمولی سرگرمیاں، اسے مولانا مرحوم کے جذب دروں کی برکت یا بالفاظ دیگر کرامت ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ورنہ ان دونوں صفات کی یک جائی۔ اور وہ بھی اس

دورِ انتشار میں عشقِ سخن اور جگرؔ کی مشفقت سے کم حیرت انگیز نہیں ہے۔

مرحوم اپنے احسانی مشاغل اور علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے ساتھ ملّی و سماجی کاموں سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے جمعیۃ علمائے ہند سے انھیں والہانہ تعلق تھا اس کے اکثر پروگراموں میں ضعفِ پیری اور آنکھوں سے معذوری کے باوجود نہایت ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اور رائے و مشوروں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ مولانا مرحوم کے مخلصانہ کردار سے کارکنانِ جمعیۃ کو بڑا حوصلہ ملتا تھا۔

بندہ کے ساتھ ذاتی طور پر بھی مولانا مرحوم کا تعلق غیر معمولی تھا۔ کثرتِ امراض، حد سے بڑھی ہوئی نقاہت اور اس پر مزید آنکھوں سے معذوری لیکن اس کے باوجود رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں دیوبند ضرور تشریف لاتے اور کم از کم تین روز قیام کرکے تراویح تہجّد اور ذکر کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

اس وقت نام تو یاد نہیں ہے لیکن کسی قابلِ اعتماد اور صاحبِ نسبت بزرگ سے یہ سنا تھا کہ مولانا فریدی اس دور کے صاحبِ خدمت بزرگ ہیں۔ مولانا کے احوال و مقامات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اپنا تاثر یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی وفات سے نہ صرف علم و تحقیق اور تذکرہ نگاری کی دنیا میں خلا پیدا ہوگیا ہے بلکہ احسان و تصوّف اور روحانیت کا میدان بھی ایک بہترین مربی اور رمز شناس مرشد سے خالی ہوگیا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا اسعد مدنی
بقلم حبیب الرحمٰن قاسمی
۱۵/۱۱/۱۴۰۹ھ

۳۰

آفتابِ سرہند

از۔ مولانا نسیم احمد فریدی فاروقی امروہیؒ

بساطِ ہند پر جب شرک و بدعت کی حکومت تھی
ہر اک جانب ہر اک سو ہر طرف ظلمت ہی ظلمت تھی

اور اس ظلمت میں دینِ بہارِ "گرگ شتابِ" کی صورت
خزاں دیدہ چمن میں شبنمِ شاداب کی صورت

علانیہ روافض رفض کی تلقین کرتے تھے
ابوبکرؓ و عمرؓ کی بے دھڑک توہین کرتے تھے

جلال الدین اکبر نے بھی طرح "دینِ نو" ڈالی
تھی مضمر جس میں یکسر ملّتِ بیضا کی پامالی

غرض فتنوں کی شورید سری اک رنگ لائی تھی
خزانِ اسلامیانِ ہند کے گلشن پہ چھائی تھی

خدائے پاک کی غیرت نے لی اس وقت انگڑائی
عمرؓ کے خانداں سے ایک مجدّد کی صدا آئی

مجدّد بھی وہ کیسا، الفِ ثانی کا مجدّد تھا
ضلالت کا مٹاتے والا سنّت کا مؤید تھا

شریعت کا طریقت کا حقیقت کا مجدّد تھا
فقاہت کا، تصوّف کا، مشیخت کا مجدّد تھا

تبرّے کی جگہ "مدحِ صحابہ" کو کیا جاری
تقیہ کی عوض تقویٰ کو رگ رگ میں کیا ساری

محمد مصطفٰےؐ کے دینِ خالص کو کیا ظاہر
کیا اسلام کو آمیزشِ بدعات سے طاہر

کیا الہامی ارشادات سے احیاء شریعت کا
تصانیف اور مکتوبات سے احیاء شریعت کا

وہ مکتوبات جن میں علم و حکمت کا خزانہ ہے
افادیت کی جن کی معترف سارا زمانہ ہے

وہ مکتوبات ہر ہر سطر جن کی سلکِ گوہر ہے
وہ مکتوبات نقطہ نقطہ جن کا خالِ دلبر ہے

قلم میں وہ روانی رودِ گنگا جس سے شرمائے
معارف وہ کہ جن کو سن کے عارف وجد میں آئے

وہ صورتِ سرمدی تھی یا صدائے شیخ سرہندیؒ
جسے سن کر ہوئے بیتاب رومی و سمرقندی

کیا مستحکم و ہموار اہلِ دین و ایماں کو
دیا درسِ یقین و تقویٰ ہر مردِ مسلماں کو

پڑھایا کلمۂ توحیدِ خالص کفر والوں کو
کیا صیدِ حرم بھارت کے رم خوردہ غزالوں کو

نہ صرف ہندوستاں تھا دائرہ انکی ولایت کا
حجاز و مصر و شام و روم بلکہ سارا عالم تھا

الٰہی ہند میں پھر اک مجدّد کی ضرورت ہے
بڑا ہی روح فرسا انتشارِ اہلِ ملت ہے

الٰہی بھیج دے پھر شیخ احمد سا کوئی رہبر
الٰہی بھیج دے فاروقی سطوت کا کوئی رہبر

فریدیؔ کی دعائے نیم شب مقبول ہو جائے
وہی اگلی سی رونق دین کی پھر لوٹ کر آئے

جنابِ انیس احمد فاروقی۔ ایم۔ اے

حضرت الحاج مولانا مفتی نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت

آپ ستمبر ۱۹۱۱ء [1] (موافق ۱۳۲۹ھ ہجری) میں اپنے جدی مکان واقع محلہ جھنڈا شہید امروہہ میں متولد ہوئے۔ سلسلۂ نسب ۲۳ واسطوں سے شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہوتا ہے اور ۴۶ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ آپ کے ننھیال کا سلسلہ حضرت مخدوم ابو الفتح سید عبد اللہ معروف بہ شاہ ابن بدر چشت کرمانی الامروہی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ سے متصل ہوتا ہے، حضرت شاہ ابن بدر چشت رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاف میں امروہہ کے مشہور آفاق خانوادۂ اطباء کے ایک لائق و فائق طبیب حکیم سید احمد حسن رضوی مرحوم آپ کے حقیقی نانا تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

۱۹۱۴ء میں جبکہ آپ صرف ڈھائی سال کے تھے، آپ کے والد ماجد مولوی حسن احمد فریدی کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی تمام تر پرورش اور نشو و نما والدہ ماجدہ اور ہمشیرگان کے ہاتھوں ہوئی، خاندانی رواج کے مطابق ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے گھر پر حاصل کی قرآن مجید پڑھنے کے بعد دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ شروع ہی سے نہایت ذہین و فطین اور پڑھنے لکھنے کے بیحد شوقین تھے۔ غیر معمولی قوت حافظہ کے مالک تھے بچپن میں کسی قسم کے لہو و لعب میں مشغول نہیں ہوئے۔ ہمیشہ علم سے اشتغال رکھا۔ پہلے آپ کو پرائمری اسکول محلہ پیرزادہ امروہہ میں داخل کیا گیا جہاں سے منشی نسیم احمد صاحب مرحوم کے زمانے میں پانچواں درجہ پاس کیا۔ پھر ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل اسکول میں داخل ہوئے تین سال بعد ۱۹۲۶ء میں ہندی مڈل امتیاز کے ساتھ پاس کیا اور اگلے سال انگریزی مڈل بھی پاس کر لیا

---

[1] مہینہ اور سنہ صحیح ہے۔ تاریخ تحقیق طلب ہے۔

اس کے بعد مدرسہ نور المدارس امروہہ سے منشی، منشی کامل، مولوی اور اعلیٰ قابلیت کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کئے۔ فارسی کی اکثر تعلیم منشی عبدالرب شکیب امروہیؔ سے حاصل کی۔ اعلیٰ قابلیت کے امتحانات میں منشی عزیز احمد عزیز امروہیؔ سے استفادہ کیا۔

آپ کو بچپن سے ہی شعر و شاعری اور تقریر کرنے کا شوق رہا۔ ننھیال کے ایک عزیز ابوالنظر حکیم سید طفیل حسن رضوی مرحوم کے مکان میں اکثر نشست رہتی تھی۔ حکیم صاحب مرحوم نہایت ذہین و ذی علم طبیب اور بلند پایہ ادیب تھے۔ ان کی صحبت میں آپ کا علمی و ادبی ذوق نکھرا۔ اسی زمانے میں آپ نے اپنی کنیت ابوالسحر رکھی۔ شروع میں امداد تخلص تھا مگر اپنے استاذ منشی عبدالرب شکیب مرحوم کے مشورے سے فریدی تخلص رکھا۔ شکیب صاحب سے شعر و شاعری میں بھی مشورہ لیا۔ شاعری میں منشی عزیز احمد عزیز امروہی تلمیذ مضطر خیر آبادی (جو امیر مینائی کے شاگرد تھے) سے تلمذ حاصل کیا۔ خود مشاعرے منعقد کراتے اور مشاعروں میں شرکت کرنے کا شوق تھا۔ اس زمانے میں بعض غزلیں کہیں، لیکن کچھ عرصے بعد نعت و منقبت میں طبع آزمائی شروع کی اور مدت العمر اسی سے شغف رہا۔

تحصیل علوم

عربی کی باقاعدہ تعلیم شروع کرنے سے پہلے آپ تقریباً ایک سال تک مدرسہ عربیہ دارالعلوم چلّہ امروہہ میں فارسی کے مدرس رہے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا۔ حضرت مولانا سید رضا حسن رضوی امروہیؒ (داماد و برادر زادہ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ) اور مولانا انوار الحق عباسیؒ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ مولانا انوار الحق عباسیؒ سے خصوصی طور پر علم فرائض سیکھا۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہیؒ سے قدوری پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں موقوف علیہ تک تعلیم حاصل کر کے بلکہ بیضاوی اور ترمذی شریف تک پڑھ کر ۱۳۵۳ھ ہجری میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، حضرت مولانا میاں اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ، حضرت مولانا

مفتی ریاض الدین افضل گڑھی (مولانا معین الدین ناظم کتب خانۂ نواب شروانی کے والد ماجد) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سے حدیث شریف کے اسباق پڑھے کچھ تجوید حضرت قاری عبدالرحمن مکی کے شاگرد حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن پرتاپ گڑھی سے پڑھی ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری کے حلقۂ درسِ قرآن میں تین ماہ شریک رہ کر سند حاصل کی۔ لاہور کے زمانۂ قیام میں ایک جماعت کے ساتھ ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملاقات کی اور انھوں نے جاوید منزل میں اس جماعت سے تقریباً ایک گھنٹہ تک گفتگو کی۔ پھر آپ لاہور سے دیوبند واپس آئے اور ادب کی کتابیں متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مفتاح العروض وغیرہ عروض کی کتابیں پڑھیں۔ مولانا حکیم محمد عمر قاسمی دیوبندی سے طب کی کتاب شرح اسباب بھی پڑھی۔ اگلے سال معقولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا لیکن درمیان سال ہی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی زید مجدہم کی ایماء سے صدر مدرس کی حیثیت سے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ سے متعلق ہو گئے۔ اور وہاں تقریباً چار سال تک کتبِ حدیث خصوصاً بخاری شریف کا درس دیا۔ اسی زمانے میں رسالہ الفرقان بریلی سے بھی تعلق پیدا ہوا ۱۹۴۲ء میں بعض خانگی حالات سے مجبور ہو کر بریلی کی ملازمت ترک کر دی اور مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں ۳۲ سال تک درس و تدریس کے فرائض بخوبی انجام دیئے۔ حضرت مولانا عبد[illegible] ابن حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن صدیقی مفسر امروہی صدر مدرس کے [illegible] میں وفات پا جانے کے بعد حضرت مولانا فریدی صدر مدرس کے عہدے پر کام کرتے رہے، اور یہ سلسلہ اب سے ۸-۱۰ سال پہلے تک باقی رہا۔ ۱۹۷۳ء میں نزول الماء کا آپریشن ہوا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ بصارت ظاہری سے معذور ہو جانے کے بعد مدرسہ جامع مسجد امروہہ کی اعزازی خدمت انجام دی۔ آخر عمر تک مسجد محلہ جھنڈا شہید میں طالبان علم کو برابر عربی و فارسی کا درس دیتے رہے، فتویٰ نویسی اور علم فرائض کی خدمات بھی تا دمِ آخر انجام دیں۔ ہر سال رجب کے مہینے میں طلباء کو مؤطا امام مالک کا درس دینا معمولات میں سے تھا۔

۱۹۴۹ء سے تا حیات امروہہ کی تبلیغی جماعت کے امیر رہے۔ ہر جمعرات کو قبل

نماز عصر جامع مسجد جاکر تبلیغی جماعت کی تشکیل و تنظیم فرماتے تھے اور بعد عشاء واپس ہونا ہمیشہ کا معمول رہا۔

بیعت وارادت

تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحؒ سے اعظم پور یا سٹھا کے قریب نواب ساجد حسین خاں صاحب سنبھلی کے فارم کے ڈیرے میں بیعت ہوئے، حضرت مولانا مدنیؒ اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ سے تعلق بیعت وارادت قائم کیا۔ ہر سال رمضان المبارک کے آخر عشرے میں سہارنپور پہونچ کر حضرت شیخ الحدیث سے ملاقات کرنا معمولات میں سے تھا۔ حضرت شیخ الحدیث نے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کو حضرت مولانا فتح محمد میواتیؒ (خلیفہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ) اور حضرت حافظ مقبول حسن صاحبؒ (خلیفۂ مجاز حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ) سے بھی اجازت حاصل تھی۔ اکثر لوگ آپ سے بیعت ہونے کیلئے اصرار کرتے تھے مگر آپ اپنے مرشد زادوں سے ان کو بیعت کرادیتے تھے۔ خود کسی کو بیعت کرنے کا اب تک علم نہیں ہوسکا۔

خصائل

آپ اوائل عمر ہی سے متبع شریعت وسنت، پابند صوم وصلوٰۃ، نیک، صالح، متقی باحیا، خلیق ومہذب، نرم دل، سنجیدہ، بردبار اور علم دوست تھے، طبیعت میں عاجزی وانکساری، مسکینی وفروتنی، خلوص ومروت، ایثار وسلوک، شفقت وترحم، سخاوت، قناعت اور توکل واستغناء تھا، لباس وطعام میں کسی طرح کا کوئی تکلف نہ تھا۔ اکثر پھٹے ہوئے کپڑے اور ٹوٹی ہوئی جوتیاں پہن لیتے تھے، راستے میں ہمیشہ نظر نیچی کرکے چلتے تھے، اور آنے جانے والوں کو کثرت سے سلام کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ راستے میں کاغذ کا لکھا ہوا کوئی پرزہ پڑا ہوا ملا ہو اور آپ نے ادب سے اس کو اٹھاکر کسی جگہ محفوظ نہ کیا ہو۔ اسی طرح کھانا بھی نہایت سادہ کھاتے تھے۔ مرغن غذائیں بالکل مرغوب نہیں تھیں۔ کھٹی اور چٹ پٹی چیزوں کا شوق تھا۔ چٹنی اور چاول زیادہ

پسند تھے اور اکثر یہی غذا استعمال فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ مہمان کی تواضع بھی اسی کھانے سے ہوتی تھی۔

آپ کی آمدنی قلیل تھی مگر اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے دو مجذوب اور مغلوب الحال بھائیوں اور بھتیجوں پر خرچ کر دیتے تھے، جب تک بصارت رہی اپنے دو بڑے بھائیوں کی ہر خدمت اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے شادی نہیں کی اور تمام عمر "ترک و تجرد" کی حالت میں بڑی پاکبازی سے گذاری۔ آپ کی زندگی کے لیل و نہار دین اور علم دین کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے تھے۔ آپ کی پوری زندگی ایک عظیم مجاہد دین کی زندگی تھی ۱۳۸۱ھ ہجری میں آپ حج و زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہو گئے۔

آپ کے معمولات

آپ ایک عالم باعمل تھے۔ آپ کے تمام تر معمولات زندگی شریعت و سنت کے عین مطابق تھے، ہمہ وقت باوضو رہتے اور نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرتے تھے، شب کے آخر حصے میں بیدار ہو کر تہجد پڑھتے، اشراق، چاشت اور اوّابین نیز رمضان المبارک میں اپنی مسجد میں اعتکاف معمولات میں سے تھے۔ تلاوتِ قرآن بکثرت کرتے تھے۔ رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ ۱۵ شعبان، یوم عرفہ اور یوم عاشورہ کے روزے رکھنا ہمیشہ معمول رہا روزانہ بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب استغفار اور درود شریف کی تسبیحات پڑھتے تھے، زوالِ بصارت ظاہری کے بعد مسجد محلہ جھنڈا شہید میں قیام رہتا تھا۔ مسجد کے ایک حجرے میں ضروری اور خاص کتابیں رکھی تھیں اور دن و رات کا زیادہ تر وقت مطالعہ اور تصنیفی کاموں میں گذارتے تھے۔ کتابوں سے انس تھا۔ اور ان کی حفاظت کا بڑا خیال کرتے تھے۔ کتابوں کو پڑھوا کر سننا اور مضامین کا املا کرانا تا دم آخر مشغلہ رہا۔

صبح سے رات گئے تک شہر اور بیرون شہر کے سیکڑوں افراد اپنے معاملات، مشکلات اور مسائل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ ان کی باتوں کو خندہ روئی اور ہمدردی کے ساتھ بغور سنتے اور ان کو نہایت احتیاط و اعتدال کے ساتھ صحیح و صائب مشورے سے نوازتے تھے۔ اکثر مرد و عورت دعا کرانے کی غرض سے حاضر ہوتے اور مریضوں کے لئے پانی پڑھوا کر لے جاتے اور اللہ تعالیٰ انھیں شفا دیتا تھا۔ باوجود اصرار کے

تعویذ کسی کو نہ لکھتے تھے، اکثر عقیدتمند تحائف لاتے اور آپ ان کو حاضرین مجلس، طلباء و خدام اور عزیز و اقارب میں تقسیم کر دیتے تھے، بعض مرتبہ فتوحات بھی ہوتی تھیں مگر آپ انکو اپنے اوپر خرچ نہ کرتے تھے۔ یہ رقم اکثر و بیشتر بیواؤں، حاجت مندوں، سائلوں اور طالب علموں پر خرچ کر دیتے تھے۔ مساجد اور مدارس کا قیام آپ کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا چنانچہ شہر و بیرون شہر مضافات و دیہات میں اکثر مساجد و مدارس کا سنگ بنیاد رکھا۔ رمضان المبارک میں مدارس کے ہر سفیر کو اپنی جیب خاص سے کچھ نہ کچھ مالی امداد ضرور دیتے تھے، اکثر بڑے مدارس کی مجالس شوریٰ کے رکن تھے۔ آپ نہایت بلند حوصلہ اور عالی ہمت تھے معذوری اور کمزوری کے باوجود کثرت سے سفر کرتے تھے۔ بمبئی، حیدرآباد، دہلی، میرٹھ مظفر نگر، پھلاؤدہ، پھلت، نانوتہ، گھنوتی، منصور پور، میران پور، جانسٹھ، تھانہ بھون کاندھلہ، مرادآباد، سنبھل، رامپور، لکھنؤ، رائے بریلی، سیتاپور، الہ آباد، سہارنپور، دیوبند گنگوہ وغیرہ کا اکثر سفر ہوتا تھا، ضلع مرادآباد، بجنور اور رام پور کے دیہاتوں میں دور دور تک سفر کرنا بھی معمول تھا۔ آپ علمی تحقیق و جستجو کے لئے زیادہ تر سفر فرماتے تھے، آپ کے اس ذوق تلاش و تحقیق کی بدولت بعض نہایت اہم علمی نوادر منظر عام پر آئے اور تحقیق کے بعض نئے گوشے اہل علم کے سامنے آئے۔

ذوق شاعری

آپ کے اندر شعر گوئی کی صلاحیت خداداد تھی طبیعت موزوں اور ذہن رسا پایا تھا۔ تمام اصناف شاعری میں طبع آزمائی کی۔ آپ کا کلام نہایت معیاری ہوتا تھا نعت و منقبت آپ کا خاص میدان تھا۔ آپ نے بڑے ہی پرسوز، عاشقانہ و والہانہ انداز میں نعتیں کہی ہیں جو "از دل خیزد و بر دل ریزد" کا مصداق ہیں۔ آپ کا اکثر نعتیہ کلام رسالہ الحرم میرٹھ، نظام کانپور، الفرقان لکھنؤ، القاسم دیوبند، اور دُرِ مقصود امروہہ وغیرہ رسائل میں شائع ہوا، آپ کا مجموعۂ کلام طبع کرانے کا ارادہ ہے۔

ذوق تصنیف و تالیف

تصنیف و تالیف آپ کا سب سے بڑا مشغلۂ حیات تھا۔ پچاس سال سے زائد عرصے تک مختلف موضوعات پر علمی و تحقیقی مضامین قلمبند کئے۔ اس عرصے میں اکثر و بیشتر مضامین رسالہ الفرقان لکھنؤ میں شائع ہوئے۔ آپ کا اسلوب نگارش منفرد تھا اور

آپ ایک صاحب طرز ادیب و انشاء پرداز تھے۔ آپ کو حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ، تصوف علم رجال، علم انساب اور علم نعت میں نہایت وسیع معلومات تھیں، آپ بہترین مترجم و مؤلف تھے۔ بزرگوں کے مکتوبات و ملفوظات کی تلخیص اور ترتیب و تدوین کا خاص ملکہ تھا، عصر حاضر میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے کار تجدید اور فکر ولی اللہی کے رمز شناس تھے۔

تجلیات ربانی، مکتوبات معصومیہ، سفر نامۂ حجاز، تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی و صایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، تذکرہ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ مکتبۂ الفرقان میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ چند کتابیں زیر طبع ہیں۔ انکے علاوہ مکتوبات اکابر دیوبند فرائد قاسمیہ، مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مکتوبات سید العلماء حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ) وغیرہ کتابیں بھی آپ کی یادگار ہیں، مکتوبات اکابر دیوبند اور فرائد قاسمیہ طبع ہو چکی ہیں بقیہ کتابیں زیر طبع ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے مختلف اوقات میں جو مضامین تحریر کئے ان کی تعداد بھی کئی سو تک پہونچے گی، ۱۹۸۱ء میں صدر جمہوریہ ہند نے آپ کو فارسی کی سند اعزاز اور انعام سے بھی نوازا تھا۔

مرض الموت اور وفات

شعبان ۱۴۰۳ھ سے علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی حالت میں رمضان المبارک کے پورے روزے رکھے اور تراویح پڑھیں۔ رمضان المبارک میں ۲-۳ مرتبہ بخار آیا اور عید کے بعد کمزوری محسوس ہونے لگی اور پھر بخار کا سلسلہ شروع ہو گیا ایک ماہ سے زائد سخت علالت کے بعد رو بصحت ہوئے اور اپنے معمولات کے مطابق وقت گذارنے لگے۔ اس دوران یونانی علاج جاری رہا، کچھ عرصے بعد پھر مرض عود کر آیا۔ سینے پر بکثرت بلغم بننے لگا اور حرارت قائم ہو گئی جب یونانی علاج سے فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا۔ ڈاکٹر نے ورم جگر اور گردوں کی کمزوری تجویز کی جس کا ایک ماہ سے زائد علاج کیا گیا مگر کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا ضعف و نقاہت اس درجہ بڑھ گئی کہ پلنگ پر کروٹ بدلنا بھی مشکل تھا۔ لیٹے لیٹے با جماعت نماز ادا کرتے تھے۔ صبح سے شام تک سیکڑوں عقیدت مند عیادت کیلئے آتے تھے، اور آپ ان سب سے گفتگو اور مصافحہ کرتے تھے، ہوش و حواس آخر وقت تک درست تھے، دوران علالت کتابیں بھی سنیں اور خطوط کا جواب بھی املا کرایا۔ بستر علالت پر انتقال سے ۲-۳ دن پہلے جو کتاب مولانا محب الحق صاحب سے پڑھوا کر سنی وہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب "قبلہ نما" تھی۔

انتقال کے دن ایک گھنٹہ پہلے مولانا محب الحق صاحب سے فرمایا کہ مولانا گنگوہی تشریف لائے تھے ــــ آپ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا چنانچہ دوران علالت ایک دن فرمایا کہ مجھے الہامات ہو رہے ہیں اور میں اب جا رہا ہوں۔

وفات سے ایک دن پہلے طبیعت کو کچھ سکون محسوس ہوا، سہ پہر اور شب میں تکلیف میں بھی کچھ کمی سی ہو گئی۔ ۵ ربیع الاول منگل کے دن صبح چائے اور دوا کے ایک دو چمچے بھی لئے اس کے بعد رفع حاجت کیلئے اٹھنے کو فرمایا نفیس احمد صاحب خادم خاص نے پلنگ سے نیچے اتار کر قضاء حاجت سے فارغ کرایا۔ فارغ ہو کر بہت زیادہ پانی سے طہارت کی اور پلنگ پر لیٹ گئے۔ فوراً ہی ضعف و نقاہت کی وجہ سے ایک ہلکا قلبی دورہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے نہایت آسانی کے ساتھ روح پرواز کر گئی ــــ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

آپ کا وصال ۵ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ہجری مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء روز سہ شنبہ بوقت ۸ بجکر پچاس منٹ صبح میں ہوا خبر وفات جلد ہی دور دور تک پھیل گئی۔ امروہہ اور اسکے مضافات کے لوگ جوق در جوق آنے لگے مراد آباد، رام پور، سنبھل اور دہلی وغیرہ سے بھی بہت حضرات آئے۔ علی گڑھ اور دہلی سے آپکے عزیز و اقارب بھی امروہہ پہنچ گئے تھے۔ آپ کی تدفین میں اہل امروہہ نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ لوگوں کی کثیر تعداد اس پر مصر تھی کہ آپ کو جامع مسجد کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ عزیز و اقارب آپ کو خاندانی قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ اس معاملے میں بار بار تکرار ہوئی۔ بالآخر حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم کے مشورے سے آپ کو مسجد محلہ جھنڈا شہید کے ایک حجرے میں دفن کرنا طے پایا۔ بعد نماز عشاء ہزارہا ہزار لوگوں کے مجمع کے ساتھ حضرت مولانا سید اسعد مدنی زید مجدہم نے جامع مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی جنازہ جامع مسجد سے شہر کے اندر گھومتا ہوا مدفن تک لایا گیا جس میں ۱۵-۲۰ ہزار سوگواروں اور عقیدتمندوں کا ایک اژدہام تھا، اور عورتیں اور مرد زار و قطار روتے ہوئے نظر آتے تھے، سیکڑوں لوگوں کے جوتے راستے میں رہ گئے۔ صبح میں سڑکوں پر کئی جگہ جوتوں کے ڈھیر دیکھے گئے۔ شب میں ۱۰ بجکر چالیس منٹ پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

ایک خواب: حضرت مولانا فریدیؒ کی وفات سے ۲-۳ دن پہلے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ طالب علموں کا ایک مجمع کسی چیز کی تلاش کر رہا ہے انھوں نے دریافت کیا کہ کیا چیز ڈھونڈھ رہے ہو اس پر طالب علموں نے جواب دیا کہ ایک موتی کھو گیا ہے ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں" ــــ

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ میرے ماموں تھے۔ میرے ددھیالی اور ننہالی دونوں سلسلے دوسری پشت میں ایک ہو جاتے ہیں۔ ماموں صاحب کے دادا (مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر) میرے پردادا (منشی ارشاد علی صاحب مرحوم تحصیلدار) کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے اور ان کی ساری تعلیم و تربیت ان ہی کی نگرانی میں ہوئی تھی، ہمارے خاندان میں علم سے دلچسپی اور دین سے تعلق کی روایت بہت قدیم ہے۔ ہندوستان میں اس خاندانی روایت کے آخری ترجمان ماموں نسیم احمد صاحب فریدیؒ تھے، بلکہ بقول "اخبار آزاد ہند" (کلکتہ مورخہ ۲۹ راکتوبر ۱۹۸۸ء) وہ امروہہ کے آخری جید عالم تھے، جن کے انتقال سے اس تاریخی قصبے کے علماء دین کے سلسلے کی آخری کڑی بھی ختم ہو گئی"۔ یہی نہیں بلکہ امروہہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علمی جانشینوں کا جو سلسلہ حضرت مولانا احمد حسن محدثؒ سے شروع ہوا تھا، وہ ان پر آکر ختم ہو گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تاریخی عہد آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

تراچہ آگہی کہ مرا از غروب ایں خورشید
چہ گنج ہائے سعادت زیان جاں آمد!

پاکستان میں ہماری خاندانی روایات کے آخری امین، ڈاکٹر برہان احمد صاحب فاروقی مدظلہٗ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ ہمارے خاندان میں ویسے تو چشتیہ سلسلہ سے

لہ حضرت مجدد صاحبؒ پر ان کی کتاب "مجددؒ کا نظریۂ توحید" مجدد صاحبؒ کی فکر کو مغربی حلقوں میں روشناس کرانے کی پہلی اور موثر کوشش تھی اور اپنے موضوع پر مستند سمجھی جاتی ہے۔ وہ ماموں نسیم احمد صاحبؒ کے چچازاد بھائی ہیں۔

وابستگی رہی ہے لیکن ان دونوں بزرگوں نے اپنی ساری ذہنی صلاحیتوں کو حضرت مجدد صاحبؒ اور ان کے سلسلہ کی تاریخ اور تعلیم کی تحقیق میں لگا دیا۔ اور اس ضمن میں وہ خدمات انجام دیں جو خاندان کے لئے باعث افتخار ہیں۔

اس شخص کے غم واندوہ کا اندازہ کون کرسکتا ہے جس کو اپنے ایک بزرگ کے سانحہ ارتحال ہی پر نہیں، بلکہ خاندان کی ایک روایت کے خاتمہ پر اپنے دل کے داغ دکھلانے پڑیں۔

چراغ انجمن حیرت نظر بودند
کنوں بہ پردۂ دل داغہائے خاموشند

لیکن جناب محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب زادمجدہٗ کے حکم کی تعمیل میں یہ مضمون سپرد قلم کررہا ہوں، اور اپنی علمی بے بضاعتی سے ڈرتا ہوں کہ اس کا حق کیسے ادا کر پاؤں گا۔

سیرت وشخصیت

مولانا فریدیؒ کی زندگی اخلاق کے اس اصول کی جیتی جاگتی تصویر تھی ــــ

خالطوا الناس باخلاقکم وخالفوھم فی اعمالکم یعنی اخلاق میں سب آدمیوں سے شیر وشکر ہو، اور اعمال میں سب سے ممتاز۔ ان کے لباس، ان کے طرز زندگی ان کی بودو باش، ان کے انداز گفتگو سب میں سادگی تھی، لیکن ان کے عادات واطوار میں ان کی شخصیت کی عظمت پکارتی تھی۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ انسان ہم میں سے ہوتے ہوئے ہم جیسا نہیں۔ ؎ گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!

انھوں نے علم کو انکسار، فروتنی اور تواضع کی گدڑی میں چھپالیا تھا، اور رومیؒ کی اس ہدایت پر عمل کیا تھا۔ علم رابر جاں زنی یارے بود

جب ان کے انتقال کی خبر لکھنؤ آئی تو میں جناب محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب زادمجدہٗ کے پاس ندوہ میں موجود تھا۔ یہ اندوہناک خبر سن کر وہ کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش ہو گئے، پھر ایک تعزیتی جلسہ بلایا، مجھے بہ اصرار اپنے قریب بٹھایا اور مولانا فریدیؒ سے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر کرنے کے بعد نہایت درد بھرے انداز میں ان کی خصوصیات بیان کیں۔ جس سے بہتر ان کی شخصیت کی عکاسی ممکن نہیں۔ فرمایا:

"مولانا نسیم احمد فریدی کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے۔ علم سے ان کو وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے۔ علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تالیف کرنے والے بہت سے مل جائیں گے لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جس کا ذوق نہیں بلکہ ذائقہ بن چکا ہے، علم ہی ان کے لئے غذا، دوا، شفا سب کچھ ہو وہ مولانا نسیم احمد فریدی تھے۔

فریدی صاحب مرحوم کی دوسری اہم خصوصیت ان کی سادگی، تواضع، فروتنی اور اخلاق ہے۔ مولانا مرحوم اتنی سادگی سے رہتے تھے کہ اجنبی آدمی انھیں دیکھ کر بالکل نہیں سمجھ سکتا تھا کہ وہ کوئی بڑے عالم و مصنف ہیں۔ ہر شخص سے بہت تواضع اور اخلاق سے ملتے تھے"

جب مولانا نے فرمایا کہ "وہ ہمارے اسلاف کی سیرت و کردار کا نمونہ تھے" تو مجھے محسوس ہوا کہ خاندانی تعلق سے قطع نظر، ہم نے کیا کھو دیا ہے

اک دھوپ تھی گئی آفتاب کے ساتھ

مولانا فریدیؒ کی سادگی دل پر اثر کرتی تھی۔ وہ غریب لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے معمول تھا کہ جب کسی متعارف شخص کا امروہہ میں انتقال ہوتا تو مجھے اطلاع کرتے اور لکھتے کہ فوراً فلاں شخص کو فلاں پتہ پر تعزیت کا خط لکھو۔ امروہہ میں ہمارے مکانات کے درمیان، ایک مسجد ہے جو ہمارے ہی بزرگوں نے بنوائی تھی۔ ہمارے کئی مکانات موجود تھے بلکہ خالی پڑے تھے، لیکن وہ مسجد میں رہتے تھے اور اپنا سارا وقت وہیں گزارتے تھے۔ کسی وقت آنے والوں کا سلسلہ نہ ٹوٹتا تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے۔ اس کے حالات دریافت کرتے اور دلجوئی کرتے تھے۔ کتنا ہی بے وقت کوئی آجائے، میں نے کبھی ان کو اس سے کبیدہ خاطر ہوتے نہیں دیکھا۔ اخلاق و کردار کی یہ خوبیاں دل کو موہ لیتی تھیں۔

طبیعت میں ضبط اور تحمل بہت تھا، لیکن دو موقعوں پر اپنے پر قابو نہ پا سکتے تھے اور غصہ سے بپھر جاتے تھے۔ اگر کسی کو شریعت کی کھلی بے حرمتی کرتے ہوئے پاتے، یا کسی کو عربی مدارس کے طلباء کے ساتھ حقارت سے پیش آتے دیکھتے تو غصہ کو قابو میں نہ رکھ پاتے تھے۔ اس سلسلہ میں نواب وقار الملک مرحوم کا واقعہ اکثر بیان کرتے تھے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ سنہ ۱۹۰۶ء میں طالب علموں کی ایک جماعت کے رکن کی حیثیت سے ان سے ملنے امروہہ آئے تو نواب صاحب جو اس وقت مسلمانوں

کے مسلمہ لیڈر تھے، مشایعت کے لئے گھر سے گلی، اور گلی سے سڑک تک نکل کر آئے اور یکہ پران کو سوار کرنے کے بعد واپس ہوئے۔ وہ یہ توقع کرتے تھے کہ ان عربی مدارس کے طلبار کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کیا جائے، اگر کسی میں اس کی کمی پاتے تو اظہار ناراضگی کرتے۔ وہ ان طلبار کو دینی زندگی کا ستون سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ان ہی کی وجہ سے شہر و دیہات میں دینی شعار قائم ہیں۔

مولانا فریدیؒ کا لباس اتنا سادہ ہوتا تھا کہ ان کے منصب و مرتبہ کا اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متعلق مولانا تھانویؒ ایک قصہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ جارہے تھے۔ راستہ میں ایک جولاہے نے اپنا ہم قوم سمجھ کر سوت کا بھاؤ پوچھ لیا۔ مولانا نے جواب دیا: بھائی، آج بازار جانا نہیں ہوا۔ معلوم نہیں مولانا فریدیؒ کے ساتھ ایسے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے۔ غالباً یہ روش قاسمی ہی ان کے لئے مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ اس سلسلہ میں ابتدائی زمانہ کا ایک واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ ان کی والدہ مرحومہ نے ایک بار ان کے لئے بہت اچھے کپڑے بنائے۔ پہن کر باہر نکلے۔ تو کچھ ایسے لوگوں نے جو ان کو راستے میں ملتے تو سلام دعا نہیں کرتے تھے، سلام کیا۔ گھر واپس آئے تو ہنس ہنس کر بولے: "آج تو ان کپڑوں کو بہت سلام ہوئے" اس کے بعد شاید ہی کبھی انھوں نے پہننے میں کوئی اہتمام کیا ہو۔

گفتگو کو کبھی بحث یا مجادلہ کا رنگ اختیار کرنے نہیں دیتے تھے دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے نہایت نرمی سے بات کی وضاحت کرتے تھے۔ اور اکثر دوسرے کو اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے اکثر ایسا محسوس ہوا کہ ان کا عمل اس قرآنی ہدایت پر رہتا تھا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔

یعنی اے نبی راہ خدا کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور بحث کرو ان سے ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔

انھوں نے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ (جب تک بینائی نے ساتھ دیا مسلسل، جب معذور ہو گئے تو کبھی کبھی) تمام قریبی اضلاع کے ایک ایک گاؤں کا دورہ کیا تھا۔ اور جن لوگوں نے ان جماعتوں میں ان کے ساتھ سفر کئے ہیں ان کا بیان ہے کہ وہ اپنے سیدھے سادھے انداز سے دل کو موہ لیتے تھے۔ اکثر دیہات کے لوگ ان کے پاس آتے، عقیدت سے ملتے اور وہ نہایت محبت سے ان کی میزبانی کرتے۔ کوئی بڑا آدمی ہوتا تو اس کی میزبانی کی فکر زیادہ نہیں کرتے تھے لیکن کبھی

ایسا نہیں ہوا کہ کوئی غریب آدمی آیا ہو اور انھوں نے اپنے کھانے میں اس کو شریک نہ کیا ہو۔ دیہات کے لوگوں میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ان کے انتقال پر ہوا۔ اس کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی، اور دور دور سے بیل گاڑیوں، ایکوں، تانگوں پر سوار دیہات کے لوگ ان کے جنازے میں شرکت کے لئے جمع ہونے لگے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کے سوچنے، کہنے اور عمل کرنے میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ظاہر و باطن کا فرق مٹ جاتا ہے تو اس کی زندگی میں ایک مقناطیسی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی کیفیت تھی جو مولانا فریدی میں پیدا ہو گئی تھی۔ جناب محترم مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد نے اپنے تعزیت نامہ میں لکھا تھا:

"یوں تو حضرت مولانا کو جو کوئی تھوڑی دیر کے لئے بھی برت لیتا تھا اسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ یکایک دور صحابہ کرام میں پہنچ گیا ہے اور ان کی سیرت کے ایمان افروز مناظر اس کی نگاہوں میں پھرنے لگتے تھے"

ماموں صاحب کو میں نے کبھی ظاہری اوراد و وظائف میں مشغول نہیں دیکھا۔ لیکن وہ ہمیشہ باوضو رہتے تھے، کتنا ہی ضروری کام ہو، کتنی ہی مصروفیت ہو لیکن بے وضو رہنا ایک منٹ کے لئے بھی گوارا نہ تھا۔ وہ غالباً "ذکر خفی" اور "خلوت در انجمن" پر عامل تھے۔ بعض اوقات چادر اوڑھے لیٹے رہتے اور کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ کس کام میں مصروف ہیں۔ غالباً اخفاءِ حال کے خیال سے اوراد و وظائف کی نمائش سے پرہیز کرتے تھے۔ علی گڑھ میں اکثر میرا لڑکا مجیب سلمہٗ (جو اب بمبئی میں عثمان بنک میں ملازم ہے) ان کے ساتھ کمرے میں ہوتا تھا۔ وہ خود نماز کا پابند تھا اور صبح سویرے اٹھتا تھا۔ اس کو رات کے وقت کئی کئی بار پکار کر پوچھتے تھے کہ "کیا نماز کا وقت ہو گیا؟" وہ کہتا کہ ابھی تو ۲ یا ۳ بجے ہیں۔ کہتے ذرا گھڑی دیکھ کے بتاؤ۔ نماز باجماعت کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ آخری وقت میں جب خود رضائی اوڑھنے کی بھی طاقت جسم میں نہ رہی تھی، اور کروٹ دلانے کے لئے دو دو آدمی سہارا دیتے تھے، نماز باجماعت کا یہ اہتمام تھا کہ چارپائی صف میں لگا دی جاتی تھی اور وہ انگلیوں کے اشارے سے باجماعت نماز ادا کرتے تھے۔ میں نے اپنی والدہ مرحومہ سے سنا تھا کہ نماز کی پابندی انھوں نے بہت ہی چھوٹی عمر سے شروع کر دی تھی۔ روزوں کا حال بھی یہی تھا۔ کبھی بیماری میں بھی ان کے روزے قضا نہیں ہوئے۔ نماز روزہ ان کی زندگی کا معمول بن گیا تھا جس کو بلا تکلف انجام دیتے تھے۔

ماموں صاحب نے شادی نہیں کی تھی۔ شروع زمانہ میں میری والدہ مرحومہ ان سے شادی کے لئے کہتی تھیں تو وہ مسکرا کر خاموش ہو جاتے تھے، نہ کبھی ہاں کرتے نہ ناں۔ گو ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں سے آزاد رہے لیکن اپنے بھتیجوں کی تعلیم و تربیت کی (جو ایک بڑے بھائی کے دماغی عدم توازن کے باعث ایک طرح بے سہارا ہو گئے تھے) اپنی اولاد کی طرح دیکھ بھال کی۔ اکثر ان کی یہ کیفیت دیکھ کر حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کا (جن سے ان کو خود بڑا تعلق تھا اور جن کی مجلسوں کا حال انھوں نے بڑی کیفیت کے ساتھ لکھا ہے) کا یہ واقعہ یاد آ جاتا ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی تھی، لیکن سرسید کے خاندان سے ایسا تعلق تھا کہا کرتے تھے "کہ گو خدا تعالیٰ نے مجھے اولاد کے جھگڑوں سے آزاد رکھا ہے لیکن متقی (سرسید کے والد) کی اولاد کی محبت ایسی دیدی ہے کہ اس کے بچوں کی تکلیف یا بیماری مجھ کو بے چین کر دیتی ہے۔"

ماموں صاحب نے اپنے دو مریض بھائیوں کی دیکھ بھال اور تین بھتیجوں کی نگرانی اور تعلیم کے سلسلہ میں جن صعوبتوں کا سامنا کیا ہے، اور جس تحمل اور بردباری سے ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہوئے ہیں، اس کا علم کم لوگوں کو ہے۔ لیکن یہ ان کی سیرت کا وہ پہلو ہے جس میں ان کے کردار کی حقیقی بلندی جھلکتی ہے۔ انھوں نے امروہہ کی معمولی ملازمت پر قناعت کر لی اور باہر سے کتنے ہی دعوت نامے آئے لیکن کسی منصب کو قبول نہیں کیا۔ میرے فاضل دوست مرحوم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی جب مسلم یونیورسٹی میں دینیات کے ڈین تھے، انھوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ ناظم دینیات کا عہدہ قبول کر لیں، لیکن آمادہ نہ ہوئے۔ مجھے بھی بیچ میں ڈالا گیا میں نے ان کو ہموار کرنے کے لئے کہا کہ یہ وہ عہدہ ہے جس پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے داماد مولانا عبداللہ مرحوم بھی کام کر چکے ہیں، لیکن انھوں نے اس طرح قطعی طور پر انکار کیا کہ پھر دوبارہ کہنے کی جرأت ہی نہیں ہوئی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ پورے گھر کے نگراں تھے اور گو خود علائق دنیاوی سے اپنا دامن آزاد رکھا تھا، لیکن بھائیوں اور ان کی اولاد کے لئے اپنی زندگی کی ہر آسائش کو حقیقتاً قربان کر دیا تھا۔ ان کی گھر سے باہر کی زندگی سے کہیں زیادہ دلکش لیکن عبرتناک ان کی خاندانی زندگی کا یہ رخ ہے، جو ان کی سیرت کے ایک نہایت ہی عظیم پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔ وہ اللہ کے لئے جیتے اور اس کے بندوں کی خدمت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

میری والدہ مرحومہ کو ان سے اور ان کو میری والدہ سے بڑی محبت تھی۔ اگر کچھ دنوں

میرٹھ نہ آپاتے تو وہ بے چین ہو جاتیں۔ اکثر رمضان میں میرٹھ آجاتے تھے اور یہیں سے دیوبند اور سہارنپور جاتے تھے۔ میرے والد مرحوم (مولوی عزیز احمد صاحب نظامی وکیل) کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا تھا۔ ماموں صاحب اتفاقاً اس وقت میرٹھ میں موجود تھے۔ میں علی گڑھ میں تھا۔ جب میرٹھ پہونچا تو ان کو عجیب ذہنی اور قلبی کرب میں مبتلا پایا۔ بڑا ضبط کرتے تھے، لیکن آنسو تھے کہ داڑھی پر بہے جا رہے تھے۔ ان کے پریشان کن خاندانی حالات میں غالباً ہمارا گھر ہی تنہا وہ گوشہ تھا جہاں ان کو کچھ اطمینان اور سکون مل جاتا تھا۔ اب وہ بھی ختم تھا۔ جنازے کی نماز خود پڑھائی، لیکن اس کے بعد یہ حال ہو گیا کہ جنازے کے ساتھ قبرستان تک نہ جا سکے اور کراہتے ہوئے آکر بہن کے پاس بیٹھ گئے۔ دونوں کی زبانیں خاموش تھیں لیکن دل، درد و غم کی داستانوں سے لبریز تھے میرے والد ان سے بالکل بچوں جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ کبھی سمجھاتے کبھی ڈانٹتے بھی، لیکن ان کے چہرے پر کبھی شکن نہ آتی اور ان سے جس محبت سے "بھائی بھائی" کہہ کر گفتگو کرتے وہ آواز آج تک کانوں میں گونج رہی ہے۔ اس زمانہ میں کئی بار علماء کو بلا کر گھر میں وعظ کرائے اور جب تک والدہ مرحومہ میرے ساتھ علی گڑھ نہ آگئیں، میرٹھ میں کافی عرصہ تک رہے۔

تین سال ہوئے جب والدہ مرحومہ کا علی گڑھ میں انتقال ہوا۔ اتفاقی بات تھی کہ اس وقت بھی وہ یہاں موجود تھے۔ بینائی بالکل جا چکی تھی۔ سہارے سے چلتے تھے۔ ادھر میری ماں نے آخری سانس لیا، ادھر وہ بے تابانہ اٹھ کر پاؤں سے لپٹ گئے اور بوسہ دیکر کہنے لگے "میری ماں کی طرح تھیں"۔ ان کی آنکھوں میں تو روشنی کئی برس سے نہیں رہی تھی لیکن اس وقت ان کی آنکھوں کا اندھیرا دوسرے بھی دیکھ سکتے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ والدہ مرحومہ کے انتقال کے بعد وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ جب کبھی ان کی طبیعت کی ذرا سی بھی ناسازی کی اطلاع والدہ مرحومہ کو ملتی تھی تو وہ باصرار ان کو میرٹھ، یا علی گڑھ بلا کر علاج کراتی تھیں۔ میرٹھ کا ایک منظر بار بار ذہن میں ابھر کر آتا ہے۔ ماموں صاحب کے چہرے پر چند پھنسیاں نکلیں اور پورا چہرہ متورم ہو گیا۔ ڈاکٹری علاج پسند نہیں تھا۔ حکیم نے نہایت کڑوی دواؤں کا نسخہ لکھا۔ اس قدح کا پلانا ایک مسئلہ تھا۔ بڑی بڑی دیر والدہ مرحومہ ایک ہاتھ میں دوا کا پیالہ اور دوسرے میں مٹھائی کی پلیٹ لئے کھڑی رہتی تھیں اور بڑے محبت بھرے

انداز میں کہتی تھیں "نسیم چندا! یہ دوا پی لو تو مٹھائی ملے گی" وہ بالکل اس طرح انکار کرتے جیسے کوئی اپنی ماں سے نخرے کرتا ہے۔ ناراض ہوجاتے اور کہتے "میں امروہہ جارہا ہوں" لیکن وہ دوا پلائے بغیر نہ ہٹتی تھیں۔ اس انکار و اصرار میں محبت کے کتنے معصوم جذبات پنہاں تھے! ؎

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

آخری علالت کے زمانہ میں ان کی آنکھیں بہن کی محبت کو ضرور تلاش کرتی ہوں گی لیکن ان کے شاگردوں اور متعلقین نے جس طرح ان کی خدمت کی، اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ جب میں مزاج پرسی کے لئے امروہہ گیا تو شاگردوں کی اس خدمت کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا۔ اور بے اختیار زبان پر آگیا کہ "جو کام ہمارے کرنے کا تھا وہ آپ لوگ کر رہے ہیں" فوراً میری طرف اپنا رخ کیا، ان کے چہرے سے اپنے رب کی احسانمندی کا جذبہ ٹپکتا تھا اللہ نے ان کو اولاد سے محروم کیا تھا، لیکن ہر دل دردمند کو ان کی اولاد بنا دیا تھا۔ انھوں نے ایک ایک تیمار دار کو بلا کر مجھ سے ملایا اور تعارف کرایا۔ جب رخصت ہونے لگا تو میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، فرمایا "فی امان اللہ، ۲۴ گھنٹے بعد پھر" ———— میں لکھنؤ چلا گیا۔ ۲۴ گھنٹے پورے نہ ہوئے تھے کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور امروہہ میرے لئے صرف بزرگوں کا قبرستان رہ گیا۔

مولانا فریدیؒ کی پوری زندگی علمی جدوجہد کی زندگی تھی۔ صبح سے رات تک (جب تک بینائی نے ساتھ دیا) مطالعہ میں مصروف رہتے، کتاب کبھی ہاتھ سے نہ چھٹتی۔ اکثر لیٹ کر پڑھتے تھے، اسی میں نیند آجاتی، کتاب سینہ پر رہتی۔ جس جگہ جاتے وہاں کے کتب خانوں کو دیکھنے کے لئے بے چین رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حافظہ بہت اچھا عطا فرمایا تھا۔ جو پڑھتے تھے ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ ہوجاتا تھا۔ تذکروں، انساب، تاریخ و رجال پر وسیع نظر تھی اور اس خصوصیت میں وہ اپنے ایک ننہالی بزرگ مرحوم حکیم سید حسن مثنیٰ صاحب رضوی ندوی[1] سے کچھ آگے ہی تھے۔ منشاء الٰہی کو کون سمجھ سکتا ہے کہ جب ان کی اس معلومات کا ذخیرہ ایک انبار رنگ اختیار کر رہا تھا کہ متعدد عظیم الشان علمی تصانیف وجود میں آسکتی تھیں، وہ بصارت

---

[1] ان کا تذکرہ مولانا علی میاں نے "پرانے چراغ" (حصہ اول ص ۲۸۴-۲۷۳) میں کیا ہے

سے محروم ہو کر بے بس ہو گئے۔ اور اپنی معلومات کا سفینہ سینے میں لئے اپنے معبود حقیقی کے پاس پہونچ گئے۔ اللہ علم کے اس شیدائی کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔

ان کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ میں جب کبھی ملک سے باہر جاتا وہ برابر کتب خانوں کا حال معلوم کرتے رہتے۔ خود ہندوستان میں کہیں جاتے تو مجھے تفصیل سے لکھتے کہ اس سفر میں کیا کیا کتابیں نظر سے گذریں اس سلسلہ میں ان کے دو خطوط کے کچھ حصے یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے علمی مذاق کا ثبوت اس سے بہتر کہیں نہیں مل سکتا۔ (یہ طولانی اقتباس معذرت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے)

۱۹ شوال المکرم ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۶۲ء کو مجھے لندن لکھتے ہیں:

"بہت دنوں کے بعد تمہارا خط جو تم نے غالباً ۲۰ مارچ کو لکھا تھا ۲۳ مارچ کو مل گیا۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ تمام حالات معلوم ہوئے.... کتابوں کے بارے میں جو لکھا ہے اس کو پڑھا۔ ہر کتب خانہ سے متعلق ضروری یادداشت لکھتے رہنا بلکہ اگر مضمون کی شکل ہو جائے تو اچھا ہے۔ بعد کو بہت سی ضروری باتیں رہ جاتی ہیں۔ جن کتابوں کو تم نے لکھا ہے ان میں سے مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں: شرح حزب البحر: یہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہ کی لکھی ہوئی ہے اور ھوامع کے نام سے ہے۔ میرے پاس موجود ہے اور شاید تمہارے پاس بھی ہے مطبع احمدی دہلی میں چھپی تھی۔ رسالہ.... وسوالات وجوابات یہ دونوں رسالے بھی حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی کے چند رسائل کے ساتھ شائع ہو گئے تھے پھلت سے جو کتاب میں لایا تھا اس میں یہ رسالے مع دیگر رسائل کے ہیں: رسالہ لطائف اس کی شروع کی عبارت غور سے دیکھنا، یہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ کا رسالہ نہ ہو جس کا نام الطاف القدس ہے جو لطائف پر ہے۔ اس کے دیباچے میں انھوں نے ظاہر فرمایا ہے کہ لطائف کا علم متاخرین صوفیاء کو خاص طور پر عطا فرمایا گیا ہے۔

مثنوی خواجہ باقی باللہ چھپ گئی ہے، میرے پاس ہے۔ شرح قصیدہ شاہ محمدی معلوم نہیں کہ کس کی کتاب ہے، اس کو غور سے پڑھنا۔ غالباً یہ شاہ رفیع الدین کا رسالہ نہ ہوگا۔

کلیات باقی باللہ کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کتاب شائع ہوئی یا نہیں؟

حضرت خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ خورد کے کچھ حالات سید کمال سنبھلیؒ نے اسراریہ میں لکھے ہیں اور اسی میں اپنے ایک رسالے جمع الجمیع کا حوالہ دیا ہے کہ تفصیل سے میں نے اس میں لکھے ہیں ۔ صاحب اسراریہ خواجہ خوردؒ کے مرید باخلاص ہیں ۔ ملفوظات خواجہ خورد بہت ممکن ہے سید کمالؒ کے قلم سے تفصیل سے لکھے ہوئے ہوں جن کو نقل کرایا گیا ہو یا اسراریہ میں جو حالات و ملفوظات درج ہیں ان کو نقل کرلیا ہو ۔ اسراریہ میں شیخ من گفتا کہہ کر ملفوظ کو شروع کیا ہے، اگر وہاں بھی یہی طرز ہے تو اسراریہ کا اقتباس ہے ۔ حالات و ملفوظات خواجہ باقی باللہ، زبدۃ المقامات میں بہت تفصیل سے ہیں ۔ اگر زبدۃ المقامات سے مقابلہ ہوسکے تو کرلینا ۔ اگر اس میں موجود نہ ہوں تو ضرور ان حالات و ملفوظات کا عکس لینا چاہیئے ۔ ملفوظات خواجہ باقی باللہ جو خواجہ خورد کے قلم سے ہیں وہ بھی نقل کرالیے جائیں یا ان کا عکس لے لیا جائے ۔ مگر خواجہ خوردؒ کی عمر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی وفات کے وقت کوئی گیارہ بارہ سال کی ہوگی ۔ خواجہ باقی باللہؒ کے صحیح حالات علاوہ اسراریہ اور زبدۃ المقامات کے یہاں نہیں ملتے ۔ وہاں پر تذکرۃ المشائخ مؤلفہ حاجی رفیع الدین مرادآبادیؒ کا خیال رکھنا اور کسی قیمت پر بھی عکس حاصل ہو اس کا عکس لے لینا ۔ ایک کتاب القول الجلی فی ذکر الولی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی سوانح عمری ہے، وہ شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے لکھی ہے ۔ کتب خانہ کاکوری میں اس کا ایک نسخہ ہے ۔ اگر وہاں ہو تو اس کا عکس بھی لے لینا ۔ وہاں بزرگان ہند کے خطوط (ان کے قلم کے لکھے ہوئے رکھے ہوں گے) ان کو ضرور دیکھنا ۔ یقیناً یہ ذخیرہ وہیں مل سکے گا ۔

امروہہ کے ایک شاعر میر تقی میرؔ کے زمانہ میں سعادت امروہوی گذرے ہیں ۔ سنا تھا کہ ان کا دیوان لندن کے کتب خانہ میں رکھا ہوا ہے — مولانا علی میاں آج کل علی گڑھ میں آنکھ کا آپریشن کرانے آئے ہوئے ہیں، دو ایک ہفتہ ہسپتال میں رہیں گے ۔ میرے پاس خط آیا تھا، نزول الماء کی شکایت ہوگئی ہے ۔ تم خطوط حضرت سید شہیدؒ کا اول حصہ اور آخری حصہ اور کم از کم دو اسمار جن کو خطوط لکھے ہیں ضرور دیکھ لینا اور ایک گہری نظر ڈال لینا ۔ اگر ضرورت ہوئی تو اس کا عکس بعد کو لے لیا جائے گا ۔ اگر مولانا علی میاں نے اس کے

عکس کو لکھا ہو تو اس کا عکس بھی لے لینا .....

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ان کی کامیابی کا اور مزاج پرسی کا خط بھیجدیا ہوگا ..... میں ایک خط اور لکھوں گا جو تفصیلی ہوگا "

خود حیدرآباد کا سفر کیا تو ۲۵ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو لکھا :—

" حیدرآباد کا سفر بخیر و عافیت طے ہوا ۔ تین چار دن بارش کی وجہ سے شہر میں نکلنا نہیں ہوا ۔ عجیب پر رونق شہر ہے ۔ قلمی کتابوں کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے آصفیہ، عثمانیہ، سالار جنگ اور سعیدیہ میں تقریباً ایک لاکھ قلمی کتابیں ہر ہر فن پر مشتمل ہیں ۔ باقی پرائیوٹ کتب خانے علیحدہ ہوں گے ۔ آصفیہ میں پانچ چھ دن گیا فقط فن تصوف کی فہرست دیکھی اور انہیں کی چند کتابوں کا بغور یا سرسری مطالعہ کیا حضرت خواجہ خورد ؒ کے ملفوظات کا ایک نسخہ یہاں پر ملا ۔ اس کا انتخاب نقل کر لیا جس کا ترجمہ الفرقان میں آئے گا ۔ فہرست میں بعض کتابوں کے نام اور بعض مصنفین کے ناموں کے آگے ان کی وطنی نسبت غلط ہے ۔ مثلاً حضرت شاہ محمد مجتبیٰ عرف مجا قلندر لاہر پوری ؒ کے (جو کہ کاکوری خاندان کے تین چار واسطوں کے بعد پیر طریقت ہیں) مکتوبات یہاں پر ہیں ۔ اور حضرت شاہ مجتبیٰ قلندر ؒ کے نام کے بعد لاہوری لکھا ہوا ہے ۔ تصحیح کون کرے اور کس سے کہا جائے ؟ موجودہ نظام کتب خانہ بھی غنیمت ہے ۔ ایک کتاب کا نام لکھا تھا : ملفوظات مولانا فخر الدین مولفہ کلیم اللہ بن صبغۃ اللہ ۔ کتاب کو نکلوایا تو یہ فخر الحسن کی شرح تھی ۔ ملفوظات نہیں تھے ۔ شرح بہت اچھی ہے ۔ معلوم نہیں کہ تم نے اس کا ذکر تاریخ مشائخ چشت میں کیا ہے یا نہیں ؟ ۔

" ازالۃ القناع عن وجوہ السماع " مولانا نور اللہ بن مقیم الدین بچھرایونی مرحوم کی مصنفہ ہے ۔ فہرست میں ان کے وطن کا نام ہی نہیں ۔ شبہ ہوا کہ یہ بچھرایوں والے تو نہیں ہیں ۔ کتاب کو دیکھا تو مولانا بچھرایونی ہی کی کتاب نکلی ۔

حضرت شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی ؒ کی سوانح حیات خیر البیان کا ایک نسخہ یہاں ہے ۔ اس کی مجھے تلاش تھی ۔ صرف خلفاء کی فہرست نقل کر لی ہے

تئو سے زیادہ خلفاء ہیں۔ ان میں بہت سے مشاہیر بھی ہیں۔ ایک امروہہ کے میران سید حامدؒ ہیں۔ صحائف المعرفت مولفہ حضرت ..... شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی کا بھی ایک نسخہ یہاں ہے۔ میں اس کتاب کو جھنجھانہ میں دیکھ چکا ہوں۔

عثمانیہ میں ...... مکتوبات شاہ ابوالرضاؒ و شاہ عبدالرحیمؒ و شاہ ولی اللہؒ کا یکجائی نسخہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اس میں سے پندرہ بیس مکتوب ایسے نکل سکتے ہیں جو میرے اس مجموعے میں بھی شامل ہو سکتے ہیں اور معلومات افزا ہیں اس پورے نسخے کی نقل آنی چاہیے ..... سعیدیہ میں بھی چند گھنٹے رہا۔ ڈاکٹر یوسف الدین صاحب نے خاص خاص کتابیں دکھائیں۔ مثلاً ابن عساکرؒ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ دمشق۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بات عجیب کہی جو یاد رہے گی —— کہ چاند پر سے مٹی کا لانا آسان ہے مگر یہ کتابیں اگر خدانخواستہ ضائع ہو جائیں تو پھر ملنی مشکل ہیں ....

دائرۃ المعارف کو دیکھنے گئے۔ وہاں ڈاکٹر عبدالمعید خاں ناظم دائرۃ المعارف سے ملاقات ہوئی۔ نورالاسلام صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ماموں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر تو بہت خاطر تواضع فرمائی۔

.... (مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کے متعلق آئندہ لکھوں گا)"

یہ سب تفصیلات اس وقت لکھی تھیں جب اس سے پہلے حیدرآباد ہی سے ایک خط میں لکھ چکے تھے کہ "وقت نہیں ہے اور نظر بھی کام نہیں دیتی"۔

رام پور جاتے ہیں تو وہاں بھی کتب خانوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"وہاں قاضی شہر کا کتب خانہ دیکھنے میں دن کچھ زیادہ لگ گئے۔ پھر بھی تمام کتب خانہ نہ دیکھ سکا۔ ابھی پندرہ دن اور رہتا تب پورے کتب خانے کی سیر ہوتی۔ ملفوظات حضرت شاہ پیر شطاری میرٹھیؒ کے کچھ اجزا ہیں جو ایک ملتانی مرید نے مرتب کئے ہیں۔ یہ کتاب تمھاری نظر سے کبھی گذری ہے۔ میاں اکرم صاحب۔ اقتباس الانوار کی ایک کتاب مناہج السالکین ہے اور ایک رسالہ حالات شیخ تاج الدین سنبھلیؒ میں، ان کے داماد سید محمود امروہوی (ساکن محلہ دانشمندان

امروہہ) کا ملا۔ اس کی بہت تلاش تھی میں نے شیخ تاج الدین سنبھلیؒ پر جو مقالہ لکھا
ہے اس وقت یہ رسالہ مل جاتا تو کچھ اور زیادہ معلومات مل جاتیں .... میں
حضرت شاہ پیر میر محمدیؒ پر ایک مقالہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں"۔

کتابوں ہی کے سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا۔ میرے پر دادا مرحوم کا نہایت اعلیٰ قلمی کتب خانہ تھا۔ اس کی بیشتر کتابیں تلف ہوگئیں ان کے بعد جو بھی دیکھنے کے لئے لے جاتا تھا پھر واپس کرنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جب بہت سے لوگ پاکستان جانے لگے تو انھوں نے بعض کتابیں مجھے واپس کر دیں۔ مولوی محمود احمد عباسی مرحوم نے بھی اخبار الاخیار کا ایک قدیم قلمی نسخہ جو کبھی دادا صاحب مرحوم سے مستعار لیا تھا، ماموں صاحب کو دیا کہ مجھے پہونچا دیں۔ ماموں صاحب نے مجھے واپس کیا تو فرمایا "عجیب بات ہے کہ دادا ارشاد علی صاحب کی بعض اہم کتابیں تمھارے پاس ایسی ایسی جگہ سے واپس آرہی ہیں کہ ان کی بازیافت کی کوئی امید نہ تھی۔ شاید اللہ تعالیٰ کو تم سے کوئی کام لینا مقصود ہے"۔ میں کبھی اس جملے کے متعلق سوچتا ہوں تو عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

ماموں صاحب نے خود کتابوں کا اچھا ذخیرہ جمع کر لیا تھا۔ لیکن انھوں نے کبھی کتابوں کو ترتیب سے نہیں رکھا۔ تخت پر، پلنگ پر، الماری میں، کرسیوں پر ـــــ ہر جگہ ڈھیر لگا دیتے تھے اس میں اکثر چوریاں بھی ہوتی تھیں، جس کا پتہ ان کو بہت بعد میں چلتا تھا۔ ایک بار امروہہ قیام کے زمانہ میں میں نے چاہا کہ ان کی کتابیں مرتب کر دوں لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے بلکہ جب میں نے کہا کہ اس طرح تو یہ ذخیرہ بالکل بیکار ہے، تو ان کو ناگواری ہوئی۔ اس کے بعد میں نے کبھی اس موضوع پر گفتگو نہیں کی وہ کتابیں اپنے اندازے سے رکھتے تھے اور اگر کوئی ذرا بھی بے ترتیب کر دے تو گھنٹوں تلاش کرتے تھے اور ناراض ہوتے تھے آخری زمانہ میں ان کی بیشتر کتابیں مسجد کے حجرہ میں اور کچھ گھر کی الماریوں میں تھیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ کتب خانہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں منتقل ہو جاتا۔ اس طرح افادیت بھی بڑھ جاتی اور تحفظ بھی ہو جاتا۔

ماموں صاحب نے اپنے روحانی مشاغل کی جھلک کبھی کسی کو نہیں دیکھنے دی۔ حج کا خیال آیا تو ایک دم اس طرح چل دیئے جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سرشاری کے عالم میں

روانہ ہوگئے تھے۔ مولانا مدنیؒ سے ارادت بھی تھی اور گہری محبت بھی۔ جب حضرت مدنیؒ امروہہ تشریف لاتے تو ان کو ہمارے ہی مکان میں ٹھہراتے تھے۔ ایک مخصوص کمرہ تھا جو ان کو پسند تھا اور وہیں ٹھہرتے تھے۔ ماموں صاحب نے آخری بیماری میں اپنا پلنگ اس کمرہ کے ملحق دالان میں اس طرح بچھوالیا تھا کہ جہاں مولانا مدنیؒ نے آرام فرمایا تھا وہ جگہ منھ کے سامنے رہے۔ اپنی کیفیات کا اظہار کبھی نہ کرتے تھے اور اس پر بند لگائے رکھتے تھے۔ لیکن مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ میں یہ جام چھلک گیا ہے اور پکار اٹھے ہیں:

"میں ہر چند نااہل ترجمان ہوں لیکن اس پر نازاں ہوں کہ ترجمہ کے اوقات میں صاحبِ مکتوبات سے ایک گونہ ربط قائم کرکے کچھ نہ کچھ اخذ فیوض و برکات کرتا رہا، اگرچہ تہی دست اور کوتاہ عمل ہوں لیکن ایک شیخ کامل کی روحانیت کے دسترخوان سے زلہ ربائی پر شکرِ خدا ادا کرتا ہوں" (ص ۴)

لیکن یہاں بھی بات کھل کر نہیں کہی ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ اور ان کے سلسلہ کے دیگر مشائخ سے ان کو گہرا روحانی اور قلبی تعلق تھا، اسی محبت اور تعلق کے گرد انھوں نے خاموشی سے اپنی روحانی زندگی کو سجایا تھا۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حالات و سوانح

خاندان

مولانا نسیم احمد صاحب، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں تھے۔ اور امروہہ کے مشہور فریدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بابا صاحبؒ کے فرزند شیخ نظام الدین شہیدؒ کے اخلاف امروہہ آگئے تھے۔ ان کے پوتے شیخ سالار کو سلطان فیروز شاہ تغلق نے نواح امروہہ میں جاگیر دی تھی۔ یہاں ایک پورے محلہ میں یہ خاندان آباد تھا۔ اس محلہ کا نام محلہ شیخ زادگان تھا، اور اب محلہ جھنڈا شہید کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ سالارؒ کے پوتے خواجہ بہاء الدینؒ کا مزار رجب پور میں ہے۔ اس قدیمی تعلق کی

بنا پر باباصاحبؒ اور قطب صاحبؒ کے بہت سے تبرکات امروہہ میں ہمارے خاندان میں محفوظ ہیں، جن کی تفصیل مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ایک مضمون مطبوعہ ماہنامہ منادی' دہلی (۵۳ جلد ۸، ۱۹۷ ص ۷۔۵) میں دی ہے اور لکھا ہے:

"ان تبرکات کے مستند ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ گذشتہ ۶۔۷ سو سال سے ایک ہی خاندان میں محفوظ رکھے رہنے کے باوجود نہ کبھی انھیں عام شہرت دی گئی ہے اور نہ ان کے ذریعے سے کوئی منفعت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ حضرت باباصاحبؒ کی اولاد نے ان سب تبرکات کو ایک نہایت عزیز، قیمتی اور مقدس سرمایہ سمجھ کر محفوظ رکھا ہے"

علم اور دین سے تعلق اس خاندان کا امتیازی وصف تھا۔ مولانا فریدیؒ کے دادا، مولوی بشیر احمد صاحب مرحوم اور ان کے برادر بزرگ منشی ارشاد علی صاحب مرحوم سے انگریزی ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ بشیر احمد صاحب کی عمر ۳ سال تھی جب ان کے والد کا انتقال ہوا۔ ان کی ساری تعلیم و تربیت منشی ارشاد علی مرحوم نے کی اور ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لئے دو کتابیں بشیر النصائح اور بشیر المدائح لکھیں، جو اپنی افادیت کی بنا پر ایک زمانہ میں نصاب میں شامل کرلی گئی تھیں۔ گو مولوی بشیر احمد صاحب نے سرکاری ملازمت اختیار کرلی تھی لیکن ان کی زندگی میں دینی جذبات کی ہمیشہ کارفرمائی رہی۔ "تاریخ امروہہ" میں لکھا ہے:

"بشیر احمد صاحب صوبہ پنجاب کے محکمہ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے۔۔۔ ابتداً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ پابند مذہب و متبع شریعت تھے، حکام بالادست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے معتقدات مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا۔ میرا تبادلہ محکمۂ انہار میں کردیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چار سو روپئے ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہوسکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپیہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کی توقع ہے۔ مگر انھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا۔ مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی"

(جلد چہارم، تحقیق الانساب ص ۲۸۸)

مولانا نسیم احمد صاحب کے دادا کا انتقال ۱۹۱۵ء میں ہوا تھا۔ اس سے ایک سال

قبل ان کے والد مولوی حسین احمد صاحب کا انتقال ہوگیا تھا ۔ دادا پہلے ہی سے جائداد کا ہبہ نامہ کر چکے تھے، اس طرح مولوی حسین احمد صاحب کی اولاد جائداد سے تو محروم نہ ہوئی لیکن زمینداری کے مسائل نے ان کے ایک بیٹے تسلیم احمد صاحب مرحوم (مولانا نسیم احمد صاحب کے منجھلے بھائی) کو اس طرح الجھایا کہ بالآخر ان کے دماغ پر اثر ہوگیا۔ مولانا نسیم احمد صاحب کا مزاج ہی نہ تھا کہ وہ زمینداری کے مسائل کو دیکھ سکیں ۔ ادھر خاتمہ زمینداری اور پھر تقسیم ہند نے دشواریوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ مولوی حسین احمد صاحب مرحوم کو زمینداری کا بڑا ملکہ تھا۔ دیہات میں باغات لگائے تھے، اور مسلمان کاشتکاروں کی نئی آبادیاں بسائی تھیں ۔ جاٹ کاشتکاروں سے ایسے عمدہ تعلقات تھے کہ وہ ان پر جان نثار کرتے تھے ۔ جب دیہات جاتے، کاشتکاروں کے بچوں کے لئے مٹھائی کی ٹوکریاں ساتھ ہوتیں ۔

باغات خاتمۂ زمینداری سے بچ گئے تھے، لیکن چونکہ دیہات کے اندر واقع تھے ان پر قبضہ رکھنا دشوار تھا۔ ایک مرتبہ مولانا نسیم احمد صاحب کو باصرار بھیجا گیا کہ کم از کم باغات کو دیکھ کر ان کے تحفظ اور نگرانی کا تو انتظام کر لیں ۔ کہنے سننے سے گئے، لیکن وہاں کاشتکار جو نئی فضا میں پرانے احسانات کو بھول چکے تھے باغات پر قبضہ کرنے کی سوچ رہے تھے انھوں نے کہا: "مولوی جی! اب ان کا خیال تو چھوڑ دو"۔ اس کے بعد انھوں نے باغات کی طرف (جو آمدنی کا بہت اچھا ذریعہ ہو سکتے تھے) کبھی مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس طرح زمینداری سے تعلق کا خاتمہ ہوا ۔ اور گو خاندان کے بہت سے افراد گورنمنٹ کی اعلیٰ ملازمتوں پر پہونچے لیکن خاندان کی علم اور فقر کی روایت کا تحفظ اللہ تعالیٰ نے مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے سپرد کیا کہ بقول اقبال ؎

اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی

پیدائش

مولانا فریدیؒ ستمبر ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے ۔ ۴ سال کے بھی نہ تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:

"ان کی دھندلی سی تصویر ذہن و دماغ پر اب تک موجود ہے"

ان کی ماں (جمیلہ خاتون مرحومہ) نے جو حکیم علی احمد صاحب مرحوم (امروہہ کے مشہور

طبیب) کی بہن اور حکیم احمد حسن مرحوم کی بیٹی تھیں، ان کی پرورش بڑی محبت سے کی۔ دوسرے بھائی انگریزی تعلیم کی طرف مائل تھے، ان کے لئے وہ انتظام کیا، لیکن مولانا فریدیؒ کی رغبت ابتدا ہی سے علوم دینیہ کی طرف تھی، چنانچہ ان کے لئے اس کی سہولتیں فراہم کیں۔

محلہ جھنڈا شہید پر ایک پیرزادہ اسکول قائم تھا، جس میں ایک ماہر فن معلم، منشی نسیم احمد مرحوم، تعلیم دیتے تھے۔ خاندان کی کئی نسلوں کو (جن میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مدظلہ اور خاکسار راقم الحروف بھی شامل ہے) انھوں نے ابتدائی درجوں کی تعلیم دی تھی۔ ان سے کچھ عرصے تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا فریدیؒ مڈل اسکول میں داخل ہوئے اور تین سال بعد مڈل پاس کر کے اگلے سال انگریزی مڈل کا امتحان دیا۔ پھر منشی، کامل، مولوی اور اعلیٰ قابلیت کے امتحان پاس کئے۔

منشی اور منشی کامل کی تیاری مدرسہ نورالمدارس امروہہ میں کی۔ فارسی میں خاص طور پر منشی عبدالرب شکیبؔ مرحوم سے استفادہ کیا۔ وہ فارسی کے مشہور صاحب کمال استاد تھے انھوں نے فارسی زبان اور ادب کا صحیح مذاق پیدا کیا۔

مدرسہ دارالعلوم حسینیہ عربیہ میں مدرسی

مولانا فریدیؒ نے ایک سال مدرسہ دارالعلوم حسینیہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ میں فارسی پڑھائی پھر عربی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں تعلیم

عربی تعلیم کی ابتدا مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں ہوئی۔ یہ مدرسہ حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ سے نسبت کی بنا پر ہمیشہ علوم دینیہ کا مرکز رہا ہے اور ہندوستان کے بعض مشہور علماء یہاں کے درس و تدریس سے متعلق رہے ہیں۔ مولانا فریدی نے مولانا سید رضا حسن مرحوم (داماد و برادر زادہ مولانا احمد حسن محدثؒ)، مولانا انوار الحق عباسی مرحوم وغیرہما سے حدیث، تفسیر، فقہ اور دیگر علوم متداولہ حاصل کئے۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی مفسر امروہویؒ سے قدوری پڑھی۔ امروہہ میں بیضاوی اور ترمذی شریف تک پڑھ کر دیوبند چلے گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں

دارالعلوم دیوبند میں مولانا فریدیؒ نے دورۂ حدیث پڑھا

یہاں ان کے اساتذہ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا اعزاز علیؒ، میاں سید اصغر حسینؒ، مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ، مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ تھے۔ تجوید کی تعلیم مولانا قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی سے حاصل کی۔ وہ قاری عبد الرحمٰن مکی کے شاگرد تھے

دیوبند کی فضا میں مولانا فریدیؒ کے دینی مزاج کو تقویت حاصل ہوئی اور اس کا رنگ پختہ ہوگیا۔ انھوں نے مولانا مدنیؒ کے درس حدیث کا نقشہ بڑے کیف و سرور کے عالم میں، ایک مضمون میں پیش کیا ہے[1] دیوبند کی زندگی کے یہ شب و روز ہمیشہ ان کے ذہن و دل پر چھائے رہے۔

مولانا تھانویؒ کی خدمت میں حاضری

دیوبند قیام کے زمانہ میں ایک بار مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا دو طالب علم اور ساتھ تھے۔ مولانا تھانویؒ کے مزاج اور قواعد کے متعلق وہ سن چکے تھے۔ جب خدمت میں حاضر ہوئے، مولاناؒ نے پوچھا کون ہو؟ ۔ مولانا فریدیؒ نے نہایت مودبانہ جواب دیا "ہم دیوبند کے طالبعلم ہیں۔ آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ دو دن قیام کا ارادہ ہے"۔ —— یہ مکمل جواب سن کر مولانا تھانویؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا طالب علموں کا یہی انداز ہونا چاہیئے پھر دو دن مسلسل اپنی عنایات سے نوازتے رہے گفتگو کی تفصیل ذہن میں نہیں رہی۔

مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقۂ درس قرآن میں

سنہ ۱۹۳۶ء میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ کے حلقۂ درس میں شرکت کے لئے لاہور پہونچے اور تین مہینے تک شریک درس رہے۔ رخصت کرتے وقت انھوں نے سند بھی عطا کی[2]

---

[1] روزنامہ الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر۔ "تذکرہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ" مکتبہ مدنیہ، گوجرانوالہ ۱۹۸۴ء ص ۱۴۲ - ۱۴۰ -

[2] مولانا احمد علی مفسرؒ کا انتقال ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو ہوا۔ ان کی تدریسی سرگرمیوں کے لئے: داستان خانوادہ مولانا احمد علی لاہوری، از عبید اللہ انور لاہور ۱۹۷۹ء

علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری

لاہور قیام کے زمانہ میں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری کا موقع بھی ملا۔ تقریباً ایک گھنٹے جاوید منزل میں ان سے گفتگو رہی۔ اس گفتگو کی تفصیل اب ذہن میں محفوظ نہیں۔ لیکن یہ یاد ہے کہ وہ علامہ اقبالؒ کی دینی بصیرت اور دینی جذبہ کا ذکر ہمیشہ بڑی عقیدت سے کرتے تھے۔ اور ان سے ملاقات کا گہرا اثر ان کے دل اور دماغ پر ہوا تھا۔

دیوبند واپسی

لاہور سے پھر دیوبند واپس آئے، اور ادب کی کتابیں یعنی متنبی حماسہ، سبعہ معلقہ اور اس کے ساتھ ساتھ مفتاح العروض وغیرہ پڑھیں۔ اگلے سال معقولات کی کتابیں پڑھنے کا ارادہ تھا، لیکن درمیان سال میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے بریلی کے مدرسہ اشفاقیہ میں ان کا تعلق صدر مدرس کی حیثیت سے کرادیا اور وہ بریلی چلے آئے

بریلی میں قیام

مولانا فریدیؒ کی دینی فکر کو جلا اگر دیوبند میں ملی تو بریلی کے قیام سے ان کی تصنیف وتالیف کی زندگی کا باضابطہ آغاز ہوا۔ اس میں مولانا نعمانی کی صحبت کو بہت بڑا دخل تھا۔ "الفرقان" کے مجدد الف ثانیؒ نمبر میں لکھتے ہیں:

"ادارہ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانیؒ نمبر نکالنے کی تجویز طے کی اور جب یہ ارادہ عزم کے درجہ میں آیا، اس وقت حسن اتفاق سے میں بریلی آچکا تھا اور اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر "الفرقان" ہی میں رہا۔ مدیر الفرقان مدظلہ نے مجھ کو بھی اس "بزم مسعود" میں شرکت کی دعوت دی" (ص ۲۱۷)

یوں تو متفرق عنوانات پر وہ مضامین مختلف رسائل میں لکھتے رہے تھے لیکن الفرقان کے مجدد الف ثانیؒ نمبر میں ان کا مضمون "تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانیؒ" (ص ۲۱۷-۲۴۴) قدرت کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ اب اس کا مصنف اپنی ساری ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کے حالات وتعلیمات کی تحقیق وتدوین میں صرف کریگا!

بریلی کچھ عرصہ قیام کے بعد وہ اپنے وطن امروہہ واپس آگئے۔ اور یہاں مدرسہ جامع مسجد

سے منسلک ہو گئے۔

مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں

مولانا فریدیؒ نے جامع مسجد امروہہ میں درس و تدریس میں کافی شہرت حاصل کی۔ یہاں مشاہرہ بیحد معمولی بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن کبھی اضافۂ تنخواہ کی خواہش نہ کی۔ بلکہ ایک بار منتظمین نے کچھ اضافہ کرنا چاہا تو مدرسہ کی مالی حالت کے پیش نظر انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت نہیں۔ حالانکہ ان کی مالی دشواریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ جب حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدّیقیؒ کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس صاحب مرحوم کا انتقال ہو گیا تو شیخ الحدیث، مولانا فریدیؒ ہی کو مقرر کیا گیا۔ اور جب تک بینائی نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ مدرسہ سے ان کا تعلق برقرار رہا، ایک زمانہ میں خیال آیا تھا کہ مدرسہ سے تعلق منقطع کر کے اپنا سارا وقت تصنیف و تالیف میں صرف کر دیں۔ ۱۸ / شوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۰ / جون ۱۹۵۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> "میں دو سال سے مدرسہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن شوال[1] آتا ہے تو مدرسہ کے لئے اپنی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور اپنی خدمات سپرد کر دیتا ہوں۔ امروہہ کے قیام کی صورت میں اس کے علاوہ بظاہر کوئی چارۂ کار بھی نہیں کہ میں مدرسہ سے اپنے تعلقات وابستہ رکھوں۔ اگرچہ اس میں کافی وقت صرف ہوتا ہے"

دادا مرحوم سے استفادہ

میرے دادا مولوی فرید احمد صاحب نظامیؒ بڑے عالم تھے، علوم مشرقی و مغربی پر یکساں عبور حاصل تھا، مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ ان کو "بھائی" کہتے تھے، اور ان کی عالمانہ بصیرت کے قائل تھے فطرتاً کم آمیز تھے، سارا وقت مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ ماموں صاحب جب بھی میرٹھ آتے گھنٹوں ان کی صحبت میں وقت گزارتے۔ مختلف موضوعات پر اُن کی رائے معلوم کرتے، کتابوں کے

---

[1] عربی دینی مدارس کا تعلیمی سال شوال سے شروع ہو کر شعبان پر ختم ہوتا ہے۔

ڈھیر گفتگو کے دوران لگ جاتے، ان ملاقاتوں نے علم کو ایک خاندانی روایت سمجھ کر حاصل کرنے کا جذبہ ان میں پیدا کر دیا تھا۔ وہ خاندانی بزرگوں کے حالات بھی گہری دلچسپی کے ساتھ دریافت کرتے تھے، دادا صاحبؒ کا انتقال ۱۹۴۲ء میں میرٹھ میں ہوا، اس کے بعد جب بھی میرٹھ آتے، دادا مرحوم کے ذخیرۂ کتب سے کتابیں مجھ سے نکلوا کر کئی کئی دن تک مسلسل دیکھتے رہتے، میرٹھ میں اور کوئی خاص کتب خانہ نہ ہونے کے باعث وہ بیشتر وقت گھر پر ہی ان کتابوں کے مطالعہ میں گزارتے تھے، مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے ایک قریبی عزیز ہمارے پڑوس میں رہتے تھے، مولانا اکثر وہاں تشریف لاتے تھے اور دوران قیام ہمارے غریب خانہ پر بھی قدم رنجہ فرماتے تھے۔ بعض اوقات ماموں صاحب بھی وہاں مقیم ہوتے تو طویل صحبتیں رہتیں اور بڑی دلچسپ گفتگو ہوتی۔ میرٹھ قیام کے زمانہ میں جناب محترم مولانا قاضی زین العابدین سجاد صاحب زاد کرمہ سے بھی اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں۔ اور ان کے رسالہ "حرم" کے لئے مضمون بھی لکھتے تھے

تبلیغی جماعت سے تعلق

یہ بتانا میرے لئے مشکل ہے کہ تبلیغی جماعت سے اُنکا تعلق کب قائم ہوا، لیکن زندگی کے آخری لمحہ تک باقی رہا۔ اس میں حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ارادت کو بھی دخل تھا۔ اس سلسلہ میں اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کر دوں تو شاید نامناسب نہ ہو۔ مجھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے خاص عقیدت تھی۔ اور اپنے ابتدائی زمانہ میں میرٹھ سے جب دہلی جاتا ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا تھا۔ اُن کی سادگی، خلوص اور جذبہ، تینوں نے مل کر ان کی شخصیت میں عجیب دلکشی پیدا کر دی تھی، ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا۔ میاں کچھ دین کا کام کیجئے۔ عرض کیا۔ حضرت دعا فرمائیں۔ فرمایا۔ میاں! نیت تو آپ نہ کریں اور پھر کہیں کہ میری دعا میں تاثیر نہیں " یہ گفتگو نہ معلوم کتنی بار ماموں صاحبؒ نے تقاضے کر کے میری زبان سے سنی۔ جب تبلیغی جماعت کا ذکر آجاتا، تو مجھ سے فرماتے۔ اور ہاں! تم سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے کیا فرمایا تھا؟ معلوم نہیں اس طرح خود مجھے اس کام پر مائل کرنا مقصود تھا۔ یا اس جملہ میں ان کو ایک دل کشی محسوس ہوتی تھی جس سے وہ لطف اندوز ہوتے تھے مجھے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے (ممکن ہے کہ غلط ہو) کہ ان کا تعلق تبلیغی جماعت سے

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے زمانہ سے نہیں، بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف رح کے زمانہ سے قائم ہوا تھا، اور اُن سے بے پناہ تعلق اور عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ "الفرقان" کے "مولانا محمد یوسفؒ نمبر" میں انھوں نے اپنا مضمون اس مصرع سے شروع کیا تھا۔ جس میں ان کے جذبات کی ایک دنیا سمٹ آئی ہے ؎

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سمائے ہیں

لکھتے ہیں۔

"مجھے اکیس سال سے حضرت مولانا مرحوم سے ایک گونہ تعلق اور ربط تھا وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے عملی اور کم حیثیتی کے بیش نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی"

(ص ۴۲)

حضرت مولانا محمد یوسفؒ سے اپنے تعلقات کی تفصیل انھوں نے بڑی کیفیت کے ساتھ بیان کی ہے، امروہہ اور نواح امروہہ کے دیہات میں اُن کی تبلیغی سرگرمیوں کی طرف گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔ کسی موقع پر اس کی تفصیل بیان کی جائیگی تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ انھوں نے کیسی خاموشی سے تحریک کو آگے بڑھانے میں حصہ لیا تھا اور نمود و نمائش سے گریزاں رہے تھے۔

بچوں کی دینی تعلیم پر زور ماموں صاحبؒ اپنے جماعتی دوروں اور روزمرہ کی مجلسوں میں بچوں کی دینی تعلیم پر بہت زور دیتے تھے، ان کا خیال تھا کہ اگر اس طرف سے بے توجہی برتی گئی تو مسلمانوں کی دینی زندگی کا تار و پود بکھر جائیگا، فرماتے تھے کہ

لے "الفرقان" کے مضمون میں لکھتے ہیں، "حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے۔ صرف دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ ریل میں ۔۔۔ دوسری مرتبہ اُن کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے بہمراہی حضرت مولانا نعمانی مدظلہ دہلی جاکر۔ غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر ۔۔۔۔ ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔

(اشاعت خاص بیادگار مولانا محمد یوسفؒ ستمبر ۱۹۶۵ء ص ۴۲)

بچوں کو دنیاوی تعلیم کے دھندوں میں اس طرح الجھا دیا گیا ہے کہ ان کو قرآن پاک تک کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وقت نہیں رہا۔ ان کو اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ میرے بچے بفضلہ تعالیٰ دینی تعلیم سے محروم نہیں۔ بلکہ ادائیگی فرائض کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ میرا بڑا لڑکا احتشام سلمہٗ (جو اب یونیورسٹی میں پروفیسر انجینیرنگ ہے) جب تعلیم کے لئے امریکہ گیا تو وہ اس کے فکرمند تھے کہ کہیں نماز روزہ سے بے توجہی نہ برتنے لگے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ نماز روزہ پابندی سے وہاں کرتا ہے تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ قیام امریکہ کے زمانہ میں اس کو معلوم ہوا کہ حضرت علی میاں صاحب آنکھوں کے علاج کے لئے آئے ہوئے ہیں، اس نے ہسپتال جاکر مولانا سے ملاقات کی اور مزاج پرسی، اور یہ سب تفصیل ماموں صاحب کو لکھ کر بھیجی، وہ خود مولانا کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے، خط پاکر بہت خوش ہوئے، اور کہا کہ اگر دینی تعلیم صحیح ہو جائے تو اخلاق خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ ماموں صاحب میری لڑکی عذرا سلمہا (جو اب یونیورسٹی میں ریڈر ہے) کو دینی رسائل برابر بھیجتے رہتے تھے، اور جب علی گڑھ تشریف لاتے تو اس طرح کے سوال کرتے، جس سے اندازہ ہو سکے کہ اس نے وہ رسائل غور سے پڑھے ہیں یا نہیں۔ میرا سب سے چھوٹا لڑکا فرحان سلمہٗ (آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامک سنٹر کا ڈائرکٹر ہے) اس کے وہاں کام اور تقرر کے متعلق ماموں صاحب نے ندوہ میں سنا کہ مولانا علی میاں صاحب زاد مجدہ کی نگرانی اور سرپرستی میں وہ مرکز کام کر رہا ہے تو بہت خوش ہوئے، اور تحقیق کی کہ نماز روزہ اور تلاوت کلام پاک کی پابندی کا کیا حال ہے جب معلوم ہوا کہ اس کی پابندی کرتا ہے تو بہت خوش ہوئے۔ فرحان سلمہٗ کو سحری کے وقت اٹھنے میں نیند کے غلبہ کی وجہ سے بڑی دقت ہوتی تھی، اس نے بتایا کہ اس کا انتظام یہ کیا ہے کہ لندن سے ڈاکٹر خالد حسن قادری (فرزند مولانا حامد حسن قادری) اس کو صحیح وقت پر ٹیلی فون کرتے ہیں، اور جب تک وہ پوری طرح بیدار نہ ہو جائے۔ ٹیلیفون نہیں رکھتے۔ تو بہت دعائیں دیں اور کہا کہ باہر ملکوں میں جانیوالے بچوں کے متعلق سب سے بڑا خطرہ یہی رہتا ہے کہ کہیں دین سے دور نہ ہو جائیں، مجھ سے ایک بار فرمایا کہ اللہ نے اس معاملہ میں تمہیں خوش قسمت بنایا ہے کہ ماشاء اللہ اولاد دیندار ہے۔

حج کو روانگی حج کو روانگی بڑی کیفیت اور سرشاری کے عالم میں اچانک ہو گئی تھی۔ وہاں کی کیفیات کو بیان کرنے سے گریز کرتے تھے۔ وہاں جو لکڑی ہاتھ میں رہی اور جو جوتے پہنے تھے، ان کو بڑی احتیاط سے رکھا تھا۔ کسی نے لکڑی کو بد احتیاطی سے توڑ دیا تو کئی دن اس کا ملال رہا۔ انھوں نے اپنا سفر نامہ تو نہیں لکھا لیکن حج کو روانگی کے وقت مولانا رفیع الدین مراد آبادی کا سفرنامہ بڑی محنت سے ترجمہ کر کے شائع کیا۔[۱]

امروہہ میں حافظ محمد عبدالرؤف صاحب رؤف امروہوی عشق رسولؐ میں اپنی سرشاری میں مشہور تھے۔ نعتیہ کلام بڑا پرسوز اور پر تاثیر ہوتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کے اصرار پر انھوں نے اپنی سوانح حیات جس میں سفرِ حج کی روداد بھی شامل ہے شائع کی (ذاتی زبان سے "دوبئی ۱۹۷۸ء ص ۸۰) وہ دوسروں سے ان کی روداد حج بڑی دلچسپی اور انہماک سے سنتے تھے، لیکن انھوں نے اپنی داستان[۲] کبھی نہیں سنائی۔ بس ظاہری تفصیلات تک گفتگو کو محدود رکھتے تھے۔ جب میں نے حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو انھوں نے دمشق میرے پاس مولانا نعمانی کی کتاب "آپ حج کیسے کریں؟" اس ہدایت کے ساتھ بھیجی کہ اس کا بہت غور سے مطالعہ روانگی سے قبل کر لینا۔

فتووں کا کام ۔ ان کے وفورِ علم اور تعبد دینی کے باعث لوگ بڑی تعداد میں ان سے فتووں کے لیے رجوع کرتے تھے، اور ان کے فیصلوں کا بڑا احترام کرتے تھے۔ روزنامہ اخبار "آزاد ہند" کلکتہ میں لکھا ہے:

> " امروہے کے تمام مسلمان دینی اور دنیوی معاملات میں ان کو آخری جج مانتے تھے اور ان ہی کی تحریک پر لاکھوں روپے کے خرچ سے جامع مسجد اور اس سے ملحقہ عمارتوں کی تجدید و توسیع بھی ہوئی" (۲۶ راکتوبر ۱۹۸۸ء)

اس نوعیت کا اثر اور اس انداز کا احترام صرف اللہ کی دین ہے جس کے پیچھے ان کے

---

[۱] یہاں پر غالباً فاضل مضمون نگار سے سہو ہوا ہے۔ مولانا فریدی نے اپنا سفرنامہ زیارت حرمین کے عنوان سے لکھا تھا جو الفرقان کی جلد ۲۹ میں پانچ قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ (ادارہ)

[۲] یہ سفرنامہ "الفرقان" کی خاص اشاعت کے طور پر "ہندستان کا سب سے پہلا سفرنامۂ حجاز" کے نام سے شوال ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

کردار کی مضبوطی اور سیرت کی دلنوازی کارفرما تھی۔

صدرِ جمہوریہ کی طرف سے اعزاز: ۱۹۸۱ء میں صدرِ جمہوریہ ہند نے فارسی کی سند اعزاز مع مالی امداد تاحیات عنایت فرمائی۔ لیکن اس امداد سے ان کی زندگی کی متوکلانہ شان میں فرق نہیں آیا۔

روحانی نسبت حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ نور اللہ مرقدہٗ سے تلمذ تو تھا ہی، بعد کو روحانی نسبت بھی پیدا ہو گئی۔ تقسیمِ ہند کے بعد اعظم پور باسمٹھ کے قریب نواب ساجد علی خاں سنبھلی کے فارم کے ڈیرے میں حضرت مدنیؒ سے بیعت ہوئے۔ اپنے شیخ سے ان کو جو عقیدت اور محبت تھی، اس کا اندازہ ان کی گفتگو سے ہوتا تھا۔ ان کا نام آتے ہی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ اپنے ابتدائی زمانہ میں مجھے مولانا مدنیؒ سے کوئی عقیدت نہیں تھی۔ انھوں نے اس انداز سے مختلف اوقات میں ان کے حالات و کوائف بیان کئے، اور بتایا کہ مولانا مدنیؒ نے مشائخ متقدمین کے طرز پر ریاضت کی ہے کہ رفتہ رفتہ میرے دل میں ان کی بڑی عزت پیدا ہو گئی۔ بعد کو حضرت مدنیؒ سے مختلف مسائل پر خط و کتابت بھی ہوئی۔ جب ۱۹۸۸ء میں دہلی میں شیخ الاسلام سیمنار منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا تو انھوں نے مجھے لکھا:

> "تم بھی ۶-۷ صفحات کا ایک مختصر مقالہ لکھ دو جس میں اپنے تاثرات کا اظہار کر دو۔ تمہارے نام جو حضرتؒ کے خطوط آئے ان کا پس منظر بھی بیان کر دیا جائے تو بہتر ہے، یا ان کی کسی خوبی یا خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لیے چند صفحات لکھ دو۔۔۔۔ اس سلسلہ میں کچھ ضرور لکھنا۔"

میں نے جب اپنا طویل مقالہ "قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش" سیمنار میں پیش کیا تو وہ موجود تھے۔ ان کو جو مسرت ہوئی، وہ چہرے سے عیاں تھی۔ بار بار کہتے تھے: "تمہارا مقالہ اچھا ہے" مجھے اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ مولانا مدنیؒ کی عظمت، بزرگی اور کارناموں کی اہمیت کا احساس ماموں صاحب ہی نے میرے اندر پیدا کیا تھا۔

مولانا مدنیؒ کے وصال کے کافی عرصہ بعد انھوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ

سے تعلق ارادت وعقیدت قائم کیا۔ بینائی سے محرومی کے باوجود ان کے سہارن پور قیام کے زمانہ میں وہاں پہونچتے تھے اور کئی کئی دن وہاں رہتے تھے۔ خود شیخ الحدیث اُن پر اتنا کرم اور اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ بعض اوقات بھرے مجمع میں اعلان کراتے تھے کہ مولانا فریدیؒ جہاں ہوں میرے پاس آجائیں۔ شیخ الحدیثؒ نے ان کو اپنی خلافت بھی عطا فرمائی تھی۔

مولانا وصی اللہ شاہ صاحبؒ کے روحانی فیوض کی بھی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علی گڑھ کے قیام کے زمانہ میں انھوں نے خود غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا۔ ماموں صاحب کو معلوم ہوا تو بہت خوشی کا اظہار کیا۔ پھر جب "مجموعہ تالیفات مصلح الامت" جلد چہارم (ص ۱۱۲) میں میری تصنیف "حیات شیخ محدث دہلویؒ" کے اقتباسات نظر سے گذرے تو مجھے خط لکھ کر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔ خود مولانا وصی اللہ شاہ صاحبؒ اُن پر بڑی شفقت فرماتے تھے، ایک بار ماموں صاحب اپنے آنے کی اطلاع دے کر الہ آباد آگئے۔ اسٹیشن پر اترے تو دیکھا کہ شاہ صاحبؒ خود استقبال کے لیے موجود ہیں۔ کہتے تھے کہ میں اتنا متاثر ہوا کہ شکریہ ادا کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ جس زمانہ میں ہسپتال میں آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں قیام تھا، میرے لڑکے و جیہہ سلمہٗ سے (جواب شعبہ زولوجی میں ریڈر ہے) متواتر شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے ملفوظات پڑھوا کر سنتے تھے۔ اور قرآن کی آیتیں صحیح پڑھنے پر خوش ہوتے تھے۔

دیو بند، پھلت اور سہارنپور کے سفر مولانا فریدیؒ کا معمول تھا کہ سال میں ایک بار دیو بند، سہارنپور اور پھلت ضرور جاتے تھے۔ ان کی روحانی اور علمی زندگی کے یہ سرچشمے تھے۔ یہاں پہونچ کر ایک نئی توانائی محسوس کرتے تھے۔ عموماً یہ سفر ماہ رمضان المبارک میں ہوتے تھے۔ حکیم محمد شجاع الدین صاحب نے اپنے تعزیت نامہ میں لکھا تھا:

"مرحوم موصوف میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر بڑا کرم فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم کی تشریف آوری پر ہم سب اہل پھلت بڑے مسرور ہوتے۔ اور رمضان المبارک میں تو خاص طور سے ہم ان کی آمد کے منتظر رہتے۔ ان کے قدوم میمنت لزوم سے خانۂ تاریک فروزاں ہو جاتا۔ اب وہ مجلسیں کہاں نصیب ہوں گی۔"

شاہ ولی اللہؒ سے عقیدت کی بنا پر انھوں نے اس "قریۃ الصالحین" میں ایک ایک جگہ کو دیکھا تھا۔ شاہ صاحبؒ کی پیدائش کی جگہ، ان کے رہائشی مکان، مسجد، خاندانی قبرستان ہر جگہ جاتے تھے۔ اگر دہلی میں مرزا شاہ ولی اللہؒ پر "دل بریاں اور چشم گریاں" لے کر گئے تھے تو پھلت میں رہ کر کاروان رفتہ کے نقوش تلاش کیے تھے!

بصارت کی کمزوری اور بالآخر معذوری

بینائی پیدائشی کمزور تھی۔ رات کو بہت کم نظر آتا تھا۔ مسلسل مطالعہ نے مزید کمزوری پیدا کر دی۔ ۱۹۶۸ء میں تکلیف کا آغاز ہوا۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر شکلا کو دکھایا اور علاج چلتا رہا۔ دسمبر ۱۹۷۳ء میں آپریشن ہوا۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ جس شخص کا اوڑھنا بچھونا مطالعہ ہو، اس کا بینائی سے مستقلاً محروم ہو جانا ایک ایسی آزمائش ہے جس کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے۔ انھوں نے جس ضبط اور تحمل کے ساتھ اس حادثہ کو برداشت کیا وہ ان کی سیرت کا ایسا پہلو ہے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کبھی زبان پر گلہ نہ آیا، ہمیشہ راضی برضا کی کیفیت رہی۔ کئی بار خیال آیا کہ ان کا ذکر بھی نواب صدر یار جنگ مرحوم کی کتاب "علمائے سلف اور نابینا علماء" میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔

آخری علالت اور وصال

مولانا فریدیؒ صاحب کو میعادی بخار رہا۔ یونانی دوا سے طبیعت رو بہ اصلاح ہو گئی، لیکن پرہیز میں بے توجہی برتی۔ مرض پھر عود کر آیا۔ اسی میں روزے رکھے، اور حسب معمول دیوبند، پھلت، سہارنپور کے سفر بھی کیے۔ میں انگلستان سے ایک طویل علالت کے بعد واپس آیا تھا۔ لکھا کہ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم خیریت سے واپس آئے۔ تمہیں دیکھنے علی گڑھ آ رہا ہوں۔ میں نے لکھا کہ موسم ذرا بہتر ہو جائے جب سفر کیجیے۔ میں خاندان کی تاریخ ایک عرصہ سے مرتب کر رہا تھا اور سوچتا تھا کہ ایک بار ان کو پوری سنا دوں۔ تاکہ اصلاح اور اضافے ہو سکیں۔ وہ خود بھی اس کو سننے کے لیے بے چین تھے۔ اس دوران میں خطوط آتے رہے، جن میں مولانا احمد حسن محدثؒ کے خطوط کو مرتب کرنے کی اطلاع تھی اور بعض تفصیلات طلب فرمائی تھیں۔ میں سمجھا کہ شاید اب طبیعت بہتر ہے۔ پھر اچانک اطلاع ملی کہ طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔

میں امروہہ پہونچا تو حالت دیکھ کر دل بیٹھ گیا۔ پلنگ پر بے حس و حرکت لیٹے تھے، مجھ سے کچھ باتیں کیں۔ میرے ہاتھ میں سیر الاولیاء کا ایک نسخہ تھا۔ پوچھا کیا ہے؟ میں نے بتایا۔ فرمایا:۔ میں اسے پڑھوا کر سنوں گا، اسے چھوڑ جانا۔ میں نے وہیں رکھدیا اور حیرت میں رہ گیا کہ ایک طرف روح سکرات کے تلاطم میں ہے دوسری طرف دل و دماغ طالب علمانہ جستجو میں مصروف ہیں! اللہ اکبر، علم سے ایسا والہانہ لگاؤ اب کہاں دیکھنے کو ملے گا!

چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرنے پائے تھے کہ ان کی روح مالک حقیقی کے حضور میں پہونچ گئی۔ امروہہ میں اس خبر سے ایک کہرام مچ گیا، اور در و دیوار سے صدا آنے لگی ؎

کدام غمکدہ را روز ماتم است امروز
کہ موتِ عالمِ چوں موت عالم است امروز

امروہہ میں نواب وقار الملک مرحوم اور حضرت مولانا احمد حسن محدث رحمۃ اللہ علیہ کے جنازوں میں بھی شاید ہی اتنے آدمی ہوں۔ دفن کرنے پر بہت بحث و تکرار ہوئی۔ بعض لوگ جامع مسجد میں دفن کرنا چاہتے تھے جہاں انھوں نے درس دئے تھے، کچھ لوگ مصر تھے کہ جس مسجد میں وہ رہتے تھے وہاں دفن کیا جائے۔ جناب محترم مولانا اسعد مدنی صاحب زاد کرمہٗ نے خاندانی مسجد میں دفن کرنے کا مشورہ دیا۔ اور اسی پر لوگوں نے عمل کیا۔ غم و الم سے بھرے ہوئے دلوں نے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے ان کے جسد پاک کو سپرد خاک کیا ؎

اے خاک تیرہ خاطر مہماں نگہ دار
ایں نور چشم ماست کہ در بر کشیدہ

(۳)

تصانیف اور علمی خدمات

کہتے ہیں کہ علامہ ابن العلا سے کسی نے پوچھا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہیئے۔ فرمایا: مادامت الحیوۃ تحسن بہ

یعنی جب تک حیات مہربان رہے۔ مولانا فریدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی حال رہا وہ فنافی العلم تھے اور آخری دم تک طالب علمانہ جستجو کرتے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں شاعری کا شوق ابتدائی زمانہ میں شاعری کا بڑا شوق تھا۔ اپنے مکان میں مشاعرے کی محفلیں بھی اکثر منعقد کرتے تھے۔ منشی عزیز احمد صاحب عزیز تلمیذ مضطر خیر آبادی سے (جو امیر مینائی کے شاگرد تھے) تلمذ حاصل کیا۔ منشی عبدالرب شکیب سے بھی شعر و شاعری میں مشورہ لیا۔ وہ ابوالحسن ساکت امروہوی (تلمیذ خاص نظام رامپوری) کے شاگرد تھے۔ انھوں نے ہی ابتداءً تخلص سے فریدی تخلص رکھوایا۔ مجھے ان کا کوئی کلام یاد نہیں، لیکن حضرت مجدد صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ پر ان کی نظمیں دل و دماغ پر نقش ہیں۔ ایک بار "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ" کے ابتدائی صفحات پڑھ کر سنا رہا تھا۔ اس میں دور اکبری کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مصرعہ لکھا تھا ؏

غرض فتنوں کی شوریدہ سری اک رنگ لائی تھی

میں نے پڑھ کر پوچھا، یہ مصرعہ کس کا ہے۔ کچھ سوچ میں پڑ گئے، جب میں نے بتایا کہ خود مجدد صاحبؒ پر ان کی نظم سے لیا گیا ہے تو ہنس پڑے اور فرمایا: بہت صحیح جگہ استعمال کیا ہے۔ بچپن کا ایک واقعہ یہاں بیان کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ماموں صاحب کی ایک غزل تھی جس کا مقطع تھا ؏ فریدی کیوں گل و بلبل کا سودا سر میں ہے (پوری غزل یاد نہیں) میں نے فریدی کی جگہ نظامی کر دیا اور اپنی بڑی بہن کی معرفت پوری غزل تہذیب نسواں میں اشاعت کے لیے بھیج دی کہ میرے چھوٹے بھائی کی تصنیف ہے۔ وہاں سے واپس آگئی کہ یہ کسی بڑے آدمی کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ واقعہ ماموں صاحب کو سنایا۔ ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔

تصنیف و تالیف کا آغاز اور اس کے بنیادی خطوط یوں تو وہ بعض جرائد اور رسائل میں مضامین لکھتے رہتے تھے لیکن تصنیفی زندگی کا آغاز بریلی سے ہوا اور اس میں جناب محترم مولانا محمد منظور نعمانی صاحب زاد مجدہٗ کے مشوروں اور مخلصانہ تقاضوں کا بڑا دخل تھا۔ الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر میں ان کا مضمون ان کی آیندہ علمی زندگی کی بشارت دیتا ہے۔ یہیں سے ان کی دلچسپیوں کا رخ متعین ہوا اور آیندہ کام کی بنیاد پڑی۔ ۱۹۳۸ء میں جب مجدد الف ثانیؒ نمبر نکلا تو ماموں صاحب نے ایک کاپی مجھے میرٹھ اس ہدایت کے ساتھ بھیجی کہ اسے شروع سے آخر تک پڑھنا۔ میں نے اس کو بار بار

پڑھا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر میں اپنی پانچ محسن کتابوں کی فہرست بناؤں تو ان میں بلاشبہ الفرقان کا مجدد الف ثانیؒ نمبر ایک ہوگا۔ گو اس کے بعد تحقیق کی اور راہیں سامنے آتی رہیں، لیکن مجدد صاحبؒ کے کام کی اہمیت کا احساس "الفرقان نمبر" ہی نے دلایا تھا۔

مولانا فریدیؒ کی علمی جہد وسعی کے مرکز و محور دو تھے ــــــ

(۱) مشایخ سلسلہ مجدّدیہ

(۲) اکابر دارالعلوم دیوبند

ان کی ساری تصانیف اسی محور پر گردش کرتی ہیں۔ بہ حیثیت مصنف ان کی خصوصیت یہ تھی کہ بڑی محنت سے مواد جمع کرتے تھے۔ ان کا یقین تھا کہ ؏

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

جب کوئی موضوع پیش نظر ہوتا تو سوتے جاگتے اسی میں مشغول رہتے۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اس کے پیچھے وسیع مطالعہ اور بے اندازہ تحقیقی کاوش ہوتی تھی۔ پورا مضمون جب اپنے اندر جذب کرلیتے تھے، جب قلم اٹھاتے تھے یہی سبب ہے کہ ان کی عبارت میں شگفتگی اور کیفیت محسوس ہوتی تھی۔

تحقیقی میعار کافی اونچا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ ملیح آبادی کی "مولانا آزاد کی کہانی" پر ان کے تبصرے سے ہوتا ہے۔

تلخیص اور ترجمے میں کمال حاصل تھا۔ ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک زبان و بیان پر پوری قدرت نہ ہو، اور تلخیص کا کام صرف وہ شخص کرسکتا ہے جس نے پورے مباحث کو جذب کرلیا ہو اور فکری اعتبار سے اس پر پورا عبور رکھتا ہو۔

مولانا فریدیؒ کا خیال تھا کہ اکابر ملّت کی فکر کو عوام تک پہنچانے اور اس سے مثبت فوائد حاصل کرنے کے لیے مکتوبات اور ملفوظات پر زیادہ کام کی ضرورت ہے۔ انھوں نے کتنے ہی مکتوبات کے مجموعے دریافت کیے اور ان کو روشناس کرایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات کا قلمی نسخہ چاندپور ضلع بجنور میں مولانا متقی حسن مرحوم کے کتب خانہ میں دریافت کیا اور خود یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کے سیاسی مکتوبات تم ایڈٹ کرو، مذہبی مکتوبات میں ایڈٹ کروں گا۔ وہ جب کوئی نئی چیز دریافت کرتے تو خوشی میں فوراً مجھے مطلع کرتے۔

مکتوبات شاہ ولی اللہ کے علاوہ انھوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ وغیرہم کے مکتوبات جمع کیے۔ اور ان میں تاریخی اور دینی اہمیت کے مواد پر توجہ دلائی۔

اکابر دیوبند کے حالات کی تلاش و تحقیق پر بھی مولانا فریدیؒ نے کافی وقت صرف کیا تھا۔ مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی زاد کرمہٗ اپنے مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

"پچھلے دنوں دیوبند کی شیخ الہند اکاڈمی نے اکابر دیوبند کی نادر و نایاب تالیفات کو جدید انداز پر ایڈٹ کرنے کا فیصلہ کیا، تو جن لوگوں نے اس کام کو انجام دیا، ان کی رہنمائی اور ان کے کام پر نظر ثانی کے لیے سب کی نگاہیں حضرت مولانا ہی پر اٹھیں اور مولانا مرحوم نے بھی بطیب خاطر اس ذمہ داری کو قبول فرمایا"

دیوبند کی تاریخ، اس کے اکابر کی دینی، علمی خدمات اور روحانی بصیرت پر جو نظر ان کی تھی، وہ حیرت انگیز تھی۔ کسی کا ذکر چھیڑ دیجیے اور پھر ان کی گل فشانی گفتار کو دیکھیے وہ اس معلومات کا بوجھ اپنے اوپر لیے نظر نہ آتے تھے، بلکہ یہ سب کچھ ان کے علم کا جز اور ان کی شخصیت کا حصہ بن گیا تھا۔ انھوں دار العلوم کو صرف اپنی مادر درسگاہ ہی نہیں سمجھا، بلکہ اس کو اپنی زندگی کا ایک حصہ بنا لیا تھا جس سے ان میں احیاء دین کے جذبات پرورش پاتے تھے۔

تذکرہ خواجہ باقی باللہ اور صاحبزادگان و خلفاء ۱۹۷۶ء میں الفرقان بکڈپو سے شائع ہوا۔ یہ تذکرہ مضامین کی شکل میں "الفرقان" میں چھپ چکا تھا۔ اس میں خواجہ صاحب اور ان کے اخلاف و منسلکین کے حالات بڑی تحقیق اور جستجو سے جمع کیے گئے ہیں۔ اس اردیہ کی اہمیت اور افادیت پہلی مرتبہ اس سے واضح ہوئی۔ صاحبزادگان کے نام اور کام کے متعلق بہت سی دلچسپ معلومات اس میں جمع کی گئی ہیں۔ خواجہ خردؒ کے ملفوظات کے ایک نادر نسخہ کی دریافت نے اس تذکرہ میں جان ڈال دی ہے۔ اس ضمن کی بعض اہم کتابیں جو اس مجموعہ کی طباعت کے بعد دریافت ہوئی ہیں، توفیق رفیق ہوئی تو "الفرقان" میں ضمیمہ

کے طور پر ان کا تعارف کرا دیا جائے گا۔

تجلیات ربانی یعنی مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کا ترجمہ اور تلخیص

حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات کو یوں تو عربی، ترکی اور اردو میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن شاید کوئی کوشش اتنی مؤثر نہیں ہوئی جتنی تجلیات ربانی۔ جن مباحث کو عام ذہن کی سمجھ سے بالاتر پایا ان کو شامل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جس طرح مفید مطالب و مباحث کو محنت سے اخذ کر کے دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے اس نے مجدد صاحبؒ کی فکر اور ان کے عظیم الشان کارناموں کو سمجھنے میں فقید المثال خدمت انجام دی ہے۔ یہ مکتوبات مختلف اوقات میں "الفرقان" میں شائع ہوتے رہے تھے، ۱۹۷۶ء میں کتابی شکل میں کتب خانہ "الفرقان" سے دو جلدوں میں طبع ہوئے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ "الفرقان" کے مجدد الف ثانیؒ نمبر" اور مولانا فریدیؒ کی "تجلیات ربانی" نے حضرت مجدد صاحبؒ کے کلام و پیام کو جس طرح عوام و خواص تک پہونچایا ہے وہ ہمیشہ احسان مندی کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔ مولانا نعمانی زادہ مجدہٗ نے اس کے متعلق لکھا ہے:

> "انھوں نے بالکل اسی انداز پر جو اس عاجز کی آرزو تھی، مکتوبات کے تینوں دفتروں کی تلخیص و ترجمہ کا کام انجام دیا۔ اس حقیقت کے اظہار میں ذرہ برابر بھی تواضع اور کسر نفسی نہیں ہے کہ اگر میں خود یہ کام کرتا تو ہرگز ایسا نہ کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے مولانا فریدیؒ کو ایسے کاموں کی خاص صلاحیت بخشی ہے" (ص ب)

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

یہ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کے تین مجموعوں وسیلۃ السعادہ، درۃ التاج، اور مکتوبات معصومیہ۔ کا عطر ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں مکتبہ الفرقان نے کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس تالیف سے پہلی بار خواجہ محمد معصومؒ کی صلابت فکر، مجتہدانہ کارناموں اور دینی بصیرت کا اندازہ ہوا۔ نقشبندی سلسلہ کے لٹریچر میں یہ کتاب بیش قیمت اضافہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجدد صاحبؒ کے کام کا تکملہ ان ہی مکتوبات میں نظر آتا ہے۔ خواجہ صاحبؒ نے عبید اللہ بیگ کو یہ لکھ کر:

"ہر زمین کے فیوض مختلف ہیں، ہر شہر کی ایک علیحدہ خاصیت ہے اور ہر قریہ کا ایک جدا معاملہ ہے، اہل بصیرت ہر توجہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور ہر زمین سے ایک خاص کمال بہم پہنچاتے ہیں"

اصلاح و تربیت کا ایک زبردست اصول بیان فرما دیا ہے۔ مولانا فریدیؒ نے خواجہ محمد معصومؒ کی فکر کو آئینہ کی طرح روشن کر کے یہاں پیش کر دیا ہے۔ مجددی فکر کے ہر گوشہ کو جس طرح انھوں نے واضح کیا ہے وہ ان ہی کا حصّہ ہے۔

خلفاء مجدد صاحبؒ خلفاء مجدد صاحبؒ پر مولانا فریدیؒ نے "مجدد الف ثانیؒ نمبر" میں تفصیلی مضمون لکھا تھا جو بعد کو "تذکرہ مجدد الف ثانیؒ"، میں بھی شامل رہا۔ اس میں مجدد صاحب کے خلفاء کا حال مستند ماخذ کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر حالات مساعدت کرتے تو وہ خلفاء مجدد صاحبؒ پر مفصل اور بصیرت افروز کتاب لکھ سکتے تھے۔ اس سلسلہ کا بیش بہا ذخیرۂ معلومات ان کے ذہن میں محفوظ تھا۔

شاہ غلام علی صاحبؒ شاہ غلام علی صاحبؒ اپنے زمانہ میں نقشبندی سلسلہ کے عظیم المرتبت بزرگ شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی خانقاہ میں اسلامی ممالک کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے تھے۔ ان کے ملفوظات "درالمعارف"، شاہ رؤف احمد نے بڑی محنت سے جمع کیے تھے۔ مولانا فریدیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں ان ملفوظات کا خلاصہ اپنے مضامین میں جو "الفرقان" میں شائع ہوئے پیش کر دیا ہے۔ پھر "قافلہ اہل دل" کے نام سے ان کے خلفاء کا بڑا جامع تذکرہ ترتیب دیا۔ (الفرقان ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۴ء) کیا ہی اچھا ہو اگر یہ مضامین بھی ادارۂ الفرقان کتابی شکل میں شائع کر دے۔ (الحمدللہ اب یہ مجموعہ شائع ہو گیا ہے۔

(ادارہ الفرقان)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف پر تحقیقی کام "الفرقان"، کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا فریدیؒ نے ایک نظم "مزار شاہ ولی اللہ پر پہنچکر" لکھی تھی جس سے ان کے جذبات عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

میرے پیش نظر تصویر ہے "بزم محدث" کی
تصور میں گلستاں در گلستاں لے کے آیا ہوں
وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں!
خزاں کے دور میں یاد گلستاں لے کے آیا ہوں

مولانا عبدالقیوم مظاہری کی تصنیف "الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کی بابرکت آیات نیز رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، اور آپ کے انسانیت نواز ارشادات وفرمودات کی روشنی میں وہ لائحہ عمل پیش فرمایا ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر تمام دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے، رفاہ خلق اور رفاہ عام کے سلسلہ میں ان کے عنبریں قلم سے جو مضامین برآمد ہوئے ہیں ان کی وضاحت کی جائے اور ان پر عمل کا سایہ ڈالا جائے تو کسی غلط نظام اور باطل ازم کو پنپنے کا موقع نہ ملے"

انھوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات کو بڑی محنت سے جمع کیا ہے یقین ہے وہ مجموعہ جلد شائع ہو کر سامنے آجائے گا اور اس سے فکر ولی اللّٰہی کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے سلسلہ میں ان کے مضامین جو خاص طور پر مطالعہ کے قابل ہیں، مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت شاہ ابو سعید حسنیؒ کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان سے" ("الفرقان" اپریل، مئی۔ جون ۱۹۶۵ء)

(۲) "سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ"
"الفرقان" محرم، صفر، ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

یہ مضامین پاکستانی رسائل بالخصوص "الرحیم"، میں نقل ہو کر بے حد مقبول ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حالات اور ملفوظات پر ان کے مضامین جو "الفرقان"، ماہ محرم ۸۷ھ سے ماہ ربیع الثانی ۸۷ھ تک شائع ہوئے، نئی تحقیق، حیرت انگیز معلومات اور ملفوظات کے مروجہ نسخوں کی تصحیح میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

اکابر دیوبند اکابر دیوبند پر مولانا فریدیؒ نے جو مضامین شائع کیے ہیں وہ نئی دریافت پر مبنی ہیں اور ضرورت ہے کہ ان کو ایک جگہ کتابی شکل میں لایا جائے۔ بالخصوص مندرجہ مضامین ـــــ

(۱) "آثار شیخ الہند" "الفرقان" اگست ستمبر ۱۹۸۱ء

(۲) "حضرت مولانا نانوتوی کی شاعری" "دارالعلوم" ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ

(۳) حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند کے غیر مطبوعہ خطوط "دارالعلوم" ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

(۴) "حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی" "دارالعلوم" ربیع الاول تا شوال ۱۳۷۳ھ

(۵) "حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہوی" "دارالعلوم" ۱۳۷۱ھ

(۶) "درس حدیث کی ایک جھلک" الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء

(۷) "حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دو مکتوب گرامی اور ان کا پس منظر" شیخ الاسلام ـــــ حیات و کارنامے

مولانا احمد حسن محدث امروہویؒ کے مکتوبات کو اپنی آخری علالت کے زمانہ میں مرتب کیا ہے۔ اور امید ہے کہ جلد وہ مجموعہ شائع ہو جائے گا۔ ان کے مضامین میں تاریخ دیوبند اور اکابر دیوبند کے متعلق بیش بہا معلومات بکھری ہوئی ہیں۔ بعض کتب خانوں کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں اس سلسلہ کا مواد مل سکتا ہے۔ تاریخ دیوبند کا کوئی طالب علم ان مضامین کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تحقیق کا کام ان ہی خطوط پر جاری رکھنا ہوگا جب کہیں دیوبند کی مفصل مبسوط اور مستند تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔

فرائد قاسمیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا یہ مجموعہ

انھوں نے ۱۹۸۰ء میں ادارۂ ادبیات دلی سے شائع کیا۔ عجیب اتفاق تھا کہ یہ مجموعہ حضرت نانوتویؒ کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد شائقین کے ہاتھ میں پہونچا۔ مولانا فریدیؒ نے اس پر مختصر مگر جامع مقدمہ لکھا اور مکتوب الیہم کے مختصر حالات بھی درج کئے۔ فرائد قاسمیہ کا یہ نادر نسخہ ان کو حاجی سید عبد الغنی پھلاؤدیؒ کے کتب خانہ سے ملا تھا۔

اس میں بعض اہم مسائل جن پر حضرت نانوتویؒ نے گفتگو فرمائی ہے، رفع تعارض بین الحدیث والقرآن، تحقیق مال حرام، وغیرہ سے متعلق ہیں۔

کتب خانہ کی اہمیت کو سب سے پہلے مولانا فریدیؒ نے ہی اس طرح واضح کیا ہے:

"حضرت نانوتویؒ کی تمام مطبوعات کا ذخیرہ ان کے کتب خانہ میں موجود ہے، جن میں وہ اڈیشن بھی ہیں جن کا وجود بہت کم کتبخانوں میں پایا جاتا ہے۔" (ص ۳)

مولانا فریدیؒ کو حضرت نانوتویؒ کی تصانیف سے غیر معمولی شغف اور ان کی ذات سے بے پناہ عقیدت تھی اور ان کے حالات بڑی دلچسپی کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔ ان کے بہت سے اشعار بھی یاد تھے۔ بہت موقع سے پڑھتے تھے اور ساری گفتگو میں شگفتگی اور جان پیدا کر دیتے تھے۔ مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر صاحب نے جب حضرت نانوتویؒ کی شاعری پر ان کا مقالہ "دارالعلوم" میں شائع کیا تھا تو لکھا تھا:

"برادرم مولانا فریدی کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ ان کی زندگی متضاد صفات وخصوصیات کی حامل ہے تو اس میں کسی شاعرانہ یا خطیبانہ مبالغہ کا دخل نہیں ہوگا۔ اپنی شکل وصورت، اور ظاہری انداز و اطوار کے لحاظ سے وہ مجذوب صفت انسان ہیں جنھوں نے درس وتدریس، تبلیغی جماعت اور قومی کاموں کے لیے خود کو وقف کر دیا ہے لیکن کچھ دیر ان سے گفتگو کیجیے تو معلوم ہوگا دین ودیانت کے اس سبزہ زار میں جا بجا شعر وادب، علم وتحقیق اور فکر ونظر کے ایسے سدا بہار پھول بھی کھلے ہوئے ہیں جن کی رنگا رنگی، تازگی اور دلکشی گل چیں کو بے ساختہ اپنی طرف کھینچتی ہے۔"

(دارالعلوم، ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ ص ۲۳)

سفرنامہ حج شاہ رفیع الدین مرادآبادی شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تلمیذ رشید شاہ رفیع الدین مرادآبادی کا یہ سفرنامہ، خاکسار راقم الحروف کے ذخیرہ کتب میں تھا۔ مولانا فریدیؒ نے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا اور اس کا ترجمہ "الفرقان" کی خصوصی اشاعت (اپریل مئی ۱۹۶۱ء) میں شائع ہوا۔ حج کے سفرناموں میں اس سفرنامہ کی خاص اہمیت ہے۔ اس میں بحری سفر، جہازوں کی حالت، ملاحوں، بندرگاہوں کے متعلق بہت دلچسپ معلومات درج ہیں۔

تلخیص میں مہارت مولانا فریدیؒ کو تلخیص میں خاص مہارت تھی۔ یہ نتیجہ تھی گہرے مطالعے اور مطالب پر عبور کا۔ انھوں نے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے مقالہ "الف ثانی یا ہزارہ دوم کا تجدیدی کارنامہ" کا جس طرح "افادات گیلانی نمبر" میں خلاصہ کیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ (جولائی ۱۹۵۷ء الفرقان)

ذاتی یادیں اور علمی استفادہ اپنے ذہن کو ماضی کے دھندلے نقوش کی تلاش میں لگاتا ہوں تو ماموں صاحب مرحوم کی (جن کو ہم "جی ماموں" کہا کرتے تھے) دو یادیں عجیب انداز میں سامنے آتی ہیں۔ میں نے نیا نیا لکھنا سیکھا تھا، میرٹھ سے اپنی نانی مرحومہ کو خط لکھا، اس طرح کہ ہر لفظ کو نئے رنگ کی روشنائی سے لکھا تھا۔ اس کا جواب ماموں صاحبؒ نے نہایت خوشخط قلم سے دیا اور بہت سی دعائیں خود اپنی اور نانی مرحومہ کی طرف سے لکھیں، یہ خط میرٹھ میں برسوں میرے پاس رہا، معلوم نہیں اب کہاں ضائع ہوگیا۔ دوسری یاد یہ ہے کہ والد مرحوم نے ایک نہایت خوبصورت لیمپ مجھے بھیجا تھا۔ یہ جل رہا تھا اور تپائی پر رکھا تھا۔ ماموں صاحبؒ کچھ اس طرح چلے کہ تپائی سے ٹکرا گئے اور وہ لیمپ گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ میں بہت رویا۔ اس وقت کیا معلوم تھا کہ جس شخص نے یہ ایک لیمپ بجھایا ہے وہ میرے دل میں کتنی شمعیں روشن کرے گا۔ اور اس کی زندگی کتنی دور تک قندیل رہبانی بنے گی۔

میری تعلیم و تربیت میں سب سے بڑا ہاتھ دادا مرحوم کا تھا جو علم و بصیرت کا ایک

بحر ذخار تھے اور جن سے ماموں صاحبؒ نے بھی کافی استفادہ کیا تھا۔ ان کے بعد جس شخص نے میری زندگی اور فکر کو سب سے زیادہ متأثر کیا وہ ماموں صاحبؒ ہی تھے۔ انھوں نے "الفرقان" کے مجدد الف ثانیؒ نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر" اصرار کے ساتھ از اول تا آخر پڑھوا کر ہندستان میں مسلمانوں کی فکری اور ملی تاریخ میں دلچسپی کا وہ بیج بویا جس کے ثمرات میری تصانیف میں نظر آئیں گے۔ وہ نازک مسائل پر میری رہبری کرتے، کوئی مسئلہ اپنے قابو کا نہ پاتے تو حضرت مولانا مدنیؒ سے رجوع کرنے کی ہدایت کرتے صوفیا رومشائخ کے حالات وتعلیمات کے مطالعہ میں ویسے بھی بہت سے نازک مقام آتے ہیں۔ اگر کوئی ٹوکنے والا نہ ہو تو مشکلات میں پھنس جانا لازمی ہے۔ ان کی رہبری اور نگرانی نے اس راہ کے مسائل سے باخبر کیا۔ انھوں نے مکتبۂ جامعہ دہلی کے کتاب نما دنمبر اشارہ ۵) میں "تاریخ مشائخ چشت" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ وتصوف، سوانح وتذکرہ کی سیکڑوں کتابوں کا مطالعہ کر کے تحقیق وتدقیق کے معیار پر حتی الامکان جانچ کر بڑی محنت وجستجو کے ساتھ سلسلہ مشائخِ ہند کی اس پہلی کڑی کو پیش کیا ہے"

اس ریویو میں میری اور کتابوں پر بھی اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ ان کی ہمت افزائی نے راہ کی دشواریوں کو آسان کیا اور محنت وتلاش کے جذبے کو ترقی دی۔ ؎

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے

میں اس مضمون کو جناب محترم مولانا نعمانی زاد مجدہٗ کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو انھوں نے "تجلیات ربانی" کے تقریب وتعارف میں مولانا فریدیؒ کے متعلق لکھے تھے:

"اگر شریعت میں تصویر کی ممانعت نہ ہوتی تو میں داس حالت میں کہ وہ بہت کمزور، نحیف ونزار اور آنکھوں سے معذور ہو چکے ہیں اور ایسی فقیرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں جس کی مثال طبقۂ علماء میں مشکل ہی سے ملے گی) ان کا فوٹو تقریب وتعارف کی ان سطروں کے ساتھ شامل کرتا ______

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے جو کتب حدیث میں مروی ہے؛

اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین۔	اے اللہ! مجھے زندہ رکھ مسکینی کی حالت میں اور موت دے مسکینی کی حالت میں اور مسکینوں کی جماعت میں میرا حشر فرما!

اس عاجز کی نظر میں مولانا فریدیؒ ان بندگان خدا میں ہیں جنھیں دیکھ کر اس دعائے نبوی کے لفظ مسکین کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے بلکہ اس کا ایک نمونہ سامنے آجاتا ہے۔" (ص ح)

اب مولانا فریدیؒ اپنے رب کے جوار رحمت میں پہنچ چکے ہیں ؎

خزاں رسید گلستاں باب جمال نماند
سماعِ بلبل شوریدہ رفت وحال نماند
نشان لالہ ایں باغ ازکہ می پرسی
برو کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

صاحب فتاوی رحیمیہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری مدظلہ کے
برادر خورد مولانا سید عبدالاحد کوثر قادری (مقیم ڈیوزبری، برطانیہ) کی قابل قدر تصانیف

اسلامی منشور یعنی مسلمان کی ڈائری
نہایت آسان زبان، دلچسپ اور بیحد دلنشین انداز میں اسلام کا تعارف، اور اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ ہے، اسکے مطالعہ سے انشاء اللہ اسلامی تعلیم کے ہر عنوان پر بصیرت افروز معلومات حاصل ہوں گی۔ مثل ڈائری کے بروقت اپنے پاس رکھنے کے قابل ہے
ھدیہ ۔۔۔۔۔ -/۳۰

تسخیر قمر
انسان چاند پر پہونچ سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں علمی اور تحقیقی دلائل جمع کر کے مسئلہ کو منقح کیا گیا ہے۔
ھدیہ ۔۔۔۔۔ -/۵

ندائے غیب
یہ مصنف کی مثنوی کے طرز پر ایک طویل اور مسلسل نظم ہے جبلی پیپر، ہجری صدی، احوالِ واقعی۔ اور خراج عقیدت کے ضمنی عنوانات کے ماتحت بھی چند مختصر نظمیں اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ ھدیہ -/۱۰

ملنے کے پتے

ھندوستان میں
Maktaba Rahimiya
Munshi Street, Rander
Surat-395005 (Gujrat)

برطانیہ میں
A. A. Qadri
13 Thorn Hill Street,
Savill Town, Dewsbury-
West Yorks U.K.-WF12 9JX

مزار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر پہنچکر

از۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امروہیؒ

مزار حضرت شاہ ولی اللہؒ پر ہمدم! دل پر یاس و حسرت، چشم گریاں لیکے آیا ہوں
نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہ عالی میں عقیدت کیشیاں، نقد دل و جاں لیکے آیا ہوں
جو کھلا جائیں دو اک وہ میں وہ پھول کیا لاتا میں اپنے باغ دِل کی چند کلیاں لیکے آیا ہوں
چڑھانے کو تری تربت پہ چادر ساتھ کیوں لاتا میں اپنے سر پہ تیرا بار احساں لیکے آیا ہوں
مرے پیش نظر تصویر ہے "بزم محدثؒ" کی تصور میں گلستان در گلستاں لیکے آیا ہوں
وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں خزاں کے دور میں یاد گلستاں لیکے آیا ہوں
بچایا راہزن سے رہنمائی نے تری اس کو بحمد اللہ متاع دین و ایماں لیکے آیا ہوں
تری تعلیم کے صدقے سے ہے جس میں تڑپ باقی اسی حسّاس دل کو زیر داماں لیکے آیا ہوں
سُنا دے پھر وہی نغمے مجھے توحید و سنت کے میں اُن نغمات کے سننے کا ارماں لیکے آیا ہوں
فلک سے کہہ دو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے میں قبر شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لیکے آیا ہوں
عقیدت، نقد الفت، یاد ماضی، سوز پنہانی مزار شیخ پر کیا کیا میں ساماں لیکے آیا ہوں
سُنائی ہے مجھے اک داستاں بزم تصوّر میں میں اک دنیائے جذبات پریشاں لیکے آیا ہوں

فریدی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقد شہ پر
دعا ہائے فراواں ذوق پنہاں لیکے آیا ہوں

پروفیسر نثار احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی۔ دہلی

گوہر یک دانہ

تذکرۂ حضرت مولانا نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ

خاندان اور نسب

مسلمانانِ ہند کی روحانی ثقافت کی تاریخ میں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کی شخصیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، ان کی اولاد اور خلفاء کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کے آثار آج بھی برصغیر کے ہر کونے میں دیکھے جا سکتے ہیں، بابا صاحبؒ کے پانچ صاحبزادے تھے: شیخ نصرالدین نصر اللہؒ۔ شیخ شہاب الدینؒ۔ شیخ بدرالدین سلیمانؒ شیخ نظام الدین شہیدؒ اور خواجہ محمد یعقوبؒ۔

چوتھے فرزند شیخ نظام الدین شہیدؒ کے بارے میں قدیم مآخذ کہتے ہیں کہ بابا صاحبؒ انھیں اپنے سب فرزندوں سے زیادہ چاہتے تھے، وہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے، بلبن کی فوج میں ملازم تھے اور اپنی شجاعت کے سبب سے "حیدر ثانی" کہلاتے تھے۔ بابا صاحبؒ کی خدمت میں بہت گستاخ بھی تھے، یعنی جو جی میں آتی تھی کہہ دیتے تھے، بابا صاحبؒ مسکرا کر سن لیتے تھے اور ان سے رنجیدہ نہ ہوتے تھے۔ وہ نہایت ذہین و فطین اور معاملہ فہم بھی تھے۔

جب بابا صاحبؒ کا انتقال ہوا (۵ محرم ۶۷۰ھ ۔ ۱۳ اگست ۱۲۷۱ء) وہ اُس وقت پٹیالی میں تھے، وہاں خواب میں دیکھا کہ بابا صاحبؒ بلاتے ہیں، فوراً روانہ ہوگئے، اجودھن (موجودہ پاک پٹن پاکستان) پہونچے تو شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے تھے، رات وہیں شہر پناہ سے باہر بسر کی، صبح کو دروازے کھلے تو ایک جنازہ آرہا تھا، معلوم ہوا کہ گذشتہ شب حضرت بابا صاحبؒ کا انتقال ہوگیا، اور اب انھیں مقابرِ شہیداں میں دفن کرنے لے جا رہے ہیں، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے فرمایا اگر تم انھیں آبادی سے باہر دفن کروگے تو لوگ باہر باہر ہی فاتحہ پڑھ کر چلے جایا کریں گے اُن کی اولاد کو کوئی نہ پوچھے گا، جس حجرے میں اُن کا انتقال ہوا ہے وہیں لے کر چلو، چنانچہ وہیں دفن کیا گیا۔

حضرت نظام الدینؒ کے بارے میں دو روایات ہیں، ایک تو یہ کہ اجودھن پر کفار (منگولوں) کا حملہ ہوا، انھوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، بعد کو اُن کی لاش میدان جنگ میں بہت تلاش کی گئی، نہیں ملی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ قلعۂ رنتھمبور (موجودہ سوائی مادھوپور، راجستھان) کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے (۶۴۶ھ) اور وہیں قلعے کے اندر اُن کا مزار ہے، یہ روایت زیادہ قرین صحت ہے۔

حضرت نظام الدین شہیدؒ کے دو بیٹے تھے: خواجہ عضد الدین المعروف بخواجہ ابراہیم اور خواجہ علی (یا خواجہ علی شیر)۔ خواجہ ابراہیم کے پوتے خواجہ عزیز الدین تھے، اُن کی والدہ مؤلف سیر الاولیاء امیر خورد کرمانی کی پھوپھی تھیں، اُن کی پرورش حضرت نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ) کی نگرانی میں دہلی میں ہوئی اور انتقال کے بعد وہیں پائینِ مزار دفن ہوئے۔ خواجہ علی کے چار فرزند تھے: شیخ سالار، نور الدین، شیخ یحییٰ اور شیخ خسرو، شیخ سالار کے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھی: شیخ فخر الدین، شیخ عالم، شیخ خواجہ، شیخ مغیث اور شیخ مجیر الدین۔ آخر الذکر کی اولاد حصار (ہریانہ) میں آباد تھی۔ شیخ فخر الدین کے فرزند شیخ بہاء الدین اور ان کے بیٹے شیخ ضیاء الدین تھے جن کے بیٹے حاجی محمد موسیٰؒ ہوئے آخر الذکر وہ تینوں بزرگوں کے مزار موضع رجب پور (ضلع مراد آباد) میں ہیں۔

حاجی محمد موسیٰؒ کے تین فرزند تھے، شیخ منورؒ، شیخ طاہر اور شیخ لہرہ۔ شیخ منورؒ کے پوتے عبد القادر کالپی میں جا بسے تھے، اور انکی اولاد میں حیدر آباد کے امرائے پائیگاہ (نواب ظہیر یار جنگ وغیرہ) کا خاندان ہے۔ شیخ طاہر کے فرزند شیخ مجاہد انکے بیٹے شیخ صلاح اور انکے فرزند شیخ مظفر ہوئے اور مؤخر الذکر کے بیٹے حاجی عبد الغفور امروہہ میں رہے وہیں جانب غرب انکا مدفن ہے، انکے بیٹے شیخ محمد معمور تھے، یہاں تک سلسلۂ نسب کی تفصیل جواہر فریدی میں بھی درج ہے، شیخ محمد معمور کے پانچ فرزند ہوئے چار غیر معقب رہے، صرف ایک شیخ بدر عالم سے نسل چلی جنکے بیٹے شہاب الدین اور انکے دو بیٹے محمد منیر اور محمد حارث تھے، شیخ محمد حارث کے فرزند محمد عبد الغفور ثانی ہوئے انکے دو بیٹے تھے محمد بخش عرف لیساون اور شیخ اولاد محمد۔ مؤخر الذکر کے تین بیٹوں میں صرف ابدال محمد صفا سے نسل چلی اُن کے چار بیٹے ہوئے: محمد ارشاد علی، بشیر احمد، ولی محمد اور حافظ نذیر احمد (ف ۱۸۵۷ء) مولوی ارشاد علی (ف ۱۹۰۰ء) نے انگریزوں کی حکومت میں مختلف عہدوں پر کام کیا، ۱۸۵۷ء میں وہ کرنل جارج ہیملٹن کے ساتھ علاقۂ ملتان میں سر رشتہ دار تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی اُن کے پر پوتے ہیں۔

مولوی بشیر احمد فریدی کے بارے مؤلف تحقیق الانساب نے لکھا ہے :۔

"ڈپٹی بشیر احمد صوبۂ پنجاب کے محکمۂ نہر میں ڈپٹی مجسٹریٹ رہے بصلۂ خدمات حکومت سے دو مرتبہ خلعت و انعام پایا۔ ابتداءً ضلع میں ڈپٹی کلکٹر تھے، پابند مذہب و متبع شریعت تھے، حکام بالادست سے عرض کیا کہ مقدمات میں سود کی ڈگری دینا پڑتی ہے جو اپنے معتقدات مذہبی کی رو سے جائز نہیں سمجھتا، میرا تبادلہ محکمۂ انہار میں کر دیا جائے۔ حکام نے سمجھایا کہ اس محکمہ میں چار سو روپیہ ماہوار سے زیادہ ترقی نہ ہو سکے گی اور موجودہ صورت میں نو سو روپیہ ماہوار تک مشاہرہ پانے کا موقع ہے۔ مگر انھوں نے کم تنخواہ پر قانع رہنا منظور کیا مگر سود کی ڈگری دینی قبول نہ کی۔" (تحقیق الانساب ص ۲۸۸)

مولوی بشیر احمد کی اولاد میں زوجۂ اولیٰ سے ایک فرزند مولوی حسین احمد تھے اور زوجۂ ثانیہ سے مولوی حسن احمد، حسنین احمد، طفیل احمد اور مولوی شبیر احمد ہوئے۔

مولوی حسین احمد کی عمر زیادہ نہ ہوئی اُن کی تعلیم لاہور، بہاولپور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہوئی تھی پھر امروہہ میں اپنی زمینداری کا انتظام سنبھال لیا تھا ایک بار موسم سرما میں گھوڑے کی سواری کر کے گاؤں سے آئے تو ڈبل نمونیا ہو گیا، اسی میں واصل بحق ہوئے۔ مولوی حسین احمد مرحوم کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں : تحسین احمد، تسلیم احمد، ابرار اور نسیم احمد۔ سارہ خاتون اور سیدہ خاتون۔

یہی تیسرے بیٹے حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی قدس اللہ سرہ العزیز ہیں تسلیم احمد راقم الحروف کے والد ماجد (متوفی ۴ جنوری ۱۹۸۷ء) ہیں اور سیدہ خاتون (متوفیہ ۵ اگست ۱۹۸۶ء) پروفیسر خلیق احمد نظامی کی والدہ ماجدہ ہیں رحمها اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ننھیال

مولانا فریدی کا ننھیالی سلسلہ حضرت شاہ ابن بدر چشتی علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے وہ حضرت شیخ علاء الدین فیل مست رح کے خلیفہ تھے، آپ کا سلسلۂ طریقت بھی حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ تک منتہی ہوتا ہے، وہ آگرہ سے آکر امروہہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔

مُلّا عبدالقادر بدایونی صاحبِ منتخب التواریخ اُن سے ملا ہے اور انکی بزرگی کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کرتا ہے، شاہ ابن کا انتقال ۹۸۷ھ ۔ ۱۵۸۰ء میں ہوا امروہہ ریلوے اسٹیشن کے قریب اُن کا روضہ ہے، اسی میں وہ خاندانی ہڑواڑ ہے جس میں حضرت مولانا فریدی کے والدین اور دادا نیز دوسرے مرحوم افرادِ خاندان آسودہ ہیں۔

حضرت شاہ ابن بدر چشتیؒ کی نسل انکے چھ بیٹوں سے چلی، ان میں شیخ شاہ احمد کی اولاد میں بڑے نامی طبیب اور علماء بھی گزرے ہیں۔ ریاست حیدر آباد کے پہلے افسر الاطباء حکیم احمد سعید اسی شاخ سے تھے، اسی خاندان میں ایک جلیل القدر شخصیت حکیم نثار علی کی تھی ان کے چار فرزند ہوئے حکیم ابن حسن، حکیم احمد حسن، حکیم علی حسن اور نور الحسن۔ حکیم ابن حسن کے لائق فرزند حکیم سید طفیل حسن تھے، جو ابو النظر رضوی کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے، بڑے علم دوست اور صاحبِ نظر انسان تھے، حکیم احمد حسن حضرت مولانا نسیم احمد فریدی کے نانا تھے۔

مولانا فریدی کے والد ماجد کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہوگیا تھا، اس وقت مولانا فریدی کی عمر تین سال سے زیادہ نہ تھی۔

ولادت

مولانا فریدی اپنے سب بھائی بہنوں سے چھوٹے تھے، اُنکی ولادت امروہہ میں ستمبر ۱۹۱۱ء محرم ۱۳۲۹ھ میں ہوئی، صحیح تاریخ اور دن کی ابھی تحقیق نہیں ہوسکی ہے، والد کے انتقال کے بعد ۱۹۱۵ء میں دادا مولوی بشیر احمد کا بھی وصال ہوگیا۔ جائداد کا نظم وضبط درہم برہم ہوگیا اس لئے ابتدائی زمانہ خاصی تنگی اور پریشانی میں گذرا۔ مولانا کے ماموں حکیم سید علی احمد رضوی مرحوم نے اپنی بہن اور بھانجوں کا خاص طور پر بہت خیال رکھا انکے چھوٹے بیٹے حکیم سید سلطان احمد رضوی (متوفی ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۳ء) جو بڑے حاذق طبیب ہوئے اور بازار نصر اللہ خاں رامپور میں اُن کا بہت کامیاب مطب تھا، مولانا فریدی کے ہم عمر تھے دونوں کا کھیلنا اور لکھنا پڑھنا ساتھ ہی تھا۔ پہلے پرائمری اسکول محلہ پیرزادہ میں داخلہ لیا یہاں سے مڈل اسکول میں منتقل ہوئے اور ہندی مڈل کا امتحان پاس کیا، بچپن ہی سے مطالعے کا ذوق پیدا ہوگیا تھا مولانا فریدی نے ایک مضمون میں لکھا:-

"میری رسمی مکتب بھی نہیں ہوئی تھی، ممانی صاحبہ نے ناز برداری کے ساتھ ساتھ صاحبزادے کی تعلیم کا بھی خیال رکھا، ماموں صاحب بھی میرے اوپر خاص نظرِ عنایت رکھتے تھے میں نے پان کھانا انھیں کے پاندان سے سیکھا، بچپن ہی میں شوقِ مطالعہ پیدا ہوا تو انھیں کے کتب خانے سے چند کتابیں دیکھیں جن میں حضرت مولانا نانوتوی کی سوانح عمری بھی تھی جو حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے لکھی ہے۔ رموز الاطباء اور چند دیگر طبی اور ادبی کتابیں بھی دیکھیں۔"

(درِ مقصود جلد ۷۰۔ ۱۹۸۶ء)

بچپن ہی میں کھیل کے طور پر ایک بار انھوں نے اپنے ماموں زاد بھائی سلطان احمد صاحب کے ساتھ الیکشن لڑا تھا۔ اور اس میں ہار گئے تھے، تو یہ خیال کیا کہ میں یتیم ہوں اور مفلس ہوں اور سلطان احمد کے باپ موجود ہیں اور کھاتے پیتے آدمی ہیں اس لئے مجھے زیادہ ووٹ نہیں ملے، طبیعت میں شروع ہی سے فقر و مسکنت عاجزی اور انکسار پیدا ہو گیا تھا۔

تعلیم

امروہہ کے محلہ دانشمندان میں ایک مدرسہ نور المدارس تھا، ڈل پاس کرنے کے بعد (۱۹۲۷ء) وہاں جانا شروع کیا اور منشی، منشی کامل، مولوی، اعلیٰ قابل وغیرہ مشرقی امتحانات اس مدرسہ میں پڑھ کر پاس کئے اُسی زمانے سے شعر گوئی بھی شروع کر دی تھی اور "امداد" تخلص اختیار کیا تھا، امروہہ میں ایک بزرگ منشی عزیز احمد عزیزؔ امروہوی تھے اُن سے اپنے کلام پر اصلاح لی۔ عزیز صاحب کو مضطر خیر آبادی سے تلمذ تھا۔

بالکل ابتدائی دور (۱۹۲۵ء-۱۹۲۶ء) کے چند اشعار یہ ہیں اُس وقت مولانا کی عمر ۱۴-۱۵ سال سے زیادہ نہ تھی ؎

عدم سے میری ہستی کو کیا اک دم عیاں تو نے
یہاں پر کچھ دنوں رکھ کر کیا اسکو نہاں تو نے

تعجب ہے کہ ہر اک شئے سے تیرا نور ظاہر ہے
بتایا لیکن نہ طالب کو دیا ہے جانِ جاں تو نے

غزل امداد کی سن کر یہ کہتے ہیں سبھی شاعر
علیحدہ ہی رکھا ہے اپنا کچھ طرزِ بیاں تو نے

یادِ جاناں کے سوا عیش سے کچھ کام نہیں
عاشقِ زار ہوں میں طالبِ آرام نہیں

میری امداد پہ ہیں شافع محشر امداد — پرسش حشر سے واللہ مجھے کام نہیں

امداد ذیل رسائے کی میں خاکسار ہوں — پہونچا سکے گا مجھ کو نہ دشمن ضرر کبھی

کون سی شے ہے نہیں جس میں تجلّی تیری — ذرّہ ذرّہ ترے جلوے کا تماشائی ہے
بے خبر ہم سے ہے وہ رشکِ مسیحا امداد — کوئی پوچھے کہ یہی شانِ مسیحائی ہے!

قدم رکھا ہے جب سے وادیٔ اُلفت میں عاشق نے — نہ کچھ کھٹکا ہے رہزن کا نہ کچھ پروا ہے منزل کی
نہ سوتا ہوں کیوں کر بھلا امداد دکمر کو — وہ ہے اولاد میں خواجہ فریدالدین کامل کی

داغ جبیں پہ پڑ گئے کثرتِ سجدہ کے سبب — ایک زمانہ ہو گیا پڑھتے ہوئے نماز عشق

اسی زمانے میں ایک صاحب منشی عبدالرب شکیب تھے جن کی لیاقت فارسی زبان وادب میں بہت اچھی تھی کبھی ریاست سروہی (راجستھان) میں ملازم تھے اُن سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں اور شاعری میں بھی مشورہ کیا انھوں نے تخلّص بدل کر "فریدی" کر دیا۔

فارسی کی تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا فریدی نے کچھ دنوں مدرسۂ عربیہ محلّہ چلّہ میں درس بھی دیا، پھر مدرسۂ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لے لیا، یہاں انکے اساتذہ میں مولانا سید رضا حسن (برادر زادہ مولانا احمد حسن محدّث امروہی) مولانا انوار الحق عباسی اور حافظ عبدالرحمٰن صدّیقی تھے، بیضاوی اور ترمذی تک امروہہ میں پڑھ کر فراغت کے لئے دیوبند تشریف لے گئے۔ دیوبند میں اُن کے اساتذہ تھے:۔

۱۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی۔
۲۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی۔
۳۔ مولانا میاں اصغر حسین دیوبندی۔
۴۔ مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔
۵۔ مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھی۔

۶۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی۔

۷۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔

۸۔ قاری حفظ الرحمٰن پرتاپ گڑھی۔

مولانا فریدی نے کتاب "مکتوبات اکابر" کے مقدمے میں لکھا ہے: "میرا قیام تعلیمی سلسلے میں دارالعلوم کے اندر سنہ ۵۵ھ سے ۵۷ھ تک رہا۔" (ص۹)

اسی زمانے میں چند طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں بھی پہونچے تھے مولانا تھانوی بیعت وغیرہ کے لئے کسی طالب علم کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے اس لئے ان طالب علموں کو بھی جلدی رخصت کر دیا تھا۔

لاہور میں حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوری کی مجلس درس قرآن کی بڑی شہرت تھی اُن کے درس سے استفادہ کرنے کیلئے ۱۹۳۶ء میں لاہور کا سفر کیا، اور تین ماہ قیام کر کے تفسیر کا درس لیا۔ قرآن کریم سے متعلق مختلف موضوعات پر حضرت مولانا احمد علی چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شائع کیا کرتے تھے۔ ایسے کئی درجن رسالے مولانا فریدی راقم الحروف کیلئے وہاں سے لے کر آئے تھے، مگر میں اُس وقت بہت کم عمر تھا جب اُن کو پڑھنے کا وقت آیا تو وہ سب ناپید ہو چکے تھے۔

لاہور کے زمانۂ قیام میں شاعرِ مشرق علامہ اقبالؔ سے بھی ملاقات کی اور پھر لاہور سے دیوبند آ گئے۔ دیوبند کے سبھی اساتذہ اُن سے محبت کرتے تھے مگر خصوصی تعلق حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا اعزاز علی اور میاں اصغر حسین صاحبؒ سے رہا۔ مولانا اعزاز علی صاحب کی بعض تصانیف کے مسودات بھی مولانا فریدی نے اپنے قلم سے صاف کیے اور فرماتے تھے کہ وہ اس کیلئے ایک جزو کی اُجرت ۱۴ / آنے دیا کرتے تھے۔ اُن کی تالیف "نفحۃ العرب" کی طباعت بھی مولانا فریدی نے دہلی آ کر اپنی نگرانی میں کرائی تھی۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علی کا خط

۱۳۵۷ھ - ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی تو شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نے مولانا فریدی کو یہ خط لکھا تھا:-

عزیز مکرم جناب مولوی انیم احمد صاحب امروہوی زیدت معالیکم

پس از سلام مسنون - آپ علوم دینیہ عربیہ سے فارغ ہو چکے ہیں اور عنقریب آپ دارالعلوم سے رخصت ہوں گے، بناءً علیہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کردوں تاکہ اگر کسی ادارے کا کوئی کام آپ کے سپرد ہو تو اس کے کارکنوں کو آپ کے متعلق صحیح اندازہ کرنے کا موقع ملے۔

عزیز م، چونکہ آپ امروہہ کے باشندے ہیں اور یہی وطن میرا بھی ہے، اس لئے میں نے ان کئی سالوں میں آپ کے حرکات وسکنات تحصیل علم میں تحمل صعوبات، رفتار وگفتار پر پوری نظر رکھی ہے کیونکہ میں متمنی ہوں کہ امروہہ علماء وفضلاء سے خالی نہ رہے۔ سو بحمد اللہ کہ بظاہر اسباب میری توقع بے موقع نہیں ہے۔ آپ نے نہ فقط تحصیل علم میں صعوبات کا تحمل کیا، بلکہ سادگی اور خوش اخلاقی سے اس طرح پر بسر کی کہ اساتذۂ دارالعلوم دیوبند اور میں خصوصاً بہت زیادہ خوش رہا۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جس علمی ادارے میں انتظامی، تدریسی یا مالی کام کریں گے اُس کے ہر فریضے کو باحسن وجوہ انجام دیتے میں بتوفیق اللہ وبعونہٖ کامیاب ہوں گے۔

میں دعا گو ہوں کہ قادر مطلق آپ کو عمر دراز عطا فرما کر علمی اشاعت کی مخلصانہ توفیق دے اور اپنی مرضیات میں مصروف رکھے۔

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند
وممتحن درجۂ مولوی فاضل صوبۂ پنجاب
وصوبۂ آسام

۲۸ محرم ۱۳۵۷ھ و ۳۱ مارچ ۱۹۳۸ء یوم الخمیس

مولانا اعزاز علی نے اس خط میں تحمّل صعوبات کا ذکر کیا ہے۔ وہ زمانہ بہت سی خانگی پریشانیوں کا تھا، جائداد کی آمدنی محدود ہوگئی تھی اور مقدمات کا سلسلہ پھیل گیا تھا مولانا کے برادر بزرگ مولوی تسلیم احمد (راقم الحروف کے والد) ان مقدمات میں الجھے ہوئے تھے، وہ کبھی مولانا فریدی کی مالی امداد کر پاتے تھے اور کبھی مجبور ہوتے تھے اُس زمانے میں مولانا کے چچا مولوی شبیر احمد فریدی (اللہ انکی تربت کو ٹھنڈا رکھے) پانچ روپیہ ماہوار بھیج دیا کرتے تھے، بس اُسی میں گزارا ہوتا تھا صرف دو جوڑی کپڑے پاس تھے اُن میں بھی خود ہی پیوند لگا لیا کرتے تھے، مگر نہ کبھی کسی کے سامنے اپنی کسی پریشانی اور تکلیف کا اظہار کیا، نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے،

نہ کسی طرح کی آسائش کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا بلکہ زندگی کی راحتوں اور آسائشوں سے انھوں نے اپنا رشتہ ہمیشہ کے لئے ایسا منقطع کر لیا تھا کہ اسبابِ آسائش سے انھیں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔

مدرسہ اشفاقیہ بریلی میں

دیوبند سے فراغت ہوئی تھی کہ بریلی کے مدرسۂ اشفاقیہ میں ایک استاذ کی جگہ خالی ہوئی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی جوہر شناس نگاہ مولانا فریدی پر پڑی اور انھوں نے ان کو بریلی بلالیا' اس وقت رسالہ "الفرقان" بھی بریلی سے شائع ہوتا تھا اُس کا نہایت اہم اور شاندار "حضرت مجدد الف ثانی نمبر" شائع ہوا تو اُس میں بھی مولانا فریدی نے بھرپور مدد دی اسی زمانہ میں حضرت مولانا نعمانی اور مولانا فریدی کے مابین جس قلبی تعلق کی بنیاد پڑی اسے ان دونوں بزرگوں نے ساری عمر ایسا نبھایا کہ اُس کی مثال مشکل سے مل سکے گی، مولانا فریدی کا قلم "الفرقان" کے لئے وقف ہو کر رہ گیا تھا، دوسرے رسالوں کو شاذ و نادر ہی کچھ مل جاتا تھا اور نہ آخر عمر تک "الفرقان" کا ہر شمارہ پڑھتے رہے اُس کا ایک ایک پرچہ محفوظ رکھا اور معذوری کے باوجود اُس کے لئے املا کرا کر مضامین لکھواتے اور بھیجتے رہے۔

بڑے بھائیوں کی خدمت

مولانا فریدی کے سب سے بڑے بھائی تحسین احمد تقریباً بیس سال کی عمر میں مجذوب ہو گئے تھے اور اس حال میں ستر برس سے زیادہ زندہ رہے شروع زمانے میں تو صحرا کی طرف نکل جاتے تھے اور کئی کئی دن گھر والے پریشان رہتے تھے پھر وہ زمانہ آیا کہ گھر میں خاموش لیٹے رہتے تھے' اور بہت ہی کم کسی سے بات کرتے تھے، جذب اور گہرا ہوا تو لباس کا بھی ہوش نہ رہا، اپنے کپڑے خود تار تار کرتے رہتے تھے اور کبھی بول و براز بھی کپڑوں ہی میں کر لیتے تھے، مگر عجیب بات یہ ہے کہ اُن کے قریب جا کر کبھی کسی کو بدبو کا احساس نہ ہوتا تھا، نہ وہ کبھی بیمار ہوئے، نہ کوئی دوا استعمال کی، نہ غذا میں کسی طرح کی نفاست کا کوئی لحاظ تھا مگر نوے سال کی عمر میں بھی بچوں کی طرح بھاگ سکتے تھے، مولانا فریدی نے ۴۵ سال تک انکے کھانے کپڑے کا، نہانے دھونے اور دوسری ضروریات کا ایسا خیال رکھا کہ صرف یہی مجاہدہ

کسی شخص کو ولایت و قطبیت کے اعلاترین مدارج تک پہونچانے کیلئے کافی ہو سکتا ہے۔
جب اُن کا انتقال ہوا تو مولانا فریدی علی گڑھ میں پروفیسر خلیق نظامی کے گھر پر تھے، ایک دن صبح کی نماز کے بعد کہنے لگے میں امروہہ ابھی جاؤں گا۔ نظامی صاحب نے کہا کہ گاڑی آجائے وہ آپ کو اسٹیشن تک پہونچا دے گی۔ فرمایا نہیں تشکیل احمد مجھے سائیکل پر بٹھا کر اسٹیشن پہونچا دیں گے میزبان کو ناگوار بھی ہوا ہو گا کہ یہ ایسی ضد کر کے اور عجلت میں تکلیف اُٹھاتے ہوئے جا رہے ہیں، مگر اُن کے جانے کے بعد امروہہ سے ٹیلیفون آیا کہ تحسین احمد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ بتایا گیا کہ مولانا فریدی آج ہی روانہ ہوئے ہیں، یہ امروہہ پہونچے تو اپنے بڑے بھائی کے پیروں سے لپٹ کر بچوں کی طرح روئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ بڑے بھائی کی وجہ سے مرتے دم تک بہت ہی غم زدہ تھیں اور یہ سوچتی تھیں کہ ان کی زندگی کیسے گزرے گی۔

مدرسہ بریلی سے استعفا

جائداد اب تھوڑی سی رہ گئی تھی، اور وہ بھی مقدمات میں الجھی ہوئی تھی، گاؤں والوں کی اکثریت جاٹوں پر مشتمل تھی انھوں نے یہ ستم کیا کہ ایک رات کو دس بارہ جاٹ لاٹھیاں وغیرہ لے کر ڈیرے پر چڑھ آئے اور میرے والد مولوی تسلیم احمد پر حملہ آور ہوئے خدا جانے ان کے دماغ پر کوئی شدید ضرب آئی یا خوف کا غلبہ ہوا، وہ بدحواسی تمام وہاں سے نکلے اور اسٹیشن پہونچ کر ریل میں بیٹھ گئے کئی دن تک ریل میں اِدھر اُدھر سفر کرتے ہوئے اپنی بہن کے پاس میرٹھ پہونچ گئے۔ اُن کا دماغی توازن بھی اب صحیح نہ رہا تھا۔ یہ ۱۹۴۲ء کی بات ہے اور ان کا انتقال ۴ر جنوری ۱۹۸۷ء کو ہوا ۴۵ سال تک وہ اسی دیوانگی کی حالت میں رہے میری عمر اُس وقت سات سال تھی دوسرا بھائی چار سال کا اور چھوٹا ایک ڈیڑھ سال کا تھا۔ جائداد کا اب دیکھنے والا کوئی نہ رہا، آمدنی مسدود ہو گئی، اور مسائل کے پہاڑ سامنے کھڑے تھے، مولانا فریدی اپنی بریلی کی ملازمت سے استعفا دے کر امروہہ آگئے تاکہ اپنے دو فاتر العقل بھائیوں اور تین کم سن بھتیجوں کی دیکھ بھال کر سکیں۔ اگر وہ کوئی امیر یا دنیوی وسائل رکھنے والے انسان ہوتے تو اتنی اچنبھے کی بات شاید نہ ہوتی لیکن اب یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ انھوں نے جس محبت اور شفقت سے ہماری پرورش کی اُس میں سوائے غیر معمولی مومنانہ صفات کے اور کوئی سرمایہ نہ تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے لئے

خود کو فنا کر دیا۔ میں نہیں جانتا کہ اِس کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے۔ اُسی زمانے میں مظفر نگر کے علاقے میں وہ کسی بزرگ کی خدمت میں گئے اور اُن سے کہا کہ میرے ایک بھائی دیوانے ہو گئے ہیں، اُن کی صحت یابی کے لئے دعا کر دیجئے۔ اُن بزرگ نے جواب دیا کہ "حضرت بابا فریدؒ نے ایک دنیا کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے، اگر اُن کی اولاد میں بھی ایک دیوانہ ہو گیا تو کیا ہوا؟" یہ واقعہ سنا کر مولانا فریدی مسکرائے اور فرمایا دیکھو انھوں نے کیا جواب دیا!۔

مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں

جامع مسجد امروہہ کا مدرسہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن محدث علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۳۰ھ) کا قائم کیا ہوا ہے اسکی مالی حالت اُن دنوں زیادہ مضبوط نہ تھی، عام اسلامی مدارس کی طرح عطیات ہی سے چلتا تھا ۴۷ء۱۹ کے بعد ایک دو سال تو بہت تنگی ترشی کے گزرے مولانا فریدی کی تنخواہ شاید ۲۵ یا ۳۰ روپیہ ماہوار شروع میں تھی، جب اضافے کا موقع آتا تھا تو وہ خود ہی فرما دیتے تھے کہ میری تنخواہ کافی ہے اضافے کی ضرورت نہیں۔ دفتر اہتمام نے خود ہی کبھی اضافہ کر دیا تو کر دیا۔ جب مدرسے میں عطیات آتے اور تنخواہیں تقسیم ہوتیں تو مولانا فریدی چاہتے تھے کہ پہلے دوسرے اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں اور گنجائش ہو تو پھر اُنکو بھی دی جائے۔ عموماً وہ اپنی مختصر سی تنخواہ بھی قسطوں میں وصول کرتے تھے کبھی دس روپئے طلب کر لئے کبھی پانچ روپئے لے لئے تاکہ مدرسہ کے دوسرے خرچ بھی پورے ہوتے رہیں، وہ اکثر اپنے عزیزوں، ملنے والوں اور عقیدتمندوں سے بھی مدرسے کی امداد کراتے رہتے تھے، ایک بار دفتر اہتمام نے ان سے درخواست کی کہ وہ مدرسے کے لئے سفیر بن کر چلے جائیں، انھوں نے بھی حالات دیکھ کر منظور کر لیا۔ عطیات میں مصارف سفر کے علاوہ بھی سفراء کا "حق معلوم" ہوتا ہے، مولانا فریدی نے جو کچھ عطیات وصول کئے وہ سب پائی پائی لاکر دفتر میں جمع کر دی اپنا حق بھی نہیں لیا اور مصارف سفر بھی خود ہی برداشت کئے مگر آئندہ کے لئے معذرت کر لی۔

طلبہ سے اور اسلامی مدارس سے انھیں جو تعلق تھا اُسے بے تکلف "عشق" کہا جا سکتا ہے۔ طالب علم کی نہایت قدر اور عزت کرتے تھے اور اُسے ہر آرام پہونچانے کی سعی کرتے تھے، اپنے ساتھ کھانا کھلاتے، چائے پلاتے، حد یہ کہ اطباء اُن کے لئے کوئی خمیرہ یا شربت بنا کر

بھیجتے تو استعمال کے وقت جو طالب علم موجود ہوتا ایک خوراک اس کو بھی چکھا دیتے تھے، شعبان میں سالانہ امتحان سے پہلے طلبہ کو مسجد میں اضافی درس دیتے تھے اور یہ برسوں معمول رہا، تمام شمالی ہندوستان کے دینی مدارس اور مکاتب کے سفراء کے لئے اُن کی مسجد ایک ہیڈ کوارٹر بنی ہوئی تھی، ہر مدرسے کو خود بھی عطیہ دیتے تھے اور شہر کے ذی استطاعت حضرات سے بھی دلاتے تھے صرف انکے توسط سے ہزاروں روپیہ دوسرے مدارس میں بھی بطور عطیہ پہونچتا تھا۔

منصبِ افتاء

مدرسہ جامع مسجد میں جب تک درس دیتے رہے، افتاء کا منصب بھی انکے پاس تھا، جتنے فتوے طلب کئے جاتے تھے سب کا جواب انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ اور ضرورت ہو تو کئی کئی کتابیں دیکھ کر اور غور و فکر کر کے لکھتے تھے، اُن کا حساب اچھا تھا اس لئے فرائض کا کام بھی وہی انجام دیتے تھے۔ شہر اور مضافات کے سب لوگ ان کے فتوے کا بہت احترام کرتے تھے اس لئے کہ سب جانتے تھے یہ بے نفس، بے لوث اور کھرے انسان ہیں کسی سے لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ شاید کسی ہائی کورٹ کے جج نے بھی اتنے مقدمات کا فیصلہ نہ کیا ہوگا جتنے مقدمات و مسائل مولانا فریدی نے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر نمٹا دیئے۔ دونوں فریق لڑتے ہوئے کف در دہاں آتے تھے مولانا فریدی پہلے ایک کو بلاتے اس کی پوری کتھا ایسی توجہ اور دلچسپی سے سنتے جیسے اُنھیں اُس کے ساتھ پوری ہمدردی ہے پھر اسے رخصت کر کے دوسرے فریق کو بلاتے اور اس سے بھی ساری کتھا سنتے تھے، دونوں کے بیانوں اور ثبوتوں کی روشنی میں مسئلے کی حقیقت واضح ہو جاتی تھی اور ان کے فیصلے عموماً دونوں فریق خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے۔ خدا جانے کتنے گھر انھوں نے بسا دیئے، کتنے مسلمانوں کو عدالت میں گھسٹنے سے بچالیا اور کتنے خاندانوں کی پرانی عداوتوں کو ہمیشہ کے لئے دفن کرا دیا۔ امروہہ کے عوام میں ایک اصطلاح تھی کہ اچھا تو یہ فیصلہ اب "سپریم کورٹ" میں ہوگا اور اس سے مراد مولانا فریدی کی عدالت ہوتی تھی۔ امروہہ میں بہت سے علماء ہوئے ہیں اور اپنے اپنے میدانوں میں سب کے کارنامے منفرد ہیں مگر مولانا فریدی کی نظیر ملنا دشوار ہے، ایک تو یہ کہ وہ صرف قلم کے دھنی نہیں تھے، محض زبانی وعظ بھی نہیں کرتے تھے، سراپا حرکت و عمل تھے اور اپنی معذوری کے باوجود ایسے ایسے کوردہ میں چلے جاتے تھے، جہاں کوئی جانا پسند نہ کرے گا،

اور عوام کے ہر طبقے میں اُن کی مقبولیت یکساں تھی۔ بالکل بے پڑھے لکھے گنوار اور کندۂ ناتراش لوگوں سے بھی وہ اس طرح ملتے تھے کہ اپنے علم وفضل یا بزرگی یا شہرت یا کسی اور طرح کی برتری کا اظہار کیا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔

بے نفسی اور سادگی

مولانا فریدی بے نفسی اور فنائیت کی سچی تصویر تھے۔ لباس میں، کھانے پینے میں، کسی چیز میں کسی طرح کا تکلف یا اہتمام نہ تھا، اکثر صرف کُرتے اور تہبند میں ہی شہر اور دیہات کے گشت پر چلے جاتے تھے ورنہ ایک کُرتہ اور ایک پاجامہ، ایک ٹوپی اور ایک جوڑی چپل اُن کی کل کائنات تھی۔ لباس میں اکثر پیوند بھی لگا لیا کرتے تھے انھیں اس سے غرض نہ تھی کہ یہ پیوند بھدّا لگے گا یا کپڑا دوسری قسم کا ہے۔ اکثر میری والدہ یا پھوپھی مرحومہ اُن کیلئے ایک دو جوڑے کپڑے سی کر بھیج دیتی تھیں اگر ان کے پاس جو لباس ہے وہ اس لائق ہو تاکہ دس پندرہ دن اور چل جائے تو نیا جوڑا کسی ضرورت مند کو، عموماً کسی طالب علم کو دے دیتے تھے۔ اُن کے سامان میں ایسا کوئی بکس یا صندوق نہ تھا جسے "کپڑوں کا صندوق" کہا جاسکے۔ جو صندوق تھے اُن میں بھی کاغذ اور کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ انسان کو روزمرہ کی ضرورت کے لئے بیسیوں اشیاء درکار ہیں، اُنکے سامان میں نہ کوئی برتن تھا، نہ بستر تھا، بس وضو اور طہارت کے لئے دو لوٹے تھے پچھلی رات کو اُٹھ کر وضو کر کے تہجد پڑھتے تھے، پھر کچھ ذکر وشغل ہوتا تھا، فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سو جاتے تھے۔ آٹھ بجے کے قریب ناشتہ کرتے تھے، عموماً باسی روٹی کھا لیتے تھے کبھی بسکٹ اور چائے بازار سے منگا کر خود بھی ناشتہ کرتے اور حاضر الوقت حضرات کی ضیافت بھی اُسی سے ہو جاتی تھی مسجد کی چٹائی ہی اُن کا بستر تھا گرمیوں میں فرش کو پانی ڈال کر ٹھنڈا کر لیا جاتا تھا جاڑوں میں ایک گدّا نیچے بچھا لیتے تھے ایک چھوٹا سا گاؤ تکیہ تھا اُس پر سر رکھ کر لیٹ رہتے تھے۔

خالص ترک

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ مجھے پہلے بھی دنیا جمع کرنے کی رغبت نہ تھی، اور پھر میرا پیوند ایسی جگہ ہوا کہ بابا صاحبؒ کی نظر میں دونوں عالم ہیچ تھے خالص ترک

تھا، اس "خالص ترک" کا مفہوم مولانا فریدیؒ کو دیکھ کر سمجھ میں آسکتا تھا وہ ترک و تجرید و تفرید کا ایک نادرِ روزگار نمونہ تھے، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا بھی یہ حال تھا کہ کبھی کبھی کئی کئی وقت فاقہ ہو جاتا تھا، اور کریر کے پھل اُبال کر کھائے جاتے تو اُن میں نمک بھی نہ ہوتا تھا، مگر داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ جو بھی ان کی خانقاہ میں آتا تھا اُسے کچھ نہ کچھ ضرور دیا جاتا تھا۔ مولانا فریدیؒ کا بھی ایسا ہی معاملہ تھا کتنی بیوائیں اور غریب لوگ اور طالب علم ایسے تھے جن کی وہ برابر مدد کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اُن کو کچھ نہ کچھ دلاتے رہتے تھے، ایک بڑے نامی گرامی خاندان کی بیوہ تھیں جن کے حالات اب ناگفتہ بہ ہو گئے تھے، وہ اپنا حال مولانا فریدی کو لکھا کرتی تھیں اور یہ پابندی سے ان کو کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے تھے۔ انتقال سے چند روز قبل بھی اُن کو منی آرڈر بھجوایا۔ جو طالب علم امروہہ سے فارغ ہو کر جا چکے تھے ان کی بھی خبر خبر رکھتے تھے اور ان میں سے جس کی حالت خستہ ہوتی تھی اُسے منی آرڈر سے کچھ روپیہ بھیجتے رہتے تھے۔ مولانا کے ایک عزیز نے اُن کے مرض الموت کے زمانے میں پانچ سو روپئے بطور نذر بھیجے وہ انھوں نے چند پرانے طالب علموں کو بھجوا دیئے غالباً یہ خیال کیا کہ میرے انتقال کی اطلاع پاکر وہ امروہہ آنے کو تڑپیں گے اور تنگدستی کی وجہ سے آنہ سکیں گے اس لئے اُن کا زادِ راہ پہلے ہی روانہ کر دیا۔

قناعت اور توکل اور استغنائے نفس کا مفہوم بھی مولانا فریدیؒ کی ذات میں مجسم ہو گیا تھا انھیں کبھی کسی چیز کی خواہش کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، نہ کسی چیز کے نہ ہونے پر مغموم پایا گیا، پیسہ اگر پاس ہوا تو کبھی ایک لمحے کے لئے یہ خیال نہ کرتے تھے کہ اس کی ضرورت کل کو بھی ہو سکتی ہے۔ صرف ایک مد ایسی تھی جس میں وہ بے دریغ خرچ کرتے تھے اور اُس کے لئے بعض اوقات کسی سے قرض بھی لے لیتے تھے یعنی کتابوں کی خریداری پر اپنی حیثیت اور مالی استطاعت سے زیادہ خرچ کرتے تھے۔ جس زمانے میں مدرسہ جامع مسجد میں درس دیتے تھے دوپہر کو کھانا کھانے کے لئے میری والدہ کے پاس محلہ قریشیان میں آتے تھے، راستے میں ایک دو دکانیں پڑتی تھیں جن پر کبھی کوئی پرانی کتاب بھی نظر آجاتی تھی، جیب میں جو دو چار روپئے ہوتے وہ دے کر کوئی نہ کوئی کتاب لئے ہوئے آتے تھے۔ میرے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتی علیہ الرحمہ (سجادہ نشین پنجم حضرت شاہ عبدالہادی و خواجہ شاہ عبدالباری قدس سرہما) کے کتب خانے کی بہت سی کتابیں چوری ہو گئیں، اور اُن میں سے بعض کتابیں مولانا فریدیؒ کو ردی میں یا

کباڑیوں میں ملیں تو خرید کر لاتے اور نانا صاحب کو دے دیتے تھے۔

کتابوں سے عشق

محلے کے ایک بچے کو جو یتیم تھا اور دماغی طور پر ماؤف، یہ ٹنک تھی کہ کتابوں کو ضائع کرتا تھا، مولانا فریدی ؒ جب اپنے گھر میں طہارت کیلئے یا کسی اور ضرورت سے داخل ہوتے تو یہ اُنکے پیچھے دبے پاؤں چپکے سے گھر میں آکر بیٹھ جاتا تھا اور کتابیں اُٹھا کر چھت پر لے جاتا وہاں بیٹھا انھیں پھاڑتا رہتا تھا، اس طرح اُس نے سیکڑوں نادر کتابیں تباہ کر دیں مولانا فریدیؒ کو اگر دنیا میں کسی چیز سے واقعی اور گہرا تعلق تھا تو کتابوں ہی سے تھا، انھیں اِس کا کتنا صدمہ ہوا ہوگا اِس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا مگر صرف اس لئے برداشت کر لیتے تھے کہ وہ معذور ہے اور یتیم ہے۔

اسی طرح انھوں نے اپنی کتابیں دوسروں کو پڑھنے کے لئے دیں تو بہت سے لوگوں نے واپس نہ کیں مگر وہ کسی بھی موضوع پر کام کرنے والوں کی ہر طرح امداد کرتے تھے اور اپنے پاس جو کچھ مواد ہوتا تھا، وہ اُس کے حوالے کر دیتے تھے۔

مطالعہ کتب

جب تک بینائی نے ساتھ دیا وہ عشا کی نماز کے بعد لالٹین سرہانے رکھ کر اس کی مدھم روشنی میں دیر تک مطالعہ کیا کرتے تھے اسی سبب سے بینائی کمزور ہوتی گئی، انھیں رتوندہ بچپن سے آتا تھا اور اس کا سبب یہ کہ بچپن میں غذا بھرپور نہیں ملی وٹامن اے کی کمی رہ گئی، رات کو لالٹین یا ٹارچ ہاتھ میں لے کر چلا کرتے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں علی گڑھ جا کر ایک آنکھ کا آپریشن کروایا اور وہ ناکام ہو گیا، ناکامی کے تین اسباب تھے: ایک تو جن لوگوں کو رتوندہ آتا ہے اُن کا آپریشن دشوار ہوتا ہے اور بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے، دوسرے مولانا نماز نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ سجدے کی حالت میں سارا دوران خون آنکھوں کی طرف ہو جاتا ہے، آپریشن کے بعد یہ بات سخت مضر ہے مگر انھوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی اور حسب معمول اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریزی کرتے رہے۔ تیسرے یہ کہ ڈاکٹر نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ نہ پڑھیں ورنہ آپریشن خراب ہو جائے گا، مگر مولانا فریدیؒ بغیر مطالعہ کئے نہیں رہ سکتے تھے، ایک بار دیکھا

گیا کہ وہ چادر کے اندر چھپ کر ٹارچ کی مدد سے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ایسے میں بھلا آپریشن کیا کامیاب ہوتا! ۔ مولانا فریدیؒ کے انتقال پر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ "مولانا فریدی کو علم سے وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے"۔

کتابوں کی کھوج

اُن میں تحقیق کا مادّہ فطری تھا، ہر بات کی کھوج خوب کرتے تھے، اور ایک لفظ کی تحقیق کے لئے میلوں کا سفر کرتے چلے جاتے تھے۔ اُنھوں نے سیکڑوں قصبوں اور دیہاتوں کے کتب خانوں اور ذاتی ذخیروں کو بھی کھنگال ڈالا تھا، اور ایسی جگہ سے کتاب نکال کر لاتے تھے، جہاں سان گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ میرٹھ، موانہ، کھتولی، پھلت، پھلاودہ، نانوتہ، گنگوہ، سہارنپور، رامپور منہیاران، مرادآباد، رامپور، سیتاپور، لاہرپور، خیرآباد، لکھنؤ، چاندپور، گلاوٹھی، خورجہ اور خدا جانے کہاں کہاں وہ کتابوں کی تلاش میں گھومے ہیں اور کیسے کیسے گوہر آبدار نکال کر لائے ہیں۔ کتاب خانوں کے مالک بھی اُن کی سادہ و بے ریا شخصیت کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور عموماً انھیں کتابیں دیکھنے بلکہ گھر لے جانے کی اجازت بھی دے دیتے تھے، رمضان میں چند روز کیلئے رامپور جاتے تھے وہاں قاضی شہر کا قدیم اور قابلِ قدر کتب خانہ ہے قاضی صاحب ہر شخص کو کتابیں نہیں دکھاتے تھے مگر انھیں اپنے کتب خانے کی چابیاں دے دیتے تھے، اور یہ فجر کی نماز کے بعد سے ظہر تک اور کبھی عصر تک انکے کتب خانے میں بیٹھے مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

مکتوباتِ شاہ ولی اللہ دہلویؒ

غالباً ۱۹۴۷ء کا قصہ ہے چاندپور کے ایک بنیے نے ہماری جائداد کا کچھ حصہ خرید لیا تھا یا کچھ اور بات تھی، مولانا فریدیؒ اُس سے ملنے کیلئے چاندپور گئے، اُس وقت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ بقیدِ حیات تھے، اُن سے ملے اور اُن کا کتب خانہ دیکھا، اسی میں ایک قلمی کتاب ملی جسکے دو حصے تھے، پہلے حصے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وہ خطوط تھے جو شاہ محمد عاشق پھلتی کے فرزند شاہ عبدالرحمن پھلتی نے جمع کئے تھے اور دوسرے حصے میں وہ مکتوبات تھے جو اپنے بیٹے کے وفات پانے کے بعد خود شاہ محمد عاشق نے فراہم کئے تھے، یہ ایک نایاب مجموعہ تھا جس کا

کوئی دوسرا نسخہ تاحال معلوم نہیں ہے، مولانا فریدیؒ نے اس وقت تو اس کا مطالعہ کیا اور کچھ نوٹ سرسری طور پر لئے، پھر مولانا چاند پوری کے انتقال کے بعد انکے لائق فرزند نے یہ نسخہ مولانا فریدیؒ کو گھر لے جاکر نقل کرنے کیلئے دے دیا یہ ذرا بدخط اور مغشوش بھی تھا اسے پڑھنے اور صحیح نقل کرنے کیلئے بہت محنت کی ضرورت تھی، مولانا فریدی مدرسے سے آکر ظہر کی نماز کے بعد اپنے گھر میں بند ہو کر زمین میں بیٹھتے تھے اور اسے نقل کیا کرتے تھے، سخت گرمی کا موسم تھا اور گھر میں بجلی پنکھا کچھ نہ تھا، ہوا بھی وہاں گذر نہ کرتی تھی مگر یہ دنیا ومافیہا سے بے خبر اس کے ایک ایک لفظ کو صحت کے ساتھ لکھنے میں محو رہتے تھے، اور اتنا پسینہ آتا تھا کہ کبھی وہ جگہ بھی تر ہوجاتی تھی جہاں بیٹھے ہوتے تھے، اس طرح انھوں نے یہ مسوّدہ پورا نقل کیا، اس میں جو خطوط سیاسی موضوعات پر تھے وہ مع اردو ترجمہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کو دے دیئے جنھوں نے اپنے مقدمہ و حواشی کے ساتھ انھیں "شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے چھپوایا، باقی مکتوبات چار سو سے زائد وہ ہیں جو علمی و دینی موضوعات پر ہیں، بصارت سے معذور ہونیکے باوجود مولانا فریدیؒ نے انھیں پڑھوا کر ایک ایک لفظ سنا بار بار غور کر کے متن کی پوری صحت کی، پھر ان کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ املا کرایا، تمام مکتوب الیہم کے حالات جمع کر کے لکھوائے اور مکتوبات میں جو ایسے مواقع آئے جن کی تشریح کی ضرورت تھی اُن پر حواشی لکھوائے، یہ سب چار جلدوں کا مواد ہوگیا۔ اسکی طباعت واشاعت کے لئے حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد) سے بات ہوئی تھی اور انھوں نے اشاعت کا ذمہ لیا تھا مگر کسی نہ کسی وجہ سے اس میں تاخیر ہوتی رہی اور مولانا فریدیؒ کو آخر وقت تک اگر کسی بات کی حسرت رہی تو یہی تھی کہ وہ ان مکتوبات کو کتابی صورت میں چھپا ہوا دیکھ لیتے۔ مگر خود فرماتے تھے کہ "انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوا کرتی"۔ اب ان خطوط کو شائع کرانے کی ذمہ داری اس ناچیز پر آپڑی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ میں انکی اس آخری خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بن سکوں۔ وَمَا هُوَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

خصوصی موضوعات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے خاندان کے باکمال حضرات سے بھی مولانا فریدیؒ کو خصوصی قلبی تعلق تھا اور اس موضوع پر جتنا کام انھوں نے کیا ہے وہ برصغیر میں اور کسی نے نہیں کیا۔ اُن کے اختصاصی موضوعات تھے اکابر دیوبند، حضرت مجدد الف ثانیؒ

اوران کے نامور اخلاف حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کا خاندان، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور انکی تحریک جہاد۔ مطالعہ و تحقیق میں مولانا فریدی کے علمی اسفار کے علاوہ انکی غیر معمولی قوت حافظہ کو بھی بڑا دخل تھا، اُن کے ہوش و حواس اور قوت حافظہ آخری لمحہ تک درست رہی۔ اُن سے ملنے کیلئے ہزاروں انسان آتے تھے، دوسرے شہروں سے پوری پوری جماعتیں آتی تھیں، بعض حضرات سال دو سال کے بعد ملتے تھے، مگر کمال یہ تھا کہ مولانا صرف "السلام علیکم" سن کر آواز سے پہچان لیتے تھے، کبھی نام دریافت فرمالیتے اور نام سے سمجھ جاتے تھے، اس سے زیادہ تحقیق کی ضرورت شاذ ہی پیش آتی تھی، بعض کتابیں انھوں نے برسوں پہلے کبھی پڑھی تھیں مگر حافظے میں یہ محفوظ تھا کہ اُس میں کیا لکھا ہے، ایک بار انھوں نے کسی بات کا تذکرہ "انوار العیون" کے حوالے سے کیا، میں نے اسی زمانے میں وہ کتاب پڑھی تھی، عرض کیا کہ اُس میں تو یہ بات نہیں ہے، نہایت میٹھے لہجے میں فرمایا، "اب پھر دیکھنا"۔ دیکھا تو واقعی اُس میں وہی لکھا تھا جو مولانا نے فرمایا تھا۔ کبھی پنسل سے کبھی قلم سے دوران مطالعہ نوٹس بھی لکھتے رہتے تھے ایسے سیکڑوں پرزے انکے کاغذوں میں محفوظ ہیں۔ مطالعے میں انکی نظر مسائل کی جزئیات پر بہت گہری رہتی تھی، اور مختلف کتابوں کے مطالعے سے نتائج کا استنباط خوب کرتے تھے۔ تحریر میں احتیاط بھی بہت تھی کوئی ایسا لفظ نہ لکھتے تھے جس میں تاویل کی گنجائش رہ جائے، ترجمہ و تلخیص کے وقت اختلافی مسائل کو یا ایسی باتوں کو جن سے عوام میں فتنہ یا غلط فہمی پیدا ہو حذف بھی کر دیتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مکتوبات میں انھوں نے بعض عبارتوں کا ترجمہ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ان باتوں کو عوام نہیں سمجھیں گے۔

عقائد اور مسلک

اپنے عقائد اور مسلک میں وہ پوری طرح علمائے دیوبند کے پیرو تھے، مگر عقائد میں کسی سے الجھتے نہ تھے اور دوسروں کی باتوں کو بھی پورے تحمل سے سنتے تھے، ایسی کوئی بات نہ کہتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو، البتہ اگر کوئی مخالف مسلک کا آدمی عوام میں فتنہ پھیلاتا تھا تو اس کا جم کر مقابلہ کرتے تھے، اور اس کام کے لئے سفر کی مشقتیں بھی خوب اٹھاتے تھے۔

میرے نانا صاحب حضرت شاہ سلیمان احمدؒ حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ کے شاگرد تھے اور جامع مسجد کے مدرسہ سے ہی فراغت کی سند حاصل کی تھی، مگر بعض مسائل میں

وہ اختلاف رکھتے تھے، مولانا فریدیؒ روزدوپہر کو کھانا کھلانے آتے تھے تو کبھی نانا صاحب انکے پاس آکر بیٹھ جاتے، اور کسی اختلافی مسئلے پر گفتگو شروع کر دیتے۔ مولانا فریدی اُن کا بے حد احترام کرتے تھے، میری والدہ کہتی بھی تھیں کہ اُن سے کھانے کے وقت ایسی باتیں نہ چھیڑا کریں ممکن ہے ناگوار ہو، مگر مولانا فریدیؒ نے کبھی ذرّہ بھر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا، نہایت ادب اور احترام سے اُن کی باتیں سنتے تھے، اور کبھی بہت ہی اختصار کے ساتھ کوئی جواب دے دیتے تھے۔ مولانا فریدیؒ کے جانے کے بعد اکثر نانا صاحب میری والدہ سے فرماتے تھے: "تمھارے خاندان میں یہ ایک فرشتہ پیدا ہو گیا ہے" کبھی مجھ سے یوں فرماتے تھے: "یہ ایک عجیب و غریب چیز پیدا ہو گئی ہے، اس کی قدر کرتے رہنا" (اور لفظ عجیب و غریب کو خاص طور پر زور دے کر کہتے تھے۔)

مولانا فریدیؒ میرے اکثر مضامین پڑھوا کر سنتے تھے اور اُن میں کوئی لفظ بھی اگر نادرست ہوتا تو اُسے یاد رکھتے تھے ملاقات ہونے پر اسکی طرف توجہ دلاتے تھے، بعض مضامین میں کوئی بات صریحاً انکے عقائد کے خلاف ہوتی تھی مگر اُس پر کبھی مجھ سے مواخذہ نہیں کیا، میں بھی کبھی اتنی گستاخی کرتا تھا کہ ان سے اختلاف کر کے اپنی دلیلیں پیش کرتا تو بہت محبت سے مسکرا کر سنتے رہتے تھے۔

علمائے دیوبند سے تعلق

انتقال سے چند ماہ پیشتر شہر کے ایک وکیل صاحب انکی عیادت کیلئے آئے اور کچھ سیاسی گفتگو کرتے رہے اسی میں انھوں نے جمعیۃ العلماء کے سیاسی کردار پر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کی مولانا فریدیؒ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ انکے سامنے کوئی علمائے دیوبند کی بیجا مذمت کرے، اس وقت بیمار بھی تھے، مولانا کو مزید تکلیف پہنچ گئی، اور دل و دماغ پر اتنا بوجھ پڑا کہ شدید بخار ہو گیا، کئی دن تک بخار چڑھا رہا، میں حاضر خدمت ہوا تو بتایا کہ فلاں وکیل صاحب نے ایسا کہا اسکی مجھے اتنی ناگواری ہوئی کہ بخار آگیا، میں نے کہا کہ آپ کو دوسروں کے عقائد اور مسلک کا اتنا اثر نہیں لینا چاہئے پوری تاریخ اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جب امّت کسی ایک سیاسی مسلک پر متفق ہو گئی ہو ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہم تو غلطی پر نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو بدترین کافروں منکروں اور مشرکوں کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے۔ یہ باتیں سن کر اُن کا غصّہ ٹھنڈا ہوا۔

انکی وجہ سے جمعیۃ العلماء کو امروہہ اور اسکے آس پاس علاقوں میں ہمیشہ بہت تقویت حاصل رہی اس کا ہر کام بڑی لگن اور جاں فشانی سے کرتے تھے، اسی طرح تبلیغی جماعت کے

وہ نہایت سرگرم فعّال اور مخلص کارکن تھے۔ ۱۹۴۷ء سے وفات تک تقریباً ۴۲ سال امیر جماعت رہے سیکڑوں جماعتیں بنا بنا کر دور و نزدیک بھیجتے تھے اور اکثر خود بھی جاتے تھے انھوں نے نوجوانوں میں دین کا عجیب خاموش درد پیدا کر دیا تھا اور حیرت یہ ہے کہ نوجوان خاص طور پر انگریزی مدارس کے تعلیم یافتہ نوجوان انکی طرف بہت کھینچتے تھے، اور ہر شخص پہلی ہی ملاقات میں گرویدہ ہو جاتا تھا۔ انھوں نے بے شمار مسجدوں کو آباد کرایا، چھوٹے چھوٹے دیہات میں جہاں مسجد نہ تھی مسجد تعمیر کروائی اور مسجد تھی تو اُس میں مدرسہ شروع کرایا آج کتنے ہی مدارس ایسے ہیں جو مولانا فریدی کے قائم کئے ہوئے بہت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ دیہاتیوں کے سامنے ایسی پُراثر تقریر کرتے تھے جس میں علمیت کا بوجھ بالکل نہ ہوتا تھا، اور بات دل میں پیوست ہو جاتی تھی۔

۱۹۶۸ء میں میں مولانا کے ساتھ حیدر آباد جا رہا تھا، ریل میں کھڑکی کے پاس بیٹھے تھے میوات کے علاقے میں کہیں جنگل میں گاڑی رک گئی وہاں پندرہ بیس آدمی پیدل جا رہے تھے انھوں نے دور سے مولانا فریدی کو دیکھ لیا اور ریل کے پاس آکر اُن سے باتیں کرنے لگے سب کو حیرت تھی کہ یہاں جنگل میں بھی انکے چاہنے والے نکل آئے۔ نماز پڑھنے کیلئے کچھ دیر تک تحرّی کرتے رہے قبلے کا صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا، حیدر آباد پہونچ کر پہلا کام یہ کیا کہ ایک قطب نما منگوایا اور اُسے واپسی کے سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔

معمولات

مولانا فریدی کے کچھ معمولات تو روزمرہ کے تھے جو تہجد کے وقت سے شروع ہوتے تھے اور رات کو گیارہ بارہ بجے تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا، مگر ذکر یا تسبیح وغیرہ وہ کسی کے سامنے نہ پڑھتے تھے۔ مراقبہ بھی کرتے تھے تو اپنے مکان میں بند ہو جاتے تھے۔ ایک بار میں کسی ضرورت سے ان کے پاس گیا میری آواز سن کر دروازہ کھول دیا، میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، آواز میں ایسی کیفیت تھی گویا نشے میں ہیں اس وقت انھوں نے مجھ سے ایک دو باتیں ایسی کہیں کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور یہ یقین ہو گیا کہ انکی کشف کی کیفیت بھی بہت بڑھی ہوئی ہے۔ عموماً وہ اپنی کسی بات سے یا کسی ادا سے یہ اظہار نہ ہونے دیتے تھے کہ وہ کوئی ولی اللہ یا درویش یا صاحب باطن انسان ہیں، عام آدمی کا سا بنا و ڈھنگ رکھتے تھے، ہزاروں آدمی عورتیں اور بچے اُن سے دعا کرانے یا تعویذ لینے آتے تھے تعویذ کسی کو نہ دیتے تھے، اکثر پانی دم کر کے دے دیا

کرتے تھے، اگر کوئی ایسی کیفیت ہوتی تھی جس میں طبی علاج کی ضرورت ہو تو طبیب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور عموماً حکیم صیانت اللہ صاحب کے پاس بھیج دیتے تھے۔ لوگ دعا کی درخواست کرتے تھے تو کبھی یہ نہیں دیکھا کہ انھوں نے کسی کیلئے ہاتھ اٹھا کر اسکے مقصد کی وضاحت کرکے یا اس کا نام لے کر اسکے سامنے ہی دعا کردی ہو، نماز کے بعد خدا جانے اپنے رب سے کیا مانگتے ہوں گے اور کیا پاتے ہونگے، مگر ان کا دعا دینے کا انداز مختلف تھا، باتوں باتوں میں دعا دیتے تھے حضرت بابا فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ: "تا چہل سال بندہ مسعود آن کرد کہ خدامی خواست، اکنوں خدا آن می کند کہ بندہ مسعود می خواہد" مولانا فریدیؒ نے بھی اپنی پوری زندگی کو مرضیات الٰہی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا، اور اپنی ہر خواہش کو فنا کر دیا تھا اس لئے انھیں بھی وہ مقام حاصل ہو گیا تھا کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

قدرت اللہ شہاب نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے :۔

"اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اس ارادے سے کیا جائے کہ بے تکلف افعال صالحہ کا صدور ہونے لگے تو یہی مشقت ہر ہر فعل کی معاون و مددگار ہو جائے گی اور رسوخ کامل کا راستہ وا ہو جائے گا یہی استقامت سب سے بڑی کرامت ہے جس پر اللہ تعالےٰ کی رحمت اور رضا کا سایہ ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں یعنی انکی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کا ارادہ بھی دعا بن جاتا ہے انکی خواہش بھی دعا ہوتی ہے چونکہ انکی اپنی خواہشات کا دائرہ سمٹ سمٹا کر صفر کے برابر ہو گیا ہوتا ہے اس لئے انکی دعائیں انکے ارادے اور انکی خواہشیں زیادہ تر دوسروں کے لئے ہوتی ہیں جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے، اپنی ذات کیلئے انکی صرف ایک ہی دعا اور خواہش ہوتی ہے وہ حسن خاتمہ کی ہوتی ہے" (شہاب نامہ ۱۱۷۵ طبع لاہور ۱۹۸۸ء)

دعا کا اسلوب

مولانا فریدی کے پاس اگر کوئی شخص آتا اور مثلاً کسی مفقودالخبر کے ملنے کی دعا کرنے کو کہتا تو اس کا حال پوچھتے رہتے، اس سے پوری ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کرتے کب غائب ہوا، کیوں گیا؟ کہاں جا سکتا ہے؟ اس طرح کی باتیں کرتے کرتے اُس سے درمیان میں کہہ دیتے: "اچھا"

اللہ مددگار ہے، جب وہ شخص آجائے تو مجھے بھی بتانا" بس یہی دعا ہو گئی، جسے عرف عام میں کرامت کہا جاتا ہے اسکے واقعات اگر جمع کئے جائیں تو بلا مبالغہ ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے مگر مولانا فریدی کو اخفائے حال کا اتنا شدید اہتمام تھا کہ ان احوال و کیفیات کو ہر شخص سمجھ بھی نہیں سکتا تھا، جس کو کوئی تجلّی نظر آگئی وہ پھر ان کا دل و جان سے عقیدت مند ہو جاتا تھا۔

ہفتہ وار معمولات

انکے کچھ معمولات ہفتہ وار تھے مثلاً ہر جمعرات کو عصر کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتے تھے اور پھر عشا کے وقت تک وہاں رہتے تھے اس دوران میں جماعتوں کی تشکیل کر کے انھیں اطراف و جوانب میں روانہ کرتے تھے۔ رات کا کھانا ہمیشہ عشا کی نماز کے بعد کھاتے تھے اور دوپہر کا نماز ظہر سے قبل۔ کھانے میں پر تکلف چیزوں سے مطلق رغبت نہ تھی بلکہ بے دلی سے کھاتے تھے، گھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ مرغ سے قطعاً دلچسپی نہ تھی گوشت تھوڑا بہت کھا لیتے تھے، مگر انکی مرغوب غذا دال چاول تھی اسکے ساتھ پودینے اور ہری مرچ کی چٹنی بڑے شوق سے کھاتے تھے، بیماری کے زمانے میں ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ انھیں چوزے کی یخنی بنا کر پلائی جائے کئی چوزے منگوا کر دور ایک گھر میں رکھوا دیئے گئے تھے اور وہاں سے احسن امیر صاحب ایک چوزہ ذبح کر کے لے آتے تھے اس کی یخنی کا پانی ایک پیالی میں انکو یہ کہہ کر دیا جاتا تھا کہ یونانی دوا ہے، ذائقہ خراب تھا اس لئے وہ پہچان نہ پاتے تھے، ایک بار نجانے کس طرح انھیں بھنک لگ گئی کہ چوزے کی یخنی دی جا رہی ہے، بہت ناگواری کے ساتھ فرمایا: "میں چوزے کھاؤں گا؟ ہزاروں مفلس انسان ایسے ہیں جنھیں دوا بھی میسر نہیں"۔ بڑی دشواری سے ان کو وہ ایک پیالی پلائی جاتی تھی۔

سالانہ معمولات

معمول یہ تھا کہ رجب اور شعبان میں جامع مسجد کے طلبہ کو درس دے کر امتحان کی تیاری کراتے تھے، رمضان میں چند روز کیلئے رامپور جاتے اور قاضی شہر کے کتب خانے میں مطالعہ کرتے وہاں سے آکر میرٹھ دیوبند، پھلت، پھلاودہ وغیرہ اطراف کا سفر کرتے اور آخری عشرے میں سہارنپور پہونچ جاتے تھے، جہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہتے، شیخ الحدیث ان سے بہت محبت فرماتے تھے۔ دستر خوان بچھتا تو سب سے پہلے

مولانا فریدیؒ اور انکے رفقاء کو آواز دی جاتی تھی حضرت شیخ الحدیث انھیں اپنے ساتھ بٹھا کر
کھلاتے اور بار بار اپنے دست مبارک سے انھیں کچھ دیتے رہتے، رخصت کرتے وقت بھی شیخ
انھیں کچھ نہ کچھ مرحمت فرماتے تھے، ایک بار بہت اصرار کرکے دو سو روپئے عنایت فرمائے، حضرت
شیخ نے خود ہی انھیں اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا اور بہت تاکید کی کہ یہ خلافت یونہی نہیں
دے رہا ہوں اس کا نفع لوگوں کو پہونچاؤ۔ مگر مولانا فریدی کا ذوقِ اخفا یہ اجازت نہیں دیتا
تھا کہ کسی کو مرید کریں، اپنے اکابر سے اور اُنکی اولاد سے جو تعلق تھا اسکی وجہ سے بھی کسی کو
مرید نہ کرتے تھے دوسروں کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔ انھیں مولانا فتح محمد میواتی اور
مولانا سید مقبول حسن نے بھی بلا طلب خلافت عطا فرما دی تھی موخر الذکر کیلئے تو مولانا فریدی
کو یہ کہتے سنا گیا کہ "میں اُن کا معتقد ہوں اور وہ میرے معتقد ہیں"۔

ہر طبقہ میں مقبولیت

مولانا فریدیؒ اگر دست بیعت قبول کرتے تو یقیناً انکے لاکھوں مرید ہوتے۔ سارا شہر کیا
قرب و جوار کے کئی اضلاع انکے گرویدہ تھے، شہری ہو یا دیہاتی، عالم ہو یا جاہل، مدرسہ اور جماعت
سے تعلق رکھنے والا ہو یا کالج اور یونیورسٹی کا زائیدہ، تاجر ہو یا نوکر پیشہ، کسان ہو یا اہلِ حرفہ،
جوان ہو یا بچہ، اُن کے عشاق ہر طبقے میں اور ہر جگہ موجود تھے اس کا ہمیں بھی اتنا اندازہ نہ تھا کہ
دلوں پر ایسی حکومت کر رہے ہیں، کچھ اندازہ ہوا تو ان کے جنازے کا جلوس دیکھ کر ہوا جس میں
چھ سات سال کے بچے تک شامل تھے۔ ہزارہا خواتین انکی میت کا دیدار کرنے آئیں، کتنے ہی بوڑھے
اور اپاہج لوگ دوسروں کے سہارے چل کر انکی میت پر آئے، ہجوم کا یہ عالم ہوگیا کہ جسکے پیر سے جوتا نکل
گیا وہ پھر اسے پہن نہیں سکا شہر میں جگہ جگہ چھوٹے ہوئے جوتوں کے ڈھیر لگا دیئے گئے تھے۔

حج بیت اللہ شریف

خاتمۂ زمینداری کے جو بانڈ ملے تھے ان میں سے اپنے حصّے کے بانڈ فروخت کرکے وہ
۱۹۶۱ء میں حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے تھے اس وقت تک کچھ بینائی موجود تھی، ارکان حج
اور طواف و زیارات کے بعد ان کا باقی وقت مدرسۂ صولتیہ کے کتب خانے میں بسر ہوتا تھا
وہاں سے بھی انھوں نے کئی نوادر برآمد کئے، انھیں میں وہ مثنوی "مونسِ مہجوراں" بھی تھی جس میں

حضرت حافظ ضامن شہید علیہ الرحمۃ کا حال نظم ہوا ہے، اسے مولانا فریدی ہی نے دریافت کیا تھا، حج سے واپسی میں جو سامان انکے ساتھ تھا اُس میں آب زمزم، کھجور اور چند تسبیحوں کے علاوہ ایک فاؤنٹن پین تھا جو انھوں نے اپنی ضرورت سے خریدا تھا اور ایک اسٹوو تھا جس کی فرمائش میرے ماموں صاحب نے کر دی تھی۔

صدر جمہوریہ سے سند امتیاز

حکومت ہند عربی و فارسی کے اسکالرز کو سند امتیاز دیتی ہے اس کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سالانہ پنشن بھی تاحیات ملتی ہے (یہ اب دس ہزار ہو گئی ہے) مولانا فریدی کے علمی مرتبے کو دیکھتے ہوئے اور یہ خیال کر کے کہ ان کا اب کوئی ذریعۂ آمدنی بھی نہیں ہے، مہمانوں کا اور طلبہ کا سلسلہ روز افزوں ہے، میں نے انھیں تو قطعاً بھنک بھی نہیں لگنے دی، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے وائس چانسلر سے اُن کا نام حکومت کو بھجوایا اور ایک خط حکیم عبدالحمید صاحب سے لکھوایا، چنانچہ ۱۹۸۱ء میں ان کو یہ سند امتیاز مل گئی۔ مگر مجھے بہت اندیشہ تھا کہ وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیں گے حسن اتفاق سے اُسی سال مولانا محمد رابع حسنی ندوی کو بھی یہ سند ملی تھی، میں نے ان کا حوالہ دیا اور بعض دوسرے حضرات سے کہلوایا کہ مولانا اسے قبول کر لیں۔ وزارت تعلیم سے کلکٹر مراد آباد کے نام پرچہ آیا کہ مولانا فریدی کو جا کر مبارکباد دو کہ انھیں سند امتیاز ملی ہے، کلکٹر نے پہلے امروہہ کے ایس ڈی ایم کو بھیجا، وہ یہ سوچ کر آیا ہو گا کہ وہاں شادیانے بج رہے ہونگے اور مٹھائیاں بٹ رہی ہوں گی دیکھا تو مسجد کی پرانی چٹائی پر ایک درویش بیٹھا ہوا ہے اور چند معتقدین حسب معمول جمع ہیں، اُس نے بڑی گرم جوشی سے مبارکباد دی مگر یہاں تو ابھی یہی زیر غور تھا کہ اسے قبول بھی کریں یا نہیں، وہ یہ کہتا ہوا گیا کہ "انھیں تو کوئی خوشی نہیں معلوم ہوتی" میرے دل میں بعد کو یہ خیال آیا کہ ہماری لاکھوں روپئے کی زمینداری ختم ہو گئی اور اُس کے بانڈ کوڑیوں کے مول بک گئے، ہمارے ڈیرے پر گاؤں والوں نے زبردستی قبضہ کر لیا، اور ۶۶ بیگہ کا قلمی آموں کا باغ بھی کوڑیوں میں نیلام ہو گیا، اب اگر حکومت سے علمی خدمات کے صلے میں کچھ مل رہا ہے تو اسے رد کرنا کیسے مناسب ہو سکتا ہے! خدا کی شان کہ کچھ دن کے بعد یہی الفاظ مولانا فریدی کی زبان پر خود بخود آ گئے اور فرمایا کہ میں نے اسے ڈیرے اور باغ کا معاوضہ سمجھ لیا ہے۔

ایوانِ صدر میں

اب یہ مرحلہ سامنے آیا کہ ۲۰ مارچ ۱۹۸۲ء کو راشٹرپتی بھون میں رسمی جلسہ ہونا تھا جس میں صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں شال اور سند وصول کی جاتی ہیں تو بار بار کہہ کر مولانا کو آمادہ کیا کہ وہ اس جلسے میں تشریف لائیں، راقم الحروف اور خواجہ حسن ثانی نظامی انھیں ساتھ لے کر ایوان صدارت تک گئے مولوی محب الحق انکے ساتھ امروہہ سے آئے تھے انھوں نے نہایت وقار کے ساتھ شال اور سند وصول کی، جلسے کے بعد دوسرے ملحقہ ہال میں چلے گئے کیونکہ ادھر کیمرے وغیرہ بہت کھٹک رہے تھے، اندرا گاندھی سب سکالروں سے ملاقات کررہی تھیں میں نے کہا کہ عربی فارسی کے علماء سے بھی مل لیجئے تو وہ اس ہال میں گئیں جہاں مولانا فریدی بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے، جیسے ہی مولوی محب الحق نے بتایا کہ اندرا گاندھی اس طرف آرہی ہیں مولانا ایک ہاتھ میں اپنا جھولا اور دوسرے میں بید لے کر کھڑے ہوگئے تاکہ ان کے آنے پر اٹھنا نہ پڑے اور دونوں ہاتھ بھی خالی نہ رکھے تاکہ وہ مصافحہ نہ کرسکیں۔ انھوں نے یہ اوارڈ میری پاسداری میں قبول کرلیا تھا ورنہ ایک دوبار جب غصہ آیا تو فرمایا کہ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

مولانا فریدی کی ایک کرامت

جن دنوں ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی اور نس بندی کا ہنگامہ گرم تھا۔ امروہہ میں عربی مدرسہ کا ایک طالب علم لحاف میں روئی بھروانے بازار گیا تھا اسے تحصیل کے عملے نے پکڑ کر اسکی نس بندی کردی۔ ایسے بہت سے واقعات ہوچکے تھے مگر اس طالب علم کا یہ واقعہ مولانا کے علم میں آیا تو بے چین ہوگئے۔ ایسے حالات میں انکی بھوک بند ہوجاتی تھی اور کئی دن کھانا نہیں کھاتے تھے، فوراً سہارنپور روانہ ہوئے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمۃ سے دعا کی درخواست کی۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بہت دیر تک حضرت شیخ کے ساتھ حجرے میں بند رہے اور جب برآمد ہوئے تو داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ بس دعا کراکر امروہہ واپس آگئے۔ مولانا فریدی نے کبھی کسی کے لئے بددعا کا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، بہت ہی زیادہ غصہ آتا تھا تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں

اس شخص کو کہیں بد دعا نہ دے دوں" حضرت شیخ سے ملاقات کے بعد ایک دن امروہہ میں خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب آئے ہوئے تھے وہ حسب دستور مولانا فریدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُن سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ اندرا گاندھی سے ملتے رہتے ہیں میرا ایک پیغام اُن تک پہونچا دیں۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ میں ان سے ملتا تو نہیں رہتا البتہ کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ کسی جلسے میں وہ بھی ہوں اور میں بھی موجود ہوں تو سرسری ملاقات ہو جاتی ہے۔ فرمایا خیر! وہ جب بھی ملیں تو آپ میرا پیغام پہونچا دیں کہ حکومت فسق و فجور کے ساتھ تو چل جاتی ہے ظلم کے ساتھ نہیں چلتی اگر انھوں نے یہ مظالم بند نہ کئے تو ان کا تختہ پلٹ جائے گا۔ حسن ثانی صاحب کو یہ پیغام پہونچانے کا موقع تو نہ ملا مگر اس درویش خدامست کی زبان سے جو الفاظ نکلے تھے وہ ایسے نشانے پر لگے کہ ایمرجنسی کے بعد جو عام انتخابات ہوئے ان کے نتیجے میں کانگرس (آئی) کو پورے شمالی ہندوستان میں ایک سیٹ بھی نہ مل سکی اور خود اندرا گاندھی جیسی شخصیت کو راج نرائن جیسے مسخرے نے شکست فاش دے دی۔ اس فتح و شکست کے اور ہزاروں اسباب و علل ہو سکتے ہیں مگر یہ واقعہ ہمارے مشاہدے میں آیا ہے اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک قوی سبب یہ بھی تھا۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد
تا دل صاحب دلے نامد بدرد

جلالِ فاروقی کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے اپنے کسی عزیز کو دھمکانے کے لئے پولیس انسپکٹر کو بلا لیا، وہ مولانا فریدی صاحب والی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، پولیس انسپکٹر انھیں تلاش کرتا ہوا مسجد میں آیا اور اپنے غرور و نخوت میں جوتوں سمیت مسجد کے اندر گھستا چلا گیا مولانا فریدی اپنے رفقاء کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے، انسپکٹر فرعون بے سامان کی طرح رعونت سے بولا فلاں شخص کہاں ہے؟ اور کچھ اس طرح کے الفاظ کہے کہ تم لوگوں نے کیا پاکستان بنا رکھا ہے؟ مولانا فریدی کو جلال آگیا اُسے بہت سختی سے جھڑکا اور جوتے پہنے ہوئے اندر آنے پر سخت تنبیہ کی، اُس سے نہایت جلال کے عالم میں کہا تجھے پتہ ہے پاکستان کہاں ہے؟ نقشہ لے کر آ میں تجھے پاکستان دکھاؤں۔ اُس وقت مولانا فریدی کا جلال ایسا تھا کہ وہ انسپکٹر بھی

ایک دم سہم گیا اور اُلٹے پاؤں چلا گیا۔ پھر اُسے خدا جانے کیا دکھایا گیا کہ اُس نے دوبارہ آکر مولانا کے پیر پکڑ کر معافی مانگی اور کئی بار معافی مانگنے آیا۔ اُس کا امروہہ سے تبادلہ ہو گیا تو شاید گورکھپور یا گونڈہ سے امروہے کے بعض لوگوں کو خط لکھتا رہا کہ مجھے مولانا سے معافی دلادو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت ہی زیادہ پریشان تھا۔

ایک بار انھیں کوئی کتاب ملی اُس کا حال مولانا ابوالحسن زید فاروقی کو خط میں لکھا اور مجھ سے فرمایا "تم دیکھنا مولانا زید میاں اس کتاب کی وجہ سے امروہہ تک آئیں گے" کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا زید میاں نے قاضی سجاد حسین صاحب کی معرفت مجھے پیغام بھجوایا کہ میں امروہہ جانا چاہتا ہوں چنانچہ تاریخ طے کی گئی، مولانا زید میاں، قاضی سجاد حسین صاحب اور یہ خاکسار موٹر سے امروہہ گئے مولانا زید میاں کے اکلوتے جواں مرگ صاحبزادے ڈاکٹر محمد ابوالفضل فاروقی ڈرائیو کر رہے تھے، زید میاں کئی گھنٹے امروہہ میں رہے اور اس کتاب سے اپنے مفید مطلب اقتباسات حاصل کئے۔

اسکے باوجود کہ مولانا فریدی کو اپنا حال چھپانے کا زبردست اہتمام تھا، ایسے صدہا واقعات ہیں جو انکی صحبت میں رہنے والوں کے مشاہدے میں آتے رہے۔ اُن واقعات کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے۔

آخری زمانہ

رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸ء میں انھوں نے اپنے سب معمولات سفر وغیرہ حسب عادت پورے کئے مگر کمزوری تھی اس پر کچھ لُو کا اثر ہوا اور بخار رہنے لگا، اسہال کی شکایت بھی ہو گئی دوا ہمیشہ یونانی ہی استعمال کرتے تھے اور علاج یا حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا ہوتا تھا یا حکیم عنایت اللہ صاحب اور انکے صاحبزادے حکیم شعیب اختر کا۔ علاج سے فائدہ بھی ہوا مگر وہ تبلیغی دورے نہ چھوڑتے تھے، دیہات کا سفر ویسے بھی نہایت تھکانے والا ہوتا ہے کہیں مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنے جا رہے ہیں، کہیں مسجد کا افتتاح کر رہے ہیں، کہیں فارغ طلبہ کو سند اور دستار دینی ہے کسی مدرسے کی شوریٰ کا جلسہ ہے، کسی مخلص کے گھر کوئی تقریب ہے اُس کی دلداری منظور ہے، غرض کوئی نہ کوئی بہانہ سفر کا نکلتا تھا اور وہ اس کمزوری و معذوری کے باوجود سفر کیلئے آمادہ ہو جاتے تھے، دیہاتی بسوں میں سفر کرنا، کہیں رکشا میں کہیں پیدل، کہیں بیل گاڑی میں۔ گاؤں کے کوبڑ کھابڑ راستے چلچلاتی ہوئی دھوپ سائیں سائیں کرتی ہوئی لُو کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور جہاں مسجد یا مدرسے کا

یا تبلیغ کا کوئی کام ہوتا تھا وہاں ہر طرح کی مشقت برداشت کر کے پہونچ جاتے تھے۔ اس رمضان کے بعد انھیں مکمل آرام اور دوا کی ضرورت تھی مگر اس کا موقع نہ ملا اور رہ رہ کر بخار آتا رہا۔

مجھے ستمبر ۱۹۸۸ء میں گویانا (جنوبی امریکا) ایک کانفرنس میں جانا تھا اور اسکی تیاری خاصی ہو گئی تھی کہ خود مجھے اگست میں نمونیا ہو گیا اور یہ سلسلہ خاصا طویل رہا اسکی وجہ سے وہ سارا پروگرام منسوخ کر دیا اور بعد کو اندازہ ہوا کہ اگر میں ملک سے باہر چلا جاتا تو آخر وقت میں مولانا فریدی کی خدمت سے محروم رہ جاتا عسی ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم میں اسے بھی مولانا فریدی کی کرامت ہی سمجھتا ہوں۔

وفات

مولانا فریدی ڈاکٹری علاج کیلئے کسی طرح آمادہ نہ ہوتے تھے، بعض مخلصین نے مولانا اسعد میاں کو اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کو لکھا ان حضرات نے اپنے خطوط میں مشورہ دیا کہ ڈاکٹری علاج سے پرہیز مناسب نہیں ہے اُدھر برادر عزیز ڈاکٹر توفیق احمد نظامی علی گڑھ سے آگئے اور انھوں نے بھی اصرار کیا تب ۸/ اگست ۱۹۸۸ء سے ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا اس سے فائدہ بھی ہونے لگا تھا، مگر کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی رہیں جو طبی اصول کے خلاف تھیں بس اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ مولانا کی عمر اتنی ہی تھی اور رفیق اعلیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا تھا۔ انسانی تدبیریں ایک لمحہ بھی کم و بیش نہ کر سکتی تھیں۔

۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء منگل کی صبح ۸ بجکر ۴۵ منٹ پر علم و فضل فقر و درویشی، ایثار و اخلاص، ارشاد و ہدایت، رحمت و شفقت کا یہ پیکر مجسم اس عالم اسباب و ظواہر سے روپوش ہو گیا۔ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ مگر ہزاروں لاکھوں چاہنے والوں کے دلوں کو اس کی یاد ہمیشہ گرماتی رہے گی اور تبلیغ دین و اقامت شریعت و احیائے سنت کیلئے انھوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ اپنے برگ و بار لاتی رہیں گی۔

من شاء بعدك فليمت   فعليك كنت أحاذر

(اب تمہارے بعد جس کا جی چاہے مر جائے، مجھے تو تمہاری جدائی کا ہی دھڑکا لگا ہوا تھا)

مجھے دہلی میں سوا نو بجے یہ دلدوز خبر ملی اور فوراً موٹر سے روانہ ہو گیا۔ اُس دن گڑھ مکتیسر کے پاس توحیدی ایکسپریس پٹری سے اُتر گئی تھی اس لئے دہلی سے جانے والی ریلیں بند تھیں، مولانا کے انتقال کی خبر نہ ریڈیو سے آئی نہ کسی اخبار میں چھپی پھر بھی مراد آباد، رامپور، سنبھل، حسن پور، علی گڑھ دہلی کے علاوہ قرب و جوار کے دیہات سے ہزارہا عقیدت مند اس طرح امروہہ پہونچ گئے جیسے مولانا کے انتقال کی خبر کسی فرشتے نے پھونک دی ہو سیکڑوں آدمی تو میت کا دیدار کر کے اور فاتحہ پڑھ کر ہی شام

تک واپس ہو گئے، دس ہزار سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور جنازے کی مشایعت کرنے والوں کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے ہزاروں افراد کو کاندھا دینے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ جنازے تک پہونچنا دشوار تھا جلوس میں جس کی جوتیاں پیر سے نکل گئیں وہ انھیں دوبارہ نہیں پہن سکا جلوس کے راستے پر صبح کو جابجا چھوٹی ہوئی جوتیوں کے ڈھیر پائے گئے۔

تدفین

ان کی تدفین کے مسئلہ پر بھی کچھ اختلاف ہوا جو اس وقت بڑا ناخوشگوار معلوم ہوتا تھا لیکن اب جب اس کی یاد آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کی محبوبیت کے آخری مظاہرے کا غیبی انتظام تھا۔ میری یہ رائے تھی کہ انھیں حضرت شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ کی درگاہ میں حضرت شاہ عبدالباریؒ کے پاس دفن کیا جائے کیونکہ یہ دونوں ان کے سلسلۂ طریقت کے مشائخ اور حضرت شاہ عبدالباری حضرت سید عبدالرحیم فاطمی شہید بالاکوٹ کے مرشد تھے۔ میرا خیال تھا کہ مولانا فریدی کے وارث کی حیثیت سے یہ میرا حق ہے اسی بناء پر میری طرف سے اس تجویز پر اصرار بھی ہوتا رہا لیکن شہر کے بہت سے حضرات جن میں مولانا سے قریبی دینی تعلق رکھنے والے بھی تھے چاہتے تھے کہ مولانا کی تدفین مدرسہ جامع مسجد کے حدود میں ہو بلکہ ایک مرحلہ تو ایسا آیا کہ کچھ لوگ گھر میں سے میت کا پلنگ اٹھا کر جامع مسجد لے گئے۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ حضرت مولانا اسعد میاں نماز مغرب سے قبل ہی دہلی سے پہنچ گئے انھیں یہ قصہ معلوم ہوا تو مجھے بلوایا میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کا مقام و مرتبہ مجھے معلوم ہے اور آپ کے کسی حکم کو مولانا فریدی بھی ہرگز نہ ٹال سکتے تھے لہذا اب جو آپ کا فیصلہ ہوگا وہ مجھے تسلیم ہے۔ مولانا اسعد میاں اس بات سے خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو ان لوگوں کی خواہش ہے آپ اسے پورا ہونے دیں۔ میں نے عرض کیا کہ اب میرے کچھ عرض کرنے کی توگنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ غرضکہ انھوں نے حکم دیا اور جامع مسجد امروہہ کے صحن میں جانب جنوب ایک لحد تیار کی جانے لگی تو کوئی دو ڈھائی فیٹ کھودنے پر ایک اور قبر برآمد ہو گئی۔ اُن حضرات نے خود ہی آکر کہا کہ وہاں تو ایک اور قبر نکل آئی اور دوسری قبر کی جگہ نہیں ہے، میں نے کہا اب یہ اللہ کی جانب سے فیصلہ ہوا ہے۔ چنانچہ

اُس وقت یہ تجویز سامنے آئی کہ محلہ جھنڈا شہید کی جس مسجد کی چٹائی پر مولانا فریدی کے شب و روز گزرتے تھے، اور جس کے ایک حجرے میں اُن کی کتابیں بھی رہتی تھیں (اس حجرے کا وہ ماہانہ کرایہ ادا کرتے تھے اور مسجد کی بجلی اور پنکھا استعمال کرنے کی وجہ سے بجلی کا بل بھی ادا کیا کرتے تھے) اسی کے متصل ایک کمرہ میں اُن کو دفن کیا جائے۔ اس پر سب کا فوراً اتفاق ہوگیا اور رات کو دس بج کر چالیس منٹ پر اُن کی میت کو کچی اینٹوں سے بنائی گئی لحد میں اتارا گیا۔ یہ حجرہ مسجد کے دروازے سے بالکل متصل جانب شمال ہے۔

مولانا فریدی کا ایک خواب

اپنی بیماری کے آغاز میں مولانا فریدی نے اپنا ایک خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میں نے دیکھا ہے مسجد میں میرا بستر زمین کے اندر اتر رہا ہے"۔ اُس وقت تو کسی کا ذہن ادھر منتقل نہ ہوا، دفن کے بعد تعبیر خود واضح ہوگئی۔ ایک بار شاید ۱۹۷۳ء میں اُن پر ٹائیفائیڈ کا شدید اور مکرّر حملہ ہوا تھا، بظاہر بچنے کی کوئی امید نہ تھی، اُس وقت حکیم سلطان احمد صاحب مرحوم کا علاج تھا، ان کی حذاقت اور فہانت شہرۂ آفاق تھی ایک دن اُنھوں نے مجھے تنہائی میں لے جاکر کہا کہ مولانا کا اب آخری وقت ہے، تمھیں جو کچھ خدمت کرنی ہے کرلو۔ سخت سراسیمگی پیدا ہوگئی تھی اور اسی زمانے میں یہ بھی سوال میرے ذہن میں آیا تھا کہ ان کی آخری آرام گاہ کہاں بنے گی، میں نے سوچا تھا کہ اگر اسی مسجد کے اس حجرے میں وہ آسودہ ہوں تو یہ مناسب رہے گا۔ مولانا فریدیؒ نے اس زمانے میں نہایت ضعف و نقاہت اور اطباء کی مایوسی کے باوجود ایک دن مجھ سے فرمایا کہ میں ابھی مر تھوڑی رہا ہوں صحت ہو جائے تو پھلت جاؤں گا اور سیتاپور بھی جانا ہے۔ وغیرہ۔ اور واقعی وہ تندرست ہوگئے اور کئی برس تک پھر اپنے معمولات میں منہمک رہے مگر تدفین کے لئے اس وقت میرے دل میں جو خطرہ گذرا تھا وہ شاید اُن پر بھی مکشوف ہوگیا تھا اور اسی طرح وقوع میں آیا جیسا میں نے سوچا تھا۔

ابھی ہزاروں باتیں لکھنے کی ہیں مگر صفحات کی تنگ دامانی کا خیال دامن گیر ہے

انشاء اللہ مولانا فریدی کی سوانح عمری بہت سی ضروری تفصیلات اور حوالوں کے ساتھ شائع کرانے کا ارادہ ہے اس لئے کہ اُن کی جیسی جامع کمالات ہستی روز روز پیدا نہیں ہوتی بقول میرؔ ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اور مولانا فریدی نے تو ایسی پاکیزہ، مثالی اور مجاہدات سے بھرپور زندگی گزاری ہے کہ ایک تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا "ان کا بہروپ بھرنا بھی آسان نہیں، کوئی شخص اگر نقل کرنے کے لئے بھی مولانا فریدی بننا چاہے تو کامیاب نہ ہو سکے گا" اللہ تعالیٰ ان کے مراتب بلند کرے، اپنی خاص رحمتوں سے مالا مال فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کے نام کو اور کام کو زندہ رکھ سکیں ——— آمین

فتنۂ جہیز

برصغیر میں مسئلہ جہیز پر اپنی نوعیت کی پہلی جامع اور محققانہ کتاب جس میں جہیز کی شرعی حیثیت اور اسکی حقیقت اور سماج پر اس کے بُرے اثرات و نتائج کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے، کتاب میں ہندو پاک کے چوٹی کے علماء و مفکرین کے بصیرت افروز اور پُرمغز مقالات شامل ہیں — اعلیٰ کتابت، عمدہ طباعت دیدہ زیب سرورق، ھدیہ ۲۰/

تمہید و ترتیب
عبدالرحمٰن کونڈو

ملنے کا پتہ
الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی، نظیر آباد لکھنؤ
۲۲۶۰۱۸

مدارس اسلامیہ عربیہ، اسکول اور کالج کے طلبہ کیلئے
ایک نایاب تحفہ

تقریر کیسے کریں؟

مکمل پانچ حصے

حصہ اول ۵/- دوم ۷/-
سوم ۱۰/- چہارم ۱۰/- پنجم ۱۰/-
مکمل سٹ ۴۲/-

از مولانا محمد کاظم ندوی

⁂ نوٹ ⁂
اپنے کسی قریبی کتب فروش سے حاصل کریں، یا ہمیں لکھیں

ناشر
مکتبہ ایوب کاکوری لکھنؤ ۲۲۷۱۰۷

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دارالعلوم دیوبند

از۔ مولانا نسیم احمد فریدیؒ

ساقیٔ دہلی[1] کے مستوں نے بارضِ دیوبند
جب رکھی بنیاد میخانہ بطورِ یادگار

دور دورہ ساغرِ صہبائے طیبہ کا ہوا
جرعہ نوشانِ ازل آئے قطار اندر قطار

قاسمؒ و محمودؒ و انورؒ نے لنڈھائے خم کے خم
اپنی وسعت کے مطابق پی گیا ہر بادہ خوار

آج بھی ساقی کی چشمِ خاص کی تاثیر دیکھ
بادۂ مغرب کے متوالوں کا ٹوٹا ہے خمار

آج بھی آفاق اس میکدے کی دھوم ہے
چار جانب سے سمٹ کر آ رہے ہیں بادہ خوار

"در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق"
یہ خصوصیت یہاں ہر فرد میں ہے آشکار

اس کے ہر میخوار کو پیرِ مغاں کا حکم ہے
"با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

کاش! اے "ساقیٔ دہلیؒ" تو بھی آکر دیکھتا
اپنے میخانہ کی رونق اپنے رندوں کی بہار

تیرا دورِ جام، دورِ چرخ سے بھی تیز تر
تیرا مستقبل ترے ماضی سے بڑھکر شاندار

یا الٰہی حشر تک باقی رہے یہ مے کدہ
دور میں ساغر رہے تا گردشِ لیل و نہار

اس کی ہر ہر اینٹ میں تاریخ ماضی ثبت ہے
ہند میں بزمِ ولیؒ کی ہے یہ واحد یادگار

مسلمِ ہندی اگرچہ مفلس و نادار ہے
پھر بھی اس سرمایۂ ملت کا ہے سرمایہ دار

شوکتیں جب دہلیٔ مرحوم کی آتی ہیں یاد
دیکھ کر اس کو بہل جاتا ہے قلبِ سوگوار

جن کی کوشش سے چلا ہے دورِ صہبائے حجاز
نور سے معمور کر دے اے خدا اُن کے مزار

آفریدیؔ تو بھی ہو ساغر بکف مینا بدوش
طالبِ جوشِ عمل ہے ساقیٔ ابرِ بہار

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ولادت

آپ کی ولادت باسعادت ستمبر ۱۹۱۱ء موافق رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو اپنے آبائی مکان واقع محلہ جھنڈا شہید امروہہ ضلع مرادآباد میں ہوئی۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ کا سلسلہ نسب براہ راست حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے ملتا ہے اور ان کا سلسلۂ نسب خلیفہ دوئم امیرالمومنین حضرت فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے ـــ آپ کے والد ماجد مولوی حسین احمد فریدی الفاروقی المتوفی ۱۹۱۴ء اور دادا ڈپٹی بشیر احمد فریدی الفاروقی محکمہ انہار سے وابستہ تھے۔ آپ کا اسم گرامی نسیم احمد فریدی الفاروقیؒ اور کنیت ابوالسحر تخلص آبدؔ بعدہٗ فریدیؔ رہا۔ آپ کی والدہ ماجدہ روہیلکھنڈ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم ابوالفتح سید عبداللہ المعروف شاہ آیتؒ بدر چشت کرمانی الامروہیؒ کی اولاد میں سے تھیں جن کا سلسلۂ نسب بواسطہ حضرت امام علی رضاؓ جگر گوشۂ رسولؐ شہید کربلا حضرت حسینؓ تک پہونچتا ہے آپ کے نانا اور ماموں روہیلکھنڈ کے مشہور اطباء میں سے تھے۔

تعلیم و تربیت

آپ نے علمی و دینی گھرانے میں پرورش پائی جہاں قدیم روایات اور پرانی قدروں کا احترام واہتمام تھا اور خلوص و محبت، رواداری کا یہ عالم تھا کہ چھوٹوں پر شفقت اور دوسروں کے رنج و غم میں شریک ہونا عبادت کا درجہ رکھتا تھا۔ آپ کا گھرانہ سادگی پسندی، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور دینی خدمات کے لئے مشہور تھا، اس گھرانے میں متواتر صاحبان علم و فضل ہوتے

رہے ہیں۔ آج بھی آپ کے برادر زادے ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی اور خواہر زادے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی صاحبان تصانیف موجود ہیں۔ آپ کے دادا کے برادر بزرگ مولوی ارشاد علی فریدیؒ نے اپنے چھوٹے بھائی مولوی ڈپٹی بشیر احمد فاروقیؒ کی تعلیم و تربیت خود کی اور متعدد کتب تصنیف کیں جن میں بشیر المدائح، بشیر النصائح، بشیر الانشاء اور مصدر انشاء ارشاد مشہور ہیں ——— آپ کی تربیت پر آپ کی والدہ ماجدہ اور ماموں حکیم سید علی احمد صاحب رضوی مرحوم کی خاص توجہ رہی آپ بچپن ہی سے نہایت ذکی ذہین و فطین اور شائق علم تھے آپ کو ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ایسے گھرانے اور ماحول میں پرورش پانے کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کا مزاج بچپن ہی سے سنجیدہ اور دینی رہا۔

آپ نے سب سے پہلے قرآن شریف ناظرہ حافظ قاری رئیس احمد صاحب مرحوم امروہی ثم پاکستانی المتوفی ۲۴ جون ۱۹۸۳ء۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ سے پڑھا۔ ابتدائی تعلیم کیلئے پرائمری اسکول میں داخل کیا گیا آپ کے پرائمری کے استاد منشی نسیم احمد صاحب امروہی مرحوم تھے جنکی شفقت سے آپ نے ہمیشہ اپنے درجہ میں امتیازی کامیابی اور جغرافیہ و ریاضی میں مہارت حاصل کی۔ آپ اسکول میں ہمیشہ مانیٹر رہتے تھے۔ پرائمری درجات پاس کرنے کے بعد مڈل اسکول میں داخلہ لیا جہاں آپ اردو، ہندی، انگریزی میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

ایک فارسی داں نے عرفی شیرازی کا یہ شعر آپ کے سامنے پڑھا اور مطلب معلوم کیا ؎

من کہ باشم عقل کل را ناوک انداز ادب
مرغ اوصاف تو از اوج بیاں انداختہ

یہی شعر۔ نور المدارس۔ میں داخلے کا سبب بنا۔ یہاں منشی عبدالرب صاحب شکیب[۳] فارسی کے استاد تھے۔ انکی نگرانی میں آپ نے منشی، منشی کامل، اعلیٰ قابلیت، مولوی، مولوی فاضل کے امتحانات اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کیے یہ تمام امتحانات میرٹھ اور مظفر نگر میں ہوئے

---

[۱] تعلیم کے بعد مولوی ارشاد علی صاحب نے آپ کو ملازمت دلوائی۔ مظفر گڑھ جھنگ اور ملتان کے محکمہ انہار میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔

[۲] آپ ۲۸ سال سے جامع مسجد نعمانیہ نرسری سوسائٹی کراچی میں خطیب و امام تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے حیدرآباد دکن میں مسجد اللہ والی بی صاحبہ پنجہ گٹہ جوبلی ہل میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

[۳] منشی عبدالرب صاحب شکیب صدیقی ولد شبیر علی صاحب صدیقی محلہ چاہ غوری شیش محل امروہہ کے ساکن تھے ۲۶ مئی ۱۹۴۹ء کو انتقال ہوا۔

اسی دوران آپ نے مدرسہ دار العلوم چلہ امروہہ میں فارسی کی تدریسی خدمات انجام دیں،
اور ساتھ ہی مولانا انوار الحق صاحب صدیقی رح سے ہدایۃ النحو پڑھی، ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ العلماء
کا نواں عظیم الشان اجلاس امروہہ میں ہوا[1] جس میں ہندوستان کے کثیر التعداد علماء و
مشاہیر شریک ہوئے اس اجلاس میں آپ ڈیلی گیٹ تھے، اور مجلس مضامین میں شریک
ہوتے تھے، ان تمام مراحل کو طے کر لینے کے بعد مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں داخلہ لیا
یہاں آپ نے حضرت مولانا سید رضا حسین رضوی امروہی رح حضرت مولانا انوار الحق عباسی رح
مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰن امروہی رح سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم
متداولہ کی تحصیل کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ نے علم فرائض حضرت مولانا انوار الحق
عباسی امروہی رح سے صرف ایک دن میں حاصل کیا۔ بیضاوی شریف اور ترمذی شریف پڑھنے
کے بعد شوال ۱۳۵۴ھ میں بغرض تعلیم دار العلوم دیوبند پہنچے[2] یہ چمنستان علوم دینیہ اس وقت
بھی حسب سابق پُر بہار تھا، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
مسند صدارت پر جلوہ افروز اور حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہ، مہتمم تھے
نیز اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندی رح کے دیگر با کمال تلامذہ
اس گلشن کی آبیاری کر رہے تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور تمام ہی علوم عقلیہ
ونقلیہ کا درس دے رہے تھے۔ اس وقت اس گلشن قاسمی و رشیدی کی عجیب روحانی فضا
تھی شیخ الاسلام رح کے علاوہ شیخ الادب و الفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رح حضرت
مولانا سید اصغر حسین محدث دیوبندی رح، حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری رح
حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رح حضرت مولانا عبد السمیع صاحب دیوبندی رح خاص
طور سے قابل ذکر ہیں ـــــ آپ نے شیخ الاسلام رح سے بخاری شریف اور ترمذی شریف
پڑھی، حضرت شیخ الادب والفقہ سے شمائل ترمذی پڑھی اور حضرت مولانا سید

---

[1] اجلاس ۳، ۴، ۵، ۶ مئی ۱۹۳۰ء مطابق ۳، ۴، ۵، ۶ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ ہفتہ، اتوار، پیر، منگل کو منعقد
ہوا جسکی صدارت مولانا معین الدین صاحب اجمیری صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر نے فرمائی اور خطبہ استقبالیہ مولانا حکیم
سید طفیل حسن ابو النظر رضوی امروہی مرحوم نے پڑھا اسی اجلاس میں مکمل آزادی ہند کا رزولیشن بہ اتفاق رائے
پاس ہوا تھا۔ [2] آپ فرماتے تھے کہ دار العلوم دیوبند جانے سے پہلے میں نے دار العلوم اور قصبۂ دیوبند کو
خواب میں دیکھا تھا جب دیوبند پہنچا تو خود دیوبند اور دار العلوم دیوبند کو جیسا خواب میں دیکھا تھا ویسا ہی پایا۔

اصغر حسین محدث دیوبندیؒ سے ابوداؤد شریف پڑھی ان اسباق میں اساتذہ کی تقریروں کے لکھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے۔ ترمذی میں مولانا مدنیؒ کی تقریر اور شمائل میں شیخ الادب والفقہ کی تقریر کے مسودے آپ کے کتب خانہ میں موجود ہیں کاش کہ یہ دونوں علمی جواہر پارے بھی منصۂ شہود پر آجائیں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کے درس ابوداؤد کی تقریر کے بارے میں مولانا کا ایک مضمون الفرقان اگست ۱۹۸۶ء میں بہ عنوان "مختصر درس ابوداؤد شریف کی چند جھلکیاں" دو قسطوں میں شائع ہو چکا ہے، مسلم شریف علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سے پڑھی ۱۳۵۵ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اسکے بعد تقریباً ڈیڑھ دو سال مزید آپ کا قیام دارالعلوم میں رہا اسی دوران اُستاد القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ پرتاپ گڑھی سے تنبیویں پارے کی مشق کی حضرت محمد سہول بھاگلپوریؒ صدر الافتاء اور مولانا مفتی ریاض الدین افضل گڑھیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ سابق مفتی اعظم پاکستان سے افتاء میں مہارت حاصل کی اسکے ساتھ ہی شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے متنبی، حماسہ، سبعہ معلقہ اور مفتاح العروض پڑھیں، علامہ بلیاویؒ سے مسلم الثبوت، توضیح تلویح بھی پڑھی اور مولانا حکیم محمد عمر صاحب قاسمی دیوبندی زید مجدہم[۱] سے طب میں شرح اسباب پڑھی ــــــــــ ۱۹۳۶ء میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے درس تفسیر پڑھنے کیلئے لاہور تشریف لے گئے پڑھنے کے ساتھ تفسیری نکات بھی قلمبند فرماتے گئے[۲] حضرت مفسر لاہوریؒ کا یہ درس تفسیر قرآن علماء وطلبہ کیلئے ۳ ماہ میں ختم ہوتا تھا لاہور قیام کے زمانہ میں مولانا فریدی علامہ اقبال سے بھی ملے۔ نیز اسی زمانہ میں مولانا کا ایک مضمون رسالہ تاج لاہور کے شمارہ بابت مارچ ۱۹۳۶ء میں "اسلام میں طلب علم کی فضیلت و اہمیت، عُلم دین کی تحصیل و اشاعت مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے" کے عنوان سے شائع ہوا۔

اساتذہ کا ادب واحترام

آپ اپنے اساتذہ کا کس قدر ادب و احترام فرماتے تھے یہاں تک کہ اساتذہ کی اولاد اہل خاندان کا بھی کتنا احترام ہمارے حضرت کو ملحوظ خاطر رہتا تھا، اس کا اندازہ ایک واقعہ

---

[۱] مولانا فریدی کے اساتذہ میں صرف حکیم صاحب ہی حیات ہیں اللہ تعالےٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے آمین
[۲] حضرت لاہوریؒ نے اس مسودے پر پینسل سے دستخط فرما دیے نیز سند عطا فرمائی۔

سے بخوبی ہوسکتا ہے جو راقم الحروف کا چشم دید ہے۔ منشی عزیز احمد صاحب عزیز امروہوی المتوفی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء شاعری میں..... مولانا کے استاد تھے۔ عزیز صاحب کے محلے میں سیرت پاک کا جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا بھی وہاں مدعو تھے۔ جلسے میں تشریف بھی لے گئے لیکن اسٹیج پر نہیں بیٹھے وہیں قریب کی مسجد میں چلے گئے۔ جب عزیز صاحب کو معلوم ہوا کہ مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ مسجد میں ہیں تو آپ وہاں تشریف لے گئے، استاد مکرم کو دیکھتے ہی مولانا فوراً کھڑے ہو گئے لیکن استاذ کے ادب کی وجہ سے آپ نے جلسے میں تقریر نہیں کی۔ منتظمین جلسہ کی طرف سے اصرار ہوتا رہا مگر آپ یہی فرماتے رہے کہ مجھ سے تقریر نہ ہو سکے گی۔ اس سلسلہ میں انکے ذوق کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو ہم لوگوں کو استاد مکرم بڑے ذوق و شوق سے سنایا کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ قصبہ بچھرایوں میں بہ سلسلہ آزادی ہند جمعیۃ اطفال کا جلسہ منعقد ہوا جس میں امروہہ سے سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہیؒ کے پوتے زبیر احمد و وقار احمد بھی جلسہ میں شرکت کیلئے گئے۔ حضرت مولانا ظہور علیؒ (جو مولانا فریدیؒ کے اساتذہ میں سے تھے) کو معلوم ہوا تو دونوں بچوں کو اپنے گھر لے گئے اور اہل خانہ سے فرمایا کہ یہ میرے استاد کے پوتے ہیں اور بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، اور دونوں مخدوم زادوں کے ساتھ بڑی شفقت و احترام کا معاملہ فرمایا اور رخصت کرتے وقت دونوں بچوں کو پانچ پانچ روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ حضرت مفتی صاحب اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا کرتے تھے میاں یہ ہے بزرگوں کا طریقہ۔!!

تدریسی مشغولیت

ابھی آپ کا قیام دار العلوم دیوبند ہی تھا کہ بریلی سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے ایماء اور شیخ الادب و الفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ کے مشورہ کے مطابق آپ مدرسہ اشفاقیہ[1] بریلی کی خدمت کیلئے بریلی پہنچ گئے جہاں آپ کا تقرر بیس روپیہ ماہوار پر ہوا۔ پہلے سال جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف اور دیگر کتابیں سپرد ہوئیں دوسرے سال صدر مدرس اور شیخ الحدیث کا عہدہ تفویض ہوا۔ اب آپ بخاری شریف، مسلم شریف ترمذی شریف کا درس دینے لگے۔ ختم بخاری شریف کیلئے شیخ الادب و الفقہ مولانا عبید اللہؒ

---

[1] اس مدرسہ کا نام پہلے طالبیہ تھا۔

سندھی اور حاجی محمد یسین صاحب دہلوی کو دعوت دی۔ اس عرصہ میں تمام ترمراحل مولانا نعمانی کے مشورے سے طے ہوتے رہے، رسالہ الفرقان سے بھی تعلق اسی زمانہ میں ہوا۔ الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر میں بھی آپ شریک رہے۔ تقریباً چار سال بریلی قیام رہا۔ بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے ۱۹۴۳ء میں بریلی سے امروہہ منتقل ہوگئے۔ یہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کو آپ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ صرف پندرہ روپیہ ماہوار پر تقرر ہوا۔ اب آپ اپنی مادر علمی میں ہمہ تن مشغول تدریس ہوگئے۔ ابتدائی تا انتہائی جو کتب بھی آپ کے سپرد ہوتی رہیں۔ اپنے ذوق علمی کے مطابق حق تدریس ادا فرماتے رہے ۱۹۶۷ء سے آپ صدر مدرس رہے لیکن ۱۹۷۷ء میں بوجہ عذر بینائی اس عہدہ سے سبکدوش ہوگئے لیکن اعزازی طور پر یہ سلسلۂ درس تاحیات جاری رہا نیز عہدۂ افتاء بھی آپ کے سپرد رہا۔ درمیان میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ دینیات کی پروفیسری کی پیش کش بھی کی گئی لیکن آپ نے اپنی مادر علمی کی خدمت کو ترجیح دی۔

خصوصیت درس

آپ چھوٹی سے چھوٹی کتاب بھی مطالعہ کرکے پڑھانے کے عادی تھے' ابوداؤد شریف پڑھانے کے لئے بذل المجہود اکثر زیر مطالعہ رہتی تھی۔ آج کل عموماً بڑی کتابیں پڑھاتے وقت چھوٹی کتابیں پڑھانا کسر شان سمجھا جاتا ہے لیکن آپ "فارسی کی پہلی" میزان منشعب، تیسیر المبتدی، صفوۃ المصادر حتیٰ کہ تعلیم الاسلام وغیرہ بھی بڑی خوشدلی سے بلاتکلف پڑھاتے تھے آپ کا طرز تعلیم ایسا تھا کہ کتاب کا مفہوم طلبہ کے ذہن میں راسخ ہوجاتا تھا۔

بیعت وسلوک

آپ ہمہ وقت جذب الٰہی میں سرشار رہتے تھے شروع ہی سے اکابر و مشائخ کی صحبتوں سے مستفید ہوتے رہے پھر جب اصلاح و پختگی کے لئے مرشد کامل کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح سے بیعت ہوگئے۔ جب حضرت کا قصبہ چھپرا ولی ورود مسعود ہوا اور نواب ساجد حسین ولد نواب عاشق حسین کی درخواست پر انکے مزرعہ مسمیٰ آنسو والا نزد اعظم پور بادشاہ بھی تشریف لے گئے اس سفر میں حضرت مولانا محمود علی چھپراولی

حافظ زاہد حسن امروہی م ۱۳۸۷ھ کو ایک بیل تانگے میں بٹھایا گیا تھا، حضرت شیخ الاسلامؒ مع خدام گھوڑا تانگے میں تشریف فرما ہوئے۔ استاد مکرم (حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ) بچھرایوں سے پیدل قافلے کے ساتھ بعد ظہر روانہ ہوئے راستہ خام نہایت دشوار گذار تھا عصر و مغرب کی نماز راستہ میں ہوئی، سردی کا موسم تھا، ہوئیں برس چکی تھیں بالآخر تقریباً رات کے ۹-۱۰ بجے مزرعہ کے ڈیرے میں پہنچے، حضرت مولانا ظہور علیؒ و حافظ زاہد حسن امروہیؒ کا تانگہ دلدل میں پھنس گیا تھا۔ اور یہ دونوں بزرگ وہیں بیٹھے رہے تھے۔ پیدل قافلہ پہلے پہنچ گیا، بالآخر مشعلیں لے کر آدمی روانہ کئے گئے جوان دونوں حضرات کو دوسرے تانگے میں بٹھا کر لے گئے حضرت شیخ الاسلامؒ ان دونوں حضرات کے انتظار میں رہے، ۱۱-۱۲ بجے کے درمیان نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی بعد نماز رات کی چاندنی میں مجلس بیعت منعقد ہوئی تھی جس میں حضرت مولانا فریدیؒ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن بچھرایونیؒ، حافظ دلشاد احمد بچھرایونی، قاری محمد فاروق مرادآبادی، مستری محمد حسین بچھرایونی، پہلوان اللہ بخش بچھرایونی، خلیفہ عبداللہ بچھرایونی، ملا عظیم اللہ بچھرایونی داخل سلسلہ ہوئے بعدہٗ کھانا تناول کیا گیا۔

اجازت و خلافت

سب سے پہلے حضرت مولانا فتح محمد میواتیؒ خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ نے آپ کو اجازت بیعت دی پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے اجازت دی بعدہٗ حافظ مقبول حسین صاحب گنگوہی ثم دہلویؒ خلیفہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے خرقۂ خلافت بھیجا۔

ان تمام حضرات کی اجازت کے باوجود بوجہ کسر نفسی آپنے مدت العمر کسی ایک فرد کو بھی بیعت نہیں فرمایا اگر کوئی بہت اصرار کرتا تو دوسرے مشائخ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیدیتے تھے بلکہ بعض اوقات خود لے جاکر بھی بیعت کرا دیتے تھے۔

علمی تحقیق و جستجو اور انہماک

آپ علمی مسائل کی معلومات میں بالکل عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار بہار پور

میں حضرت مولانا محمد یونس شیخ الحدیث مظاہر علوم سے دفتر مظاہر علوم کی مسجد میں کہا کہ آپ سے کچھ معلومات کرنی ہیں انھوں نے کہا ابھی معلوم کر لیجئے فرمایا کہ آپ کے کمرے پر حاضر ہوں گا، چنانچہ صبح کو ناشتہ کے بعد احقر کو ساتھ لے کر ان کے کمرے پر تشریف لے گئے اور موطا امام مالک کی ایک حدیث کو جس میں آپ کو کچھ اشکال تھا، نکلوا کر پڑھوایا، جب پوری طرح تسلی و تشفی ہو گئی تو مولانا محمد یونس صاحب کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ کی وجہ سے یہ حدیث حل ہو گئی۔

علمی تحقیق میں بالکل محو ہو جاتے تھے۔ اکثر و بیشتر سفر علمی تحقیق ہی کے سلسلہ میں ہوتے تھے، پھلاودہ متعدد مرتبہ جانا ہوا ان علمی اسفار میں نماز کے اوقات میں نماز اور باقی ہر وقت مطالعہ کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا۔ تہجد کے وقت بھی تحقیق و مطالعہ میں مصروف رہتے تھے اور کتابیں پڑھوا کر سنتے تھے۔ کاندھلہ کا سفر بھی اکثر ہوتا تھا اور وہ بھی علمی تحقیق کیلئے مولانا نور الحسن راشد صاحب کے کتب خانہ میں اپنے ذوق کی چیزیں خوب تلاش کرتے تھے۔ آپ کی تحقیقی کاوش کا اندازہ لگانے کے لئے ایک واقعہ کافی ہے، شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کے ترجمۂ قرآن سے آیت وضو کے ترجمہ میں پاؤں دھونے کا لفظ کسی اثنا عشری نے حذف کر دیا ہے مولانا کو اسکی جستجو شروع ہو گئی، نہ جانے ترجمہ کے کتنے نسخے مولانا نے دیکھے، پاؤں دھونے کا لفظ کسی نسخہ میں نہیں مل رہا تھا، کافی تگ و دو اور بہت عرق ریزی کے بعد ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ ۱۲۳۴ھ کا مل گیا جس کو بیگم امۃ الحبیب صاحبہ کی فرمائش پر لکھا گیا تھا۔ اس میں آیۂ وضو کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے[1]، بس ہمارے مولانا خوشی سے باغ باغ ہو گئے اور بار بار اس حیرانی کا اظہار فرمایا کہ کتنی بڑی سازش کی گئی ہے؟؟

مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی نے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں عجیب و غریب خیالات کا اظہار اپنی ایک کتاب میں کیا اسے پڑھ کر مولانا تڑپ گئے، اسکے جواب کی فکر ہر وقت دامنگیر ہو گئی فرماتے تھے کہ اس کا جواب دینا ضرور ہے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے، اسکی وجہ سے بہت زیادہ مضطرب و بے چین رہے، اس سلسلہ میں شدید ضعف و معذوری کے باوجود لاہر پور (ضلع سیتاپور) کا سفر بھی فرمایا وہاں کے کتب خانہ میں بہت تلاش کے بعد ایک قلمی کتاب

---

[1] مخطوطہ موضح قرآن ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ

ملی جس میں مناظرۂ جامع مسجد دہلی کی صحیح روئیداد موجود ہے بس مولانا خوشی سے جھوم اٹھے، چہرۂ مبارک پہ انبساط کے آثار روشن ہو گئے اس کتاب کو لے کر امروہہ تشریف لائے اور فرمایا کہ الحمد للہ مناظرۂ دہلی کی صحیح روئیداد مل گئی۔ اب مولانا زید کی کتاب پر تبصرہ کرنا ہے۔ اسی سلسلہ میں مولانا علی گڑھ بھی تشریف لے گئے، اور مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں بعض ضروری چیزوں کا مطالعہ کیا۔

اسی طرح شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندی پر ایک مقالہ لکھنا تھا، تو احقر کو ساتھ لے کر دہلی تشریف لے گئے جامعہ ملیہ کی لائبریری میں اخبار مدینہ بجنور اور ہمدم کے فائیلوں کو پڑھوا کر سنا، بار بار تاکید فرماتے رہے کہ جو بات بھی مل جائے اسکو چھوڑنا نہیں نوٹ کرتے جاؤ بڑی عرق ریزی اور تحقیق کے بعد مقالہ تیار ہوا۔[ل]

اسی طرح حضرت مولانا کو سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی اور رد قادیانیت پر ایک مقالہ لکھنا تھا تو بہت سی کتابوں کے علاوہ رام پور کی رضا لائبریری جا کر "دبدبۂ سکندری" کے فائیل کا بھی مطالعہ کیا یہ جاننے کے لئے کہ ۱۹۰۹ء میں جو مناظرہ[ٹ] علماء حق کا قادیانیوں سے قلعہ رامپور میں نواب حامد علی خاں کی موجودگی میں ہوا تھا اس میں کون کون اور کہاں کہاں سے علماء شریک ہوئے تھے، اور دبدبۂ سکندری کے مدیر کی اسکے بارے میں کیا رائے تھی؟ اس مناظرہ میں حضرت محدث امروہی بنفس نفیس شریک ہوئے تھے، بلکہ نواب حامد علی خاں نے آپ کو خاص طور سے مدعو کیا تھا، قلعہ کے اندر نواب صاحب کی موجودگی میں حضرت محدث امروہی نے ایک معرکۃ الآراء تقریر فرمائی تھی، اہل حق کو جسکے بعد فتح حاصل ہوئی تھی، ...... اور قادیانیوں کو شکست فاش۔ غرض کہ حضرت محدث امروہی

ل یہ مقالہ مقام محمود میں شائع ہوا، اس مقالہ کے ماخذ مندرجہ ذیل ہیں (۱) نقش حیات (۲) مولانا سندھی کی ذاتی ڈائری (۳) تحریک ریشمی رومال (۴) اسیران مالٹا (۵) خطبۂ صدارت جلسہ افتتاح جامعہ ملیہ (۶) جامعہ ملیہ کے پچیس ۲۵ سال (۷) مختصر سوانح عمری شیخ الہند (۸) شیخ الہند حیات اور کارنامہ (۹) مکتوبات شیخ الہند (۱۰) سفر نامہ اسیر مالٹا (۱۱) تذکرۂ شیخ الہند (۱۲) اخبارات مدینہ بجنور و ہمدم وغیرہ۔

ٹ یہ مناظرہ ۱۵ رجون ۱۹۰۹ء سے شروع ہوا اور ۲۰ رجون ۱۹۰۹ء کو اہل حق کی کامیابی کے ساتھ ختم ہوا اس مناظرہ میں مولانا حامد رضا خاں بریلوی بھی اکابر دیوبند کے ساتھ شریک تھے۔

پر مقالہ بھی آثار تحقیق کے بعد لکھا یہ مقالہ[1] تحفظ ختم نبوت کے اجلاس میں دیوبند میں پڑھا گیا اور رسالہ "دارالعلوم" میں مقالات کے مجموعہ میں شائع ہو چکا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی پر مقالہ لکھنا[2] تھا، تو اسکی تیاری میں کتابوں کا انبار لگا دیا۔ کتابیں پڑھوا کر سنتے جاتے اور نوٹ کرتے جاتے پھر حضرت شیخ الاسلام کی غیر مطبوعہ تحریروں کو سامنے رکھ کر مقالہ تیار فرمایا، یہ سب اس وقت کی باتیں عرض کر رہا ہوں جبکہ خود لکھنے پڑھنے سے بوجہ فقدان بصارت ظاہری بالکل معذور ہو چکے تھے بلکہ سفر بھی دوسروں کو ساتھ لے کر فرماتے تھے ـــــ لکھنؤ کا جب بھی سفر ہوا ضروری مشاغل سے فرصت پاتے ہی ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں جا پہنچتے، ناظم کتب خانہ مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب سے آپ کے اچھے مراسم تھے، مولانا اپنے پاس ہی کرسی پر بٹھاتے تھوڑی گفتگو ہوتی اسکے بعد ان سے فرماتے "مولانا آپکے یہاں فلاں فلاں کتابیں ہیں؟" مولانا رجسٹر میں تلاش کرتے جواب دیتے جی ہاں ہیں، بس کتابیں نکالی جاتیں مولانا بڑے ذوق و شوق سے وہیں کتابیں سننا شروع کر دیتے آخری سفر لکھنؤ ۱۹۸۷ء میں ہوا تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے کچھ مکتوب الہیم کے حالات ندوہ کے کتب خانہ کی کتابوں میں سے تلاش کرائے تاریخ کشمیر تاریخ پنجاب اور دیگر تواریخ سے نوٹ کرتے رہے ـــ مطلوب کے حاصل ہونے پر بہت خوش ہوتے کہ جو شوق یہاں لایا ہے وہ پورا ہو رہا ہے، ایک مرتبہ مولانا مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی کے سالانہ جلسہ میں تشریف لے گئے جلسہ سے فراغت کے بعد مدرسہ کے کتب خانہ میں پہنچ گئے۔ وہاں قلمی اور مطبوعہ کتابوں کو نکلوا کر سنتے رہے۔ کتابوں کے ذخیرہ میں قصبہ گلاؤٹھی کی تاریخ نکل آئی، مہتمم[3] مدرسہ سے فرمایا کہ یہ لیجئے یہ آپ کے قصبہ کی تاریخ ہے،

---

[1] اس مقالہ کے ماخذ حسب ذیل ہیں (۱) مکتوبات سید العلماء حضرت محدث امروہی (۲) رسالہ القاسم دیوبند (۳) رسالہ دارالعلوم دیوبند (۴) دبدبۂ سکندری (۵) دافع البلاء (۶) ستۂ ضروری، مباحثہ رامپوری (۷) صحیفۂ محبوبیہ وغیرہ۔

[2] یہ مقالہ سیمینار شیخ الاسلام منعقدہ دہلی ۱۸، ۱۹ مارچ ۱۹۸۸ء کو پڑھا گیا جسکے ماخذ مندرجہ ذیل ہیں (۱) نقش حیات (۲) مکتوبات شیخ الاسلام (۳) تذکرۂ مشائخ دیوبند۔ (۴) حضرت شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات (۵) شیخ الاسلام کا غیر مطبوعہ مکتوب (۶) اسیران مالٹا وغیرہ۔

[3] مولانا سید نسیم الدین صاحب۔

—— پھر تھوڑی دیر کے بعد ابو شکور سالمی کی کتاب تمہید مل گئی[1] اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا عقیدہ وہی ہے، جو تمہید میں ہے۔ پھر فرمایا کہ بابا صاحبؒ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کو اس کتاب کا بھی درس دیا ہے۔ اس کتاب کی جستجو مدتوں سے تھی اس کو لے کر ام وہہ آئے، اور پڑھوا کر سنا آخر زمانہ میں ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی سے فرمایا "میاں نثار احمد تم نے تمہید دیکھی ہے؟ ان کا جواب نفی میں سن کر فرمایا کہ اس کتاب کو ضرور دیکھنا بابا صاحبؒ کا وہی عقیدہ ہے جو تمہید میں ابو شکور سالمی نے لکھا ہے"۔

رسالہ الفرقان جب آتا تو خوش ہو جاتے فہرست مضامین سننے کے بعد فرماتے کہ مولانا نعمانی دامت برکاتہم کا درس قرآن اور معارف الحدیث یا مولانا کی کوئی نئی تصنیف آگئی؟ سناؤ پھر سنکر فرماتے کیا عمدہ تفسیر اور حدیث کی تشریح کی ہے پھر مولانا نعمانی کو دعائیں دیتے رہتے کہ اللہ تعالےٰ مولانا کی عمر میں برکت دے۔ (آمین)

اسی طرح جب مولانا علی میاں کی کتاب آتی تو بہت خوش ہوتے مولانا کی کتابوں کو بڑے ذوق وشوق سے سنتے اور طرز نگارش پر داد دیتے اور فرماتے کہ سبحان اللہ کیا عمدہ کتاب لکھی ہے، آنے جانے والے اہلِ علم حضرات کو بھی ان دونوں بزرگوں کی تصنیفات کی طرف توجہ دلاتے۔

جب استفتاء آتا تو اس کے جواب کی فکر ہوتی فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ سعدیہ قلمی[2]، فتاویٰ سہولیہ[3]، کفایت المفتی اور دوسرے فتاویٰ سنتے، پوری طرح اطمینان ہو جاتا، تب اسکا جواب لکھواتے جس سے مستفتی مطمئن ہو جائے مولانا کی تحریروں میں کہیں جھول نہیں ہوتا تھا اگر کبھی ضرورت محسوس ہوتی تو دار العلوم دیوبند، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی طرف رجوع فرماتے افسوس کہ آپ کے فتاویٰ مرتب نہ ہو سکے۔

ہم خدام دیکھتے تھے کہ ہمارے حضرت مولانا فریدی کو اپنے اکابر و مشائخ کی کتابوں اور ان کے مکتوبات وملفوظات اور ان کی سیرت وسوانح سے کتنا شغف رہتا تھا، اور وہ ان چیزوں کو کتنی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور ہمہ وقت انکی اشاعت کی کتنی فکر

---

[1] یہ کتاب علم عقاید میں ہے۔ [2] مولفہ مولانا مفتی سعد اللہ رام پوری۔
[3] مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوری۔

انھیں رہتی تھی، چنانچہ کبھی حضرت نانوتویؒ کی کسی غیر مطبوعہ تحریر کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا تو فرایدِ قاسمیہ نامی حضرت نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا مجموعہ[1] جو ۱۹۸۰ء تک طبع نہیں ہوا تھا پھلاودہ سے لاکر اسکو طبع کرایا اور اس پر سولہ[16] صفحہ کا مقدمہ لکھا ایک ایک لفظ کی تحقیق کر کے یہ کتاب طبع ہوئی دو جگہ شبہ تھا دہلی جاکر اسکو احقر سے قلم زد کرایا جب وہ قلم زد ہوگیا تب اطمینان ہوا۔

اسی طرح حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ حضرت گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کی غیر مطبوعہ تحریروں کو طبع کرانے کی بھی فکر رہتی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نادر مکتوبات کے طبع ہونے کی فکر رہی اس سلسلہ میں بڑی جد و جہد کی، مکتوبات کے ایک ایک لفظ کی تحقیق فرمائی جہاں ذرا شبہ ہوتا فرماتے، مصباح اللغات اور غیاث اللغات میں دیکھو اس لفظ کی تصحیح کی جاتی بالآخر تین سو تیرہ[۳۱۳] مکتوبات عربی فارسی دو جلدوں میں مرتب کئے، اور دونوں ہی جلدوں کے اردو ترجمے کئے، ابھی یہ مکتوبات طبع نہیں ہوسکے —— حضرت محدث امروہیؒ کے مکتوبات جو مولانا سید عبد الغنی پھلاودیؒ کے نام ہیں ان کو طبع کرانے کی فکر رہی۔ یہ مکتوبات ایک سو اکیاون[۱۵۱] ہیں جو کہ فارسی اور اردو میں ہیں احقر سے انکو متعدد مرتبہ سنا اسکے بعد کتابت ہوئی اور مرض الموت میں جبکہ آواز بالکل نحیف ہوچکی تھی احقر سے انکا مقدمہ املا کرایا جو صرف ۱۲-۱۳ صفحہ کا ہوسکا ایک ایک لفظ کی تحقیق کر کے املا کرایا فرماتے رہے کہ میری زندگی میں یہ دونوں مکتوبات طبع ہوجاتے تو اچھا تھا پھر فرماتے کہ انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی۔

مکتوبات اکابرِ[2] دیوبند جس میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت شاہ عبد الغنی مجددی دہلویؒ مہاجر مدینہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی دیوبندیؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر چند حضرات کے مکتوبات ہیں جو اجلاس صد سالہ سے پہلے طبع نہیں ہوئے تھے، انھیں اس کی

---

[1] ان مضامین کو مولانا حافظ حاجی سید محمد عبد الغنی پھلاودیؒ نے مرتب فرمایا اور فرایدِ قاسمیہ نام رکھا
[2] یہ مکتوبات دفتری نور الحق عثمانی دیوبندی مرحوم نواسۂ قطب عالم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین عثمانی دیوبندیؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند سے ملے۔ اور حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی امروہیؒ نے اس کا مقدمہ لکھا

شدید فکر تھی کہ اجلاس سے پہلے یہ طبع ہو جائیں۔ اللہ کا کرنا کہ جب اجلاس صد سالہ میں تشریف لے گئے تو احقر ایک دن کتابوں کی دوکانوں کی سیر کر رہا تھا اچانک "مکتوبات اکابر دیوبند مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی" پر نظر پڑ گئی ـــ فوراً ایک نسخہ لے کر آپکی خدمت میں حاضر ہوا خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی پرانے مدنی مہمان خانہ میں لیٹے ہوئے تھے، فرط مسرت سے اٹھکر بیٹھ گئے۔ کتاب آنکھوں سے لگائی اور فرمانے لگے میاں تم نے سفر کی قیمت وصول کردی پھر فرمایا چند نسخے اور لے آؤ۔

مطالعہ

آپکے شوق مطالعہ کا حال کیا لکھا جائے قلم عاجز ہے اگرچہ کم از کم اس ناچیز نے اس دور میں مطالعہ و تحقیق کا ایسا ذوق رکھنے والا نہ دیکھا نہ سنا۔

مطالعہ آپ کی روحانی غذا تھی کثرت مطالعہ کی وجہ سے آپ کی گردن خمیدہ ہو گئی تھی اور اسی بنا پر بصارت ظاہری جاتی رہی تھی اسکی ایک ظاہری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ اکڑوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں کتاب لے کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے، اور غالباً یہ معمول ادب کی وجہ سے بنایا تھا۔

عام اصلاح و خدمتِ دین کی فکر اور اسکے لئے جد و جہد

ان اعلیٰ علمی و تحقیقی خدمات کے ساتھ آپ اقامت دین، احیاء سنت، ترویج شریعت، تصحیح عقائد، اصلاح اعمال و اخلاق، اور امت کی عمومی خدمت کی طرف بھی پوری توجہ اور اس کے لئے بڑی جد و جہد فرماتے تھے۔ آپ کی تقریر نہایت سادہ سلیس، جامع و مدلل اور بے حد موثر ہوتی تھی اپنا مافی الضمیر بڑی خوبی اور سلاست و فصاحت سے ادا فرماتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بات کہنے میں۔ بناوٹ، لگاوٹ، دکھاوٹ نہیں ہونی چاہئے آپ کا وعظ عام فہم ہوتا تھا جس سے ادنی و اعلیٰ، امی و عالم سبھی مستفیض ہوتے تھے۔ گویا اس شعر کا مصداق ہے

پسند کرلیں خواص جسکو سمجھ میں آئے عوام کی بھی ــــ غرض، ہو سکی پسند خاطر یہی ہے خوبی کلام کی بھی

تبلیغی اجتماعات میں آپ جماعت کے اصول کے مطابق چھ نمبر بیان فرمایا کرتے تھے

اور فرماتے تھے کہ جماعت والوں کو چھ نمبروں ہی کے اندر رہنا چاہیئے، اور یہ چھ نمبر اس دلنشیں انداز میں بیان فرماتے تھے کہ روح کو فرحت حاصل ہوتی تھی اور ایمان میں تازگی آجاتی تھی۔

اتباع سنت

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آپ کی پوری زندگی اتباع رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں گذری ہر معاملہ میں سنت کا خیال رہتا تھا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا، سونا جاگنا۔ بات چیت۔ بول و براز غرض ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام رہتا تھا آخر وقت تک بول و براز کے وقت پانی سے پہلے مٹی کا استعمال ضرور فرماتے تھے، کبھی بھی ننگے سر رفع حاجت کو نہیں بیٹھے۔ ایک مرتبہ علالت کے زمانہ میں احقر نے ننگے سر رفع حاجت کو بٹھا دیا فوراً فرمایا ٹوپی لاؤ، چلنے میں نگاہ نیچی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اوپر سے نیچے کو چل رہے ہیں۔ آج کل دعوتوں میں کرسی میز کا رواج عام ہو گیا ہے اگر آپ کو کسی ایسی دعوت میں شریک ہونا پڑا تو اپنا رومال نیچے بچھایا اور کھانے بیٹھ گئے۔

اخلاق

آپ اخلاق حسنہ سے متصف تھے ہر ایک کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے جس سے ہر آنے والا یہ گمان کرتا تھا کہ حضرت کو مجھ ہی سے سب سے زیادہ محبت ہے۔ احقر کو آپ سے اکیس ۲۱ سال تک قریبی تعلق رہا۔ آپ اپنے اخلاق کریمانہ سے ہمیشہ نوازتے رہے، احقر جب اپنے والد کے انتقال کی خبر پر گھر جانے لگا تو رات کے تقریباً ۱۰ بجے سخت سردی کے موسم میں امروہہ اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے پیدل تشریف لے گئے حالانکہ میں منع کرتا رہا لیکن آپ نے فرمایا کہ مجھے تو تمہارے گھر تک جانا تھا، والدہ ماجدہ کی تسلی کے لئے ایک تعزیتی گرامی نامہ خود اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا۔

اللہ نے مجھے حضرت کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا بعض صفات میں

آپ کا ثانی بظاہر کوئی نظر نہیں آتا۔ سفر میں دیکھا حضر میں دیکھا خلوت میں دیکھا جلوت میں دیکھا مولانا نام و نمود اور شہرت سے کوسوں دور تھے۔ آپ کی ذات ستودہ صفات گوناگوں خوبیوں کی جامع تھی جس کا احصاء مجھ جیسے نااہل سے مشکل ہی نہیں محال ہے۔ اگر آپکے اخلاق کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہوگا۔ میں تو صرف اتنا کہونگا کہ آپ اپنے اخلاق عالیہ میں سلف صالحین کا نمونہ تھے اس ضمن میں چند نمونے خاص طور سے نذر ناظرین کرتا ہوں۔

اعتدال و توازن

اگرچہ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح کے خصوصی و جاں نثار شاگرد و مسترشد تھے لیکن اسکے باوجود آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے تصوف میں بڑے مداح تھے حضرت تھانوی رح کو تصوف کا امام مانتے تھے فرمایا کرتے تھے، کہ حضرت تھانوی رح نے تصوف کو اردو میں لکھ کر بہت بڑا احسان کیا ہے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے تصوف کے حضرت تھانوی رح شارح ہیں حکیم الامت کا جو خطاب ملا ہے وہ بالکل بجا ہے ___ استاد مکرم نے حضرت تھانوی رح کے ملفوظات وارشادات پر بہت کام کیا جو "الفرقان" میں قسط وار شائع ہو چکا ہے جس سے امت کو بہت فائدہ ہوا ___ ایک واقعہ اور بھی سپرد قلم کرتا چلوں جس سے حضرت تھانوی کی ذات گرامی کے ساتھ مولانا کے روحانی تعلق کا اندازہ لگانے میں آسانی ہوگی۔ ایک مرتبہ مولانا کی سمجھ میں مثنوی مولانا روم کا یہ شعر نہیں آرہا تھا۔

؎ کور کورانہ مرو در کربلا | تانیفتی چوں حسین اندر بلا

انہی دنوں حضرت تھانوی کو خواب میں دیکھا کہ آپ اس شعر کو پڑھ رہے ہیں اور اسکی تشریح بھی فرما رہے ہیں التکشف عن مہمات التصوف۔ کو دہلی سے منگا کر دیکھا تو ہو بہو وہی تشریح تھی جو خواب میں حضرت تھانوی رح نے کی تھی ___ جس زمانہ میں مولانا دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے عام طلبہ دو دھڑوں میں منقسم تھے، ایک حسینی دوسرا اشرفی آپنے ان دونوں میں سے کسی میں حصہ نہیں لیا ___ پھر اجلاس صد سالہ کے بعد جو ناخوشگوار احوال و کوائف دار العلوم دیوبند کو پیش آئے اس دوران جب کوئی شخص آپ کی

رائے معلوم کرنا چاہتا تھا تو آپ جذبات سے بے قابو ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ "میں صرف شوریٰ تک ساتھ ہوں تاکہ شوریٰ کی حیثیت قائم رہے۔ ورنہ تم حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو ــــ وہ قاسم العلوم والمعارف کے پوتے ہیں جنھوں نے دارالعلوم کو احاطہ مولسری سے نکال کر ایشیا اور یورپ تک پہنچا دیا۔ ان کی وہ حیثیت ہے کہ انکی پچاس سالہ خدمات پر ایک اجلاس منعقد ہونا چاہیئے۔ میری تمنا ہے کہ قاری طیب صاحب دارالعلوم کے اندر داخل ہو جائیں میں اور کسی کو نہیں جانتا۔ صلح کرانے کیلئے ایک وفد کے ساتھ آپ نے دیوبند کا سفر بھی کیا تھا ــــــ آپ دوسروں کے اخلاق کے بھی قدردان تھے۔ بزمانہ طالب علمی قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم سے ایک مناظرہ سماع بالمزامیر پر ہوا جو "رسالہ منادی" میں شائع ہوتا رہا آخر نظامی صاحب نے ہتھیار ڈال دیے نظامی صاحب مرحوم سے تسلی بخش جواب نہ بن پڑا۔ تو انکے ایک مرید نے خط لکھا کہ خواجہ صاحب میں آپ کا مرید ہوں آپ کی بات سر آنکھوں پر مگر آپ سے امروہہ والے کا جواب نہ ہو سکا خواجہ صاحب مرحوم نے اس خط کو بھی ــــ "منادی" میں شائع کر دیا۔ اس پر آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ نظامی صاحب مرحوم کے اونچے اخلاق کی بات ہے ورنہ کوئی بھی اپنے خلاف خط کو شائع نہیں کرتا۔ اگر کوئی اور پیر ہوتا تو اسکو اپنی مریدی سے نکال دیتا۔"

خودداری

آپ کی طبیعت نہایت خوددار واقع ہوئی تھی جس کے ہزاروں میں سے صرف دو نمونے ناظرین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ جب آپ تحصیل علم کیلئے دارالعلوم دیوبند جانے لگے تو ایک صاحب نے طعنہ دیا کہ میاں وہاں زکوٰۃ خیرات کی روٹیاں کھاؤ گے آپ کی خوددار طبیعت پر اسکا بہت اثر ہوا اور طے کیا کہ مجھے دارالعلوم دیوبند ضرور جانا ہے اور دارالعلوم کا کھانا نہیں کھانا ہے چنانچہ دارالعلوم دیوبند پہنچے شیخ الادب والفقہؒ کے پاس امتحان داخلہ ہوا کھانے کا نمبر آیا مگر آپ نے دارالعلوم کا کھانا منظور نہ کیا ایک ہوٹل والے سے تین روپیہ ماہوار پر دونوں وقت کا کھانا طے ہوا جس میں یہ طے ہوا کہ روٹی اور سالن جو ہوگا

لیکن سالن صرف نمک مرچ کا سادہ ہوگا، گھی اور مصالحہ کچھ نہیں ہوگا، آپ کے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی (والد ماجد افتخار احمد فاروقی) ساکن لاہور حال کا قیام اسی زمانہ سے لاہور میں تھا انکو معلوم ہوا تو ہر ماہ پانچ روپیہ بھیجنے لگے جس میں سے آپ تین روپیہ ہوٹل والے کو دیتے تھے اور باقی دو روپیہ میں بقیہ تمام ضروریات پوری کرتے تھے تیسرے سال حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح نے اپنی درس بخاری کی تقریر نقل کرنے کے لئے آپ کو مقرر کیا جس کی اجرت چودہ آنے فی جز (۸۸ پیسے) مقرر کی تھی آپ رات کو نودرے کے سامنے لالٹین کی روشنی میں مولسری کے درخت کے نیچے نقل کرتے تھے، جب آپ کو یہ آمدنی ہونے لگی تو اپنے چچا شبیر احمد صاحب فاروقی کو لکھ بھیجا کہ اب آپ اپنا عطیہ نہ بھیجا کریں کیونکہ میں اب خود کفیل ہو گیا ہوں۔

۲۔ قیام دار العلوم کے زمانے میں ایک کرتہ ایک پائجامہ اور ایک لنگی تھی جمعہ کے دن لنگی پہن لیتے اور دونوں کپڑے دھو لیتے تھے۔ پائجامہ گھٹنے پر سے پھٹ جاتا تھا، اسکو سی لیتے تھے بار بار کے پھٹنے اور سلنے سے گھٹنے پر تہ بہ تہ ہو گیا تھا۔ ایک دن دفتری اقبال حق صاحب مرحوم ایک جوڑا لائے اور کہا اسکو قبول کر لیجئے آپ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں ہے اور جوڑا واپس کر دیا بعد کو معلوم ہوا کہ یہ صاحب حضرت شاہ رفیع الدین عثمانی کے نواسے ہیں تو فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس تبرک کو واپس نہیں کرنا تھا یہ دونوں واقعے متعدد مرتبہ احقر سے بیان فرمائے۔

شفقت، تحمل، بردباری

پختہ طبیعتوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر — کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

آپ فطرۃً متقل مزاج، متحمل و بردبار واقع ہوئے تھے، اس سلسلے میں بے شمار واقعات ہیں اپنی ذات سے متعلق کتنا ہی ناخوشگوار واقعہ کیوں نہ پیش آ گیا ہو لیکن کبھی آپ کو کسی پر غصہ آتے نہیں دیکھا گیا بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ فرماتے تھے نیز اپنے چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے حتی کہ چھوٹے آپ کو اپنے والدین سے زیادہ مہربان پاتے چہرۂ مبارک پر ہر وقت بشاشت رہتی تھی سخت سے سخت مصائب کا بھی بڑی خندہ پیشانی سے مقابلہ فرماتے

لہ مولانا عبد الوحید صاحب فتحپوری نے ڈابھیل سے اس تقریر کی پہلی جلد درس بخاری کے نام سے شائع کرا دی ہے موصوف حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح کے شاگرد ہیں۔

گویا رضا بالقضاء کا معاملہ رہتا تھا ـــــــ تحمل کا ایک واقعہ سنتے چلئے میرے عزیز دوست
مولانا حکیم عطاء الرحمٰن صاحب ساکن موضع گلڑیہ معافی تحصیل ٹھاکردوارہ جو کہ حضرت کے
قدیم شاگردوں میں سے ہیں انکی درخواست پر انکی شادی میں تشریف لے گئے ان کا بیان ہے
مئی کا مہینہ تھا سخت گرمی تھی باد سموم کے جھونکے تیز تھے بارہ ۱۲ کوس کے فاصلے پر بارات جانی تھی
راستہ خام دشوار گذار تھا حضرت بارہ ۱۲ بجے دوپہر کو رتھ میں دو طالب علموں کے ہمراہ روانہ
ہوئے، راستے کی پریشانیوں کو برداشت کرتے ہوئے رتھ بان کی کم عقلی کی وجہ سے رات کو
گیارہ ۱۱ بجے منزل مقصود پر پہنچے سب لوگ انتظار میں پریشان تھے انکے والد صاحب کچھ گرم مزاج تھے،
رتھ بان کو ڈانٹنا شروع کیا لیکن آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اس نے تو ہمیں راستہ بھر بہت خوش
رکھا ہے یہ کہہ کر آپ نے رتھ بان کو انعام دیا حضرت کے اس طرز عمل پر سب ہی لوگ بہت
متاثر ہوئے یہ آپ کے تحمل کا ادنیٰ نمونہ ہے۔

سادگی

آپ انتہائی سادگی پسند متواضع، منکسر المزاج اور ہر قسم کے تکلف سے بے نیاز تھے،
خوراک و لباس میں بھی حد درجہ سادگی تھی، لباس ایسا استعمال فرماتے تھے کہ نو وارد کو پہلی
ملاقات میں یقین ہی نہ آتا تھا کہ یہ وہی مولانا نسیم احمد فریدی ہیں جنکی علمی شہرت کا غلغلہ ہند
وبیرون ہند میں ہو رہا ہے خوراک کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ناشتے میں ہمیشہ باسی روٹی استعمال
فرماتے تھے، سادگی کے متعلق تو قلم حیران ہے، کہ تصویر کیسے کھینچوں، جن لوگوں نے انھیں دیکھا تھا
انکو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں، اور جنھوں نے نہیں دیکھا، کم از کم میرے لئے ان کو سمجھانا
اور یقین دلانا بہت دشوار ہے بس یہ سمجھ لیجئے کہ غائبانہ تعارف رکھنے والے جب ملاقات کو
آتے اور تعارف ہوتا تو کچھ دیر ششدر و حیران رہتے اور انھیں شک رہتا کہ وہ کسی اور سے
تو ہم کلام نہیں ہیں، پھر جب سلسلۂ گفتگو شروع ہوتا تب مطمئن ہوتے۔

تقویٰ

ورع و تقویٰ اور احتیاط کے باب میں آپ کی حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ
مسجد کے جس کمرے میں آپکی کتابیں رہتی تھیں اگرچہ وہ کمرہ ایک صاحب خیر نے آپ ہی کے

استعمال کیلئے بنوایا تھا مگر آخر وقت تک اس کا کرایہ ادا فرماتے رہے، مسجد کی روشنی میں کام کیا تو اس کا بل ادا کیا، سردی کے موسم میں گرم پانی سے وضو کرتے تھے تو اپنی طرف سے مسجد میں ایندھن کا انتظام کراتے تھے جبکہ عقیدتمند آپ کی طرف سے لکڑیاں پہنچوا بھی دیتے تھے۔ جب بھی کسی مدرسہ میں بغرض امتحان یا شرکت جلسہ جانا ہوتا تو اپنے کرایہ سے جاتے اگر کسی وقت مدرسہ کا کھانا کھایا تو چندہ کے عنوان سے مدرسہ میں رقم جمع کرادی بارہا ایسا ہوا کہ مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ دہلی میں آتے جاتے ایک شب قیام ہوتا صبح کو فرماتے کہ میاں مدرسہ کے حساب میں اتنا روپیہ جمع کردو تقریبی دعوتوں میں انتہائی تحقیق کے بعد شرکت فرماتے اگر ذرا بھی مال مشتبہ یا خلاف شرع امور کا علم ہوتا تو اعراض فرماتے۔

سخاوت

۵ عدیل ہمت ساقیست قطرت عرفی — کہ حاتم دیگراں و گدائے خویشتن ست

یہ شعر استاد مکرم پر پوری طرح صادق آتا تھا آپ کی سخاوت کا کیا کہنا سخی کے متعلق آتا ہے کہ ایک سخی وہ ہے جو خود دوسروں کی ضرورت پوری کردے دوسرا وہ ہے جو چل پھر کر دوسروں سے پوری کرادے آپ میں دونوں صفتیں جمع تھیں۔ بہت بیواؤں، ضرورتمندوں اور حاجتمندوں کی ضروریات آپ سے وابستہ تھیں اپنے قریبی خدام سے انکے گھروں پر پہنچواتے تھے۔ اگر باہر سے کوئی پریشانی لکھتا تو اسکی خدمت کی فکر کرتے۔ منی آرڈر روانہ کرنے پر بھی یہی احقر مامور تھا، طلبۂ علم دین کی ضرورت خواہ طالب علم امروہہ، دیوبند، سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہو یا اور کسی مدرسہ میں۔ ہر ممکن مدد فرماتے۔ احقر کی تمام تر ضروریات کے تو آپ ہی کفیل تھے ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ جب بھی احقر مکان گیا تو آمد و رفت کا کرایہ عنایت فرماتے کبھی صرف جانے کا ہوتا جب گھر پہنچتا تو ۱۰۔۱۵ دن کے بعد منی آرڈر پہنچتا اور میں سمجھ جاتا کہ طلبی ہے فوراً واپسی کا پروگرام بنا لیتا۔ حیات مستعار کی آخری شب جیب میں صرف سترہ ۱۷ روپیہ تھے وہ بھی ہم خدام پر صرف فرما دیے۔

عشق رسول و رقت قلب

مولانا کے دل کو اللہ تعالٰی نے جو سوز و گداز دیا تھا، اور سینے میں عشق رسول کی جو آگ

بھڑک رہی تھی، مولانا اکثر اسے چھپانے میں کامیاب رہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ پڑتا، اور آپ کی چیخیں نکلنے لگتیں ایسا ہی ایک واقعہ پیش خدمت ہے! ایک دن ایک صاحب نے تعمیر حیات کا پرچہ لاکر دیا اس میں ایک مضمون مولانا مناظر احسن گیلانی کا تھا جس کا عنوان تھا ـــــــ کس منہ سے کہتے ہو کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ـــــــ فرمایا کہ سناؤ جب مولانا اپنے رنگ پر آتے ہیں اور ان کا قلم جوش میں آتا ہے تو عجیب رنگ دکھاتا ہے اور بات میں بات نکلتی ہے ـــــــ لکھتے ہیں مدینہ میں جو پایۂ تخت قائم ہوا وہاں تخت کی جگہ منبر بچھایا گیا وہی مسجد ہے وہی چھوپڑے ہیں وہی چمڑے کا اکھڑا اکڑا ہے۔ نہ حاجب ہے نہ دربان ہے۔ امیر بھی آتے ہیں غریب بھی آتے ہیں دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے عجب دربار ہے۔

سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے۔ محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے منصف تھے، ضبط تھا۔ قانون تھا ـــــــ مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا کہ درس تھا، قضا تھا۔ تصنیف تھی تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔ صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی۔ کہ دعا تھی، جھاڑ تھی، پھونک تھی، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تخشّت (چلہ) تھا، گریہ تھی، بکاء تھا وجد تھا، حال تھا کشف تھا' کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی ـــــــ بس یہاں تک سنا تھا کہ مولانا کی آنکھیں بہہ پڑیں، روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، سبحان اللہ سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں! ایک حال سا مولانا پر طاری ہو گیا..... اور بہت دیر بعد مولانا کی طبیعت معمول پر آئی.....

مقبولیت و جامعیت

انہی اخلاق کریمانہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کی مسجد میں ہر وقت آنے جانے والے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا ہم لوگ روز دیکھتے کہ استاد مکرم کی مسجد سپریم کورٹ بنی رہتی ہے آپ مفتی بھی تھے اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بھی۔ صبح فجر کے بعد سے رات تک لوگوں کی آمد کا سلسلہ رہتا تھا جس میں شہر کے بھی ہوتے بیرون شہر کے بھی۔ ہر ایک اپنے اپنے مسائل پیش کرتا۔ ہر شخص کو تسلی بخش جواب ملتا، دینی ہو یا دنیوی، سیاسی ہو یا معاشی، آپسی معاملات

ہوں یا کسی مسجد، مدرسہ کا قضیہ ہو یہاں تک کہ مریض ہو پریشان حال ہو، سب کو مطمئن فرماتے، سب کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش فرماتے، عجب دربار تھا۔ ہم لوگ دیکھتے کہ ہر ایک خوش اور مطمئن ہو کر جارہا ہے۔ ہاں اگر حکم الٰہی یا فرمانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آپ کو مرعوب کرنے یا استعمال کرنے کی کوشش کرتا تو رگِ فاروقی جوش میں آجاتی، آپکے پاس نہ فوج تھی نہ پولیس، مگر آپ اس دیار کے بے تاج بادشاہ تھے۔ آپ کا حکم ماننے کو بلا قید مذہب و ملت، عقیدہ و مسلک ہر ایک تیار کھڑا رہتا۔ بلکہ آپ کے اوپر اپنی جان نثار کرنے کا خواہشمند رہتا۔ رئیس احمد رئیسؔ امروہوی نے آپ کی منقبت میں مسدس لکھی ہے اسکے آخری بند کا آخری شعر ہے ؎

ناز تھا انسانیت کو جس پہ وہ انسان تھا
تاج کی خواہش نہ تھی بے تاج کا سلطان تھا

آپ کی علمی و دینی مجلس روحانی تربیت کا وہ مرکز تھی جہاں علم معرفت کے طالبین اور وادی سلوک کے سالکین کی رہبری ہوتی تھی جب آپکے فضل و کمال کی شہرت عام ہوئی اور وہیلکھنڈ سے نکل کر دہلی میرٹھ، ہند و بیرون ہند میں پہنچی تو آپکے آستانہ فیض پر بے شمار لوگ دلی عقیدت کے ساتھ حاضری دینا اپنی سعادت سمجھتے اور طمانیت قلب کی دولت سے بہرور ہو کر واپس جاتے اس طرح اصلاحی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ حاجات مخلوق کو پورا کرنیکی جدوجہد میں بھی آپ آخری تک مصروف و کوشاں رہے۔

سفر حج

سفر حج سے متعلق چند واقعات جو آپ کے رفیق سفر ماسٹر حاجی علاؤالدین صاحب کی زبان سے خود سنئے ان کا بیان ہے ——— ”مارچ ۱۹۶۱ء میں حضرت کے ہمراہ حج کی سعادت نصیب ہوئی سفر میں میں انکی خدمت کیا کرتا، خود میری خبر گیری و راحت رسانی میں پیش پیش رہتے۔ ریل و جہاز میں ہر وقت اپنے قریب ہی بٹھاتے جب ہمارا قافلہ بمبئی اسٹیشن پر پہنچا تو ایک معلم صاحب ریل کے ڈبے کے قریب آئے معلم صاحب حضرت سے بغل گیر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ کا قافلہ ہمارے یہاں رہے گا آپ نے فرمایا کہ ہم معلم عبیدالرحمٰن کو طے کر چکے ہیں پھر بھی انھوں نے اصرار کیا کہ آپ کا قافلہ تو انکے یہاں چلا جائے اور آپ مع ہمراہی میرے یہاں

تشریف لے چلیں آپ نے اسکو بھی منع فرما دیا وہ یہاں تک مُصر ہوئے کہ آپ کے اور آپ کے ہمراہی کے پورے سفر حج کے تا واپسی تمام اخراجات میرے ذمہ ہیں یہ بھی آپنے قبول نہ کیا۔ اب اسٹیشن سے مسافر خانہ پہنچے اپنا قیام عام حاجیوں کے ساتھ رکھا حالانکہ منتظمین مسافر خانہ نے آپ کے قیام کا الگ بندوبست کرنا چاہا مگر اسے منظور نہ فرمایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے ملنے تشریف لے گئے تو انھوں نے بھی الگ سے قیام کا بندوبست کرنا چاہا لیکن مولانا نے معذرت کر دی۔ یہاں پر دن رات آپ سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور ہر شخص زیادہ سے زیادہ آپ کی راحت رسانی کا متمنی ہوتا لیکن آپ فرماتے کہ میاں آنے جانے والوں کی ٹھوکریں لگتی ہیں تو بڑا مزا آتا ہے۔ آپ مسافر خانہ میں تبلیغی کام بھی برابر انجام دیتے رہے کبھی جماعتوں کی روانگی کی دعا کرتے کبھی بیان فرماتے تو کبھی کام کرنے والوں کو قیمتی مشوروں سے نوازتے عجیب کیفیت رہی۔ پاسپورٹ کے ضروری قواعد سے فارغ ہو کر اب قافلہ بندرگاہ روانہ ہوا۔ جہاز میں سوار ہوئے جہاز میں بھی ملنے والوں کی پروانہ وار بھیڑ رہتی عام حاجی سے لے کر علماء تک ملاقات کیلئے آتے یہاں بھی تبلیغی کام میں آپ کی مشغولیت برابر جاری رہی ـــ ۸ دن جہاز کا سفر رہا آٹھویں دن جدہ کی بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز ہوا جمعہ کی نماز مسافر خانہ کی مسجد میں ادا کی دوسرے دن مکہ معظمہ پہنچے بیت اللہ شریف میں حاضری ہوئی، طواف سے فارغ ہو کر مدرسہ صولتیہ پہنچے۔ شیخ سلیم رح آپ سے ملکر بہت مسرور ہوئے خوب زمزم پلایا اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ ماسٹر صاحب یہ اللہ کے ولی ہیں آپ کا ڈبل حج ہوگا۔ یہاں سے آپ زمزمی صاحب سے ملاقات کیلئے گئے جیسے ہی دروازے کے اندر قدم رکھا زمزمی صاحب لپک کر صحن میں آپ سے چمٹ گئے بہت زیادہ تعریف کی تو آپنے فرمایا میں کس قابل ہوں زمزمی صاحب نے فرمایا میں سب جانتا ہوں گدڑی میں لعل ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک امریکن سے ملاقات ہوئی انھوں نے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ امریکہ چلیں آپنے انکار فرما دیا انھوں نے کہا کہ اگر آپ منظور نہیں فرمائیں گے تو شاہ سعود سے سفارش کراؤں گا فرمایا کہ میرے ساتھ مجبوری ہے میرے دو بھائی مجذوب صفت ہیں انکی خبر گیری میرے ذمہ ہے۔ اسکے بعد وہ مایوس ہو گئے ـــ حرمین شریفین کے تاجروں کے متعلق فرمایا کہ ان سے سودا لے تو حجت نہ کرے انکا ہمارے اوپر حق ہے کہ بغیر مال لئے ہی انکی خدمت کریں ـــ مدینہ منورہ میں ایک دن بارش ہوئی تو کیفیت

بدل گئی جب گنبد خضرا پہ بارش کی بوندیں پڑ رہی تھیں تو آپ گنبد خضرا کے نیچے پہنچے اسکی بوندیں اپنے سر پر لیں اور میرے سر پر بھی ڈالیں۔

اسفار

کثرت مشاغل و معذوری بینائی کے باوجود آپکے بے شمار اسفار متعدد مقامات کے ہوئے جو اکثر و بیشتر علمی تحقیق و جستجو تبلیغ و اشاعت، اکابر سے ملاقات دینی مجالس میں شرکت کی غرض سے ہوتے تھے مسجد و مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کیلئے آپ کو مدعو کیا جاتا تھا بلا فرق قریب و بعید ہر جگہ بطیب خاطر تشریف لیجاتے تھے صرف ایک سفر (سفر سرہند) کے مختصر احوال اس سفر میں آپ کے رفیق مولانا حافظ قاری محمد الیاس میرٹھی کی زبانی ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں۔[1]

سفر سرہند

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ صبح کو بذریعہ بس امروہہ سے میرٹھ پہنچے اور مدرسہ نورانیہ ضیا الفرقان واقع محلہ پُروا الٰہی بخش میں قاری محبوب الٰہی صاحب کے یہاں قیام کیا۔ صبح کو بذریعہ ریل گاڑی سرہند کیلئے روانگی ہوئی افطار کا سامان سہارنپور ریلوے اسٹیشن سے خرید لیا ظہر کی نماز ریل گاڑی میں ادا کی عصر کی نماز درگاہ مجدد الف ثانیؒ کی مسجد میں پڑھی۔ منتظم درگاہ نے ایک چھوٹا سا حجرہ قیام کیلئے منتخب کیا جس میں روشنی اور فرش کا بھی انتظام نہ تھا، افطار مسجد میں عام دستر خوان پر ہوا۔ نماز مغرب کے بعد کھانا بھی اسی حجرہ میں کھایا۔ نماز عشاء کے لئے مسجد میں پہنچ گئے تراویح میں کوئی سامع نہیں تھا احقر نے ہی لقمہ دیا نماز سے فراغت کے بعد اجتماعی دعا ہوئی اسکے بعد موذن صاحب (جو سجادہ نشین صاحب کے ماموں تھے) انکی حضرت سے اس انداز میں گفتگو ہوئی ——— "آپ کہاں سے آئے ہیں؟" ——— "امروہہ سے" ——— "آپ کا نام کیا ہے؟" ——— "نسیم احمد" ——— "ایک نسیم احمد تو فریدی ہیں آپ انھیں جانتے ہیں؟" ——— "آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟" ——— "انھوں نے

---

[1] فاضل مضمون نگار مولانا محب الحق صاحب نے کئی اسفار کے حالات لکھے تھے لیکن گنجائش کی کمی کی وجہ سے صرف ایک سفر کے حالات کا اس نمبر کیلئے انتخاب کرنا پڑا ——— (مدیر)

حضرت مجدد اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات کا ترجمہ کیا ہے یہ بہت بڑا کام کیا ہے" ــــــــ "میں نے ہی ترجمہ کیا ہے" ۔۔۔۔۔۔۔!!

اس گفتگو کے بعد موذن صاحب نے بہت احترام کا معاملہ کیا خادم کو حکم دیا کہ حضرت کا بستر مہمان خانہ میں پہنچاؤ۔ مہمان خانہ میں اونچے اونچے پلنگ اور دبیز گدے تھے لیکن حضرت نے باوجود اصرار منتظمین کے فرش زمین پر ہی آرام کیا یہ احترام تھا اس مقام کا ــــــ ایک دن کے قیام کے بعد سہارنپور واپسی ہوئی۔ سہارنپور رات کو پہنچے حضرت شیخ الحدیث کے آرام کا وقت تھا اس لئے مسجد میں قیام کیا صبح کو بیداری پر حضرت شیخ الحدیث کو اطلاع ہوئی تو خادم کو حکم ہوا کہ مسجد میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی ہیں انکو بلا لاؤ حضرت کی وضع نہایت سادہ تھی اور خادم پہچانتا نہ تھا، وہ مسجد میں گھوم پھر کر واپس چلا گیا اور کہدیا کہ وہاں کوئی مولانا نہیں ہیں حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ جا مسجد میں موجود ہیں اور آپ کا حلیہ بتایا خادم آیا اور آپ کو ساتھ لے گیا وہاں ہمراہی کے متعلق سوال ہوا تو حضرت نے فرمادیا کہ قاری محمد الیاس ہیں حضرت شیخ نے خادم کو حکم دیا کہ جا مسجد میں قاری محمد الیاس ہیں انکو بلا لا۔ وہی معاملہ احقر کے ساتھ پیش آیا خادم کا خیال تھا کہ قاری محمد الیاس کوئی عمر شخص ہونگے دوبارہ حضرت شیخ نے حکم دیا کہ مسجد میں بلند آواز سے کہدے کہ قاری محمد الیاس کو بلایا جا رہا ہے' اس آواز پر میں خادم کے ساتھ حاضر ہوا حضرت شیخ الحدیث نے دست شفقت احقر کے سر پر پھیرا اور دعا دی اسکے بعد ایک ایک شب دیوبند اور پھلت میں قیام کیا اور امروہہ کو واپسی ہو گئی

ان کے علاوہ آپ کے متعدد اسفار مندرجہ ذیل مقامات کے ہوئے۔

اجمیر شریف۔ الہ آباد۔ بجنور۔ بلند شہر۔ بریلی۔ بمبئی۔ پھلت۔ پھلاؤدہ۔ تھانہ بھون ٹھاکردوارہ۔ جانسٹھ۔ جلال آباد۔ جون پور۔ جھنجھانہ۔ چاند پور۔ حسن پور۔ حیدر آباد۔ تورجہ دہلی۔ دیوبند۔ رام پور۔ رائے بریلی۔ ردولی۔ رڑکی۔ سرہند۔ سنبھل۔ سہارنپور۔ سیتاپور۔ شریف نگر کانپور۔ کاکوری۔ کاندھلہ۔ کلیر۔ کھتولی۔ گلاؤٹھی۔ گلڑیہ معافی۔ گنگوہ۔ لاہر پور۔ لکھنؤ۔ مرادآباد مظفر نگر۔ منصور پور۔ میرٹھ۔ میراں پور۔ نانوتہ۔ نجیب آباد۔ ہاپوڑ وغیرہ۔

شاعری میں آپ کا مقام

آپ جہاں ایک طرف مفسر، محدث، فقیہہ، مفتی، مبلغ، معقولی، منقولی، عالم تھے،

تو دوسری طرف ادیب و انشاء پرداز فصاحت و بلاغت کے ماہر اور قادر الکلام شاعر بھی تھے، امروہہ کے مشہور مزاحیہ شاعر مولانا سلطان احمد صاحب شہباز امروہوی مرحوم آپ سے اپنے کلام پر مشورہ لیتے تھے جبکہ دونوں حضرات میں اپنے اپنے استادوں کی قابلیت کے بارے میں چھ ماہ تک تحریری مناظرہ رہ چکا تھا۔ (افسوس کہ یہ تحریریں محفوظ نہ رہیں) لیکن جب دونوں حضرات ملتے تو ایسے ملتے کہ جیسے کبھی کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو، شہباز صاحب مرحوم کے استاد مولانا حبیب احمد صاحب افق کاظمی اور آپکے استاد منشی عزیز احمد صاحب عزیز المتوفی ۱۹۱۷ء تھے، امروہہ ہی کے دوسرے مشہور نعت گو شاعر ماسٹر حافظ عبد الرؤف صاحب رؤف[۲] کو جب اپنے دیوان کی اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو پاکستان مولانا افق صاحب کاظمی کو خط لکھا کہ آپ میرے دیوان کی اصلاح فرمادیں افق صاحب نے جواباً لکھا کہ میں دور دیار میں ہوں یہاں سے اصلاح ممکن نہیں آپ امروہہ ہی میں اصلاح کرالیں تو اچھا ہے اور آپکے کلام کی اصلاح مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کرسکتے ہیں اور کوئی نہیں آپ انھیں سے اصلاح کرائیں چنانچہ رؤف صاحب نے اپنے کلام کی اصلاح آپسے کرائی حضرت نے انکے کلام کو بالاستیعاب پوری توجہ سے سنا اور نہایت غور و خوض کے ساتھ اصلاح فرمائی جب آپ پوری طرح مطمئن ہو گئے تو مخلخۂ محامد، کوثر رحمت پر تقریظ بھی لکھی۔ یوں تو آپ فن شاعری کی تمام اصناف پر قدرت رکھتے تھے لیکن آپکا خاص مزاج و میلان نعت و مناقب کی طرف تھا جب آپ نعت و منقبت کہتے تو عشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور حب صحابہ میں مستغرق ہو جاتے۔ رئیس احمد رئیس امروہوی نے آپ کی نعت گوئی کے بارے میں بالکل صحیح کہا ہے ؎

نعت گوئی میں وہ اپنے وقت کا حسان تھا　　شان والوں کے مقابل وہ بڑا ذی شان تھا

استجابت دعا اور صفائے باطن

ہم خدام کو بار بار حضرت مولانا کی دعاؤں کی مقبولیت اور فراست ایمانی کا تجربہ ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات تو آپ کچھ دعا کے طالبوں کو ایسا اطمینان دلادیتے تھے جیسے

---

[۱] ہمارے استاد مکرم مولانا نسیم احمد فریدی کے استاد منشی عزیز احمد صاحب عزیز امروہوی کے استاد مضطر خیر آبادی تھے۔ انکے استاد امیر مینائی لکھنوی تھے جو اسیر لکھنوی کے شاگرد تھے اور اسیر لکھنوی شیخ غلام احمد ہمدانی مصحفی امروہوی کے شاگرد تھے۔ [۲] آپ کا انتقال ۱۶ ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو ہوا۔

آپ کو بالکل اطمینان ہو کہ ایسا ہی ہوگا۔

ماسٹر حاجی علاء الدین صاحب امروہوی اور حاجی جمیل احمد صاحب ساکن بانس کوٹھی ان دونوں حضرات کے لڑکے سخت بیمار ہوئے، یہاں تک کہ ناامیدی ہوگئی۔ یہ دونوں حضرات مختلف اوقات میں دعاء صحت کی درخواست لے کر حاضر ہوئے، آپ نے دونوں ہی سے فرمایا "وعدہ کرو، ان کو علم دین پڑھاؤ گے"! دونوں نے وعدہ کیا، بس فرمایا، جاؤ! ـــــــ ان میں سے ایک عالم ہو چکے ہیں۔ اور ایک جامع مسجد امروہہ میں زیر تعلیم ہیں۔

اسی سلسلہ میں ایک واقعہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ۱۹۸۲ء میں جب آپ کو صدر جمہوریہ ہند کے ہاتھوں ایوارڈ ملا، تو ایوارڈ ملنے کے دوسرے دن ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے اپنے بھائی انیس احمد فاروقی صاحب کو (یہ دونوں مولانا کے بھتیجے ہیں) امروہہ اطلاع دے دی کہ چچا میاں آج امروہہ پہنچ رہے ہیں۔ اور پھر آپ سے عرض کیا کہ آج ہی امروہہ تشریف لے جائیں! فرمایا! غور کروں گا لیکن پھر ڈاکٹر صاحب کے مکان واقع ٹیلہ ہاؤس سے روانہ ہونے کے بعد راستہ میں فرمایا کہ آج امروہہ جانا نہیں ہے، آج تو مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ میں ٹھہریں گے کل امروہہ چلیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اگلے روز جب امروہہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ کے استقبال کیلئے دونوں مدرسوں (جامع مسجد و چلہ) کے اساتذہ و طلبہ اور اہل شہر کثیر تعداد میں اسٹیشن پہنچے تھے، اور ارادہ یہ تھا کہ جلوس کی شکل میں مولانا کو لے جائیں گے مگر......

اس سلسلہ میں ایک اور یہ واقعہ بتانے کا دل چاہتا ہے کہ اگست ۱۹۸۸ء میں اچانک مجھ سے فرمایا کہ گھر چلے جاؤ، میں نے عرض کیا حضرت آپ علیل ہیں اس حال میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ فرمایا تم چلے جاؤ میں پھر بھی ٹالتا رہا۔ ۴۔۵ دن کے بعد حکم فرمایا "تم چلے جاؤ" بس اب کوئی چارہ نہ تھا۔ پروگرام بنالیا، اور ۱۹ راگست کو روانگی کے وقت جب رخصتی ملاقات کیلئے حاضر ہوا تو فرمایا ـــــ گھبرانا نہیں سب خیریت سے رہیں گے۔ سفر کے دوران حضرت کا یہ جملہ بار بار ذہن میں گردش کرتا رہا لیکن مطلب سمجھ میں نہ آسکا ۲۰ راگست ۱۹۸۸ء کو وطن پہنچا ۲۱ راگست کی صبح کو بہار کے کچھ اضلاع میں قیامت خیز زلزلہ آیا اس وقت آپ کا ارشاد یاد آیا "گھبرانا نہیں سب خیریت سے رہیں گے" ـــــ چنانچہ میں بالکل پرسکون رہا جبکہ گھر کے باقی افراد بہت پریشان تھے، میں سب سے کہتا تھا کہ گھبراؤ نہیں انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا؟ گویا آپ کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر یہ اب

نہیں گیا تو پھر ۲-۳ دن کے بعد پریشان ہو کر جائیگا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جنکو لکھنے کیلئے کافی وقت درکار ہے ـــــــ اور جو صفائی معاملات اور دوام ذکر وطاعت کی نعمت آپ کو حاصل تھی اس کے ہوتے ہوئے ان احوال کا ہونا ذرہ برابر تعجب خیز نہیں۔

علالت ورحلت

رات دن زیر زمیں لوگ چلے جاتے ہیں   نہیں معلوم نہ خاک تماشہ کیا ہے

شعبان ۱۴۰۸ھ سے آپ کی علالت شروع ہوئی بخار رہنے لگا حکیم شعیب اختر بن حکیم صبابتہ اللہ صاحب امروہوی کا علاج شروع ہوا۔ موصوف آپ کے مزاج شناس معالج خاص تھے لیکن بہ مشیت ایزدی اس بار "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" علالت کی حالت میں بھی صیام رمضان المبارک اور تراویح کا خاص اہتمام رہا، پھلت دیوبند اور سہارنپور کا سفر بھی ہوا، ضعف بڑھتا رہا اسکے باوجود معمولات میں کوئی فرق نہ آیا، آپ کو اپنی رحلت کا یقین ہو گیا تھا۔ اشارۃً خدام سے فرما بھی دیتے تھے لیکن اشارے ایسے تھے کہ بعد رحلت سمجھ میں آئے۔ ہوش وحواس آخر دم تک قائم رہے آخری ایام میں بھی معتقدین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا باوجود معالج کی ہدایت کے اس پر کنٹرول نہ ہو سکا خود حضرت باربار یہی ارشاد فرماتے تھے "یہاں لوگ عقیدت سے آتے ہیں، آنے دو یہ کیا کہیں گے"۔ ماہ صفر میں ڈاکٹری علاج شروع ہوا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ گردے وجگر ماؤف سینہ پر بلغم کا اجتماع ہو گیا تھا ماہ صفر کے آخر میں باربار غشی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی افاقہ پر آپ اکثر دریافت فرماتے۔ کیا ربیع الاول شروع ہو گیا؟ جواب نفی میں ملتا' آپ خاموش ہو جاتے، بہرحال جب آپکے استفسار پر عرض کیا گیا ربیع الاول شروع ہو گیا تو چہرہ پر کچھ اطمینان وانبساط کے آثار نظر آئے ۵ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز منگل صبح کے وقت استغراقی کیفیت کے بعد خدام سے فرمایا۔ حضرت گنگوہیؒ تشریف لائے تھے' بلا گئے ہیں' کچھ دیر بعد پیشاب کی حاجت ہوئی بٹھایا گیا اتنے میں باہر سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی آپنے فرمایا کہدو ہم آتے ہیں!! اور پھر جلدی طہارت سے فارغ ہو کر لیٹ گئے اور آخرکار وہ گھڑی جس کیلئے بے چین تھے، وہ آپہنچی اور انھوں نے اس شوقِ لقا کے ساتھ اس دارفانی کو الوداع کہا جو خاصان خدا کی خاص علامت اور

عشاق ایزدی کی پرانی رسم ہے۔ برحا اللہ مضجعہ ونقہ غریجہ۔

آپ کے انتقال پُرملال کی خبر امروہہ، مضافات امروہہ، مراد آباد، دیوبند، میرٹھ دہلی وغیرہ دور دور مقامات تک ایسی تیزی سے پھیلی کہ وہم وگمان بھی نہ تھا علاقہ پر اس سانحۂ عظیمہ کی کیفیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ بلا قید مسلک ہی نہیں بلکہ بلا قید مذہب و ملت شہر کے تمام بازار یکلخت بند ہوگئے یہاں تک کہ تمام سرکاری وغیر سرکاری ادارے اسکول وکالج، دفاتر حتیٰ کہ منصفی وتحصیل کی بھی تعطیل کردی گئی۔ اس روز عجیب ہو کا عالم تھا، شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا ہر کس وناکس اداس ومغموم تھا، گویا اسکی محبوب ترین متاع کم ہوگئی ہو، اس روز امروہہ میں ہر مرد وزن خورد وکلاں غمگین وسوگوار تھا۔ ہر ایک خود کو بے سہارا ویتیم سمجھ رہا تھا بعد مغرب غسل دیا گیا عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد امروہہ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی نماز جنازہ میں تقریباً تیس ۳۰، چالیس ۴۰ ہزار کا مجمع تھا یہ تاریخ امروہہ کا بے مثال مجمع تھا کہ اس سے قبل کسی کے جنازے میں اتنا مجمع نہیں دیکھا گیا۔ جنازہ کو واپس محلہ جھنڈا شہید ہی لیجانا تھا جو جامع مسجد سے چند منٹ کی مسافت پر ہے لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے جو کاندھا لگانے کیلئے ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا جنازہ جلوس کی شکل میں ذکر کرتا ہوا امروہہ کے مختلف محلوں اور راستوں سے گذرتا ہوا تقریباً ۲ دو گھنٹہ میں محلہ جھنڈا شہید پہنچا۔ قبر محلہ جھنڈا شہید کی مسجد کے دروازے کے متصل حجرے میں تیار کی گئی میت کے ساتھ جلوس کی کثرت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ گذرگاہ کے تمام چوراہوں پر جوتوں اور چپلوں کے ڈھیر صبح کو دیکھے گئے کثرت اژدہام کی وجہ سے جس جوتا پیر سے نکل گیا تو نکل گیا ——— مجمع اب بھی پروانہ وار دفن کیلئے ٹوٹا پڑتا تھا مسجد کا دروازہ اندر سے بند کردیا گیا۔ مگر لوگ دیوانہ وار دیواریں پھاند کر اندر کھچا کھچ بھر گئے بالآخر ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے مجمع کو منت سماجت سے رخصت کیا۔ اس پر مجمع کچھ کم تو ہوا مگر دفن کی دشواری کم نہ ہوئی مجبوراً ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی نے باآواز بلند اعلان کیا کہ ہماری طرف سے قبر میں اتارنے کی کسی کو اجازت نہیں سوائے مولانا محب الحق صاحب نفیس احمد صاحب، احسن امیر صاحب اور مولانا عطاء الرحمٰن صاحب کے۔ اس پر مجمع مجبور ہوگیا، اس موقع پر احسن امیر صاحب کی قربانی بھی قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے اپنی اس سعادت کو بقیہ تین ساتھیوں کے سپرد کردیا اور آپ اپنے ایثار کا اعلان کرکے مجمع کے سدراہ ہوگئے،

احقر نے اپنے دونوں ساتھیوں کی مدد سے رات کو دس بجکر چالیس منٹ پر اس خزانۂ علم و حکمت و گنجینۂ معرفت کو سپردِ رحمت کر دیا۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ بقول حکیم مومن خاں مومن دہلوی ؒ ؎

دستِ بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے
فقر و دیں فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

آخر میں یہ احقر تمام قارئین کرام سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ہم سب خدام و تلامذہ کے لئے عموماً اور اس خاکسار کے لئے خصوصاً دعاؤں کا اہتمام فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دم تک اپنے شفیق و محسن استاذ و مربی کے نقش قدم پر چلنے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہر طرح کے فتنہ اور انحراف سے ہماری حفاظت فرمائے۔
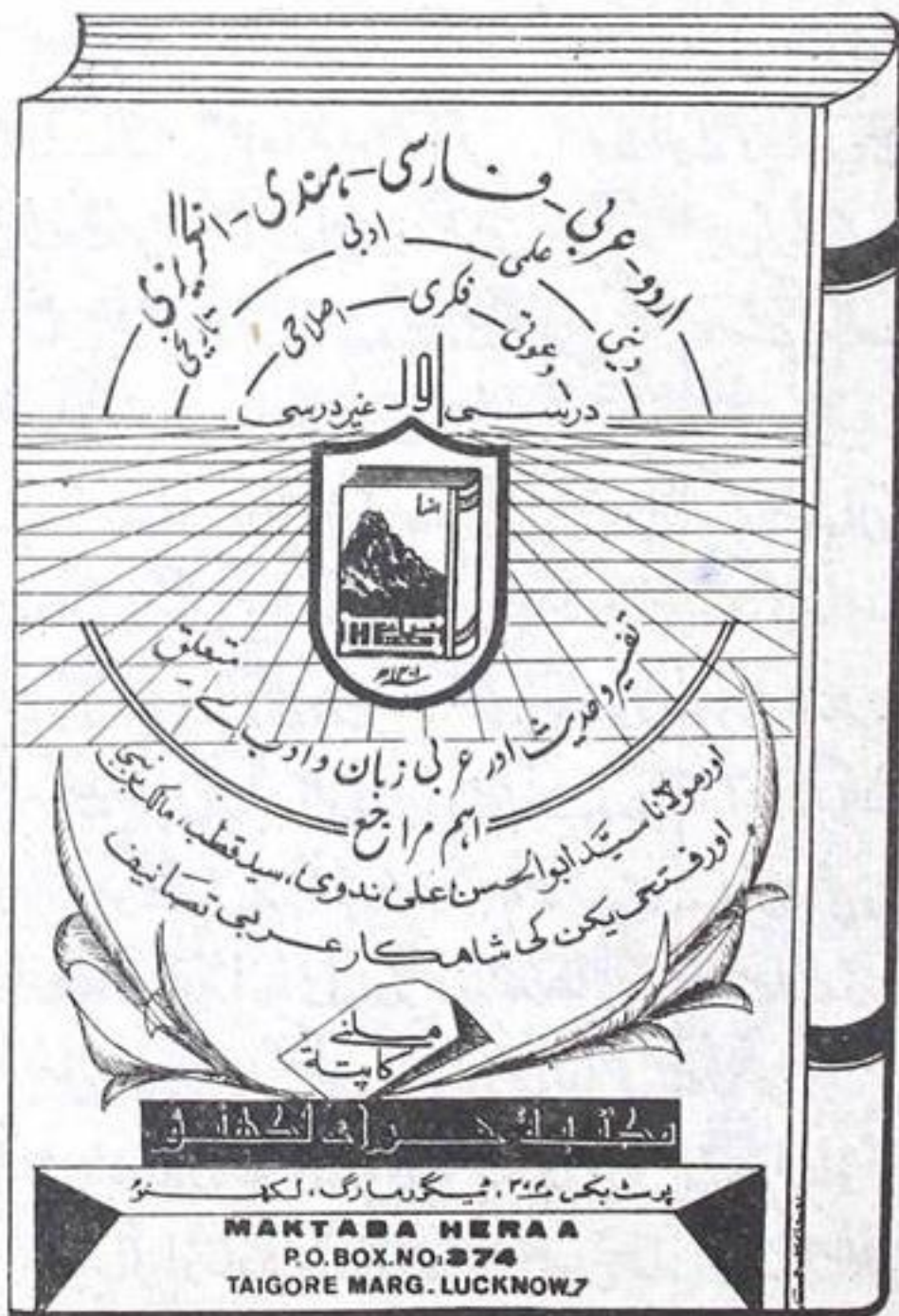
ایک دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر مغیث الدین فریدی ایک بار حضرت شاہ امین بدر چشتی کے عرس میں شرکت کیلئے امروہہ تشریف لے گئے، غالباً بات ۱۹۷۰ء کی ہے انھیں مولانا فریدی سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ عرس کے بعد خانقاہ میں انھوں نے منقبتی شاعرے کی صدارت فرمائی اور اپنی وہ نعت پڑھی جو مولانا فریدی کے چند اشعار پر تضمین تھی اسی دوران میں مولانا اسحاق سنبھلی (ممبر پارلیمنٹ) چند احباب کے ہمراہ تشریف لائے۔ لوگوں نے تپاک سے "آیئے مولانا" کہکر پذیرائی کی اور مولانا اسحاق ایک طرف بیٹھ گئے۔ وہ کالی شیروانی اور سفید ٹوپی میں ملبوس تھے، چشمہ لگا ہوا، ترشی ہوئی سڈول سی داڑھی اور تبسم بہ لب خدوخال — مغیث صاحب نے نہ کبھی انھیں دیکھا تھا نہ مولانا نسیم احمد فریدی کو — اسلئے غلط فہمی ہوگئی۔ مشاعرہ ختم ہونے پر جب خانقاہ سے باہر نکلے تو مغیث صاحب نے مولانا سنبھلی سے خود اپنا تعارف کرایا۔ مولانا نے خوش اخلاقی سے "اچھا اچھا" کہکر مصافحہ کیا۔ مغیث صاحب نے فرمایا کہ "میں صبح حاضر ہوا تھا مگر ...." مولانا بولے "اچھا آپ تھے" اب گویا مغیث صاحب کو تصدیق ہوگئی، کہنے لگے "مولانا معاف کیجئے آپکے چند شعر میں نے بغیر اجازت تضمین کر لئے ہیں ...." اس پر مولانا اسحاق تو سوالیہ نشان بنکر مغیث صاحب کا منہ دیکھنے لگے مگر قریب کھڑے ہوئے حکیم کلب علی صاحب غلط فہمی بھانپ گئے اور قہقہہ لگا کر بولے "یہ مولانا اسحاق سنبھلی ہیں"۔ مغیث صاحب بیحد خفیف ہوئے بعد میں کہنے لگے کہ "جب مولانا خانقاہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے آیئے مولانا کہہ کر استقبال کیا تو میں نے تصور میں انکے خدوخال سے داڑھی ہٹا کر دیکھا، ناک نقشے میں کچھ نثار فاروقی صاحب کی شباہت آئی، میں نے سوچا یہی ہو سکتے ہیں، نثار صاحب کے چچا۔" اگلے دن مغیث صاحب راقم الحروف کے ہمراہ مولانا فریدی سے ملنے گئے تو چند ہی تمہید کے نتیجے میں مولانا سادے کپڑوں میں ایک معمولی سی دوہی اوڑھے درویشانہ انداز میں کھڑے تھے میں نے تعارف کرایا مغیث صاحب کچھ حیران سے ہوگئے کہ ایسے ہوتے ہیں مولانا نسیم احمد فریدی — ! مولانا کی ذاتی عظمت اور تبحر علمی کا بھی انھیں اندازہ تھا اور پھر نثار فاروقی اور خلیق احمد نظامی کے حوالے سے انکے ذہن کے پردوں پر مولانا فریدی کا ایک نستعلیق، صاف ستھرا، پرشکوہ خاکہ تیار ہوا تھا جو شیشے کی طرح چکنا چور ہو چکا تھا لیکن مولانا کی عظمت انکی نظر میں اور زیادہ بڑھ گئی۔ گویا وہ عالم ہوا جو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے آتے دیکھکر عیسائی بادشاہ کا ہوا تھا (ماخوذ از مضمون جناب خورشید مصطفیٰ رضوی صاحب امروہہ)

مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مرحوم کے نام اور کام سے واقفیت ماہنامہ الفرقان ہی کے ذریعے ہوئی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے چند دوسرے علمی رسالوں کے ساتھ ماہنامہ الفرقان کا پابندی سے مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا۔ الفرقان کے ہر شمارہ میں مولانا مرحوم کا کوئی مضمون ضرور شریکِ اشاعت ہوتا الفرقان میں مولانا مرحوم اس پابندی کے ساتھ لکھتے کہ قارئین کے ذہنوں میں الفرقان اور مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم لازم ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں سے ایک کے تصور سے فوراً دوسرے کا تصور ابھرتا۔ مولانا کا شستہ اور شائستہ قلم علماء و مشائخ کی تذکرہ نویسی اور انکے ملفوظات و مکتوبات کے ترجمہ و تلخیص کے لئے وقف تھا، اسلوب تحریر بڑا سادہ و سنجیدہ لیکن ادبی حلاوت و گھلاوٹ لئے ہوئے تحریر بہت سبک اور رواں، دل کے تاروں کو چھیڑنے والی۔ اور نسیم سحر کے ٹھنڈے جھونکوں کی طرح رگ و پے میں اتر جانے والی۔

نئی نسل کو بزرگان پیشیں، علماء دین اور اکابر طریقت کے علوم و معارف فیوض و افادات سے روشناس کرانے میں مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا بڑا حصہ ہے، انھوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور انکے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے مکاتیب کا ترجمہ و تلخیص جس کامیابی کے ساتھ کی ہے اردو تراجم میں اس کی مثال بہت کم ملے گی "تجلیات ربانی" اور "مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی" کا اول سے آخر تک مطالعہ کریجئے کہیں بھی "ترجمہ پن" کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ مکاتیب اصلاً ..... اردو زبان ہی میں لکھے گئے تھے ترجمہ میں اصل فارسی مکتوبات کا زور اور اثر آفرینی قائم ہے۔

چند تاثرات

مولانا مرحوم سے غائبانہ واقفیت اور عقیدت دورِ طالب علمی ہی سے رہی لیکن

ان سے ملاقات کا شرف اس وقت حاصل ہوا جب تدریس کے سلسلے میں چند سال میرا قیام مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں رہا۔ یہ بات ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک کی ہے، اس تین سال کے عرصہ میں بار بار مولانا مرحوم کی خدمت میں امروہہ حاضری ہوئی، مولانا مرحوم بھی بار بار مرادآباد تشریف لائے اور مولانا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مایۂ ناز شاگرد تھے انھوں نے عمر عزیز کا بڑا حصہ علوم اسلامیہ کے مدرس کی حیثیت سے گزارا، فقہ و فتاویٰ سے انھیں خاص مناسبت تھی۔ اکابر دیوبند کے علوم کے شارح و امین تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر اکابرِ دیوبند تک ہندوستان کے علماء و مشائخ کی جو سنہری زنجیر ہے مولانا مرحوم اس کے خصوصی مورخ تھے، مجددی اور ولی اللٰہی سلسلے کے علماء و مشائخ کے حالات، تالیفات، ملفوظات و مکتوبات پر ان کی نظر بڑی وسیع و عمیق تھی، آخری دور میں اس موضوع کے بارے میں ان کی حیثیت سند کی ہو گئی تھی۔

مولانا نسیم احمد فریدی کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے والے شہادت دیں گے کہ بے شک مولانا مرحوم اسی طبقہ کے ایک فرد تھے جس کی تذکرہ نگاری میں انھوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف کیا، وہ بزرگوں کے ارشادات و فرمودات سے پہلے اپنی زندگی سنوارتے اس کے بعد دوسروں کیلئے وقفِ عام کرتے، الفرقان کے بانی مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہ نے انکے بارے میں بجا طور پر لکھا ہے "وہ ایک درویش صفت۔ فقیرانہ زندگی گزارنے والے، اکثر زمین اور چٹائی پر سونے والے اس طرح کے صاحبِ درس و افتاء اور صاحبِ قلم و صاحبِ تصانیف عالمِ دین ہیں، جیسے کبھی پہلے ہوا کرتے تھے جن کا تذکرہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں"۔

تواضع اور بے نفسی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم بے انتہا متواضع اور بے نفس انسان تھے فضل و کمال سے آراستہ ہونیکے باوجود ہر شخص سے بڑے تپاک، محبت اور سادگی سے ملتے تھے، انکی زندگی میں تکلفات کا خانہ بالکل نہیں تھا، علماء اور اہلِ دین کے بڑے قدردان تھے۔ میں اپنے آپ کو انکے شاگردوں کی صف میں بھی جگہ پانیکے قابل نہیں سمجھتا، لیکن امروہہ میں جب بھی انکی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو انھوں نے حد درجہ

اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمایا وہ یہ کوشش کرتے کہ ہر خوش ذائقہ اور لذیذ غذا مہمان کو کھلائیں، اور اپنے مصروف ترین اوقات میں سے خاصہ وقت ہم جیسوں کی دلداری کیلئے فارغ کرتے۔ انکی مجلس بڑی پاکیزہ معلومات افزا اور پر لطف ہوتی تھی جب بھی ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے علماء و مشائخ، علوم دینیہ ہی کی بات چیت کی، علمی اور دینی موضوعات ہی کے گرد انکی گفتگو دائر رہتی کسی معاصر کا شکوہ و شکایت کرتے نہ لایعنی باتیں کرتے، زندہ مشائخ کی صحبت اور مشائخ پیشین کے حالات اور تالیفات کے مطالعے سے ان کا آئینۂ دل مصفیٰ و مجلیٰ ہو چکا تھا۔ انکی زندگی "وما انا من المتکلفین" (میں تکلف کرنیوالوں میں نہیں ہوں) کا سچا نمونہ تھی، وہ مشائخ کی رسوم و ظواہر سے بالکل آزاد تھے، ان سے گفتگو کے دوران کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ انھوں نے اپنی سطح مخاطب سے کچھ بھی بلند سمجھی ہو، بڑی بے ساختگی اور بے تکلفی انکی گفتگو میں تھی، ان کا طلب علم کا ذوق آخر تک جوان رہا، انھوں نے تحقیق و تلاش کی کسی منزل پر قیام نہیں کیا بلکہ عمر کے آخری لمحے تک تلاش و جستجو کا سفر جاری رکھا اور علم کے دفینوں میں گھس کر آبدار موتی اہل علم کے سامنے پیش کرتے رہے اور اردو زبان کو علوم و معارف سے مالامال کرتے رہے۔

انکی بے نفسی کا اک واقعہ صفحۂ دماغ پر اس طرح نقش ہے کہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ مراد آباد میں قیام کے زمانے میں میں ایک بار دو روز کیلئے امروہہ انکی خدمت میں حاضر ہوا! مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کے ایک اور معاصر جو اب بھی بقید حیات ہیں، وہ بھی تشریف لے گئے تھے، جمعہ کے روز امروہہ کی جامع مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مولانا فریدی مرحوم تبلیغی اجتماع اور جمعہ کے بعد تبلیغی جماعتوں کو روانہ کرنے میں بے حد مصروف تھے، انکے معاصر بزرگ کو یہ احساس ہوا کہ مولانا مرحوم مجھے نظر انداز کر رہے ہیں اور بات چیت کے لئے وقت نہیں فارغ کر رہے ہیں اچانک جامع مسجد میں مولانا مرحوم کے ہزاروں معتقدین کے مجمع میں مولانا مرحوم پر اس طرح برسے کہ سارا مجمع ششدر رہ گیا اور ہر ایک کو بے پناہ غصہ آیا لیکن خود مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم پر اس نازیبا طرز عمل کا کوئی ردعمل نہیں ہوا انکی زبان سے کوئی بھی سخت لفظ نہیں نکلا بلکہ وہ ٹھنڈے لہجے میں معذرت کرتے رہے اور اپنی وقتی مشغولیت کا عذر پیش کرتے رہے اس واقعہ نے مجھے غیر معمولی طور پر متاثر کیا اور میں نے محسوس کیا کہ مولانا مرحوم اس مرحلے سے گذر چکے ہیں، جب انسان اپنی ذات کیلئے

خفا یا خوش ہوتا ہے۔

علمی فنائیت

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا اک بڑا وصف انکی علمی فنائیت تھی، علم و تحقیق ان کا ذوق و مزاج بن چکا تھا۔ علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف و تحقیق کرنے والے بہت مل جائیں گے لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم ان کا ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ بھی بن چکا ہو جنھیں علم کے بغیر اک لمحہ چین نہ آتا ہو ایسے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اگر بیسویں صدی کے فنائی العلم افراد کی مختصر ترین فہرست بنائی جائے تو اس میں مولانا مرحوم کا نام ضرور شامل ہوگا آخری عمر میں بینائی سے بالکل معذور ہو چکے تھے مگر ان کا علمی اور تحقیقی سفر زندگی کے آخری لمحے تک تیز گامی کے ساتھ جاری تھا۔

مولانا فریدی کا تصنیفی سفر

میری معلومات کی حد تک مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا... تصنیفی سفر ماہنامہ "الفرقان" سے شروع ہوا، الفرقان ہی کے ذریعہ انکی بیشتر تحریریں اہل علم کے سامنے آئیں ۱۹۳۸ء / ۱۳۵۷ھ میں ماہنامہ الفرقان بریلی کا مجدد الف ثانی نمبر شائع ہوا اس وقت مولانا فریدی مرحوم مدرسہ اشفاقیہ بریلی کے صدر مدرس تھے، اس نمبر کی ترتیب و تیاری میں مولانا مرحوم نے پورا تعاون کیا اور مجدد الف ثانی رح کے خلفاء پر ایک بسوط مقالہ بھی لکھا جو اس نمبر میں شریک اشاعت ہے، اس مقالے کی تیاری کیلئے مولانا مرحوم نے مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات سوانح اور تذکروں کا بڑے اہتمام سے مطالعہ کیا، اس تیاری اور مطالعہ نے انکے قلم کو ایک خاص رخ دیا اور تذکرہ نگاری کے ذوق و جذبے کو مہمیز لگائی۔ الفرقان مجدد الف ثانی نمبر نے جو اثرات چھوڑے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے خود مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم رقمطراز ہیں "مجدد الف ثانی نمبر جب ترتیب پا رہا تھا اس وقت میں بھی ایک ادنیٰ رفیق کی حیثیت سے اسکی تصحیح وغیرہ کی خدمت کر رہا تھا۔ حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی مجددی رح لکھنوی کا معرکۃ الآراء مقالہ خطبۂ شوقیہ اور مولانا گیلانی کا وجد انگیز مقالہ اور دیگر مشاہیر کے اہم مضامین اس بے بہا نمبر میں نکلے تھے، اس نمبر نے ہندوستان کے اندر مذہبی

حلقوں میں ایک دھوم مچادی تھی۔ احقر کے قلب پر بھی اسکے گہرے نقوش قائم ہوئے، بزرگان دین کے سوانح اور حالات مرتب کرنے کا شوق پہلے ہی سے تھا اب اس ذوق میں اور اضافہ ہو گیا۔" (تجلیات ربانی ج ا ص ۳۹)

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تقریباً تمام تصنیفات پہلے ماہنامہ الفرقان میں قسطوار شائع ہوئیں پھر انھیں قسطوں کو کتابوں کی شکل میں کتب خانہ الفرقان نے شائع کردیا۔ آئندہ صفحات میں آپ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تصانیف کا مختصر تعارف و تذکرہ ملاحظہ کریں گے جس سے ان تصانیف کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہوگا۔

تجلیات ربانی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا سب سے اہم علمی کارنامہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مکتوبات کی تلخیص اور ترجمہ ہے جو کتب خانہ الفرقان سے تجلیات ربانی کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا، مکتوبات مجدد الف ثانی کی اہمیت اور افادیت محتاج بیان نہیں، مجدد صاحب کے مکتوبات نے اصلاح و تجدید کا جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے، ان مکتوبات میں تصوّف و احسان، تعمیر باطن، تمیز حق و باطل، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین، احیائے سنّت کا وہ سامان موجود ہے جس نے گذشتہ تین چار صدیوں میں امتِ محمدیہ کی رہنمائی کا کام انجام دیا، مجدد صاحبؒ کے یہ مکتوبات علوم و معارف کا خزینہ اور دعوت و اصلاح کا ایک بہترین سرمایہ ہیں، یہ مکتوبات زبان و بیان کے اعتبار سے بھی بلاغت کے بلند ترین معیار پر پورے اترتے ہیں، انکی اثر آفرینی میں اگر ایک طرف حضرت مجدد صاحبؒ کی روحانیت، قوتِ باطن، جذبہ و تڑپ کا بڑا حصہ ہے تو دوسری طرف حسن بیان اور سحر انگیز طریق ادا نے ان مکتوبات کی تاثیر میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے، اور یہ مکتوبات "از دل خیزد بر دل ریزد" کا کامل مصداق بن گئے ہیں، ان مکتوبات کا ترجمہ و تلخیص کوئی آسان کام نہیں تھا اس کے بعض تراجم پہلے بھی شائع ہوئے لیکن ان کی افادیت اور اثر آفرینی بہت محدود رہی۔ مجدد صاحب کے مکتوبات کا کامیاب ترجمہ وہی شخص کر سکتا تھا جس میں چند اوصاف پورے طور پر پائے جاتے (۱) وہ خود صاحب باطن اور تبلیغ و اصلاح کے جذبے سے

معمور بلکہ مخمور ہو، مکتوبات کے مضامین اس کا صرف قال نہ ہوں بلکہ حال بن چکے ہوں۔

(۲) وہ شخص فارسی اور اردو دونوں زبانوں کا بلند پایہ ادیب ہو اس لئے کہ مکتوبات کی تاثیر میں اسکے پُرجوش طرزِ تعبیر اور ادیبانہ حسن و جمال کا بڑا دخل ہے۔ روکھا پھیکا ترجمہ ان بلند پایہ مکتوبات کی افادیت کو یا سرے سے ختم کردیتا یا بہت ہی محدود کردیتا۔

مولانا نسیم احمد مرحوم میں یہ دونوں اوصاف کامل طور پر موجود تھے، ان کا باطن اُن حقائق و معارف سے معمور تھا جنھیں مکتوبات میں بار بار پوری قوت سے بیان کیا گیا ہے۔ اصلاحِ امت اور تبلیغ دین کا جذبہ انکے اندر پوری طرح موجزن تھا، احیائے سنت اور ردّ بدعات انکی زندگی کا نصب العین تھا، غرضیکہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کے مضامین سے انھیں نہ صرف اتفاق تھا بلکہ ان پر اعتقاد و ایمان تھا، انکے زندگی کا واحد مقصد اور مشن وہی کام تھا، جس کیلئے مجدد صاحبؒ کے مکتوبات وجود میں آئے، جہاں تک ادب و بلاغت کا تعلق ہے تو مولانا فریدی مرحوم اس میدان کے بھی شہسوار تھے، فارسی زبان و ادب پر انھیں استادانہ دستگاہ حاصل تھی، موصوف فارسی زبان کے رمز شناس تھے، اردو انکی مادری زبان تھی، اردو ادبیات پر انکی نظر بہت وسیع و عمیق تھی، انکی کتابیں ترجمے، مضامین اردو زبان پر ان کے عبور کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

مکتوبات امام ربانی کا مکمل ترجمہ عام مسلمانوں کیلئے زیادہ مفید نہ ہوتا، مکتوبات کا ایک بڑا حصہ ایسے مضامین پر مشتمل ہے جسے سلوک و طریقت کے بلند مقامات طے کرنے والے اور فن تصوف کی اصطلاحات جاننے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ مولانا فریدی مرحوم نے اس طرح کے مکاتیب و مضامین کو حذف کردیا اور تجلیات ربانی میں انھیں مکاتیب کو شامل فرمایا جن کا مطالعہ تمام مسلمانوں کے دلوں میں اتباع شریعت کا جذبہ بیدار کرسکے۔ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت سینوں میں پیدا کرسکے۔

مکتوبات امام ربانی کا ترجمہ و تلخیص تجلیات ربانی کے نام سے کتب خانہ الفرقان نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ دونوں جلدیں بڑے سائز پر شائع کی گئیں، جلد اول کے صفحات ۲۵۲ اور جلد دوم کے صفحات ۱۹۲ ہیں، جلد اول کے شروع میں مولانا فریدی مرحوم کے قلم سے چالیس ۴۰ صفحات پر پھیلا ہوا مقدمہ ہے جو خود اپنی جگہ خاصے کی چیز ہے، مقدمہ میں مصنف نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مختصر حالات و سوانح تحریر کرنے کے بعد

مکتوبات امام ربانی کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد حضرت مجدد صاحبؒ کے قدیم وجدید ناقدین کا جائزہ لیا ہے۔
"تجلیات ربانی" سے بندگان خدا کو بہت فائدہ پہنچا، اس کتاب نے اردو جاننے والی نسل کا رشتہ حضرت مجددؒ صاحب سے جوڑ دیا اور نئی نسل کو ایمان ومعرفت کے ایک شفاف چشمے تک پہنچا دیا۔

مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عُروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ حضرت مجدد صاحبؒ کے جانشین ہوئے، انھوں نے بھی ایمان وعشق کی دولت سے دامن بھر کر اللہ کا پیغام لاکھوں انسانوں تک پہنچایا اور بے شمار بندگانِ خدا کو راہِ حق پر لگایا، اسلامیان ہند کے ہر طبقے کو نفس گرم کی تاثیر سے متاثر کیا۔ اصلاح وتجدید کا آوازہ بلند کیا۔ خواجہ محمد معصومؒ سرہندی کے اصلاحی وتربیتی، علمی واحسانی مکاتیب بھی تین جلدوں میں ہیں جو مکتوبات معصومیہ کے نام سے معروف ہیں۔
مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کو بڑی شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ ہندوستان میں فارسی کی تعلیم وتعلم کا رواج ختم ہو جانے کی وجہ سے ہماری نئی نسل اپنے ماضی سے کٹتی جا رہی ہے، مشائخ ہند کے مکتوبات وملفوظات وافادات جنھوں نے صدیوں تک تعمیر سیرت تزکیۂ باطن کا کارنامہ انجام دیا ہے نئی نسل کی دسترس سے باہر ہوتے جا رہے ہیں ـــــ اس احساس نے انھیں آمادہ کیا کہ بزرگوں کے ان خزانوں کو اردو زبان میں منتقل کریں تاکہ آنے والی نسلیں ان بے بہا خزانوں سے محروم نہ ہو جائیں۔
"مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ" کے پیش لفظ میں سبب تالیف وترجمہ بیان کرتے ہوئے مولانا فریدی مرحوم رقمطراز ہیں۔
"مکتوبات معصومیہ کی دوسری جلد کا مطالعہ میں نے سب سے پہلے کیا ـــــ اسکو دیکھ کر میرے دل میں یہ داعیہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا کہ ان علمی وروحانی جواہرات کا ترجمہ ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے کیا کہ وہ مضامین جو سلوک ومعرفت کے اونچے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے سمجھنے کیلئے ان حضرات کے مقامات اور انکی خاص اصطلاحات سے واقفیت

ضروری ہے انکو حذف کر کے تلخیص کے طور پر یہ کام انجام دیا جائے"۔ ص ۳-۴

مولانا فریدی مرحوم کے قلم سے مکتوبات معصومیہ کا ترجمہ و تلخیص ماہنامہ الفرقان میں قسطوار شائع ہوتا رہا۔ ارباب نظر اور اصحاب دل نے اسے بہت پسند کیا، پھر کتب خانہ الفرقان نے اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری نے اس ترجمہ و تلخیص کو بہت پسند فرمایا اور تقریباً دس بارہ مرتبہ اس ترجمہ کو سنا۔

ترجمہ کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس مقبولیت کا جو راز مولانا فریدی مرحوم نے آغاز کتاب میں لکھا ہے، وہ بھی انکی بے نفسی، للّٰہیت اور فنائیت کا مظہر ہے، لکھتے ہیں "ظاہر ہے کہ مضامین میرے نہیں تھے، اس عارف کامل کے تھے، جس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد ملتِ اسلامیہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں سنبھالی تھی، اور جس نے اپنی پوری زندگی اللہ اور رسولؐ کے عشق میں گذاری تھی۔ اس کے کلام کی تاثیر نے اگر ترجمہ میں بھی اپنا رنگ دکھایا تو یہ صاحبِ کلام کا کمال ہے میرا نہیں — البتہ میرے حصہ میں یہ سعادت مقدر تھی کہ ایک خاص انداز میں ان گرامی مکتوبات کو اپنی زبان میں پیش کروں — میں ہر چند نااہل ترجمان ہوں، لیکن اس پر نازاں ہوں کہ ترجمہ کے اوقات میں صاحبِ مکتوبات سے یک گونہ ربط قائم کر کے کچھ نہ کچھ اخذ فیوض و برکات کرتا رہا۔ اگرچہ تہی دست اور کوتاہ عمل ہوں لیکن ایک شیخ کامل کی روحانیت کے دسترخوان سے، اس زلہ ربائی پر شکر خدا ادا کرتا ہوں۔

ترجمہ و تلخیص کے علاوہ مولانا فریدی مرحوم نے ایک اہم کام یہ کیا کہ کتاب کے آغاز میں صاحبِ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ صاحب کی مختصر سوانح حیات شامل کردی دوسرا علمی اور تحقیقی کام یہ کیا کہ ساٹھ سے زائد مکتوب الیہم کے مختصر یا مفصل حالات تذکرہ و تراجم کی مستند کتابوں سے مرتب کر کے فٹ نوٹ کے طور پر شامل کتاب کردیے۔

ترجمہ بہت سلیس، رواں اور پُرتاثیر ہے پوری کتاب میں کہیں "ترجمہ پن" کا ہلکا احساس بھی نہیں ہوتا۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکتوبات اصلاً اردو ہی میں تحریر کئے گئے۔ اگر مضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو نمونے یہاں پیش کئے جاتے۔

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ نے "مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ" کے نام سے اس ترجمہ و تلخیص کو اوسط کتابی سائز میں شائع کیا۔ صفحات کی تعداد ۳۰۰ ہے۔

تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ مع صاحبزادگان و خلفاء

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی شخصیت مشائخ اسلام کے زریں سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے، مجدد الف ثانیؒ تو خواجہ باقی باللہؒ کیلئے وجہ افتخار ہیں ہی، انکے علاوہ بھی متعدد بلند قامت، تاریخ ساز شخصیات حضرت خواجہ کے دامن سے وابستہ رہیں اور حضرت خواجہ کی کیمیا اثر صحبتوں نے ان کو تزکیہ و احسان کے بلند مراتب پر فائز کیا۔

الفرقان مجدد الف ثانی نمبر کیلئے مجدد صاحب کے خلفاء کے موضوع پر مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے مبسوط مقالہ لکھا ــــ اس مقالہ کیلئے مطالعہ اور تیاری کے دوران مولانا مرحوم کے دل میں شدت سے یہ داعیہ ابھرا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر و مرشد خواجہ باقی باللہؒ کی شخصیت اور ان کے بلند پایہ کارناموں کے سلسلے میں مستقلاً ایک کتاب لکھی جائے "تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ" مولانا مرحوم کی اسی خواہش کا پیکر وجودی ہے ــــ یہ کتاب متوسط سائز کے ۱۲۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، فہرست مضامین کے بعد پانچ صفحات میں الفرقان کے بانی مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کے قلم سے کتاب کا تعارف ہے۔ صفحہ ۹ سے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، یہ تذکرہ صفحہ ۳۶ پر ختم ہو جاتا ہے، اسکے بعد "بحر ولایت کے دو آبدار موتی ــــ خواجۂ کلاں و خواجۂ خرد" کے عنوان سے حضرت خواجہ کے دو جلیل القدر صاحبزادگان خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبید اللہ کا ذکر خیر ہے، ان دونوں صاحبزادوں کا تذکرہ صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے ــــ اسکے بعد مولانا فریدی مرحوم نے "بزم خواجہ خرد کی ایک جھلک" کے عنوان سے خواجہ خرد کے ایک نادر نسخۂ ملفوظات کا ترجمہ و انتخاب پیش کیا ہے ــــ مولانا مرحوم نے ملفوظات خواجہ خرد کا یہ قلمی رسالہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں ڈھونڈ نکالا، اسی کا ترجمہ و انتخاب اردو زبان میں مرتب فرمایا۔ "بزم خواجہ خرد کی ایک جھلک" صفحہ ۸۳ پر ختم ہو جاتی ہے، صفحہ ۸۵ سے حضرت خواجہ باقی باللہ کے تین نامور خلفاء (۱) تاج العارفین، شیخ تاج الدین سنبھلیؒ (۲) خواجہ حسام الدینؒ (۳) خواجہ اللہ داد دہلویؒ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور کتاب انھیں حضرات کے ذکر خیر پر ختم ہو جاتی ہے۔

یہ کتاب مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی تذکرہ نگاری اور انشاء پردازی کا بہترین نمونہ ہے۔ مولانا مرحوم کے ذوقِ سوانح نگاری اور طرزِ تحقیق و تصنیف کی ایک جھلک اس کتاب سے محسوس ہوتی ہے ـــ مولانا مرحوم کی اکثر تصانیف کی طرح اس کتاب کی اشاعت کی سعادت بھی کتب خانہ الفرقان کے حصہ میں آئی۔

تذکرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

ہندوستان کی تاریخ اصلاح وجہاد میں شاہ اسمٰعیل شہیدؒ درخشاں تارے کی طرح ضیا پاش ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے انکی زبان وقلم سے اصلاحِ امت، احیائے سنت، ردِّ بدعت کا بہت بڑا کام لیا۔ جس طرح دشمنانِ اسلام کے خلاف انکی تلوار کی کاٹ بہت سخت تھی، اسی طرح شرک وبدعت کے خلاف انکے زبان وقلم کے وار بڑے کاری تھے، انکی کتاب "تقویۃ الایمان" نے شرک وبدعت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا، اسی لئے مشرکانہ ذوق رکھنے والے نام نہاد علماء سوء نے انکے خلاف مستقل محاذ کھولدیا اور علماء اہلِ حق نے ہمیشہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کو اپنا پیشوا تسلیم کیا۔

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا زیرِ تذکرہ رسالہ ابتداءً جناب مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہ کی کتاب "شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہلِ بدعت کے الزامات" کے ایک باب کے طور پر شائع ہوا تھا، بعد میں اسے کتب خانہ الفرقان نے مستقل رسالہ کی صورت میں شائع کردیا ـــ مختصر ہونے کے باوجود یہ رسالہ شاہ صاحبؒ کے سوانحی پہلو پر بہت حاوی ہے۔ یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

وصایا حضرت شیخ شہاب الدین سُہروردی

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا یہ امتیاز تھا کہ وہ علماء ومشائخ کے افادات وملفوظات ایسی جگہوں سے حاصل کرلیتے جہاں ان چیزوں کے ملنے کی بظاہر حال امید بھی نہیں ہوتی بزرگوں کے حالات، ملفوظات ومکتوبات کی تلاش میں انھوں نے بڑی جہاں نوردی کی ـــ اسی تلاش وجستجو نے انھیں بار بار ضلع مظفر نگر کے قدیم ترین قصبہ پھلت پہنچایا۔ کتب خانہ فیض الاسلام پھلت میں انھیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے وصایا کا ایک مجموعہ

مخطوطہ کی شکل میں ملا۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی شخصیت اہل علم کیلئے محتاج تعارف نہیں۔ آپ تصوف کے مشہور سلسلۂ سہروردیہ کے بانی اور "عوارف المعارف" جیسی بلند پایہ کتاب کے مصنف ہیں، ان کی زبان وقلم سے نکلے ہوئے وصایا میں اثر آفرینی کی جو شان ہوگی وہ محتاج بیان نہیں ــــ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے ان گراں قدر وصایا کا ترجمہ وانتخاب اردو زبان میں مرتب کرکے ماہنامہ الفرقان میں بالاقساط شائع کرایا۔ بعد میں وصایا کا یہ ترجمہ وانتخاب کتابی صورت میں کتب خانہ الفرقان نے افادۂ عام کیلئے شائع کردیا۔ یہ کتاب چھوٹے کتابی سائز کے ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

فرائد قاسمیہ

فرائد قاسمیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا ایک نادر مجموعہ ہے جو مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کی جد وجہد سے ان کے مقدمہ وتعارف کے ساتھ ادارۂ ادبیات دہلی ــــ گلی قاسم جان دہلی سے شائع ہوا۔

اس مجموعہ کے مرتب حضرت مولانا حافظ سید عبد الغنی صاحب پھلاودی ہیں پھلاودہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ کی ایک قدیم آبادی ہے۔ مولانا سید عبد الغنی صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے استفادہ کرنے والے اور حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کے شاگرد خصوصی تھے۔ انھوں نے بڑی محنت اور تلاش وجستجو سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی کی نایاب غیر مطبوعہ تحریروں کو جمع کیا اور اس مجموعہ کا نام فرائد قاسمیہ رکھا۔

فرائد قاسمیہ کا واحد نسخہ خوش خط لکھا ہوا مولانا سید عبد الغنی صاحبؒ پھلاودی کے ذاتی کتب خانہ کی زینت تھا جسے مولانا حافظ سید عبد الغنی صاحب کے پوتے مولانا حکیم سید عبد المغنی صاحب حرز جان بنائے ہوئے تھے ــــ مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے علوم قاسمیہ کے اس خزینے کو حاصل کرکے اس کا عکسی ایڈیشن شائع کرانے کا اہتمام کرایا فرائد قاسمیہ کی اکثر تحریریں مختلف تلامذہ اور مستفیدین کے نام مکاتیب کی صورت میں ہیں جن میں مختلف علمی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں ــــ مولانا فریدی مرحوم نے آغاز کتاب میں سولہ (۱۶) صفحات کا مقدمہ وتعارف شامل کیا جو مقدمہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ اس مقدمہ میں انھوں نے حافظ سید عبد الغنی صاحبؒ کا تعارف کرایا۔ فرائد قاسمیہ کی

اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی اور مکتوب الیہم کے مختصر حالات درج کئے۔

"فرائد قاسمیہ" کو منظر عام پر لانے کے سلسلے میں مولانا فریدی مرحوم نے جو تگ و دو کی اسکی قدر و قیمت ایک طبعزاد تصنیف سے کم نہیں۔ اگر مولانا مرحوم کو اس کتاب کی اشاعت کی توفیق نہ ملتی تو خدا جانے علوم کا یہ خزینہ اہلِ علم کے سامنے آبھی پاتا یا نہیں؟ اور اس واحد نسخہ کی حفاظت ہو بھی پاتی یا نہیں ——— "فرائد قاسمیہ" علماء کرام کے لئے گرانمایہ تحفہ ہے اور حضرت نانوتوی کے علوم و معارف کا اچھوتا نمونہ۔ مقدمہ و تعارف کے علاوہ اصل کتاب کے صفحات ۲۴۲ ہیں۔

مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم نے اپنی زندگی میں جو بہت سے علمی اور تصنیفی کام کئے ان میں سے ایک اہم ترین کام مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کی دریافت اور ان مکتوبات کا ترجمہ ہے، مولانا مرحوم نے بڑے ذوق و شوق سے ان مکتوبات کا ترجمہ کیا اور فٹ نوٹ میں مکتوب الیہم کے حالات لکھے وفات سے کئی سال قبل انھوں نے یہ کام مکمل کر لیا تھا۔ اور اسکی جلد از جلد اشاعت کیلئے بے چین تھے لیکن انکے مقدر میں نہ تھا کہ ان مکتوبات کو مطبوعہ شکل میں دیکھ کر شادکام ہو سکیں، بسا اوقات مصنفین کو ناشرین کی طرف سے جس رویہ کا شکار ہونا پڑتا ہے مولانا فریدی مرحوم بھی مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کے بارے میں اسی کا شکار ہوئے، ادارہ ہمدرد دہلی نے ان گراں قدر مکتوبات کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا لیکن ابتک یہ زبردست علمی اور تاریخی ذخیرہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔

خود مولانا فریدی کی نظر میں ان مکتوبات کی کیا قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ مولانا مرحوم کے ان دو مکتوبات سے ہو سکتا ہے جو انھوں نے اس نابکار کے نام ۱۹۸۳ء میں تحریر فرمائے، یہ دونوں خطوط علمی افادات سے لبریز ہیں اور خاصے طویل لیکن ہم اختصار کے خیال سے ان دونوں خطوط کے صرف وہ حصے درج کرتے ہیں جو مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کے بارے میں ہیں۔

پہلے مکتوب میں لکھتے ہیں "آپ کے ذہن میں نہ معلوم یہ بات کس طرح آئی کہ میں نے نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ ؒ کا مجموعہ چھپوا دیا ہے۔ اور وہ ادارۂ ہمدرد نے چھاپا ہے،

واقعہ یہ ہے کہ نسخۂ چاندپور کے چند خطوط کے علاوہ جو بیاسی مکتوبات کے نام سے خلیق احمد سلمہ نے شائع کر دیئے ہیں بقیہ تمام خطوط کا ترجمہ میں نے ادارۂ ہمدرد کے ایما و پر کیا۔ اس میں لگ بھگ ۲۰۰ خطوط ہیں۔ اسی مجموعہ میں سے نقل کر کے میں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا وہ مکتوب گرامی جو مولانا محمد واضح حسنی کے نام تھا مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم کو بھیجا تھا پھر مولانا علی میاں کے امروہہ تشریف لانے پر جبکہ وہ بسلسلۂ پیغام انسانیت دورہ فرما رہے تھے اور امروہہ بھی تشریف لائے تھے اس مکتوب گرامی کا ایک اقتباس نقل کر کے پیش کیا تھا، مولانا علی میاں نے اس کی فرمائش بھی کی تھی۔ اسی مجموعہ میں سے ایک مکتوب کا حوالہ دے کر میں نے مولانا محمد ثانی سے کچھ دریافت کیا تھا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ اس مکتوب گرامی سے ایک بڑی تاریخی غلطی کی تصحیح ہو گئی اور یہ بھی لکھا تھا کہ نزہتہ الخواطر کے مسودہ میں جب دیکھا گیا تو وہ تذکرہ جو مسودہ میں موجود تھا مطبوعہ نزہتہ الخواطر میں شائع نہیں ہو سکا تھا۔ شاہ صاحب ہی کے مکتوب گرامی کی برکت سے اس بات کا بھی پتہ چلا کہ ایک بزرگ کا تذکرہ شائع ہونے سے رہ گیا ہے مولانا علی میاں نے اس کو نوٹ کر لیا ہوگا۔ تاکہ اگلے ایڈیشن میں وہ تذکرہ بھی شائع ہو جائے۔

میری معذوری کی وجہ سے اس نادر مجموعۂ مکتوبات کی اشاعت میں برابر تاخیر ہو رہی ہے، اس میں چند شخصیات کے تراجم اور ایک مقدمہ درج کرنا ہے۔ یہ کام ایک ماہ میں ہو سکتا ہے ــــ اس مجموعہ کے علاوہ دوسرا مجموعہ شاہ ولی اللہ رح کے نادر مکتوبات کا وہ ہے جس کو ادارۂ ہمدرد نے عکس کرا کے میرے پاس بھیجا، اس میں بھی تقریباً سو مکتوبات ہیں اور کل کے کل نادر ہیں۔ اس مجموعہ کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ تراجم اور مقدمہ کا کام باقی ہے۔ پہلے اول الذکر مجموعہ شائع ہو جائے پھر اسکے بعد دوسرا مجموعہ شائع ہو جائے گا۔ مجھے اس سلسلے میں مولانا علی میاں زید مجدہم کے اثرات سے کام لینا ہے وہ دعا بھی فرمائیں اور حکیم عبدالحمید کو لکھیں کہ نسخہ چاندپوری جس کو تغلق آباد بھیجدیا گیا ہے جلد شائع کرائیں۔ اور یہ بھی لکھدیں کہ جو تھوڑا کام اس میں باقی ہے وہ پھر جلد ہو جائے گا۔ حکیم صاحب اسکے چھپوانے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ حکیم صاحب جواب یقینی یہ دینگے کہ امروہہ والے کی طرف سے تاخیر ہو رہی ہے، ایک حد تک یہ بات بھی ان کی صحیح ہوگی، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب کے سامنے اس کام کی اہمیت پیش نہیں کی گئی ــــ

یہ دونوں مجموعے شائع ہو جائیں تو ان مکتوبات کے آئینہ میں شاہ صاحبؒ کی ایک مستقل سوانح عمری مرتب ہو سکتی ہے۔ خدا کرے مولانا علی میاں کی کتاب مرتب ہونے سے پہلے یہ دونوں مجموعے شائع ہو جائیں۔ حکیم صاحب اگر اہتمام کریں گے تو بظاہر کچھ مشکل نہیں کہ ۵-۶ ماہ میں یہ شائع ہو جائیں۔"

مولانا فریدی اپنے دوسرے مفصل مکتوب تحریر کردہ ۶ر نومبر ۱۹۸۳ء میں مکتوبات شاہ ولی اللہؒ کے بارے میں بڑے اضطراب کے ساتھ لکھتے ہیں "مولانا علی میاں زید مجدہم نے حکیم عبدالحمید صاحبؒ کو شاید مکتوب گرامی بھیجا ہوگا۔ انکی طرف سے جو جواب آیا ہو اس سے مطلع کریں ــــ مولانا کی توجہ سے اگر مکتوبات شاہ ولی اللہ کے یہ دونادر مجموعے ندوہ پریس میں چھپ جائیں تو بہت اچھا ہو۔ ان دونوں مجموعوں میں سے ایک تغلق آباد مع ترجمہ بھیج دیا گیا ہے، یہ نسخہ چاندپور ہے جسکے صرف چند خطوط سیاسی مکتوبات میں چھپے ہیں۔ اصل مکتوبات کا نسخہ چاندپور سے دارالعلوم دیوبند پہنچ گیا ہے اور بوسیدہ حالت میں ہے۔ میں نے بڑی جانفشانی سے اس وقت جب میری بصارت کام کر رہی تھی اس کو نقل کیا اور حکیم عبدالحمید صاحب کی ایماء و امداد سے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا۔

دوسرا نادر نسخہ عثمانیہ لائبریری حیدرآباد سے حکیم صاحب نے عکس کرا کے حاصل کیا اور مجھے بھیجا اس میں بھی خوب غور و فکر کے ساتھ تصحیح کر کے بہت وقت صرف کیا گیا ہے اور حکیم صاحب نے اس کا ترجمہ کرانے میں بھی مالی مدد کی ہے، یہ نسخہ مع ترجمہ ابھی امروہہ سے نہیں گیا ہے، مولانا دونوں نسخوں کو ندوہ کے پریس میں چھپوا دیں اور حکیم صاحب کو اس پر راضی کر لیں تو بہت اچھا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا علی میاں کی بات حکیم صاحب مان لیں گے تغلق آباد میں ان مکاتیب کا اور انکے ترجموں کا اہتمام کے ساتھ چھپنا معلوم نہیں کب تک ہو سکے۔

میں لکھنؤ حاضر ہونا چاہتا ہوں اور اس حاضری کی غرض مولانا نعمانی اور مولانا علی میاں کی ملاقات کے علاوہ ان دونوں نادر نسخوں کی طباعت کے مسئلہ پر بھی توجہ دلانا ہے۔ مکتوب الیہم کے تراجم کا کام ابھی باقی ہے جو ۱۵-۲۰ دن میں یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں ہو سکتا ہے۔ مقدمہ بھی دونوں نسخوں کا مولانا علی میاں لکھیں تو روحِ شاہ ولی اللہ بہت خوش ہوگی۔ مولانا تاریخ دعوت و عزیمت کی طباعت سے پہلے ان دونوں نادر نسخوں کو ضرور ملاحظہ فرما لیں اور ندوہ میں ان دونوں نسخوں کو چھپوائیں۔ میں ان کا پہلے ہی سے

ممنون ہوں یہ کام ہوگیا تو بہت ہی زیادہ ممنون ہوں گا۔"

مولانا فریدی مرحوم تو مکتوبات شاہ ولی اللہ کی اشاعت کا انتظار کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ خدا جانے کیوں یہ مکتوبات اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکے حالانکہ ادارۂ ہمدرد کے پاس الحمد اللہ وسائل کی کمی نہیں۔ مکتوباتِ شاہ ولی اللہؒ کے یہ دونوں نادر مجموعے ادارہ ہمدرد کے پاس ملت اسلامیہ کی بیش بہا امانت ہیں خدا کرے جناب حکیم عبد الحمید صاحب اور انکے رفقاء جلد از جلد ان کی اشاعت پر توجہ دیں۔

مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسنؒ محدث امروہی

میری معلومات کی حد تک مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا سب سے آخری تصنیفی کام مکتوبات سید العلماء کی ترتیب و تدوین ہے۔ مولانا سید احمد حسنؒ محدث امروہی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز ترین شاگرد ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کے بہت سے علمی مکاتیب انھیں کے نام لکھے گئے۔ مولانا احمد حسنؒ محدث امروہی کے مکتوبات کا بڑا ذخیرہ مولانا فریدی مرحوم کو پھلاودہ تحصیل موانہ ضلع میرٹھ میں حاصل ہوا۔ چنانچہ مولانا فریدی "قرائد قاسمیہ" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "حضرت مولانا امروہیؒ کے مرسلہ مکتوبات بنام حضرت حافظ صاحب پھلاودی بڑی تعداد میں ہیں جن میں سوؔ سے زائد پوسٹ کارڈ ہیں اور کچھ کم پچاس لفافے ہیں۔ یہ خطوط حضرت مولانا نانوتویؒ کے زمانہ حیات کے آخری حصہ سے لے کر حضرت مولانا امروہیؒ کی وفات تک کے ہیں۔ یہ مجموعہ بھی ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سے لے کر حضرت امروہی کی وفات کے قریبی زمانے تک کے خطوط میں امروہہ، مراد آباد، دیوبند، گنگوہ وغیرہ کے بزرگوں کا ذکر ہے اور اس زمانہ کے اہم واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ خطوط بھی اگر شائع ہو جائیں تو معلومات کی بہت سی راہیں کھلیں۔" (مقدمہ قرائد قاسمیہ صـ۳)

مقدمہ میں ایک دوسری جگہ معاونین و محسنین کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں "میاں مولوی محب الحق قاسمی در بھنگوی سلمہ نے بھی اس کتاب کے حصول کے سلسلے میں میرے ہمراہ میرٹھ اور پھر پھلاودہ پہنچ کر اس کتاب کو اور اس کے ساتھ "تنویر النبراس" اور مکتوبات حضرت محدث امروہیؒ کو حفاظت کے ساتھ امروہہ لاتے، ان کے مضامین سے آگاہ کرنے میں اور

پھر اس کتاب کی ترتیب میں میری بہت مدد کی۔" ص ۱۵

غالباً سید العلماء حضرت مولانا احمد حسنؒ محدث امروہی کے یہی وہ مکاتیب ہیں۔ جنھیں مولانا فریدی نے زندگی کے آخری حصہ میں مرتب فرمایا۔ مرسل الیہم کے حالات فٹ نوٹ میں لکھے۔ میرے نام اپنے ایک مکتوب تحریر کردہ ۸ دسمبر ۱۹۸۷ء میں رقمطراز ہیں" ان دنوں مکتوبات سید العلماء مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کی کتابت ہو رہی ہے، اس کی وجہ سے مشغولیت ہے۔ ۱۴ صفر ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۹۷ء کے ایک مکتوب میں حضرت امروہی نے تحریر فرمایا ہے" تسبیت فتوحات سلطانی خلد اللہ ملکہ تا دم بار کباد براہ راست من تحیت فرستادہ" معلوم یہ کرنا ہے کہ ۱۸۹۷ء میں ٹرکی کو جو فتح ہوئی اسکی مختصر روئیداد کیا ہے" آپ کی معلومات اس سلسلے میں زیادہ ہیں اس لئے آپ کو تکلیف دی گئی تاریخ اور جنتری سے مدد لے کر آٹھ دس سطریں اس سلسلے میں تحریر فرمادیں، اس سے زائد درکار نہیں۔ اس زمانے کے خلیفۃ المسلمین کا نام بھی تحریر کریں۔"

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم زندگی میں مکتوبات سید العلماء کے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ انکی خواہش تھی کہ اس کتاب کا مقدمہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم تحریر فرمائیں۔ حضرت مولانا کو مولانا فریدی مرحوم کی اس خواہش کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا، چنانچہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہ نے مکتوبات سید العلماء کا مقدمہ تحریر فرمایا۔ خدا کرے مولانا فریدی مرحوم کی یہ آخری علمی یادگار جلد از جلد شائع ہو کر منظر عام پر آجائے۔

مکتوباتِ اکابر دیوبند

یہ کتاب جماعت دیوبند کے بلند پایہ اکابر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی مہاجر مدنی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہم اللہ وغیرہم کے بیش قیمت مکتوبات کا مجموعہ ہے جسے دار العلوم دیوبند کے مہتمم اول حضرت شاہ رفیع الدینؒ صاحب دیوبندی کے سعادت مند نواسے دفتری نور الحق صاحب مرحوم نے

یکجا کیا۔ اس کتاب پر مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا نام مرتب کی حیثیت سے لکھا ہوا ہے اور دفتری نورالحق صاحب مرحوم کا جامع کی حیثیت سے۔ آغاز کتاب میں مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کے قلم سے تیرہ صفحات کا مقدمہ شامل ہے، جس میں انھوں نے ان مکاتیب کی اہمیت اور قدر و قیمت پر روشنی ڈالی ہے۔ دفتری نورالحق مرحوم کے یہاں اکابر و مشائخ کے دوسرے جو افادات ہیں ان کا تعارف ہے، مولانا فریدی مرحوم کے مقدمہ سے ان مکاتیب کی علمی و تاریخی اہمیت اجاگر ہو گئی ہے۔ چند مکتوبات فارسی زبان میں ہیں، ان کا اردو ترجمہ بھی شامل کتاب ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ مولانا فریدی مرحوم کے قلم سے ہے یا نورالحق صاحب مرحوم کے قلم سے ——— معراج بکڈپو دیوبند نے ان مکتوبات کو شائع کیا، متوسط کتابی سائز کے ۱۳۶ صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

ان گرامی قدر مکتوبات میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا ایک مکتوب جو ایک معرکۃ الآراء مسئلہ سے متعلق ہے اور ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

استفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذات باری عز اسمہ موصوف بہ صفت کذب ہے یا نہیں اور خدا تعالےٰ جھوٹ بولتا ہے کہ نہیں، اور جو شخص خدا تعالےٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ ذات پاک حق تعالےٰ جل جلالہ کی پاک اور منزہ ہے اس سے کہ متصف بہ صفت کذب کی جائے۔ معاذ اللہ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ بھی کذب کا نہیں " قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلا (فرمایا اللہ تعالےٰ نے، بات میں کوئی اللہ تعالےٰ سے زیادہ سچا نہیں) جو شخص اللہ تعالےٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ قطعاً کافر ملعون ہے اور قرآن و حدیث و اجماع امت کا مخالف ہے، ہرگز مومن نہیں " تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً (اللہ تعالےٰ ظالموں کی بات سے بہت ہی اونچا ہے) البتہ یہ عقیدہ سب اہل ایمان کا ہے کہ خدا تعالےٰ نے مثلاً فرعون و ہامان و ابی لہب کو قرآن مجید میں جہنمی ہونے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ حکم قطعی ہے، اس کے خلاف ہرگز ہرگز

نہ کرے گا۔ مگر بایں ہمہ وہ تعالیٰ قادر ہے[۱] اس بات پر کہ ان کو جنت دے دے۔ اس حکم مذکور کی وجہ سے عاجز نہیں ہو گیا اگرچہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔" قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اگر چاہتے ہم تو ہر شخص کو ہدایت دیتے لیکن یہ بات پکی ہو چکی کہ جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھریں گے) اس بات سے واضح ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا، مگر جو فرما چکا اس کے خلاف نہ کرے گا۔ اور یہ سب یعنی کسی کو کافر بنا دینا، کسی کو مومن بنا دینا اپنے اختیار سے ہے اضطرار سے نہیں۔ وہ فاعل مختار فعال لما یرید ہے۔ یہی عقیدہ تمام علماء امت کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد ۱۳۰۱ھ

---

[۱] امام المفسرین، رئیس المتکلمین فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں تحت تفسیر (اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآیۃ) فرماتے ہیں "یجوز علی مذھبنا من اللہ تعالیٰ ان یدخل الکفار الجنۃ وان یدخل الزھاد والعباد النار لان الملک ملکہ ولا اعتراض لاحد علیہ یعنی اہل سنت کے مذہب کے موافق جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کفار کو جنت میں داخل کر دے اور تمام زاہدوں و عابدوں کو جہنم میں داخل کر دے، کیونکہ تمام جہاں اس کا مملوک ہے وہ سب کا مالک ہے اس پر کوئی کسی قسم کا اعتراض نہیں کر سکتا" قال اللہ تعالیٰ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ" اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور سب سے باز پرس کی جاوے گی۔

(مکتوبات اکابر دیوبند ص۵۸-۵۹-۶۰)

ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامۂ حجاز۔

مولانا الحاج شاہ رفیع الدین صاحب فاروقی مرادآبادیؒ تلمیذ رشید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا سفر نامۂ حرمین شریفین ۱۲۰۱ھ تا ۱۲۰۳ھ کا ہے ـــــ اس سفر نامہ میں جبکہ ریل اور موٹر وغیرہ سواریوں کا وجود نہیں تھا۔ مکان سے روانہ ہوکر براہ خشکی سورت پہنچنا وہاں سے بذریعہ بادبانی کشتی تا جدہ بعدہٗ حرمین شریفین اور طائف کا ریگستانی و پہاڑی سفر نیز واپسی کے مفصل حالات بڑے دلچسپ انداز میں درج ہیں، پڑھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود سفر کر رہا ہے۔

تذکرۂ خلفاء حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ۔

یہ رسالہ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے خلفاء کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے مدرسہ نورِ محمدیہ جھنجھانہ سے شائع ہو چکا ہے۔

مجمع البیان۔ سیرت و اخلاق نبوی صلے اللہ علیہ وسلم صرف آٹھ صفحہ۔

غیر مطبوعہ کتب

قافلۂ اہلِ دل۔

یہ کتاب مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے خلیفہ و جانشین حضرت عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ کے حالات ملفوظات مکتوبات اور خلفا کے حالات کی آئینہ دار ہے

حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ابوسعید قطبی رائے بریلویؒ کے مختصر حالات اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انکے خاندان سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ساتھ ہی ان کے ایک گمنام خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوری کا بھی تذکرہ شامل ہے۔

شاہ عبدالرحیم والوالرضاؒ۔

یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فاروقی

مولانا فریدی مرحوم کی یہ تینوں کتابیں الفرقان بکڈپو لکھنؤ سے انشاء اللہ جلد ہی شائع ہونیوالی ہیں

دہلویؒ اور عم مکرم حضرت شاہ ابوالرضا فاروقی دہلویؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔

یہ کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حالات ملفوظات اور مکتوبات پر مشتمل ہے انشاء اللہ عنقریب شائع ہونے والی ہے۔

کاروان اہلِ فضل وکمال۔

یہ تذکرہ حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی مہاجر مکیؒ اور آپ کے شاگردوں کے حالات میں ہے جو "الفرقان" میں قسط وار شائع ہو چکا ہے اب کتابی شکل میں شائع ہونے والا ہے۔

نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا سفرنامۂ حج۔

اس سفرنامہ کا آپنے تلخیص وترجمہ کیا ہے۔

زیارت حرمین۔

یہ خود مولانا فریدیؒ کا سفرنامہ حج ہے جو اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے پڑھنے سے روح کو سکون ملتا ہے اس سفرنامہ کو ہر سال ماہ ذی الحجہ میں اپنے بعض خدام سے سنا کرتے تھے وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ الفرقان میں پانچ قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔ خدا کرے یہ بھی کتابی شکل میں آجائے۔

ان مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ مولانا کے بے شمار مضامین اور حمد، نعت، منقبت اور غزل وغیرہ اصناف سخن پر ...... شعری تخلیقات ہیں، جو مندرجہ ذیل رسالوں واخباروں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں:۔

(۱) الفرقان لکھنؤ (۲) القاسم دیوبند (۳) الحرم میرٹھ (۴) البلاغ بمبئی (۵) البدر کاکوری (۶) الحق اکوڑہ خٹک (۷) الجمعیۃ دہلی (۸) انسائیکلوپیڈیا کراچی (۹) الرحیم کراچی (۱۰) برہان دہلی (۱۱) تذکرہ دیوبند (۱۲) تاج لاہور (۱۳) رسالہ دارالعلوم دیوبند (۱۴) سلطان العلوم دیوبند (۱۵) سہارا اڑیسہ (۱۶) شاعر آگرہ (۱۷) قائد امروہہ (۱۸) منادی دہلی (۱۹) مہر نیمروز کراچی (۲۰) مشرقی آواز دہلی (۲۱) مخبر عالم مراد آباد (۲۲) نیر اعظم مراد آباد۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے ابتدائی تعلیمی حالات تو ایسے تھے کہ وہ اسکے نتیجہ میں یا تو باکمال منشی جی ہوتے یا ماسٹر صاحب، مفتی صاحب بالکل نہ ہوتے ۱۶-۱۷ سال کی عمر میں اردو انگلش مڈل کے بعد علوم مشرقیہ و دینیہ کی طرف مراجعت، مشیت الٰہی کی وہ جلوہ آفرینی ہے جس کے لئے خالق مطلق نے انھیں حیات بخشی تھی۔

"مدرسہ جلّیہ" سے معلمی کا سلسلہ شروع ہوا، مگر طالب علمانہ جذبہ کے ساتھ، عربی اساسی کتب میں ایک کتاب "ہدایۃ النحو" بھی ہے۔ اسکی تکمیل کے لئے حضرت مولانا انوار الحق صدیقی صاحبؒ سے درخواست کی گئی جن کا ہر سانس، ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا، حکم ملا کہ جب ظہر کی نماز کا وضو شروع ہو درس لے لیا جائے، حکم کی تعمیل اور کتاب کی تکمیل اس مختصر و بابرکت وقت میں ہوئی، میری نظر میں یہیں سے طلب علم کی نشأۃ ثانیہ و دینی و روحانی سفر شروع ہوا، "بُعد منزل نبود در سفر روحانی" آخرش مقررہ منزل مل ہی گئی

اگرچہ یہ احقر الزمن راقم حضرت مفتی صاحبؒ کا نہ ہم درس رہا ہے اور نہ تلمیذ لیکن، ایک نسبت ہے دور کی، کے تحت اُنکے اس معلمی و متعلمی کے دور میں اُسے ہم مدرسہ و ہم استاد ہونے کا شرف ضرور حاصل ہے۔ اور جب ایک خاصے عرصے بعد نہ معلوم کس حُسنِ ظن کے تحت بعض بزرگوں کے احکامات کے تحت مجھے مدرسہ جلّیہ کی کچھ خادمانہ ذمہ داریاں قبول کرنا پڑیں تو یہ بھی میری خوش بختی رہی کہ حضرت مفتی صاحبؒ سے نیاز مندانہ قرب بڑھا حتی کہ مختلف حیثیتوں سے کچھ اضافات کے ساتھ انکے وصال تک یہ قائم بھی رہا۔

اپنے اس طویل قرب کے میرے اپنے مشاہدات یہ ہیں کہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی صاحبؒ ایک عالم باعمل، فاضلِ اجل، محب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، رمز آشنائے تصوف،

حقیقت شناس صوفیائے کرام و اولیائے عظام، واقف اسرارِ شریعت و طریقت تھے، زندگی بھر "الفقر فخری" کا مکمل نمونہ بنے رہے، اور شاید اسی لئے مکین مسجد رہے، مگر فقر و رہبانیت کے واضح امتیاز کے ساتھ، انکی اس شانِ فقر کو دیکھنے اور پرکھنے کیلئے سطحی بصارت نہیں آفاقی بصیرت درکار تھی، شاید کم ہی لوگ اس کا مشاہدہ کر سکے ہونگے، کیونکہ۔ ؏

اہلِ دانش عام ہیں، کمیاب ہیں اہلِ نظر

وہ تصوف میں کارگہہ حیات سے گریز و بیزاری اور جو عمل وجہ نمائش ہے اسکے قائل و قریب نہ تھے۔

خاص طور پر امروہہ کے اولیائے کرام و بزرگان سلف، انکے مزارات، محل وقوع اور انکی تفصیلات سے اس طرح آگاہ تھے کہ کوئی اگر لکھنے بیٹھے تو ایک نئی "تاریخ امروہہ" "و تذکرۃ الکرام" بن جائے، بے حد افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ امروہہ میں ان بزرگوں کی پینتالیس [۴۵] اور "نوگانواں" میں تئیس [۲۳] خانقاہیں موجود تھیں بیشتر کا اب کوئی نام لیوا بھی نہیں اور کتنی ہی مقبوضاتِ اغیار ہیں۔ وہ ان بزرگان کرام کے شجرہائے نسبت، سلاسل و متعلقات کے مکمل طور پر حافظ تھے، انکے حافظہ سے کسی سلسلے کی کوئی کڑی بھی غیر مربوط نہ رہ سکتی تھی۔ اس ذیل کا کوئی ذکر چھڑ جاتا تو شوق کا دفتر کھل جاتا تھا۔ خود میرے سامنے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن میں عصر کی نماز کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضری کے لئے گھر سے چلا اتفاقاً حضرت کی مستقر مسجد کے قریب ایک رکشہ والے نے مجھ سے ایک مزار کا پتہ معلوم کیا، میں اسکی رہبری نہ کر سکا، اور رکشہ میں بیٹھے اپنے ساتھ لئے مسجد میں آیا اور ان کی رہنمائی چاہی، مزار و صاحب مزار کا نام معلوم ہو کر فرمایا کہ بھوپال سے تشریف لائے تھے۔ اب جو صاحبِ مزار بزرگ کا ذکر شروع ہوا تو اُن کا شجرہ، انکے سلسلے، انکے مراتب سب اس طرح بیان فرما دیئے کہ جیسے تذکرہ اولیائے کرام کی کسی کتاب کے اوراق پلٹے گئے ہوں۔ ان صاحب کو "جوئندہ یابندہ" کے تحت نہیں ایک نعمت غیر مترقبہ کے بطور جو منزل مقصود حاصل ہوئی وہ شاید انکے مطلوبہ سنگ و خشت کے حصار میں نہ ملتی۔

بہ تقاضائے حالات وہ حلقہ امروہہ کے تبلیغی و جماعتی "امیر" بھی بنائے گئے، چنانچہ امارت کا کام ایسا نظام ایسا کہ ملکی و جمہوری دفاتر ہیچ، حلقے کے کن مضافات و مواضعات میں کتنے لوگ مصروف کار ہیں، اِن وابستگان کے نام کیا ہیں، مواضعات کی آبادی کتنی اور محل وقوع و راہِ آمد و رفت کیا ہے، وہاں مساجد بھی ہیں کہ نہیں، اہلِ حق کتنے ہیں اور

اہلِ باطل کتنے، کارکردگی میں کیا دشواریاں ہیں، ازالۂ مشکلات کس طرح ممکن ہے؟ یہ تمام امور ہمہ وقت مستحضر، نہ صفحاتِ کاغذ درکار ہیں اور نہ رجسٹر، فارقتی التسل ہونے کی اس سے زیادہ واضح و روشن دلیل اور کیا ہوگی؟ کوئی جماعتی بھائی، کوئی متعلق علیل ہے تو عیادت کی سنت ترک نہیں ہوسکتی، ایسے ہی اگر کوئی موت واقع ہوئی ہے تو نماز جنازہ میں شرکت ضروری، ہوسکا تو قبرستان تک مشایعت بھی ہوگئی اب واپسی تدفین و دعائے ثابت قدمی کے بعد ہی ہوگی۔

نعتیہ و منقبتی مشاعرہ ہے تو عذر ہائے معقول کے ساتھ انکار کے باوجود اصرار ہائے بے جا کی صورت میں صدارت یا محض شرکت طے ہوجائیگی، دیہات میں دینی مکاتب و مساجد کا سنگ بنیاد حضرت ہی کے دست مبارک سے رکھوایا جائیگا خواہ سفر بسوں اور ٹمپو بلکہ کچھ دھوپ میں پیدل ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے ضعف پیری و تعب سفر، طبیعت خراب، معالج کا مشورہ "الحذر!"۔ مگر وعدہ وفا نہ ہو، یہ ممکن نہیں۔

ذاتی معاملات، نزاعات و مقدمات کے سلسلے میں وقت ضائع کرنے والوں کی بھی کمی نہیں، تعویذ گنڈے جھاڑ پھونک کے متمنی بھی موجود ہیں، خانہ خدا ہے دقّ الباب (دروازہ کھٹکھٹانے اور اجازت لینے) کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ حرکات بے جا حضرت کیلئے وجہ تکدر بھی ہیں مگر بلطائف الحیل انھیں بھی راستہ بتایا جائیگا۔ یہ مصروفیات پیہم کن حالات میں ہیں کہ خود اپنی تصنیفات و تالیفات کی تسوید جاری ہے بعض اہم مخطوطات کے تراجم ہورہے ہیں، خطوط و جوابات بھی تحریر کرائے جارہے ہیں بعض اخبارات اور رسائل کے مختصرات کی سماعت بھی ہورہی ہے کیسی کسی وقت مشہور کتب کا بالواسطہ مطالعہ جاری ہے اگر نظر کہیں "فیہ نظر" کے لئے ٹھہری ہے تو پورا پورا حق تحقیق ادا کیا جائیگا۔

ملک کے فرقہ وارانہ واقعات سے بے حد دل گرفتہ و ملول رہتے تھے، مگر عقیدۂ راسخ یہ تھا کہ خدائے قہار بندوں کے ہر طرح کے مصائب برداشت کرسکتا ہے مگر ظلم کو نہیں، ظالم کو اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا ہی ہوگا یہی بات انھوں نے ۱۹۷۵ء میں بھی فرمائی تھی جبکہ خود انکی مسجد بھی سی آئی ڈی کا حصار بنی رہتی تھی، پھر ۱۹۷۷ء میں اسکے جو نتائج سامنے آئے، ساری دنیا نے انھیں انگشت بدنداں دیکھا۔ کبھی کبھی کچھ اور واقعات سے بھی مکدر و ملول ہوتے تھے مگر خدا کی غیبی قدرت کس طرح ان کا ازالہ فرماتی تھی وہ بجائے خود ایمان افروز و سبق آموز ہے۔ میرے ایک عزیز کا دو منزلہ نیا مکان

چند گز پر مولانا کی مسجد کے بالکل مقابل ہے نقشہ کے مطابق مشترکہ غسلخانہ و بیت الخلا بالائی منزل پر بالکل مسجد کی محاذات میں آگیا حضرت کا فرشِ آرام بھی سامنے ہی تھا ان دونوں کا ہر وقت کا غیر محتاط استعمال، نامانوس آوازیں، پُر عفونت پانی کا سیلان، نمازیوں کیلئے بھی تکلیف دہ اور حضرت مفتی صاحب کیلئے بھی وجہ تکدر تھا مجھ سے بھی اپنی کراہت کا ذکر فرمایا میں تدارک چاہا مگر کوئی سبیل نہ نکلی۔ ایک شب خود صاحب خانہ یا کسی اور فرد کی اپنی غلطی سے اس کا ہمیشہ کیلئے تدارک ہو گیا، ہوا یہ کہ پانی گرم کرنیکے گیزر کا سوئچ کھلا رہ گیا گیس بنتی رہی اور آخر شب میں خوفناک دھماکے اور ہیبتناک آواز کے ساتھ وہ پھٹا اور اپنے ساتھ غسلخانہ و پائخانہ بھی لے اڑا، ان کا ملبہ دور دور کے مکانوں کی چھتوں اور قریب کی سڑکوں پر پھیل گیا اگر اول شب یا دن کا وقت ہوتا تو کئی ہلاکتوں کے امکانات بھی تھے۔ پورے مکان میں دراڑیں پڑ گئیں، کمروں کا سامان ٹوٹ پھوٹ گیا، صاحبِ خانہ جس کمرے میں سو رہے تھے اس میں رکھی لوہے کی الماری ٹیڑھی ہو کر انکی مسہری پر گری مسہری کو توڑ دیا۔ الماری کی کجی و خمیدگی کے بہانے صاحبِ خانہ زندہ بچ گئے ورنہ اگر الماری سیدھی ان پر گرتی تو انجام معلوم۔

مسجد کے قریب ہی کے ایک ساکن، تمام نمازوں کے مصلی حضرت مفتی صاحب کے بھی نیاز مند، ایک دن نہ معلوم کیوں انھیں محسوس ہوا کہ مسجد میں مُردوں کو لیجانے والی مسہری نہیں ہے کسی سے ذکر کئے بغیر اپنی جیب خاص سے مسہری تیار کرائی، اور اسے مسجد کی زینت بنا دیا، یہ خوش خبری حضرت مفتی صاحب کو سنائی حضرت کو نہ معلوم کیوں یہ سنتے ہی غصہ آگیا اور وہ کہہ ڈالا جسکی ان صاحب کو توقع نہ تھی۔ آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ کون مردہ اس پر جائیگا؟ اور ہوا بھی یہی کہ یہ کسی مردے کے لیجانے کا سامان تو نہ بنی مگر وہاں ٹنگی جہاں وضو کے لئے پانی گرم ہوتا تھا اور اس جگہ یہ باعثِ زحمت بن گئی اور حضرت مفتی صاحب کا تکدر بھی برقرار رہا۔ ایک شب ہوا یہ کہ جن لکڑیوں سے پانی گرم ہوتا تھا اُن میں آگ لگی اور نذر آتش مسہری بھی ہو گئی گیہوں کے ساتھ گھن پسنے کی مثل تو مشہور ہی ہے اس آگ سے مسجد کا سائبان بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ سائبان تو جلدی ہی پہلے سے بہتر حالت میں تیار ہو گیا مگر سوختہ جاں مسہری کے کوئلوں کو بھی جائے قرار نہ مل سکی۔

آج حضرت مفتی صاحب رح ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ہم نے تو انکی حیات ہی میں دامت برکاتہم و طالت فیوضہم کی دعائیں مانگی ہیں خدا کرے کہ انکی برکات و فیوض ہم سب کیلئے شمع راہ ثابت ہوں اور ہم فخر سے کہہ سکیں کہ ؎

وقت را نام تو میموں کند　　عمر را یاد تو افزوں کند

مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

گدڑی میں لعل

بات تو بڑی ہے، یعنی اپنا منہ اس کے قابل نہیں، مگر بے نفسی اور حضرت مولانا فریدیؒ میری نظر میں ایسے گھلے ملے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ کر کے تصوّر میں لانا مشکل ہے، اس لئے ان کا تذکرہ شروع کرتے کا جو خیال کیا ہے تو بے اختیار قلم سے نکل رہا ہے کہ خدا جانے لوگ (بلکہ ہم لوگ) بے نفسی کی قدر کیوں نہیں جانتے؟ جب کہ اسکی قدر خدائے بزرگ کے یہاں تو جو ہے سو ہے اس دنیا میں بھی آدمی کے کمالات کو چار چاند اس سے لگ جاتے ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدیؒ، عالم تھے، ادیب اور محقق تھے، ذوق مطالعہ سے سرشار اور کتب بینی کے عاشق تھے۔ یہ سب اپنی جگہ قابل قدر اوصاف ہیں، مگر مولانا کی ذات میں یہ اوصاف کچھ زیادہ ہی تابناک اس لئے ہو گئے تھے کہ ان کے پہلو بہ پہلو وہ مسکینی اور خود شکنی تھی، جو عربی مدارس کے بعض طالب علموں میں ملا کرتی ہے یا کسی خانقاہ کے مخلص و بے نفس خادموں میں، مولانا کو —— اللہ اُن پر اعزاز و اکرام کی بارشیں فرمائے —— عمر بھر اس مسکینی اور خود شکنی کی گدڑی میں لپٹا ہوا دیکھا۔ اُن کے علم و ادب اور ذوق تحقیق و مطالعہ کے لعل جب اس کے اندر سے جھلکتے تو ان کی شان کچھ اور ہی نظر آتی تھی۔

مولانا کا جیسا وسیع ادبی اور تحقیقی مذاق تھا وہ بڑی آسانی سے ایسے موضوعات میں خامہ فرسائی کی طرف مائل ہو سکتا اور اپنا سکّہ منوا سکتا تھا جن موضوعات کی چند سالہ خدمت گذاری آدمی کو سکّہ بند ادیب و محقق کا درجہ دلا دیتی ہے وہ لائبریریوں کی خاک چھانتے تھے، نادر و نایاب مخطوطات تلاش کرتے اور

ان کی نقلیں لیتے تھے۔ رامپور، علی گڑھ اور دیوبند کے سفر تو وہاں کی لائبریریوں کی خاطر اللہ ہی جانے مرحوم نے کتنی بار کئے ہوں گے۔ جس زمانے میں مولانا کے مضامین کا سلسلہ الفرقان میں تقریباً بلا ناغہ چلتا تھا۔ اور میں ترتیب کا ذمہ دار تھا۔ تب برابر مولانا کے خطوط سے علم ہوتا رہتا تھا کہ اب دیوبند گئے تھے۔ اب علی گڑھ گئے تھے۔ اب رامپور اور خیرآباد گئے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مولانا کی بے نفسی اور خدا طلبی جو شاید اُن کے خمیر میں شامل تھی اسے سوائے اس کے کچھ قبول نہ ہوا کہ اُن کی تمام ادبی اور تحقیقی صلاحیتیں ایسی ہستیوں کے تذکرے اور ارشادات و ملفوظات تازہ کرنے میں صرف ہوں جو اپنے زمانوں میں بے نفسی اور خدا طلبی کے امام ہوئے اور جن کے دم سے خدا طلبی اور خودشکنی کی وہ صراطِ مستقیم پھر سے روشن ہوئی جس پر ہوا و ہوس اور جہالت کے اندھیروں نے پردے جمالئے تھے..........

مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان پر تبصرہ

از:

مولانا نسیم احمد فریدی

مع

پیش لفظ و تکملہ

از: مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

پیش لفظ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد گرامی ہے۔

أشد الناس بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل۔ — سب سے زیادہ مبتلائے مصائب انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اور انکے بعد جو ان سے جتنا قریب ہوتا ہے اسے اسی قدر تکلیفیں پہنچتی ہیں۔

یہ اسی قانون ابتلاء کا نتیجہ ہے کہ امت کے ان خاص محسنوں کو جنھوں نے نبیوں کے طریقہ پر محبت وشفقت اور انکے سے بے لوث و پرخلوص جذبہ کے ساتھ امت میں دعوت الی الخیر اور اصلاح کی جدوجہد کی۔ انکو اہل ہویٰ و ہوس کی طرف سے سخت مخالفتوں اور ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑا علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں۔

ما من امام الا وقد طعن فیه طاعنون و هلك فيه هالكون۔ — کوئی امام ایسا نہیں ہے کہ زبان دراز ولنے اسکے حق میں زبان درازی نہ کی ہو اور تباہ ہونے والے اسکے بارے میں تباہ نہ ہوئے ہوں۔

خصوصاً اللہ کے جن منتخب بندوں نے لوگوں کی جاہلانہ رسوم و عادات اور آباء واجداد سے ورثہ میں ملی ہوئی بدعات و خرافات کے خلاف جہاد کیا، ان پر تو ایسی افترا پردازیاں کی گئیں کہ الامان! الحفیظ!

آٹھویں صدی کے مشہور مصلح علامہ شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) نے اپنی کتاب "الاعتصام" میں اپنی آپ بیتی یوں بیان کی ہے:۔

"جب میں نے سنت کی ترویج وحمایت اور بدعت کی تردید و مخالفت میں اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا تو ابناء زمانہ نے مجھ پر ایک قیامت برپا کردی۔ مجھ پر ملامتوں کی بارش اور عتاب کی بوچھار شروع ہو گئی۔ مجھے گمراہ اور بدمذہب کہا جانے لگا۔ مجھے جاہل اور احمق بتایا گیا۔ اور بسا اوقات میرے نیک مقصد کے

خلاف ایسی ایسی افترا پردازیاں کی گئیں کہ جن سے دل لرزتا ہے۔ میری مذہبی پوزیشن خراب کرنیکے لئے بے خطر جھوٹی شہادتیں دی گئیں جو یقیناً اللہ کے فرشتوں نے لکھی ہیں، اور ضرور بالضرور قیامت میں انکے متعلق ان کذابوں سے باز پرس ہوگی .... العظمۃ للہ! کبھی مجھے صحابہ کا دشمن اور رافضی بتلایا گیا۔ اور کبھی باغی اور خارجی کہا گیا۔ اور چونکہ میں نے بعض بدعتی صوفیوں کی گمراہی سے لوگوں کو آگاہ کیا تھا تاکہ وہ انکے فریب میں نہ آئیں اس لئے میرے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ یہ اولیاء اللہ کو نہیں مانتا اور ان کا دشمن ہے۔ اور یہ بھی اڑایا گیا کہ یہ اہلِ سنت وجماعت کا مخالف ہے۔ اور اللہ کو علم ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ تھا اور بے اصل .... سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

الامر بالمعروف والنھی عن المنکر لم یدع للمؤمن صدیقاً نأمرھم بالمعروف فیشتمون اعراضنا و یجدون علی ذٰلک اعواناً من الفسّاق حتی واللہ لقد رمونی بالعظائم وأیمُ اللہ لا أدع أن أقومَ فیھم بحقہٖ۔
(الاعتصام ص۱۳)

جب کوئی بندۂ مومن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرتا ہے تو کوئی اس کا دوست نہیں رہتا ہم لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتے ہیں تو وہ ہماری آبروریزی کرتے ہیں اور ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ اور بہت سے فساق اور اوباش اسمیں انکے مددگار بھی ہو جاتے ہیں، اللہ کی قسم انھوں نے مجھ پر بڑی بڑی تہمتیں لگائی ہیں لیکن میرا اللہ سے عہد ہے کہ میں انکے درمیان حق کی دعوت دیتا رہونگا۔

اگر ایک طرف یہ سنت الٰہی ہے کہ "قربیاں را بیش بود حیرانی" کے مصداق جن بندگان خدا کو منشاء خداوندی اور طریق انبیاء علیہم السلام سے خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے انھیں تکلیفیں بھی بہت جھیلنی پڑتی ہیں۔ اور وہ اہل ہویٰ وہوس کی طرف سے تکذیب وایذاء اور ظلم وستم کا نشانہ بھی سب سے زیادہ بنتے ہیں۔ تو دوسری طرف اللہ تعالےٰ کا قانون یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑ دیتا۔ وہ اپنے تکوینی وغیبی نظام سے انکی مدد بھی کرتا ہے۔ اور ان کا دفاع بھی کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

وکان حقاً علینا نصر المومنین — ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے

ایک اور مقام پر فرمایا ہے :۔

ان اللہ یدافع عن الذین امنوا۔ — جن لوگوں نے ایمان بنالیا انکی طرف سے اللہ تعالیٰ خود مدافعت فرماتا ہے۔

اس خداوندی قانون کے ظہور کا عام طریقہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کے دل میں اپنے ان مظلوم بندوں کی محبت اور انکے دفاع کا ایسا طاقتور داعیہ ڈال دیتا ہے کہ وہ ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر میدان میں آجاتے ہیں۔ ان پر لگائے گئے الزامات کا جواب دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو انکے بارے میں سچ سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں —— اور اپنی اس جدوجہد سے اس اجر کے حصول کے سوا انکی کوئی غرض نہیں ہوتی جس کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے :۔

ما من مسلم یرد عن عرض أخیه الا کان حقا علی اللہ ان یرد عنه نار جهنم یوم القیامة ثم تلا هذه الآیة وکان حقا علینا نصر المؤمنین ۔
مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴

جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی آبرو پر کیے جانے والے حملہ کا دفاع اور اسکی طرف سے جواب دہی کرے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہوگا کہ روز قیامت جہنم کی آگ کو اس سے دور رکھے پھر آپ نے بطور استشہاد یہ آیت تلاوت فرمائی وکان حقا علینا نصر المؤمنین ۔

اللہ تعالیٰ کے ان دونوں قانونوں کا جیسا ظہور ہمارے برصغیر میں تیرہویں صدی کے عظیم مصلح شہید اسلام حضرت مولانا شاہ اسماعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوا ہے اسکی نظیر آخری دور کے مصلحین ومجددین میں ملنی مشکل ہے۔ ایک طرف تو صورتحال یہ ہے کہ اس خطہ کے حامیانِ شرک وبدعت کی افتراپردازیوں اور ظالمانہ زبان درازیوں کا نشانہ بھی سب سے زیادہ وہی بنے ہیں۔ بلکہ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ اگر اس طبقہ کی ان سب چھوٹی بڑی کتابوں کا صرف ایک ایک نسخہ بھی جمع کردیا جائے جن میں انہیں کافر اور خدا اور رسول اور اولیاء اللہ کا دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تو ایک اچھا خاصا کتب خانہ تیار ہو جائے گا —— اور دوسری طرف وہ ذخیرہ بھی کم نہیں ہے جو حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے رفقا

واخلاف پر معاندین اہلِ بدعت کی طرف سے لگائے گئے الزامات کے جواب ہیں اور انکے مسلک و مشرب کی وضاحت کے سلسلہ میں توحید و سنت کے علمبردار اہلِ علم و قلم کی کاوشوں سے تیار ہوا ہے۔

ان سطور کا لکھنے والا یہ ہیچ مدان عاجز اپنے مالک کی اس توفیق پر اظہارِ تشکر کیلئے سجدہ ریز ہے کہ آج سے ۵۵ سال پہلے جب اس نے اہلِ بدعت کے مرکز بریلی سے رسالہ الفرقان جاری کیا تھا تو اس زمانہ میں، مسلمانوں میں رواج پائی ہوئی مشرکانہ رسوم و بدعات کی بیخ کنی، توحید و سنت کی اشاعت و حفاظت، اور علمائے حق کے خلاف اہلِ بدعت کی الزام تراشیوں اور افتراء پردازیوں کی جواب دہی اور امت کے ان محسنین کی آبرو اور انکے مسلک کا دفاع ہی اس کا خاص موضوع تھا —— اور آج بھی یہ کمزور و ناتواں بندہ اپنے رب کریم کے اس فضل و احسان کا اظہار کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے کہ یہ خدمت الفرقان کے صفحات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز سے اس طرح لی کہ حجت تمام ہو گئی۔ اور سلیم الفطرت لوگوں کیلئے حق واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور حق اور اہلِ حق کی طرف سے دفاع پر جس اجر کی بشارت دی گئی تھی وہ اس عاجز کو مرحمت فرما دے۔

یہ محسوس کر کے کہ اس سلسلہ میں ضروری کام کیا جا چکا ہے اور مسلسل اس موضوع پر لکھتے رہنے کی اب ضرورت نہیں ہے، الفرقان میں شائع شدہ کچھ منتخب مضامین کو چند چھوٹے بڑے کتابی مجموعوں میں شائع کر دیا گیا تھا —— اور امید تھی کہ اس بارے میں از سر نو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

لیکن ہوا یہ کہ اب سے چند سال پہلے دہلی سے ایک نئی کتاب شائع ہوئی "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" —— اس کتاب میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور انکی مشہور کتاب "تقویۃ الایمان" کے بارے میں جو کچھ کہا گیا تھا اس کا انداز تو وہ نہیں تھا۔ جو تقویۃ الایمان اور اسکے عظیم مصنف کے بارے میں معاندین اہلِ بدعت کے ایک مخصوص گروہ کی تقریروں اور تحریروں میں عام طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کا مجموعی رُخ وہی تھا، اور اسکے مشمولات سے اس گروہ کی افتراپردازیوں کو مولانا ابو الحسن زید دہلوی کی سند اور تائید ضرور ہاتھ آگئی جو اس گروہ کے ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ خانوادۂ مجددی کے جانشین ہونے کی

حیثیت سے متعارف ہیں۔ اور اس وجہ سے ــ بعض امور میں اختلاف کے باوجود ــ مختلف حلقوں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

کتاب کے شائع ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد میرے محبوب دوست اور رفیق مولانا نسیم احمد فریدی نے (جنھیں اب رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑرہا ہے اور جنھیں ہندوستان کی اصلاح و تجدید کی تاریخ، اور اسکے مرکزی کرداروں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ انکے اخلاف و صاحبزادگان اور حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہم سے نہ صرف یہ کہ مثالی عقیدت و محبت تھی بلکہ وہ متفقہ طور پر اس تاریخ کے سب سے مستند محقق اور اس کے ماہر مورخ تھے) مجھے لکھا کہ وہ مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی کتاب پر تبصرہ لکھ کر الفرقان میں اشاعت کیلئے بھیجیں گے ــــ پھر ۳۰ مارچ ۸۷ء کو مولانا نے وہ تبصرہ مجھے بھیج دیا۔ اسکے ساتھ مرسلہ اپنے مکتوب میں انھوں نے مجھے لکھا:۔

"آج مقالہ کی رجسٹری کرا کے لکھنؤ روانہ کر رہا ہوں .... میاں حسان سلمہ یا میاں سجاد سلمہ آپ کو پورا مضمون دو تین نشستوں میں سنا دیں گے۔ خود بھی جو جزوی تغیر و تبدل کرنا چاہیں گے وہ کر دیں گے اور آپ بھی جہاں کہیں مناسب سمجھیں اس جگہ ترمیم و اضافہ کر دیں۔"

مولانا کا مرسلہ مضمون پڑھ کر میں نے اس میں بعض مقامات پر کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس کی۔ بے تکلف میں نے اپنی رائے مولانا کو لکھ دی اور یہ بھی کہ وہ ترمیم مولانا ہی کر دیں اس کے کچھ دنوں کے بعد مولانا لکھنؤ تشریف لائے۔ اور میری رائے کے مطابق وہ مضمون اپنے ساتھ امروہہ لیتے گئے۔ کافی مدت کے بعد مولانا نے مجھے لکھا کہ غور و خوض کے بعد انھیں میری تجویز کردہ بعض ترمیموں کے بارے میں انشراح نہیں ہو سکا، لہذا اب وہ مضمون اسی طرح واپس بھیج رہے ہیں ــــ میں نے فوری طور پر انھیں یہ لکھوا دیا کہ مجھے اپنی رائے پر اصرار نہیں ہے۔ آپ مضمون ڈاک سے نہ بھیجیں، فلاں سلسلہ سے آپ لکھنؤ تشریف لانے والے ہیں۔ جب آپ آئیں تو اسے اپنے ہمراہ ہی لیتے آئیں ــــ لیکن ــــ اللہ کی مشیت کہ مولانا لکھنؤ تشریف نہیں لا سکے اور ۱۸ اکتوبر ۸۸ء (۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ) کو مولانا کا وقت موعود آ گیا۔

اسی کے بعد میں نے مولانا کے برادر زادے انیس احمد فاروقی صاحب اور مولانا کے خادم مولوی محب الحق صاحب کو لکھا کہ وہ مضمون بھیج دیا جائے تاکہ مولانا کی خواہش کے مطابق وہ الفرقان میں شائع کر دیا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے انھوں نے وہ اسی طرح بند لفافہ میں بھیجدیا جس طرح میں نے مولانا مرحوم کے حوالہ کیا تھا ـــــ اب وہ مضمون آئندہ صفحات میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

مولانا کے جس مکتوب کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، اس میں مولانا نے مجھ سے یہ فرمائش بھی کی تھی کہ میں انکے اس مضمون پر تمہیدی نوٹ بھی لکھدوں۔ مولانا کی فرمائش کی تعمیل اور ان سے دیرینہ مخلصانہ تعلق کے حق کی ادائیگی کی نیت سے جب میں نے کچھ لکھوانے کا ارادہ کیا تو زیادہ سے زیادہ صرف اتنا ہی مضمون ذہن میں تھا جو سطور بالا میں عرض کیا گیا لیکن پھر جب لکھوانا شروع کیا تو نفس موضوع، حضرت شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں بہت سی باتیں ذہن میں آتی گئیں، اور یہ عاجز انھیں املاء لکھواتا چلا گیا، مضمون مکمل ہو گیا، اور اسے میں نے از اول تا آخر سنا تو ایک طرف تو مجھے خود یہ احساس ہوا کہ اس موضوع پر بہت ضروری اور اہم باتیں اللہ تعالیٰ نے اس بندۂ عاجز سے اس شدید ضعف و معذوری کے عالم میں، محض اپنے فضل و کرم سے لکھوا دی ہیں؛ جو انشاء اللہ مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے والوں کیلئے بہت ہی مفید ثابت ہوں گی لیکن دوسری طرف یہ بھی خیال آیا کہ مولانا فریدی نمبر میں اس طویل مضمون کو جگہ دینا کہیں بے محل نہ ہو، لیکن بعد میں غور و فکر اور مشورہ کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ اسے مولانا فریدی مرحوم کے مضمون کے تکملہ کے طور پر ان کے مضمون کے متصلاً بعد شائع کر دیا جائے ـــــ مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ اس تکملہ کو پڑھ کر سب سے زیادہ مسرور بلکہ ممنون مولانا فریدی ہوتے، اور اب بھی انشاء اللہ اگر عالم برزخ میں اسکی خبر ہو گی تو وہ اس سے بہت خوش ہوں گے ـــــ میں بھی اسے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق اور مولانا مرحوم کے درد و اخلاص کی برکت سمجھتا ہوں کہ اس طرح مجھے انکے ایک صالح عمل میں شرکت اور تعاون علی البر والتقوی کا موقع بھی مل گیا ـــــ بس اب ناظرین کرام پہلے مولانا فریدی کا مضمون ملاحظہ فرمائیں؛ اسکے بعد اس عاجز کا لکھا ہوا تکملہ ـــــ واللہ یھدی من یشاء إلی صراطٍ مستقیم۔

مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی تصنیف

"مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" پر تبصرہ

اور

مناظرۂ جامع مسجد دہلی ۱۲۴۰ھ کی صحیح روئیداد

از مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہی

خاندان مجددی کے ایک ممتاز عالم یعنی حضرت شاہ ابوالخیر مجددی کے فرزند ارجمند مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" ـــــ سچی بات یہ ہے کہ یہ کتاب مجھے ان کے مرتبہ سے فروتر لگی۔

یہ بات اب شاید ہی کسی سے مخفی ہو کہ برصغیر کے علماء و مصلحین میں سے جو حضرات یہاں کے اہلِ بدعت کی طرف سے سب و شتم اور تکفیر و تضلیل کا سب سے زیادہ نشانہ بنے اُن میں ایک حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ بھی تھے ـــــ اسی بنا پر مولانا اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت کے متعلق اب کوئی شخص کچھ منفی خیالات کا اظہار کرتا ہے تو ہم لوگوں کو ذرا بھی نیا پن نہیں محسوس ہوتا اور نہ تعجب ہوتا ہے ـــــ لیکن ہم مولانا ابوالحسن زید کو ان لوگوں میں سے نہیں سمجھتے ہیں جنھیں ملت اسلامیہ ہندیہ کے اس عظیم مصلح اور اسکے مسلک و مشرب سے ایسی عداوت یا رقابت ہے جسکی وجہ سے اسے مسلسل تنقید و ملامت کا نشانہ بنائے رکھنا گویا انکے فرائض و مقاصد زندگی میں شامل ہو گیا ہے۔

مولانا زید نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد رشید مولانا عبدالعلی فریدیؒ سے مدرسہ عبدالرب دہلی میں تعلیم حاصل کی اور مولانا محمد شفیع دیوبندی داماد و شاگرد حضرت شیخ الہندؒ سے بھی پڑھا ـــــ مولانا زید نے اپنی کتاب "مقامات خیر" میں بڑی تفصیل سے اور عقیدت کے اچھے الفاظ میں ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے

والد شاہ ابوالخیرؒ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے جو قلبی تعلق تھا اس کا بھی اظہار فرمایا ہے۔[لہ]

بلکہ ہم جہاں تک جانتے ہیں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علاوہ باقی تمام اکابر دیوبند سے مولانا زید کو کوئی شکایت نہیں ہے، بلکہ مختلف مقامات پر انھوں نے خود اسکی صراحت کی ہے کہ وہ علماء دیوبند سے بہت قریب ہیں ـــــ لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انکی اس کتاب سے ان سے سخت عناد رکھنے والے اہلِ بدعت کے ایک خاص گروہ کو بہت خوشی ہوئی ہوگی۔ اور یہ بات کہ ایک ایسے شخص سے جو نسباً و نسبتاً دونوں طرح مجددی کی حیثیت سے معروف ہو معاندین اہلِ بدعت کو تقویت پہنچے ہم جیسے دلبستان مجددی کے خوشہ چینوں اور خانوادۂ مجددی کے کفش برداروں کیلئے بہت رنج وغم کا باعث ہے اور یہی رنج وغم ان سطور کی تحریر کا محرک بنا ہے، اِن اُرِیدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

مولانا زید نے جب حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ پر کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے ان کو حضرت شہید دہلویؒ پر اپنا لکھا ہوا مقالہ بھجوایا اور انکے دادا کے چچا محدث دار الہجرۃ حضرت مولانا شاہ عبد الغنی مجددیؒ کی کتاب تتمہ مقامات مظہریؒ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے

لہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر سنکر شاہ ابوالخیر نے فرمایا۔

> "یہ وہ زخم ہے جس کا مرہم نہیں ...... مولانا رشید احمد کے صاحبزادہ (حکیم مسعود احمد صاحب) آپ سے ملنے آئے آپ اُن سے بمحبت ملے ..... اور فرمایا۔ مولوی صاحب (مولانا گنگوہیؒ) ہمارے دوست تھے اور ہم ان کے دوست۔" (مقامات خیر ص۵۲)

تذکرۃ الرشید جلد دوم ص۱۹۱ پر مرقوم ہے۔

مولوی ممتاز علی انبیٹھوی (جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص اہلِ تعلق میں سے تھے) تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہاں بلوچستان میں حضرت (گنگوہی) قدس سرہٗ کے وصال کی خبر پہنچی تو اتفاق سے مولانا ابوالخیر صاحب یہیں مقیم تھے، دوبار ان کا پیغام میرے پاس آیا کہ مجھ سے آکر مل جاؤ۔ مجھے فرصت نہ ملی آخر جب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ مولانا بے اختیار رو رہے ہیں، مجھے دیکھتے ہی گریہ اور زیادہ ہوا یہاں تک کہ چیخیں نکلنے لگیں سارے مجمع پر اس کیفیت کا یہ اثر تھا کہ قریب تھا دہاڑیں مارتے مارتے لوگ بے ہوش ہوجائیں، اس حالت میں مولانا ابوالخیر نے فرمایا آہ! مولانا ممتاز علی! ہندستان سے بڑا شخص اٹھ گیا، ہائے افسوس! مخلوق نے قدر نہ جانی کہ مولانا کیا چیز تھے۔"

اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ جب انکے دادا حضرت شاہ صفی القدر مجددیؒ کا وصال لکھنؤ میں ہوا تو حضرت سید احمد رائے بریلویؒ اور حضرت شاہ اسماعیل دہلویؒ نے ان کی تجہیز و تکفین کی، میں نے لکھا تھا کہ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صفی القدرؒ کے ان دونوں حضرات سے بہت اچھے روابط تھے اور عجب نہیں کہ نماز جنازہ بھی ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک نے پڑھائی ہو۔ ایسی صورت میں آپ کو انکی بلند شخصیت کا خیال رہے۔ اس کے جواب میں مولانا زید کے دو خط میرے پاس آئے انکے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم گرامی جناب مولانا نسیم احمد فریدی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عاجز نے ۸ ستمبر کو لیٹر ارسال کیا تھا اور شاہ محمد اسماعیل کے متعلق کچھ تحریر کیا تھا، اس سلسلہ میں عاجز اتنا کہتا ہے کہ عام طور پر رفع یدین، ارسال، عدم رفع یدین، آمین بالجہر و امثالہ میں اختلاف اور تعصبات پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور عاجز کی نظر میں ایسے مسائل میں قیل وقال و اختلاف عبث ہے۔ یہ اعمال ہیں۔ کوئی سا عمل بھی کر لیا جائے اتباع سنت میں شمول ہے۔ قبیح یہ فعل ہے کہ ایک دوسرے کے امام پر کیچڑ اچھالی جائے اور اقبح یہ فعل ہے کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں ایسی عبارت لکھی جائے جو سوء ادب کو حامل ہو۔ عاجز نے علامہ ابن تیمیہؒ کے متعلق رسالہ لکھا ہے۔ عاجز کو جو تعلق اور قلبی لگاؤ ابن تیمیہؒ سے ہے وہ محمد ابن عبد الوہاب، شاہ اسماعیل دہلوی اور ان دو کے طریقہ پر چلنے والے بعض علماء سے نہیں ہے چاہے وہ بعض علما کٹر حنفی ہوں۔ عاجز حضرت شاہ عبد الغنی محدث دار الہجرۃ کا دل وجان سے معتقد ہے شاہ اسمٰعیل کے متعلق جو نظریہ آپؒ کا ہے، وہ اس دور کے محققین سے کہیں زیادہ وقیع ہے، آپؒ ہی کے طریقہ پر حضرت سیدی الوالدؒ نے دم تک عامل رہے کہ نہ کبھی تعریف کی اور نہ کبھی برا کہا۔ اور نہ کبھی ان کا ذکر کیا، نہ انکی تالیفات سے لگاؤ رکھا۔ شاید آپ کو تعجب ہو کہ عاجز نے آج تک تقویت الایمان کا مطالعہ نہیں کیا ہے کیونکہ حضرت الوالد کو یہ کتاب پسند نہ تھی حضرت شاہ عبد الغنی اور حضرت سیدی الوالد جیسے پاک نہاد افراد کا کسی کتاب کو ناپسند کرنا کسی تعصب کی بناء پر نہیں ہے، اختلاف تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی کیا ہے، کیا وجہ ہے کہ ان سے اللہ کے نیک بندے متنفر نہیں ہیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ مولانا اسماعیل سے دل آزردہ ہیں۔ اب اگر کوئی دل آزردگان کے متعلق کہے (کہ) اہل بدعت نے کہے دے کی ہے تو یہ کیا انصاف ہے۔ انصاف کا اظہار

تو اس وقت ہوگا کہ ان عبارتوں کو جو مولانا نے لکھی ہیں اور جن سے اللہ کے نیک بندے دل آزردہ ہوتے ہیں بجز وہ ذکر کیا جائے اور پھر جائزہ لیا جائے کہ اس میں قباحت کا پہلو فی الواقع نکلتا ہے یا نہیں۔

تقویت الایمان کے متعلق اگست ۱۹۷۸ء کے مجلہ الفرقان میں صفحہ ۲۷ سے ۴۱ تک ایک مضمون ہے اور آپ نے تذکرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ میں بہت کچھ لکھا ہے۔ آپکے رسالہ کو پڑھ کر خیال آیا کہ تقویت الایمان کا مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ کیسی کتاب ہے، اللہ عاجز کی مدد کرے۔ عاجز آپ سے استادریافت کرتا ہے کہ (تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہید) ۴۴ صفحات کا رسالہ جو آپ کے نام سے چھپا ہے کیا فی الواقع اس کی عبارت من اولہ الی آخرہٖ آپ کی ہے یا کسی جگہ کچھ تصرف ہوا ہے حقیقت سے آگاہ فرما دیں۔ ولکم الشکر۔ کیونکہ عاجز کو بعض عبارات اور بعض الفاظ پر کچھ شبہ ہوا ہے۔

زید ابوالحسن فاروقی

۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء

اپنے اس مکتوب میں انھوں نے اپنے والد اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی کوئی ایسی تحریر پیش نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ حضرت شہیدؒ سے ناراض تھے یا آزردہ دل تھے، میرے پاس ایسے ثبوت موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ ان بدعت نوازوں سے ناراض تھے، جو جماعت حقہ کے عقائد کے خلاف ہنگامہ آرائی کرتے پھرتے تھے، انکو مولوی احمد رضا خاں سے بھی انتہائی دوری تھی۔ انھوں نے اپنے جلالی انداز میں ان لوگوں کو دھتکارا ہے جن کے عقائد اہل سنت وجماعت کے عقائد کے خلاف تھے۔ مولانا زید نے مقامات خیر اور مقامات اخیار میں بھی کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں کیا کہ جس سے معلوم ہوتا کہ انکے والد ماجد تقویت الایمان کو ناپسند فرماتے تھے۔ رہا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت سے مولانا ابوالخیرؒ کا لگاؤ نہ ہونا، وہ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ انکے استاذ مکرم محدث دارالہجرۃ شاہ عبدالغنی مجددیؒ جو انکے دادا کے بھائی تھے، اپنے قلم سے مجاہد فی سبیل اللہ شاہ محمد اسماعیل قدس سرہ کو "شہید" لکھ رہے ہیں۔ خود مولانا زید نے اپنی کتاب مقامات خیر میں شاہ صفی القدر مجددی کا ذکر خیر کرتے ہوئے شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی وہ عبارت نقل کی ہے جس میں انکے نام کے ساتھ لفظ "شہید" کو شامل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا زید کو اُس کتاب کے لکھنے کے وقت تک

مولانا شہیدؒ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ ورنہ شاہ عبدالغنیؒ کی عبارت پر کوئی اختلافی نوٹ لکھتے۔ حضرت شہیدؒ کے خلاف مولانا زید کے جذبات یقیناً کچھ خارجی اثرات ومحرکات کا نتیجہ ہیں جو مقامات خیر لکھنے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی اس "تازہ کتاب" میں کہیں بھی شاہ محمد اسماعیلؒ کو شہید نہیں لکھا۔ دوم تبہ ازاول تاآخر پڑھوا کر یہ بات واضح ہوئی ہے۔[1] ناظرین خود فیصلہ کریں کہ یہ کس قدر بے اعتنائی کی بات ہے جنکو انکے بزرگ شہید لکھیں اور خود وہ اس عبارت کو مقامات خیر میں نقل کریں پھر آج انکو اپنے قلم سے شہید نہ لکھنا کس امر کی غمازی کر رہا ہے؟ یہی نہیں، بلکہ انکے معاندین اور مخالفین کا اچھے انداز میں ذکر کیا گیا ہے، اور اچھے الفاظ سے نوازا گیا ہے۔ مولانا زید کو شاید معلوم ہوگا کہ مولوی احمد رضا خاں کا رویہ سید احمد شہیدؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور انکے رفقاء اور متبعین کے خلاف کیا رہا ہے؟ انھوں نے انکے خلاف کتنی زہر افشانی اور بہتان طرازی کی ہے؟ اس جگہ صرف الکوکبۃ الشہابیہ ص۳۶ کا ایک اقتباس بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

"پیر جی (یعنی سید احمد شہیدؒ) کی مہر کا کندہ اسمہ احمد قرار پایا تھا خطبوں میں پیر جی کے نام (کے ساتھ) صلے اللہ علیہ وسلم کہنا شروع ہو گیا تھا، مگر قہر الٰہی سے مجبور ہیں اچھی کوڑے نے سب بنے کھیل بگاڑ دیئے۔ پٹھانوں کے تیخ موذی کش نے بیچنے سورما پچھاڑ دیئے ؎

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
وحی و عصمت کی کرامات نہ ہونے پائی

دیکھئے مولوی احمد رضا خاں کیا فرما رہے ہیں اور کتنی خلاف حقیقت بات کہہ رہے ہیں۔ یعنی وہ انکو شہید تو کیا مانتے کسی غیر مسلم کا مقتول بھی نہیں مان رہے ہیں، وہ (انھیں) "پٹھانوں کے خنجر موذی کش" کا مقتول مان رہے ہیں۔ علاوہ مسلمان مورخین کے ہندو، سکھ، عیسائی بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اپنے دوسرے رفقاء کے ساتھ بالاکوٹ کے جہاد میں سکھوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

مولانا زید نے لکھا ہے کہ مولانا مخصوص اللہؒ "تقویت الایمان" کو تفویت الایمان

---

[1] مولانا زید ابوالحسن صاحب نے اپنے اس مکتوب مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء میں بھی شاہ اسمٰعیلؒ کے ساتھ لفظ شہید کے استعمال سے اجتناب فرمایا ہے۔ (ادارۂ الفرقان)

کہتے تھے، مگر اس کا کوئی قابل اعتبار حوالہ نہیں دیا ہے۔ خاندان کے اندر اختلاف ہو سکتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ کتاب کا نام بگاڑ دیا جائے۔ خود حضرت مجددؒ کے دو صاحبزادوں کی اولاد میں اختلاف ہوا، اور وہ معصومی اور سعیدی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ روضۃ القیومیہ اس پر شاہد ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا کہ کوئی اصولی اختلاف ہوا ہو اور مسلک دو ہو گئے ہوں کسی علمی مسئلہ کے اندر اختلاف ہونا اور بات ہے اور عناد و بغض کی بناء پر مخالفت دوسری بات ہے۔

۱۲۴۰ھ میں دہلی کی جامع مسجد میں ایک علمی مباحثہ ہوا جس کو مناظرہ کہئے یا مذاکرہ دینیہ کہئے مگر اس میں مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک ہنگامہ کی شکل پیدا ہو گئی جس پر قابو تو پا لیا گیا لیکن طرفین کے لئے کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلا، اس کے بعد کوئی ایسی چپقلش اور باہمی اختلاف آرائی ان حضرات میں نہیں ہوئی۔

۱۲۳۹ھ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا وصال ہوا۔ انکے وصال کے ایک سال بعد دہلی کے اندر یہ اختلافی ہنگامہ ہوا۔ ایک بڑی شخصیت کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد اس کے متعلقین اور منتسبین میں ایسی باہمی اختلافی کشمکش کچھ تعجب خیز نہیں ہے۔

اس مناظرۂ دہلی کی صحیح روئیداد آگے لکھی جائیگی اس جگہ صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہے ——— اسکے بعد مولانا زید سے یہ سوال کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے اس ہنگامہ کو کیوں اتنا نمایاں کرنیکی کوشش فرمائی ہے۔ یہ تو ایک وقتی ہنگامہ تھا اور اس سے اہل بدعت کو کوئی فائدہ بھی نہیں پہونچ سکتا۔ ہاں رئیس المتکلمین مولانا رشید الدین خان دہلویؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے دو جلیل القدر صاحبزادوں کے خلاف لوگوں کا ذہن بن سکتا ہے اس مناظرہ و ہنگامہ کا تعلق شاہ شہیدؒ سے نہیں ہے، اور وہ چودہ ۱۴ سوالات کے جوابات جنکو مولانا زید نے اپنی کتاب میں لکھا ہے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے نہیں ہیں بلکہ مولانا عبدالحئی بڈھانوی کے ہیں۔ میں مولانا زید کی پوری کتاب کا جواب نہیں دے رہا ہوں ——— یہ انکی کتاب پر ایک سرسری تبصرہ ہے اگر مولانا اس کو بغور مطالعہ فرمائیں گے تو شاید وہ اپنے اس موجودہ موقف سے رجوع کر لیں گے۔ اس کتاب کے جوابات تو اور بہت سے ہو سکتے ہیں بعض حضرات نے ہندوستان و پاکستان میں اس کا جواب چھپوا بھی دیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور انکی کتاب تقویت الایمان پر دیگر معترضین نے بھی بہت کچھ لکھا ہے اُن کے کافی شافی جوابات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان جوابات کو دہرانے کی ضرورت نہیں

میں مولانا زید سے اتنا کہوں گا کہ انھوں نے تقویت الایمان کو ردالاشراک مولفہ محمد ابن عبدالوہاب کا چربہ قرار دیا ہے وہ کس بنیاد پر؟ کیا انھوں نے مولانا شہیدؒ کی کتاب ردالاشراک جو عربی زبان میں ہے دیکھی ہے؟ اس میں کلمۂ طیبہ کے ہر دو جزو یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔ اس کا پہلا جزو توحید کا آئینہ دار اور دوسرا جزو رسالت کا اظہار و اقرار ہے۔ پہلے جزو سے متعلق قرآن کی آیات و احادیث سرورِ کائنات (صلے اللہ علیہ وسلم) کو پیش کیا ہے اور عربی زبان میں ہی آیات و احادیث کے فوائد تحریر فرمائے ہیں، دوسرے جزو کے متعلق جو آیات و احادیث تحریر کی ہیں انکے بھی مختصر فوائد عربی زبان میں ارقام کر دیئے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ دہلی کے علمی گھرانوں اور وہاں کے عربی مدارس کے کتب خانوں میں ضرور ہوگا۔ میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندر کوٹ کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے جو حضرت شہیدؒ کے زمانہ حیات ہی میں تحریر کیا گیا ہے۔ اسی نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ردالاشرک شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے جہاد کی تیاری سے پہلے تحریر کی ہے اس کے بعد اردو زبان میں اس کا ترجمہ کرنا چاہا ——— ایک جزو کا ترجمہ کرنے پائے تھے کہ جہاد کی تیاری کا مرحلہ پیش آگیا۔ دوسرے جزو کا ترجمہ انکے قلم سے نہ ہو سکا۔ دہلی کے ایک صاحب نے تذکیر الاخوان کے نام سے اس جزو کا ترجمہ کیا۔ شاہ صاحبؒ نے ترجمہ میں بھی فوائد تحریر فرمائے ہیں اور اس میں اس زمانہ کی اردو استعمال کی ہے۔ اب یہ کج فہمی اور کم نظری کی بات ہے کہ اُس دور کی زبان کا لحاظ کئے بغیر خواہ مخواہ حضرت شہیدؒ پر اعتراضات کئے جائیں۔ مثال کے طور پر دو باتیں لکھتا ہوں۔

ایک جگہ حضرت شہیدؒ نے ایک حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد بطور فائدہ لکھا ہے، "یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" (ص۵۵) نادانوں نے یہ نہ سمجھا کہ دلّی کی پرانی زبان میں مٹی میں ملنا اور رلانا دفن ہونے اور دفن کرنے کے معنی میں ہیں۔ حضرت موہانی کے دادا استاد نسیمؔ دہلوی فرماتے ہیں ؎

نسیمؔ اعدا سے کیا شکوہ پس مرگ

ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا (یعنی دفن کیا)

مولانا شہیدؒ کے معاندین نے یہ خواہ مخواہ کا الزام تراشا کہ انھوں نے سرورِ کائنات کو

یہ لکھا کہ وہ مٹی میں ملکر مٹی ہو گئے ؎

سخن شناس نئی دلبرا خطا ایں جا است

دوسری بات ایک معاند نے اپنے اشتہار میں یہ لکھی تھی کہ مولانا شہید دہلویؒ نے اللہ تعالےٰ کو مکار کہا ہے تقویت الایمان کو اچھی طرح دیکھا، اس کی ورق گردانی کی تو ایک آیۃ کے فائدہ میں یہ جملہ نظر پڑا کہ "سو اللہ کے مکر سے ڈرنا چاہیئے"۔ اس لفظ مکر سے مکار معاند نے یہ بات نکالی کہ خدا کو مکار کہا ہے اردو زبان میں مکار یقیناً برا لفظ ہے احقر نے اسکا جواب آیت "مکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین" سے تو دیا ہی، (حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین کی ایک عبارت میں مکر اللہ آیا ہے اسکا ترجمہ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے مکر خدا کیا ہے) بیچ جواب میں یہ بھی لکھا کہ "شیخ عبد القادر جیلانیؒ اور شیخ عبد الحقؒ نے مکر اللہ اور مکر خدا لکھا ہے تو کیا یہ کہا جائیگا کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کو مکار کہدیا جو اردو زبان میں گستاخی کا لفظ ہے"۔؟

اگر معاندین اس حقیقت کو پیش نظر رکھ لیتے جسے شیخ اکرام نے اپنے سامنے رکھا ہے، تو کبھی حضرت شہیدؒ پر بے جا اعتراض نہ کرتے۔ شیخ محمد اکرام نے تحریر فرمایا ہے :-

"ان (شاہ شہیدؒ) کی اہم ترین کتاب تقویت الایمان ہے جو انھوں نے اردو زبان میں اس وقت لکھی جب اس زبان کو ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب اردو نثر میں گنتی کی چند کتابیں تھیں، ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا ہے اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے۔ مولانا شہیدؒ کا ارادہ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کی تفسیر لکھنے کا تھا چنانچہ آپنے اسکی تشریح کی کہ "ایمان کے دو جزو ہیں خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسولؐ اور خدا کو خدا سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اسکے سوائے کسی کی راہ نہ پکڑے ——— اس پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور دوسری کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت" چنانچہ آپنے اپنی کتاب کے دو باب ٹھہرائے پہلا باب توحید اور شرک کے متعلق اور دوسرا بدعت کے خلاف اتباع سنت کی تائید میں۔

یہ کتاب نہ صرف مذہبی، بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہم ہے۔ اس کا طرزِ تحریر ایسا پُراثر اور پُر زور ہے کہ بقول صاحب سیر المصنفین معلوم ہوتا ہے کہ "ایک دریائے ذخار اُمڈا چلا آتا ہے"۔ شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے پہلے باب میں توحید کے متعلق جو کچھ لکھا وہ آپ کے زورِ بیان اور جوشِ اصلاح کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ (موجِ کوثر ص ۳۷ تا ۳۹)

مولانا زید نے اپنی کتاب میں یہ بحث بھی کی ہے کہ تقویت الایمان میں کچھ عبارتیں الحاقی ہیں[1] مولانا شہیدؒ کی نہیں ہیں۔ یہ بحث بھی مولانا کے موضوع سے باہر ہے۔ مولانا تو معترضین کی وکالت فرما رہے ہیں۔ مولانا شہیدؒ پر اعتراض کرنا اصل مقصود ہے پھر یہ مہربانی کیوں فرمائی جاتی ہے کہ تقویت الایمان کی بعض عبارتوں کو الحاقی کہا جائے آپ کا کام تو اس کتاب کی نازیبائی کے پہلو نمایاں کرنا تھا۔ الحاقی عبارت ہوا کرے اس سے کیا غرض؟ جس عبارت کو الحاقی عبارت کہا جاتا ہے اسکی وضاحت کرنے کے لئے ہم جیسے ناکارہ موجود ہیں۔

مولانا زید نے مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے قول کو رد کیا ہے اس کا جواب ہم کیا دیں بس یہ لکھ دینا کافی ہے کہ کاش مولانا زید تفسیر عزیزی اور فتاویٰ عزیزی کا مطالعہ کر لیتے تو آنکو ان دونوں کتابوں میں مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ پر لکھی ہوئی

---

[1] مولانا زید کو معلوم نہیں ہے اور غالباً مولانا فریدیؒ کے بھی علم میں نہیں تھا اور حضرت مولانا شہیدؒ سے عقیدت و محبت رکھنے والے ہمارے زمانہ کے اکثر علماء کرام کے بھی علم میں نہیں ہے، کہ تقویۃ الایمان حضرت شہیدؒ کی حیات میں ان کی شہادت سے چار سال پہلے ۱۲۴۲ھ میں کلکتہ میں طبع ہو گئی تھی اس ایڈیشن کے نسخے اگرچہ قریباً نایاب ہیں لیکن بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ میں بھی محفوظ تھا اس عاجز کو بھی اب سے ایک سال پہلے تک اس نسخہ کا علم نہیں تھا میرے ایک عزیز دوست مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی نے اس کو تلاش کر کے نکالا اور اس کا فوٹو اسٹیٹ لے لیا، اس عاجز نے اس کو دیکھا ہے اس نسخہ کے دریافت کے بعد ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جنھوں نے تقویۃ الایمان کے حضرت شہیدؒ کی تصنیف ہونے کے بارے میں تنک شبہ کا اظہار کیا ہے یا اس کی بعض عبارتوں کے بارے میں الحاق کی بات کہی ہے۔ اس نسخہ کے سرورق اور پہلے صفحہ کا عکس اگلے ورق پر ملاحظہ فرمایا جائے۔ (محمد منظور نعمانی املاءً)

حقیقت واضح ہو جاتی اور ایک صحیح مسلک کا پتہ چل جاتا ۔ اور یہ لکھنے کی جرأت نہ ہوتی کہ
"حضرت شہیدؒ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مسلک کے خلاف تھے"۔

اگر اسی کے ساتھ ساتھ از راہ انصاف حضرت مجدد الف ثانیؒ اور اکابر خاندان حضرات مجددیہ کا اس بارے میں مسلک اور رویہ معلوم کر لیتے تو پھر کسی کی طرف داری میں اپنے بزرگوں کے مسلک کو خیرباد نہ کہتے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے وصیت نامے اور وہ شرح، جو قاضی صاحب نے شاہ ولی اللہؒ کے وصیت نامہ کی لکھی ہے، اس کو اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کی سوانح اور شاہ غلام علی صاحبؒ کے ملفوظات "درالمعارف" اور انکے مکتوبات دیکھ لیتے تو پھر ایسی باتیں نہیں لکھتے جو اپنی اس کتاب میں لکھی ہیں۔

دراصل مجھے سب سے پہلے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ وہ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کا مطالعہ کرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہر سہ دفاتر مکتوبات کے اندر جو رد شرک اور رد بدعت ہے اس کا بنظر عمیق مطالعہ کر لیتے پھر اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے اور دیگر مسائل اختلافیہ کو چھیڑتے۔ رہا تقویت الایمان کے بارے میں یہ کہنا کہ ردالاشراک کا چربہ ہے اور ثبوت میں یہ کہنا کہ اس میں وہی آیات واحادیث ہیں جو ردالاشراک مؤلفہ محمد ابن عبدالوہاب میں ہیں[1] اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں، لاجواب بات ہے۔ جو شخص بھی توحید و رسالت پر کچھ لکھے گا وہ انہی آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی روشنی میں لکھے گا جو ان موضوعات سے متعلق ہیں۔

---

[1] مجھے شبہ ہے کہ مولانا زید صاحب نے یہ بات یا تو صرف کسی سے سنکر تحریر فرما دی ہے یا ان کی نظر سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف ردالاشراک کا کوئی ایسا نسخہ گذرا ہے جس پر مصنف کا نام نہیں ہے اور انھوں نے اس کو شیخ محمد ابن عبدالوہاب کی تصنیف سمجھا ہے ـــــ ردالاشراک مصنفہ شاہ شہیدؒ کے بارے میں خود مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے جو کچھ تحریر فرما دیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تقویت الایمان کی اصل اور اس کا متن ہے ـــــ معلوم ہوا ہے کہ وہ اب لاہور میں طبع ہو گیا ہے۔
شیخ محمد ابن عبدالوہاب کی مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی تمام تصانیف اب سے قریباً چار پانچ سال پہلے جامعۃ الامام محمد ابن سعود الاسلامیہ ریاض کی طرف سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں ان میں ایک ضخیم مجموعہ وہ ہے جس میں توحید اور شرک سے متعلق انکے چھوٹے بڑے تمام رسائل جمع کر دیئے گئے ہیں ان میں کتاب التوحید، کشف الشبہات وغیرہ انکی معروف کتابیں شامل ہیں اور انکے علاوہ اس موضوع سے متعلق چھوٹے بڑے متعدد رسائل ہیں ان میں ردالاشراک نام کا کوئی رسالہ نہیں ہے (محمد منظور نعمانی املاہٗ)

تقویۃ الایمان

اس کتاب میں

آیتوں اور حدیثوں کا ذکر ہے جن سے شرک کی برائی ثابت ہوتی ہے

مؤلف کا نام

مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی

عام و خاص مومنین اور مسلمانوں کی ہدایت کے واسطے

چھپوانے والے کا نام

سید عبد اللہ ابن سید بہادر علی

چھاپے خانے کا نام
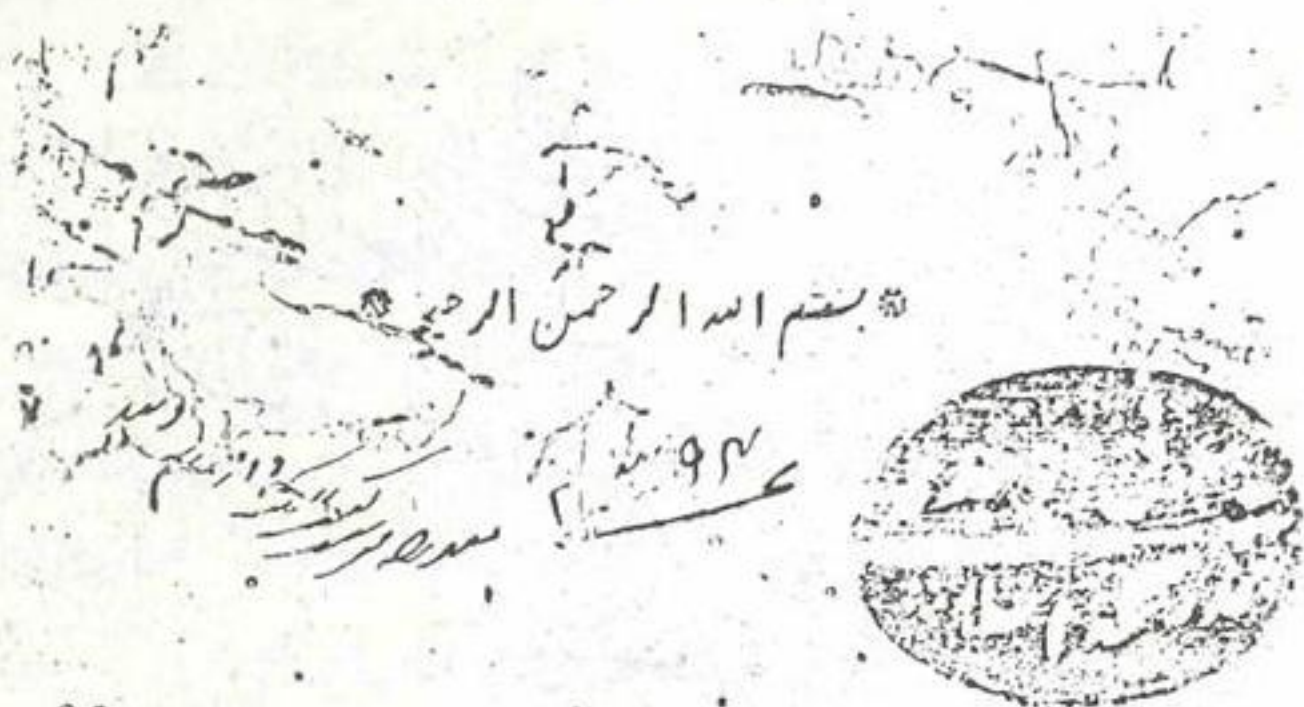
مطبع احمدی

سنہ ۱۲۴۲ بارہ سو بیالیس ہجری قدسی

مقام کلکتہ

الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو ۔ کہ ہم کو تو نے ہزاروں
نعمتیں دیں ۔ اور اپنا سچا دین بتایا ۔ اور سب پر سیدھی راہ چلائی ۔ اور
اصل توحید سکھلائی ۔ اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم کی امت میں بنایا ۔ اور ان کی راہ سیکھنے کا شوق دیا ۔ اور
انکے نائبوں کو کہ جو انہی کی راہ بتاتے ہیں اور انکے طریق پر چلاتے
ہیں انکی محبت دی ۔ سو تو ہی پروردگار ہمارا ہے تو اپنے حبیب پر
اور اسکی آل و اصحاب پر اور انکے سب نائبوں پر ہزار ہزار
درود اور سلام بھیج ۔ اور انکی پیروی کرنے والوں پر رحمت
کر ۔ اور ہمکو انہیں میں شریک کر اور ہمکو انہی کی راہ پر جیتے اور مرتے قائم
رکھیو ۔ اور انکے تابعوں میں گن ۔ آمین رب العالمین ۔

مولانا زید سے پہلے بھی بہت سے لوگوں نے تقویت الایمان پر رنگ برنگ کے شبہات ظاہر کئے ہیں "آزاد کی کہانی" میں مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی نے مولانا آزادؒ کے والد مولانا خیر الدین کا تذکرہ کرتے ہوئے تقویت الایمان کے بارے میں جو انکی رائے تھی اسکو لکھا ہے۔ میں نے "آزاد کی کہانی" پر تبصرہ کرتے ہوئے تقویت الایمان کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، اسکو اس جگہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں اس سے معلوم ہو جائیگا کہ تقویت الایمان کی مخالفت میں کتنی بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئی ہیں۔

"آزاد کی کہانی" میں بیان کیا گیا ہے :۔

"شاہ ولی اللہ مرحوم کو جو عین محمد ابن عبد الوہاب نجدی کے ظہور و شیوع عقائد کے زمانہ میں حرمین میں مقیم تھے اُسکی "کتاب التوحید" ملی۔ اور اسکی وجہ سے ان کے خیالات میں بھی یک گونہ فتور رہا۔ وہ اس فتنہ کو اپنے ہمراہ ہندوستان لائے۔ انکی کتابوں میں مولوی اسماعیل کو کتاب التوحید ملی۔" (کہانی ص۳۶۵)

یہ عظیم ترین بہتان بھی مولانا خیر الدین کے "حقائق و معارف" کا ایک نمونہ اور ان خیالات کی ایک جھلک ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے متعلق وہ رکھتے تھے غور تو کیجئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قیام حرمین کا زمانہ ۱۱۴۳ھ سے ۱۱۴۵ھ تک کا ہے ۱۱۷۶ھ میں ان کا وصال ہو گیا اور مولوی فضل رسول بدایونی جو مولانا خیر الدین کے معتمد علیہ اور "مولانا اسماعیل دشمنی" میں ان کے خاص ہم مشرب وہم مزاج ہیں، "سیف الجبار" میں یہ ارقام فرماتے ہیں کہ ـــــ

کتاب التوحید ۱۲۲۱ھ میں اواخر ایام سلطان سلیم ثالث میں مکہ معظمہ کے اندر آئی تھی۔ پھر قیام حرمین کے زمانہ میں یہ کتاب حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاتھ کیسے لگ گئی۔ اس موقع پر اگر مولانا خیر الدین کو مولوی فضل رسول بدایونی کی پوری بات یاد رہتی تو وہ، وہی کہتے جو انھوں نے سیف الجبار میں لکھا ہے۔ دیکھئے مولوی بدایونی کتنا عجیب انکشاف فرماتے ہیں ـــــ وہ حضرت شہیدؒ اور رفقاء حضرت سید احمد شہیدؒ پر الزامات بے جا لگاتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں :۔

"انھیں سامانوں سے سیر و سیاحت کرتے پھرتے تھے کہ تیسرا فساد ظاہر ہوا یعنی کتاب التوحید نجدیہ کی مراد آباد میں، کہ وہاں پہلے سے کسی قدر اس

مذہب کی گفتگو تھی ــــ ہاتھ لگی ــــ اس مذہب کو پسند کیا اور تقویت الایمان تصنیف کی (جو) گویا اسی کتاب التوحید کی شرح ہے۔ (سیف الجبار ص۴۳)

ایک غلط بات کتنے ڈھنگ سے کہی گئی تھی کہ کتاب التوحید مراد آباد سے مل گئی تھی۔ مولانا خیر الدین نے اس کو تاریخی اعتبار سے خواہ مخواہ پیچیدہ اور دور از کار بنا دیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب حرمین سے کتاب التوحید لائے اور شاہ اسماعیل کو اپنے دادا کے کتب خانہ سے وہ کتاب ہاتھ لگ گئی ــــ معاندین شاہ اسماعیل شہیدؒ تقویت الایمان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بناتے رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ سید صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ حج کو گئے تو وہابیوں سے متاثر ہوئے اور وہاں کتاب التوحید مل گئی اور تقویت الایمان لکھی۔ کوئی کہتا ہے مراد آباد سے کتاب التوحید مل گئی تھی، اس کا دوسرا ایڈیشن تقویت الایمان ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ دادا کے کتب خانہ سے کتاب التوحید برآمد کر لی تھی اور اس کا چربہ تقویت الایمان ہے کچھ ٹھکانہ ہے ان محققین کی ژولیدہ بیانی اور اختلاف رائے کا؟ (از الفرقان بابۃ ماہ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ ص۴۸ سے ۴۹)

مولانا زید نے تقویت الایمان کے بارے میں جو انکشاف کیا ہے وہ تمام مذکورہ بالا محققین سے علیحدہ ہے کاش مولانا تقویت الایمان کی اصل رد الاشراک دیکھ لیتے اور تقویت الایمان اور اسکے فوائد پر بھی غور فرما لیتے تو ایسا نہ لکھتے جیسا اس کتاب میں لکھ گئے ہیں۔

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے تقویت الایمان میں توحید کامل و خالص کا بھرپور تذکرہ کر کے ایک موقع پر عرفی کا ایک شعر اپنی کتاب تقویت الایمان میں درج کیا ہے اور اس کو خلاف توحید قرار دیا ہے شعر یہ ہے ؎

نقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
سلمائے حدوث تو، ولیلائے قِدَم را (تقویت الایمان ص۵۷)

یہ عرفی کے ایک نعتیہ قصیدہ کا شعر ہے اس میں "سلمائے حدوث" سے مراد آنحضرت اور "لیلائے قِدَم" سے مراد اللہ تعالےٰ ہے۔ عرفی نے حدوث و قِدَم کو ایک ہی ناقہ پر بیٹھا کر اپنی شرک آمیز بات کی داد حاصل کرنی چاہی ہے۔ حضرت شہیدؒ نے نہایت سختی سے اس شعر کے مضمون کی

تردید کی ہے۔ کیا یہ حصہ بھی کتاب التوحید سے ماخوذ ہے؟ کیا محمد ابن عبدالوہاب عرفی شیرازی سے واقف تھے؟ اس کے علاوہ ایسے اور شعروں کو بھی پیش کیا ہے جنکا مضمون توحید خالص کے خلاف ہے ــــ پھر ایک بات اور پیش کرتا ہوں، وہ یہ کہ مولانا زید کا خیال ہے مولانا شہیدؒ محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے متبع ہیں، توسل کے قائل نہیں ہیں۔ آیئے میں تقویت الایمان ہی سے اس کا ثبوت پیش کرتا ہوں کہ مولانا شہیدؒ توسل کے قائل تھے [۱]

"یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے کہ اس میں یوں پڑھتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یعنی اے شیخ عبدالقادرؒ دو تم اللہ کے واسطے ــــ یہ لفظ نہ کہنا چاہیئے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادرؒ کے واسطے تو بجا ہے۔

(تقویت الایمان ص۱۵ مطبع فخر المطابع لکھنؤ)

خدا کرے اس مقام کو پڑھ کر مولانا زید اپنے قول سے رجوع فرمالیں اور یہ نہ کہدیں کہ یہ عبارت الحاقی ہے اس موقع پر میں یہ بات بھی صاف صاف کہہ دوں کہ تقویت الایمان کے نسخوں میں چاہے وہ قلمی ہوں یا مطبوعہ، الحاق کا کوئی عمل نہیں ہوا ہے البتہ کہیں کہیں الفاظ کا تغیر و تبدل ہے جس سے معنی اور مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسا مثنوی مولانا رومؒ اور گلستاں و بوستاں سعدیؒ وغیرہ سب کتب متداولہ

---

[۱] شیخ محمد اکرام اپنی کتاب "موج کوثر" میں ازقام فرماتے ہیں۔

"ان (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) میں اور شیخ محمد ابن عبدالوہاب کے پیرووں میں بعض بنیادی اختلافات ہیں، ان میں سے ایک "التوسل فی الدعا" کا مسئلہ ہے۔ ان کی نسبت مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں ــــ مثلاً خدا تعالیٰ سے استدعا کی جائے کہ بحرمت فلاں یا بحق فلاں کہہ کر ــــ تو اس توسل کو ابن عبدالوہاب نہایت شدت سے ممنوع (منع) کرتے ہیں۔ مولانا اسماعیل کے یہاں یہ توسل ناجائز نہیں ــــ اسی طرح شرک اصغر کا مسئلہ ہے جس کے عوام آئے دن مرتکب ہوتے رہتے ہیں، شیخ محمد ابن عبدالوہاب تو "شرک اصغر" اور "شرک اکبر" میں کوئی امتیاز نہیں کرتے اور دونوں کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں لیکن "شاہ اسماعیل شہیدؒ" اس امتیاز کو جائز قرار دیتے ہیں اور شرک اصغر کو گناہ کبیرہ سمجھتے اور اسکے مرتکب کی سزا دہی کے قائل ہونے کے باوجود اسے کافر نہیں سمجھتے۔ (موج کوثر بارھواں ایڈیشن، مکتبہ جدید پریس لاہور ص۶۴)

میں بکثرت پایا جاتا ہے مولانا زید نے اپنی کتاب کے ص۱ پر مولانا فضل حق خیر آبادی کی کتاب تحقیق الفتوی کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں ان علماء کے اسماء کا اندراج ہے جنھوں نے حضرت شہیدؒ کے خلاف فتوے پر دستخط کئے ہیں ان میں مولانا عبدالخالق دہلویؒ کا نام بھی ہے۔ اب آپ ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرب واعظ دہلوی بانی مدرسہ عبدالرب کی تحریر پڑھئے جس میں انھوں نے منجملہ اور اکابر دہلی کے اپنے والد کو لکھا ہے کہ وہ حضرت شاہ اسماعیل شہید سے قلبی تعلق رکھتے تھے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"مولوی اسماعیل صاحب شہید فی سبیل اللہ مہاجر الی اللہ کا حال جو اپنے والد ماجد محمد عبدالخالق مرحوم سے اور علماء سے سنا گیا وہ ایسا نہیں ہے کہ یہ صفحہ قرطاس اس کی تحریر کو وفا کرے ـــــ ان حضرات کو ان کے اشتیاق میں یہی کہتے سنا ہے

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب جنکے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اور انکے وصف قرآن شریف اور حدیث شریف سے ثابت اور ظاہر ہوتے ہیں ـــــ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ پھر ایسے شخص کو جو کافر کہے وہ کمال خسران اور ضلال میں ہے۔ یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّتُوْبَ وَیَدْعُوْا اَنْ یَّتُوْبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔

مہر عمدۃ الواعظین مولوی عبدالرب صاحب دہلوی

(محمد عبدالرب)

(سوال وجواب متعلقہ رسالہ تقویت الایمان وتذکیر الاخوان ضمیمہ تقویت الایمان ص۲۷ مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ)

مولانا شہیدؒ کے بارے میں چند اکابر ملت کی آراء

(۱) حضرت سائیں توکل شاہ نقشبندی مجددی کی سوانح عمری میں اختر نے خود دیکھا ہے کہ انھوں نے اپنی مجلس میں فرمایا ـــــ "ہم نے مولانا اسماعیل شہید کو دیکھا کہ وہ

کمبل اوڑھے ہوئے ایک سڑک پر سیدھے چل رہے ہیں" کتاب میرے پاس اس وقت نہیں اس لئے انکے ارشاد کا مفہوم نقل کیا گیا۔ انھوں نے مراقبہ میں دیکھا یا خواب میں اسکی کوئی تشریح نہیں تھی البتہ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ سائیں توکل شاہ مولانا شہید سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کو حق پر جانتے تھے۔

(۲) صوفی محمد حسین مرادآبادی مؤلف انوار العارفین جو مولانا امانت علی چشتی امروہی کے مرید تھے اپنی کتاب میں حضرت سید احمد شہید اور مولانا محمد اسماعیل شہید کا ذکر بڑی عقیدت سے کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے بچپن میں ان دونوں بزرگوں کو دیکھا تھا جبکہ ان کا قافلہ مرادآباد آیا تھا۔

(۳) امروہہ کی خانقاہ صابریہ ہادویہ سے بھی سید احمد شہید اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید کے بہت زیادہ روابط تھے جہاد کی تیاری کے وقت ایک گشتی مراسلہ اس خانقاہ میں بھی آیا تھا۔ حضرت شاہ عبدالباری صدیقی چشتی امروہی کے خلیفہ سید عبدالرحیم ولایتی بھی سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی جماعت حقہ کے ساتھ تھے اور ان ہی کے ہمراہ جہاد بالاکوٹ میں شرکت کر کے شربتِ شہادت نوش فرمایا:۔

(۴) محدث دارالہجرۃ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی نے ضمیمۂ مقامات مظہری میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے اور شہید لکھا ہے یہ دونوں بزرگ انکے دادا شاہ صفی القدر کی تجہیز و تکفین میں موجود تھے۔ اور ضمیمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو شاہ صفی القدر سے بڑا ربط و تعلق تھا۔ اور عجب نہیں کہ ان دونوں میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھائی ہو۔

ان کے علاوہ بہت سے علماء اور مشائخ و اکابر ملت کی عبارتیں تلاش سے پیش کی جا سکتی ہیں فی الحال اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کو برا کہنے والے یا تو رافضی تھے یا اہل بدعت۔ نام نہاد سنی حنفی اہلِ بدعت کے دربارۂ سید احمد شہید و مولانا محمد اسماعیل شہید ناگفتہ بہ کلمات کے بہت سے نمونے تو نظر سے گذرے ہوں گے آیئے اس موقع پر ہم ایک شیعی رافضی کے جذبات بھی جو ان دونوں کے بارے میں ہیں پیش کرتے ہیں دیکھئے محمد رضا طباطبائی شیعی نے مظاہر الادیان میں ان دونوں بزرگوں کے متعلق کیا تبرا فشانی کی ہے

لہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شان میں اس گستاخ نے جو دریدہ دہنی (آئندہ صفحہ پر)

یہ کتاب ۱۲۳۳ھ میں لکھی گئی ہے اور اسکی نقل امروہہ کے ایک شیعہ علیم دار خاں ساکن محلہ گذری نے شعبان ۱۲۷۱ھ میں کی ہے۔ مؤلف انگریزوں کا خاص آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اسکی رسائی دہلی اور لکھنؤ کے انگریز حکام سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، مؤلف نے اپنی اس کتاب میں دیانتداری کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنیکو اپنا کمال سمجھا ہے۔ بہت سی تاریخی غلطیاں اس میں موجود ہیں جو تاریخ و تذکرہ کے واقف ناظرین کو بآسانی معلوم ہوسکتی ہیں۔ شہیدین کے بارے میں جو اپنی تحقیق پیش کی ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے "در ذکر سید احمد و مولانا محمد اسماعیل و مولانا عبد الحئی بڈھانوی" یہ عنوان قائم کر کے طباطبائی لکھتا ہے:۔

اصل دین ایشاں بہ مذہب حنفی و ملت وہابی است و با وجود آں از ہمہ علیحدہ است۔۔۔ ہیچک نبی را در عبادت نام نبرند اللھم صل علی در نماز نہ گویند زیرا (کہ) می گویند نبی ما و قتیکہ در قید حیات بود نبوت او را بودہ بعد از ممات، نبوت از ورفت۔۔۔۔۔ کرامات انبیاء و اولیاء از ذات آنہا متعلق بود مادام حیات و بعد ازاں کرامت نیست۔۔۔۔ نہ در قبر رسول در مدینہ شریف است، ونہ در نجف و کربلا، و نہ در بغداد برائے غوث الاعظم رح و نہ در اجمیر و دہلی برائے خواجہ بزرگ و خواجہ قطب و غیرہم۔

ان کا اصلی دین مذہب حنفی اور ملت وہابیہ ہے اس کے باوجود سب سے علیحدہ ہے۔۔۔۔۔ اپنی عبادت میں کسی نبی کا نام نہیں لیتے ہیں اور اللھم صل علی نماز میں نہیں کہتے ہیں یعنی درود نہیں پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں، ہمارے نبی جس وقت حیات تھے نبوت ان کے پاس تھی انتقال کے بعد ان سے نبوت چلی گئی۔۔۔۔۔۔۔ انبیاء، اولیاء کی کرامات انکی ذات سے متعلق تھیں جب تک وہ زندہ رہے اس کے بعد کرامت نہیں ہے۔۔۔۔۔ نہ مدینہ شریف میں قبر رسول کے اندر کرامت ہے اور نہ نجف و کربلا میں اور نہ بغداد و اجمیر و دہلی میں۔

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ) اور زہر افشانی کی ہے اس کو زبانِ قلم پر نہیں لایا جا سکتا۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ پہلے انکی بھرپور تعریف کرتا ہے پھر ایسی تصویر کھینچتا ہے جس سے لوگوں کو انکی شخصیت سے نفرت ہو جائے۔ اس نے بہادر شاہ ظفر کی بھی اس مناظرہ میں شرکت بتائی ہے حالانکہ دوسری معتبر روئیدادوں سے انکی شرکت ثابت نہیں۔ جہاں اور بہت سی غلط باتیں اس مناظرہ کی طرف منسوب ہو گئیں ہیں ایک یہ بھی انھیں میں سے ہے۔

آگے عنوان "ذکر مولوی عبدالحئی و مولوی اسماعیل و سید احمد و اختراع مسلک جدید" کے تحت لکھتا ہے:۔

مولوی عبدالحئی نام، شخصے بود از متوطنان قصبات نواحی سہارنپور، در..... سہارنپور میان مسجد متوقف بود و مردم را درس می کرد....... دراں مسجد تربیت از کاغذ و تیغ نیزہ کہ در ایام عشرہ محرم آں را آراستہ بمجلس عزا سید الشہداء ..... می نہادند بعد ایام عشرہ محرم آں را برداشتہ در مسجد بگوشہ نہادہ بود۔ ایں مولوی عبدالحئی آں چوب نیزہ و کاغذ را ہیچ کارہ تصور نمودہ بگرفت و در آتش انداختہ، از آں آب گرم ساختہ، تا غسل نماید۔ شیعان سہارنپور، بدریافت آں بد پژدہ، زبان طعن در آں دراز کردند...... اہل بلدہ اتفاق نمودہ بر مولوی بلوہ کردند..... از طرفین کساں فراہم آمدند۔ صورت پرخاش از گفتگوئے لسانی در گذشتہ۔ حکام آں جا کہ از اقوام انگلیشیہ اند و فساد را درست نمی دارند، اہل کاراں و کوتوال شہر را فرستادہ بمدافعت آں آتش فتنہ خواستند، و چوں دیدند کہ حق بجانب شیعان و اہل بلدہ است و مولوی سخن تازہ حادث کردہ است کہ بسوختن تعزیہ امر می نماید۔ لہذا اقرار برآں دادند کہ مولوی عبدالحئی را از سہارنپور خارج نمایند و رفع بلوہ سازند پس عبدالحئی

مولوی عبدالحئی نام کا ایک شخص تھا جو نواحی سہارنپور کے ایک قصبہ (بڈھانہ) کا متوطن تھا. ..... سہارنپور کی ایک مسجد میں ٹھہرا ہوا تھا اور لوگوں کو درس دیتا تھا..... اس مسجد میں ایک کاغذی تعزیہ اور نیزہ کے بانس رکھے ہوئے تھے۔ ان کو ایام عشرۂ محرم میں سجا کر امام باڑہ میں رکھتے تھے اور عشرۂ محرم کے بعد ان کو وہاں سے اٹھا کر پھر مسجد میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اس مولوی عبدالحئی نے اُس چوب نیزہ اور کاغذ تعزیہ کو واہیات سمجھ کر انکو آگ میں ڈال کر پانی گرم کیا اور غسل کیا۔ شیعان سہارنپور نے اس بدخواہ کو معلوم کر کے زبان طعن دراز کی..... اہلِ شہر نے اتفاق کر کے مولوی مذکور پر ہجوم کیا ..... طرفین سے بہت سے اشخاص جمع ہو گئے صورت پرخاش زبانی گفتگو سے آگے بڑھ گئی تو سہارنپور کے حکام نے جو کہ انگریز ہیں اور فساد کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں اہل کاروں کو اور کوتوال شہر کو بھیج کر اس آتش فتنہ کو دفع کرنا چاہا اور جب انہوں نے دیکھا کہ حق بجانب شیعان اور اہل بلدہ ہیں مولوی نے نئی بات نکالی ہے کہ تعزیہ کے جلانے کا حکم دیتا ہے۔ لہذا انھوں نے یہ بات طے کی کہ مولوی عبدالحئی کو سہارنپور سے نکال دیں اور بلوہ رفع کریں پس عبدالحئی وہاں سے

ازاں جا اخراج کردہ شد — وقتیکہ عبدالحیٔ
ازیں جا و مولوی اسماعیل از شاہجہاں آباد
بہ اخراج درآمدند، ہر دو کس باخود اتفاق
نمودہ ہر طرف کہ می رسد عمل انگریز بود، نام
خود را بر زبانہا جاری دیدہ جز عملداری بیگم
شمرو ہیچ جا پناہ نیافتہ مفسد مفسد مشہور
شدند پس درپئے اظہار مسلک جدیدہ گردیدہ
بتلاش یار و مددگار ساعی شدند تا اینکہ رفتہ
رفتہ میان ایشاں و سید احمد مذکور ملاقات
شد۔ ایں اصحاب ثلاثہ یکجا گردیدہ۔

نکالا گیا۔ جس وقت کہ عبدالحیٔ اس جگہ
(سہارنپور) سے اور مولوی اسماعیل شاہجہاں آباد
(دہلی) سے نکال دیئے گئے ان دونوں نے آپس
میں گٹھ جوڑ کر لیا۔ جہاں بھی پہونچے تھے انگریز
کی عملداری تھی سب لوگوں کی زبانوں پر اپنا نام
آتا دیکھ کر بیگم شمرو کی عملداری (سردھنہ) کے
علاوہ کسی جگہ اپنا پناہ نہیں پایا۔ ہر جگہ ان کو
مفسد مفسد کہہ کر پکارا جاتا تھا پس وہ دونوں
اپنے مسلک جدید کے اظہار کی خاطر یار و مددگار
کی تلاش میں کوشاں ہوئے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ
ان دونوں اور سید احمد کے درمیان ملاقات ہوئی
اور یہ اصحاب ثلاثہ یکجا جمع ہو گئے۔

نیز ایک دوسرے مقام پر طباطبائی لکھتا ہے:۔

انجام کار بعد وفات نمودن مولوی عبدالعزیز
کہ دراں روز زیادہ از صد ہزار مردم از خواص و
عوام شاہجہاں آباد (دہلی) بر جنازۂ او حاضر
بودند۔ بعد از مراجعت جنازہ امرے دیگر
پیش آمدہ وآں اینکہ میان شاگردان و تلامذہ
او شاں نفاق عارض گردید، دو فرقہ شدند۔
چوں شاہ عبدالعزیز اولاد ذکور نداشت
از ورثاء خواہر زادگان[1] و داماد وغیرہ بودند،
بر متروکۂ آں متوفی ایشاں را نزاع درافتاد
از جملہ خواہر زادگان، مولوی اسماعیل وغیرہ
چند کس یک طرف شدند۔ مردم چند از تلامذہ

انجام کار بعد وفات مولوی عبدالعزیز کہ انکی
وفات کے دن دہلی کے ایک لاکھ سے زیادہ خاص و
عام (آدمی) انکے جنازہ میں شریک تھے، دفن کے
بعد ایک امر دیگر پیش آیا وہ یہ کہ، انکے شاگردوں کے
درمیان نفاق اور مخالفت واقع ہو گئی اور
دو فرقے ہو گئے۔ کیونکہ شاہ عبدالعزیز نرینہ اولاد
نہیں رکھتے تھے، انکے ورثاء میں سے خواہر زادگان[1]
وغیرہ تھے۔ متوفی کے ترکہ پر ورثاء میں اختلاف
ہو گیا۔ تمام خواہر زادگان میں سے مولوی اسمٰعیل
وغیرہ ایک طرف ہو گئے۔ شاہ عبدالعزیز کے
شاگردوں میں سے چند آدمی انکے ساتھ ہو گئے اور

---

[1] خواہر زادگان غلط لکھا ہے۔ برادر زادگان ہونا چاہیے۔

ہمراہی ایشاں اختیار نمودند — و مولوی
اشرف کہ عمدۂ تلامذہ شاہ عبدالعزیز بودہ،
خود یکطرف گردیدند۔ مدارِ مخالفت میان
ہر دو بر مصنفات شاہ عبدالعزیز واقع شد،
یکے می گفت کہ ہر چہ او نوشتہ است درست
است و بر روایات صحیح جمع آوردہ — و فرقہ
ثانی می گفت کہ در اکثر تصانیف او، احادیث
وضعی آمدہ است محض از دنیا سازی نوشتہ،
گاہ تائید شیعہ کردہ و گاہ تائید اہلِ سنت نمودہ۔
مذہب عبدالعزیز مذہب اہلِ دنیا بود و طرفین
از روئے کتب آئمہ خود، در ردِّ دیگرے و اثبات
تقریر خود، متکلم گردید نوبت قضایا در افتاد۔
در جامع مسجد شاہ جہاں آباد مناظرہ میان
اینہا قرار گرفت —— ولی عہد حضرت بادشاہ
و سرداران ایں دیار و تمامی اعزہ و اکابر شہر
جمع گشتند و از طرف حکام طلباء مستعد وقت
مثل مولوی رشید الدین و میر خلیل الدین
وغیرہم مقرر گشتند و چند روز مناظرہ[1] ماند۔
تا اینکہ مولوی اشرف را غلبہ رو داد و مولوی
اسماعیل مفسد و فتنہ پرداز قرار یافت از شہر
اخراج کردہ شدند — اہل شاہ جہاں آباد
جملہ اطاعت مولوی اشرف کردند۔

مولوی اشرف جو کہ شاہ عبدالعزیز کے بڑے
اچھے شاگرد تھے، ایک طرف ہو گئے — مدارِ
مخالفت دونوں کے درمیان شاہ عبدالعزیز
کی تصانیف پر تھا — ایک کہتا تھا کہ جو کچھ
انھوں نے لکھا ہے صحیح لکھا ہے اور روایات صحیحہ
سے مضامین کو جمع کیا ہے اور دوسرا گروہ کہتا
تھا کہ انکی اکثر تصانیف میں موضوع حدیثیں
آگئی ہیں — انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، دنیا
سازی سے لکھا ہے — کبھی تو شیعوں کی تائید
کی اور کبھی اہلِ سنت کی۔ مذہب عبدالعزیز
مذہب دنیا تھا (نعوذ باللہ) اور طرفین اپنے
بزرگوں کی کتابوں کی رو سے دوسرے کے رد
میں اور اپنی تقریر کے اثبات میں گفتگو کرنے لگے۔
جھگڑے کی نوبت پیش آگئی۔ دہلی کی جامع مسجد
میں ان دونوں گروہوں کے درمیان مناظرہ
قرار پایا — حضرت بادشاہ کے ولی عہد
(بہادر شاہ ظفر) اور شہر کے بڑے بڑے لوگ اور
شہر کے تمام اکابر جمع ہوئے حکام کی طرف سے
مستعد طلباء مثل مولوی رشید الدین اور میر
خلیل الدین مقرر ہوئے اور چند دن[1] مناظرہ ہوا
یہاں تک کہ مولوی اشرف کو فتح حاصل ہوئی
اور مولوی اسماعیل مفسد و فتنہ پرداز قرار
پائے اور شہر سے ان کا اخراج کر دیا گیا۔

مجھے مولانا زید کی پوری کتاب کا جواب دینا نہیں ہے، اس مقالہ کی تحریر سے

---

[1] ایک دن صرف چند گھنٹے مناظرہ ہوا۔

میرا مقصود حضرت اسماعیل شہیدؒ کا اجمالی دفاع کر کے مناظرہ جامع مسجد دہلی جو ۱۲۴۰ھ میں مابین مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ اور مولانا عبدالحئی صاحب بڈھانویؒ ہوا۔ اسکی صحیح روئیداد پیش کرنا ہے۔ مولانا زید نے اس مناظرہ میں شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کو مولانا رشید الدین خاںؒ کا مقابل ٹھہرایا ہے اور مناظرہ میں ان ہی کو ایک فریق کی طرف سے مناظر و متکلم قرار دیا ہے ۔۔۔ اور چودہ سوالات جو اس مناظرہ میں مولانا رشید الدین خاں کی جانب سے پیش کئے گئے تھے، ان چودہ سوالات کا جواب بھی جو کچھ دیا گیا اسکو شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مولانا زید نے ان چودہ سوالات کے جوابات کو مولانا شہید کی مستقل تالیف بتایا ہے، چنانچہ اپنے دوسرے مکتوب میں احقر کو تحریر فرماتے ہیں :-

"آپ نے (یعنی حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے) صرف چودہ سوالات جو مولانا رشید الدین خاں صاحب نے کئے تھے اور ان کے جوابات جو مولانا اسماعیل نے لکھے تھے۔ چہاردہ مسائل کے نام سے رسالہ کی شکل میں لکھے ہیں۔ اور یہ نسخہ حضرت شاہ احمد سعید کے وقت کا قلمی میرے پاس ہے"۔۔۔۔۔۔
(۱۴ ستمبر ۱۹۸۴ء)

حقیقت یہ ہے کہ ان چودہ سوالات کے جوابات مولانا عبدالحئی صاحب بڈھانویؒ کی طرف سے دیئے گئے ہیں۔ معلوم نہیں کس وجہ سے یہ جوابات حضرت شاہ اسماعیل کی طرف منسوب ہو گئے۔ مجھے خانقاہ قلندریہ لاہرپور کے کتب خانہ میں ایک قلمی نسخہ ملا جس میں خود مولانا عبدالحئی بڈھانوی کی تحریر فرمائی ہوئی روداد موجود ہے۔ اس روداد میں مولانا بڈھانویؒ نے مناظرہ کے واقعات کو صحیح طریق پر خود تحریر فرمایا ہے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کتاب میں جو روئیداد درج ہے (جو فارسی میں ہے) اس کا اردو ترجمہ کر کے ناظرین الفرقان کے سامنے پیش کر دوں۔ اس میں جو روئیداد لکھی گئی ہے اس سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ مناظرہ دوسرے فریق سے مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ نے کیا ہے ۔۔۔ مناظرہ میں اگرچہ ہزارہا باشندگان دہلی موجود تھے، لیکن جو حضرات نمایاں اور ممتاز تھے ان کے اسماء خاص طور پر اس روئیداد میں درج کر دیئے گئے ہیں ۔۔۔
حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ کا نام نامی باوجودیکہ وہ ممتاز دینی شخصیت رکھتے تھے، اس روئیداد میں موجود نہیں ہے، لہذا ان کے نسخہ مکتوبہ میں جو جوابات مولانا اسماعیل شہید

کی طرف منسوب کئے گئے ہیں غالباً وہ انھوں نے کسی سے سن کر منسوب کئے ہونگے معلوم ہوتا ہو اُس وقت عوام میں کسی وجہ سے یہی غلط شہرت ہوگئی تھی کہ یہ مناظرہ مولانا رشید الدین خاں صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب کے مابین ہوا۔[1]

خانقاہ قلندریہ لاہرپور کے نسخہ خطبہ میں مولانا عبدالحی صاحبؒ بڈھانوی کی لکھی ہوئی روداد کے علاوہ دو رسالے اور ہیں جن میں اسی مناظرۂ جامع مسجد دہلی کی تفصیلی اور اجمالی روئیداد درج ہے۔ ان میں بھی چودہ سوالات کا جواب دہندہ مولانا عبدالحیؒ صاحب بڈھانوی کو لکھا ہے اور دستخط کنندگان میں بھی حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کا نام نہیں ہے۔ یہ واضح رہے کہ ان دونوں رسالوں کا مرتب کوئی ایسا شخص ہے کہ جو بین بین ہے اور کم از کم اس کو مولانا رشید الدین خاں صاحب دہلویؒ کے جذبات سے اختلاف نہیں ہے اس روئیداد میں صاف طور پر لکھا گیا ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ، سوال و جواب کے وقت آگئے تھے۔ مولانا عبدالحیؒ بڈھانویؒ نے انکو گھر جانے کے لئے کہا۔ اس روئیداد کے الفاظ یہ ہیں "مولوی عبدالحیؒ بمولوی اسماعیل صاحبؒ فرمودند کہ برادر اشما بمکان خود بروید، ہرچہ شدنی است بر سر من خواہد گذشت۔ شما چرا تکلیف می کشید" (ترجمہ۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب نے مولانا اسماعیل شہیدؒ سے فرمایا کہ آپ مکان تشریف لے جایئے جو کچھ گذرنا ہے، میرے سر پہ گذر یگا۔ آپ کیوں تکلیف اٹھائیں) جب مولانا اسماعیل شہید اس مجمع سے واپس جانے لگے تو ایک مخالف نے ان سے کہا کہ تھوڑی دیر تشریف رکھئے۔ آپ کے بھی دستخط اس تحریر پر ضروری ہیں تو یہ کہکر وہ چلے گئے "میں کسی کا پابند نہیں ہوں کہ یہاں بیٹھوں"۔

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب کے کتب خانہ میں بھی دوسری قلمی روئیداد موجود ہے اس کا مرتب مولانا برہان الدین ولیویؒ کو بتایا گیا ہے اس میں بھی مولانا عبدالحیؒ کو جواب دینے والا بتایا گیا ہے۔

غرضکہ کسی معتبر روئیداد سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل

---

[1] اس وقت کے جاہل مسلمانوں میں پھیلی ہوئی مشرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف اصلاحی جدوجہد میں چونکہ اصل قائد کی حیثیت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تھی اس لئے عوام میں اس طرح کی غلط شہرت ہو جانا کچھ بھی مستبعد نہیں ہے۔ (ادارہ الفرقان)

شہیدؒ نے ان چودہ سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ جو مولانا زید کے رسالہ میں مولانا شہیدؒ کے نام سے درج کیے گئے ہیں[۱]۔

اب حضرت مولانا عبدالحئیؒ کی تحریر فرمائی ہوئی روداد نذر ناظرین کرام کی جاتی ہے۔

---

[۱] اس سلسلہ میں آخری اور قطعی فیصلہ کن بات یہ ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے (جو شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے شدید ترین دشمن ہیں) اپنی کتاب "سیف الجبار" میں تقریباً ۳-۴ صفحوں میں جامع مسجد دہلی کے اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے، انھوں نے بھی مولانا رشید الدین صاحب کے سوالات کا جواب دینے والا مولانا عبدالحئیؒ صاحب کو لکھا ہے، اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کے متعلق صراحۃً لکھا ہے کہ جب وہ جانے لگے تو انکے کسی مخالف نے ان سے کہا کہ آپ بھی بیٹھئے، آپکے بھی دستخط کرانے ہیں۔ تو انھوں نے کہا میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں اور چلے گئے، الغرض وہ مناظرہ میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ (سیف الجبار از ص۵۱ تا ۵۴)

شاہ اسماعیل شہیدؒ کے جواب کے یہ نامناسب الفاظ کہ "میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں" مولوی فضل رسول بدایونی صاحب نے لکھے ہیں جو انکے مزاج اور شاہ شہیدؒ کے خلاف ان کے جذبۂ عناد کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہم گمان نہیں کرتے کہ شاہ شہیدؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے تربیت یافتہ بھی ہیں اس موقعہ پر ان کی زبان سے بے تمیزی کا یہ جملہ نکلا ہو۔ واللہ اعلم۔ (نعمانی)

فیضانِ نسیمؒ

از افسر امروہوی تلمیذ خاص حضرت مولانا فریدیؒ

اپنے آقاؐ کی غلامی جزوِ ایمانِ نسیمؒ
اس میں ہی مضمر ہے ساری عظمت و شانِ نسیمؒ

جب بھی چاہا گنبدِ خضرا کو دیکھا در تک
کون سی منزل میں تھا شوقِ فراوانِ نسیمؒ

زہد ہو، ایثار ہو، تقویٰ ہو یا حسنِ عمل
آئے گا ایک ایک عنواں زیرِ عنوانِ نسیمؒ

پیار کا شفقت کا یہ انداز تو دیکھے کوئی
ہم میں سے ہر ایک خود کو سمجھے ہے جانِ نسیمؒ

ہے اگر تعریف کے قابل نبیؐ کی خاکِ پا
ہر ثنا خوانِ پیمبر ہے ثنا خوانِ نسیمؒ

محفلیں نعت و مناقب کی سجیں گی حشر تک
حشر تک جاری و ساری ہے یہ فیضانِ نسیمؒ

نعت ہو تو مدحتِ اصحابِ پیغمبرؐ بھی ہو
اہلِ سنت بھول مت جانا یہ فرمانِ نسیمؒ

کون کہتا ہے کہ میرے سر سے سایہ اٹھ گیا
میں قیامت تک ہوں افسر زیرِ دامانِ نسیمؒ

حضرت مولانا عبدالحیؒ کی تحریر فرمائی ہوئی روداد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ بندہ عبدالحیؒ عفی عنہ (ابن ہبۃ اللہ ابن شاہ نور اللہؒ) کہتا ہے کہ بروز سہ شنبہ آخر ماہ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ میں شہر شاہ جہاں آباد (دہلی) کی جامع مسجد کے اندر اس بندۂ ضعیف اور دہلی کے بعض بڑے علماء کے درمیان چند مسائل کا مذاکرہ ہوا، اُس تاریخ سے اس وقت تک کہ آخر ماہ رجب ۱۲۴۰ھ ہے (یعنی ۳ ماہ ہوگئے ہیں) ان مسائل مذکورہ کا تقریراً و تحریراً اہتمام کرنے کا خیال نہیں تھا۔ بروز پنجشنبہ ۱۹ رجب المرجب سنہ مذکور کو مولوی غلام مصطفےٰ صاحب موضع پھلت پرگنہ کھاتولی علاقہ میرٹھ میں مظفر نگر سے پہونچے۔ تین رات موضع مذکور (پھلت) میں انھوں نے قیام کیا۔ انھوں نے دوران ملاقات میں بیان کیا کہ "ایک شخص نے مناظرہ جامع مسجد دہلی کی روداد رسالے کی شکل میں لکھی ہے اور وہ رسالہ رائج ہوگیا، چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس بھی پہونچا۔"

مولوی غلام مصطفےٰ صاحب نے اپنی یادداشت کے مطابق اس رسالہ سے جو کچھ بھی مضمون بیان کیا، اس سے گمان ہوا کہ صاحب رسالہ کے ہاتھ سے (صحیح طور سے) اظہار واقعہ کا دامن چھوٹ گیا۔ اگرچہ وہ واقعہ مفصل اور مرتب طور پر میرے دل میں بھی بعینہٖ محفوظ نہیں ہے، مگر ہر شخص اپنی سرگذشت کو دوسروں کے مقابلہ میں بہتر جانتا ہے۔ بسا اوقات ایک لفظ کے فرق سے اصل مطلب میں فرق آجاتا ہے اور ناواقف آدمی اس پر آگاہ نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اس تفاوت لفظی کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو نقصان پہونچ رہا ہے، میرے ناقص حافظے میں جو کچھ بھی اس وقت موجود ہے اس کو تحریر کرنا مناسب سمجھتے ہوئے اس مباحثہ کی روئیداد کو چند تمہیدوں، ایک مقصد اور ایک خاتمہ کے ساتھ میں نے مرتب کیا ہے۔

تمہید اوّل۔ اس ملک ہند کے رہنے والوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حالت پہلے کے مقابلہ میں نیکی و صلاح سے بدل گئی ہے۔ جو لوگ اپنے زعم باطل میں رسوم زائدہ اہتمام شادی و غمی، عرسوں، مجلسوں کے اندر پیروں اور پیغمبروں کے نام سے کرتے تھے اور ایام محرم

میں گریہ و ماتم کا اظہار، دین متین کے ارکان کی برابر جانتے تھے اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ اموال و اوقات کو صرف کر کے اُن رسوم کو انجام دیتے تھے، اور حقیقی ارکان دین یعنی اپنے روزہ، نماز، حج و زکوٰۃ کو اس طرح معطل مانتے تھے، گویا کہ وہ تمام ارکان دین، انکے خیال باطل میں پرانی جنتری کی طرح سے ہیں کسی جگہ ایک دو اور کسی جگہ سیکڑوں آدمی اپنی سابقہ غفلت سے باز آگئے اور اپنے اندر نمایاں فرق محسوس کر کے احکام دینِ اسلام کی پیروی کی جانب راغب ہوئے ہیں، یہ تفاوت ہر شخص اور ہر شہر میں ہونا ہماری مراد نہیں ہے، بلکہ بہیئت مجموعی یہ تفاوت ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے اعضاء میں گٹھیا کا مرض لاحق ہو جائے اور پھر کسی ایک عضو میں درد کے اندر سکون محسوس کرے تو وہ شخص کہے گا کہ مجھکو پہلے کے مقابلہ میں افاقہ ہے، اس موقع پر تفاوت حال سابق سے ہماری جو مراد ہے وہ اس مثال سے واضح ہے۔

تمہید دوم :- دنیا میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے مربوط و متعلق ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ، اپنے تصرفات میں کسی کا محتاج نہیں ہے، لیکن اسکی حکمت، جو سلسلۂ اسباب کے انتظام کا تقاضہ کرتی ہے، ہر کام کیلئے کچھ اسباب ظاہر کرتی ہے، اس سعادتمند شخص کا کیا کہنا کہ عنایت الٰہیہ اسکو صلاح و خیر کا سبب بنادے۔ بنابریں، تمہید اول میں جو بیان گزرا اُس سلسلہ میں، کچھ اشخاص کو لوگ ملت کے مسائل کا بیان کنندہ سمجھتے ہیں اور وہ اشخاص اپنی وسعت و طاقت کے مطابق (حسب توفیق و حسب طاقت) مسائل کا اظہار کر دیتے ہیں چنانچہ بعض مسلمانوں نے احقر کو اپنے گمان میں اسی درجہ کا پایا، لہذا بہت سے استفسارات مجھ سے کرتے ہیں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں، بیان کر دیتا ہوں۔

تمہید سوم :- چونکہ لوگوں کے حال میں تغیر و فرق آگیا ہے اور انکے حالات رو بہ اصلاح ہو گئے ہیں اس لئے گویئوں، شراب فروشوں، ہنگامہ اور خانہ جنگی کرنیوالوں کے کاموں میں خلل واقع ہو گیا ہے، کبھی رشوت خوروں کو بھی (رشوت کا بازار سرد ہو جانیکی وجہ سے) تہی دستی پیش آجاتی ہے، اور جرائم پیشہ لوگوں کو مختلف میلوں اور عرسوں کے جھگڑوں کے مواقع میسر نہیں آتے ہیں اور اپنی تہی دستی رفع کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں پاتے۔ کبھی کبھی ان غلط کار گروہوں کو ایسا شبہ ہونے لگتا ہے کہ ہماری تہی دستی و مفلسی و کساد بازاری کا سبب یہ ہے کہ لوگوں کے اندر جرائم کی کمی واقع ہو گئی ہے، اور چونکہ اللہ جل شانہ کے تصرفات سے

انکو ناواقفیت ہے اس لئے وہ جرائم میں کمی کا باعث اِن اشخاص کو سمجھتے ہیں (جو مسلک اہلِ حق پر ہیں) اور وہ اُن اہلِ حق سے مخالفت کرتے ہیں اور انھیں ایذاء پہونچاتے ہیں۔

تمہید چہارم :۔ اہلِ باطل کی کم سے کم درجہ کی مخالفت اور ایذاء رسانی یہ ہے کہ اہلِ حق کا ذکر بُرے القاب و الفاظ سے کرتے ہیں اور وہ عنوان جو اس علاقہ میں بد سے بدتر ہوتا ہے، اُس عنوان سے ان اہلِ حق کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ اہلِ شریعت کے شارحین کو وہ وہابی کہتے ہیں اور غالباً رسالہ مذکورہ میں جو کچھ درج کیا گیا ہے وہ عوام کی زبان سے سنکر ہی درج کیا گیا ہے لیکن مشہور مثل ہے "مخالفاں را ہوئے بس است" مخالفین، اتنی سی بات کو بھی غنیمت سمجھتے ہیں (کہ عوام سے نقل کر کے رسالہ تیار کیا جائے اور مخالفت کی بات چلائی جائے) میں نے خود اہلِ باطل کو استاذ جہانیاں حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالےٰ پر رفض کی تہمت لگاتے ہوئے سنا ہے، اور لکھنؤ میں جامع العلوم مولوی محمد حسن علی صاحب سے جو حال معلوم ہوا، اسکو یہاں نقل کرتا ہوں۔ مولوی صاحب موصوف کو شہر لکھنؤ کے اہلِ علم اور وہاں کے معزز و مقتدر حضرات بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ایک مکتوب شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مولوی صاحب موصوف کے قلم سے نقل کیا ہوا، احقر کے پاس اس وقت موجود ہے۔ اس تحریر کا عنوان یہ ہے۔

نقل[1] مکتوب جناب افادت مآب حضرت شاہ عبد العزیز صاحب مد ظلہ بفدوی خاص محمد حسن علی الہاشمی

ترجمۂ مکتوب عزیزی۔

مولوی صاحب عالی مراتب، مجمع فضائل و مناقب سلمہ اللہ تعالےٰ و افاض علیہ برکاتِ متوالی، بعد سلام و دعا ــــ واضح ہو کہ رقیمہ کریمہ بہجت ضمیمہ وصول ہوا، جس سے مسرت حاصل ہوئی اور خیریت معلوم کر کے دلِ منتظر کو تسلی ملی، لیکن اس فقیر کی نسبت تہمت رفض کی اشاعت سے جو کہ معاندین اور بیگانہ و یگانہ کی طرف سے

---

[1] یہ مکتوب گرامی مولانا محمد حسن علی محدث لکھنوی کے ایک عریضہ کے جواب میں ۱۲۳۷ھ میں صادر ہوا تھا۔ انھوں نے اپنے عریضہ میں مخالفین کے شبہات کو حضرت شاہ عبد العزیز کی خدمت میں پیش کر کے ان شبہات کا ازالہ و رد چاہا تھا۔ ماہ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ میں اسکی نقل مولانا عبد الحی صاحب بڈھانوی کو بھیجی گئی۔

ہوئی ہے، پہلے پہل بے انتہا ملال ہوا، اسکے بعد اس بات پر نظر کر کے (صبر آگیا) کہ زمانہ قدیم سے یہ ہوتا آیا ہے کہ تہمت ہائے باطلہ نصیب مشائخ کرام و اولیاء عظام ہوتی ہیں، چنانچہ ایک عربی شاعر نے کہا ہے ؎

قیل ان اللّٰہ ذوولد وان الرسول قد کہنا

مانجی اللّٰہ والرسول معاً من لسان الوریٰ فکیف أنا

(ترجمہ) کہا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ صاحب اولاد ہے (جیسا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالےٰ کا بیٹا بتاتے ہیں) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کاہن ہیں (جیسا کہ کفارِ مکہ نے کہا) — جبکہ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معاندین ومخالفین کی زبان درازیوں سے نہ بچے تو میں کس شمار میں ہوں۔

پس اگر یہ فقیر بھی ان عظیم الشان ہستیوں کے اتباع میں اس بلا میں مبتلا ہو جائے تو کیا تعجب ہے؟ مشکل تو یہ ہے کہ یہ حقیر آغاز ماہِ شعبان سے خطرناک امراض میں مبتلا ہو گیا ہے۔ رات و دن میں اکثر بے حواسی و بے قراری طاری ہو جاتی ہے، دوستوں اور محبتوں کے مکتوبات گرامی کے سننے کا بھی موقع میسر نہیں آتا، چہ جائیکہ مفصل جوابات دیئے جائیں اور طویل سوالات کو حل کیا جائے۔

مختصر یہ ہے کہ ۱۲ گھڑی کے فاصلہ سے بہت تھوڑی غذا استعمال کی جاتی ہے۔ اسکے بعد بوجھ، اور جی متلانا بہت رہتا ہے، جب ہضم اخیر کی نوبت آتی ہے تو تکلیف پہونچانے والے ریاح اس طرح اٹھتے ہیں کہ انتہائی بے قراری و بے تابی ہو جاتی ہے اور قوی بہت زیادہ گر جاتے ہیں، اس ضعف کے باوجود دن رات میں دو آدمی تقریباً دو میل کشاں کشاں گھماتے ہیں۔ اس حالت میں طویل خطوط کا مطالعہ کس طرح ممکن ہے؟ اور مفصل جوابات کا لکھنا تو ممتنعات سے ہے۔

اسی بناء پر آپ کے سابقہ مکتوب کا جواب لکھنے میں بھی تاخیر واقع ہوئی۔ میر ہاشم کے مکتوب کا جواب بھی نہ دے سکا۔ ان کو بھی بعد سلام میرا یہی عذر پہونچا دینا چاہیئے، انشاء اللہ تعالےٰ اس کے بعد مخالفین کے طعنوں کا جواب اس جواب کے ساتھ جسکو مولوی رشید الدین دہلوی نے تحریر کیا ہے نقل کرا کے بھیج دیا جائیگا۔ اس وقت مسلسل بارش اور معتبر قاصد کے نہ ملنے کی وجہ سے

احتیاطاً اس کا بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ علاوہ ازیں اس خبیث عقیدہ (رفض) کی نسبت اس فقیر کے ساتھ کرنا جو کہ خاندان محدثین سے تعلق رکھتا ہے اور چشتیہ نقشبندیہ، قادریہ کے پاک درختوں کا خوشہ چیں ہے ہرگز کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایسی بات وہ کہہ سکتا ہے کہ جسکی فرط عناد نے چشم ادراک کو نابینا کر دیا ہو اور گوش حق نیوش کو بہرا کر دیا ہو فقیر کا سُنّی ہونا اس حد تک مشہور آفاق ہے کہ شیعت کی تہمت مجھ فقیر پر رکھنا کھلا ہوا بطلان ہے۔

بود گمان ترفض بایں فقیر چناں
کہ کس بدیدۂ بینا خود برد انگشت

(ترجمۂ شعر) "اس فقیر کی جانب رفض کا گمان کرنا ایسا ہے جیسا کسی بینا کی آنکھوں میں انگلی ڈالنا"۔

اس وقت اتنی طاقت نہیں رہی کہ مزید املا کرایا جائے۔ والسلام علیکم وعلی جمیع المحبّین خصوصاً سید ابو عبید اللہ محمد رضائی وسید محمد ہاشم کو سلام۔

تحریر بروز جمعہ ۲۶ ذی قعدہ ۱۲۳۹ھ

(مولانا عبدالحئی صاحب بڈھانوی اس مکتوب گرامی کو اپنے رسالہ میں درج کرکے تحریر فرماتے ہیں۔)

حضرت شاہ صاحب مرحوم کے اس مکتوب ہدایت آگیں کا اس قسم کے واقعات میں محفوظ رکھنا ارباب عقل و انصاف کے لئے بہت ہی کارآمد ہوگا۔

تمہید پنجم :۔ جب موجودہ و گذشتہ اکابر کے بارے میں تہمت تراشیاں اور دروغ بافیاں میرے ذہن میں نہیں بیٹھیں، تو میرے لئے کسی کی تحریر و تقریر سے بغیر تحقیق احوال کے فریفتہ ہو جانا (دھوکہ میں آنا) راہ صواب سے بعید ہے۔ خصوصاً ایسے واقعہ میں جو بالکل قریب زمانہ میں ہوا ہے اور جو لوگ اس واقعہ سے تعلق رکھتے تھے وہ زندہ اور موجود ہیں، ان تک جاتے ہیں کوئی روک ٹوک بھی نہیں ہے کہ کوئی ان تک نہ پہونچ سکے۔ اور اگر بالفرض والتقدیر اسکے بعد اہل واقعہ و اہل معاملہ کی طرف سے خلاف بیانی ظاہر ہو تو مسلمانوں کو اللہ تعالے کے اِس عطیہ کبریٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے قرآن مجید کو نازل فرمادیا جو ان کے دین کا مدار ہے اور کسی انسان کا کلام اس سے مشابہ نہیں ہے

اسکے بعد حدیث پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے درجات ہیں جو اہل علم کو تفصیلاً اور غیر اہل علم کو اجمالاً معلوم ہیں۔ حفاظ، کاتبین قرآن مجید، محدثین، محافظین دین اور فقہاء ناقدین کے حق میں ہمیں دل وجان سے دعا ہائے فراواں کرنی چاہئیں۔

تمہید ششم :۔ یہ بندۂ ضعیف مسلمانوں کو اپنی تقلید واتباع کی ہرگز دعوت نہیں دیتا ہے کہ میرے کہنے کو خواہ مخواہ قبول ہی کرلیں۔ بلکہ فہم حق کے بارے میں میری غرض اس مقام میں دو طریقہ پر ہے اور اس بات کو ایک تمثیل سے بیان کرتا ہوں۔

۱۔ ایک شخص نے ۲۹ شعبان کو ہلال رمضان دیکھا اور وہ لوگوں کو روزہ کا حکم کرے۔

۲۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ جس وقت چاند دیکھا جاتا ہے اولاً اس کی نگاہ چاند پر پہونچ گئی۔ وہ دوسروں کو چاند دکھائے ــ اسکے بعد لوگ اس پہلے شخص کے دیکھے ہوئے کو اپنے دیکھے ہوئے کے مطابق پاکر عمل میں لائیں ــ میرا ہر وہ بیان جو دوسرے طریقہ پر ہو ــ (اس کے سلسلہ میں) کمال ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اسکے مطابق عمل کیا جائے اس لئے کہ انھوں نے سمجھ لیا کہ یہی حق ہے، اگرچہ کسی کی نشاندہی کرنا ان کے فہم کا سبب ہوا ہو، بطریق اول کسی کو ہم جنسوں کی طرف سے تکلیف نہیں دی جاسکتی اور یہ بندہ ضعیف بھی مومنین طالبین حق کے ابناء جنس میں سے ہے۔

تمہید ہفتم :۔ واقعۂ مذکورہ میں مجمع اس قدر تھا کہ ہزاروں سے تعبیر کیا جاسکتا ہے[1] میں نے خود (اٹکل سے) اس کا شمار نہیں کیا اور نہ اپنے اندازے پر اعتماد رکھتا ہوں لیکن یہ واقعہ میرے اور خانصاحب (مولانا رشید الدین) کے درمیان پیش آیا، مولانا موصوف جو کہ اہل علم ودانش ہیں، سامنے آئے اور صاحبزادگان گرامی قدر حضرت مولوی مخصوص اللہ صاحب و (مولوی محمد موسیٰ صاحب) نیز مولوی رحمت اللہ خانصاحب ومولوی محمد شریف صاحب وغیرہ حضرات بھی تھے، میرے گمان میں اس وقت کے آپس کے کلام کو اُس مجمع کثیر میں سے اکثر لوگوں نے نہیں سنا ہے۔ اور بظاہر ہر شخص کی آواز اس جم غفیر میں نہیں پہونچتی تھی۔ (وجہ یہ ہے کہ) لوگ دوسری باتوں میں مشغول تھے (ہر شخص

---

[1] خانقاہ قلندریہ لاہرپور کی مناظرۂ جامع مسجد دہلی کی تیسری روئیداد میں سب سے آخر میں درج ہے کہ اس مناظرہ میں اکابر علماء اور طلباء کا پانچ ہزار کا مجمع تھا۔ اور پانچ ہزار کے مجمع میں دستخط صرف مولانا عبدالحئی نے کئے۔

اپنی اپنی باتیں کر رہا تھا۔ کوئی نظم نہیں تھا) گڑبڑ کی وجہ سے جب سننے ہی میں اشتباہ واقع ہو جائے تو سمجھنا اور حقیقت تک پہونچنا کہاں میسر آسکتا ہے۔

تمہید ہشتم:۔ بے تصنع و تکلف اس بات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ مولانا رشید الدین خانصاحب ممدوح میری دانست میں فنون فضیلت و دانشمندی اور تبحر علمی میں اس بندہ سے بدرجہا افضل و اعلیٰ ہیں، میں فنون مذکورہ تحصیل کتب، تحریر و مطالعہ، مناظرہ اور تصنیف کتب میں خانصاحب موصوف کے درجہ کو نہیں پہونچتا۔ بلکہ جب میں اپنے حال پر غور کرتا ہوں اور راہ انصاف پر چلتا ہوں تو اپنے دل میں کہتا ہوں کہ میں ان مدارج تک پہونچنے سے جو خانصاحب ممدوح کو اس وقت حاصل ہیں، قاصر و مایوس ہوں۔ لیکن الفضل بید اللہ تعالیٰ (فضل و کمال اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) اور انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون (اللہ تعالیٰ شانہ کا معاملہ یہ ہے کہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے وہ اسکے صرف حکم سے وجود میں آجاتی ہے) پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے۔

تمہید نہم:۔ ہم کو اپنے دین کی فکر کرنی چاہیئے نہ کہ خود اپنی فکر، لہذا یہ بات کہ میں فلاں مجمع میں گفتگو میں عاجز و لاجواب ہو گیا گو فرضی اور غیر واقعی طور پر یہی کہا جارہا ہو میرے لئے ہرگز باعث گرانی نہیں ہے۔ اور نہ مومنین طالبین حق کو اس کے پیچھے پڑنا چاہیئے لیکن کرنے اور نہ کرنے والے کام جو درپیش ہیں انکی تحقیق ضروری ہے اور تحریر میں اپنے حافظہ کی بنیاد پر بیان واقعی مطلوب ہے۔ اور بس۔ پس جس وقت میں نے اُس رسالہ کو حافظ غلام مصطفےٰ (مظفر نگری) سے سنا ہے، اگر اسکو کوئی شخص تفریحاً گھڑے ہوئے افسانوں کی طرح سُنے جو بیکاروں کی عادت ہے تو اسکو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اگر کسی صحیح مقصد سے دریافت واقعہ منظور ہو تو اُن حضرات سے جو اس واقعہ میں متکلم یا مخاطب کی حیثیت سے موجود تھے، استفسار کئے بغیر رسالہ کے مضمون کو پایۂ اعتبار سے گرا ہوا جانے۔

تمہید دہم:۔ اس واقعہ کے پیش آنے سے پہلے مجھے بالکل کوئی خبر نہیں تھی۔ اکثر ایک پاس دو گھڑی، دوپہر میں، تقریباً چار پانچ گھڑی باقی رہنے تک (جامع مسجد کے اندر) میری مجلس درس و وعظ چلتی تھی۔ اس روز جبکہ درس سے فراغت ہو گئی ایک شخص نے ایک کاغذ پیش کیا کہ آپکی اور مولوی محمد اسماعیل کی مہر اس کاغذ پر مطلوب ہے۔ اُس کاغذ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چند سوالات مع جوابات چند مہروں سے موثق ہیں میں نے مہروں کو

گنا نہیں اور نہ میں نے کسی کو پڑھا، تقریباً وہ مہریں پندرہ ۱۵ ہوں گی۔ ان سوالات وجوابات کا میں نے یکسوئی کے ساتھ مطالعہ کر کے کہا ــــ "میں بعض امور مرقومہ کی تحقیق وتفصیل کئے بغیر مہر نہیں لگا سکتا ــــ یہ ہے مولوی محمد اسماعیل صاحب وہ خود مختار ہیں"۔ پھر میں نے کہا کہ "اس شہر سے میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں اور اتنی فرصت بھی نہیں ہے کہ آپ حضرات سے اس حال میں اطمینان سے گفتگو کی جائے"۔ ایک شخص نے کہا کہ "اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ کاغذ سفر میں آپ کے ساتھ رہے، جب بھی فرصت حاصل ہو تو اُس تفصیل کے بعد جو منظور ہے، مہر لگا دی جائے"۔ بعض لوگوں نے کہا کہ "اس وقت اس کاغذ کو اپنے مکان پر لے جایئے، اور (سفر سے پہلے پہلے) جب بھی فرصت ملے اس کام کو انجام دے دیں"۔ اس بات چیت میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا ہوگا ــــ لوگوں کی نرم وگرم گفتگو کانوں میں آنے لگی اور طاقت کے بقدر مناسب جواب دیا جاتا رہا۔ آخر کار میں لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے وہاں سے اُٹھکر آہستہ آہستہ مسجد کے صحن میں پہونچ گیا، مولوی کرم اللہ صاحب محدث دہلوی کو میں نے دیکھا کہ ان کے چہرہ پر اضطراب کے آثار نمایاں ہیں ــــ میں نے کہا "کیا بات ہے کہ آپ مضطرب نظر آتے ہیں"؟ اور مجھے اندیشہ ہوا کہ انکا اضطراب خوف تکلیف دہ ہو جائے۔

انھوں نے جواب دیا ــــ "کہ ہجوم واژدہام کیوجہ سے اضطراب ہے"۔

لوگوں کو سمجھا بجھا کر ایک طرف کر دیا گیا اور ان کو میں نے اپنے قریب کر لیا اور کہا۔ "کہ میں تو یہاں بیٹھتا ہوں اور آپ اطمینان سے اپنے گھر جائیں"۔ انھوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا۔ مولانا کرم اللہ صاحب کی فرمائش پر میں مسجد کے حوض اور جنوبی دروازہ کے درمیان بیٹھ گیا تاکہ انھیں تسکین ہو جائے ــــ وہیں مشارٌالیھم اشخاص یعنی خانصاحب ممدوح اور صاحبزادگان وغیرہ سے ملاقات ہوئی ــــ غالباً ۳-۴ گھڑی اس نشست میں گذرے ــــ جو کچھ بھی اس نشست میں مذکور ہوا ــــ اس تحریر کا مقصود وہی ہے، چنانچہ میں اپنے مقصد پر آتا ہوں (آمدم برسر مطلب)۔

مقصد: ــــ جو چھ مضامین پر مشتمل ہے۔

۱۔ اس مجلس مذاکرہ میں جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے اولاً گفتگو اس بارے میں ہوئی کہ مطلوب مرقومہ (سوالات کے جوابات کو) دوسرے وقت کے لئے چھوڑا جائے باقی الفور جوابات دیئے جائیں۔ اسی اثناء میں مولوی کرم اللہ صاحب موصوف نے کاغذ مذکور

میرے ہاتھ سے لے لیا اور انھوں نے وقت فرصت، تاخیر کے ساتھ جوابات لکھنے پر انتہائی اصرار کیا۔ چند اور آدمی بھی اس مضمون کو اپنی زبان پر لائے۔ میں نے کہا کہ مجھے فی الحال جوابات دینے میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کوئی دقت و تکلیف نہیں ہو گی۔ یہ بات بھی گفتگو میں آئی کہ جوابات بھی میں کہوں وہ لکھی جائے یا فقط زبانی گفتگو پر ہی اکتفاء کیا جائے۔

مولانا رشید الدین خانصاحب دہلوی ممدوح نے فرمایا کہ جتنے مسائل مرقومہ ہیں، وہ ایسے ہیں کہ ان کا ذکر برابر ہوتا رہتا ہے لہذا تاخیر نہیں ہونی چاہیئے۔

میں نے مولوی کرم اللہ صاحب سے اصرار کے ساتھ وہ کاغذ لے لیا (جس پر مسائل جواب طلب مرقوم تھے) جب میں نے اس کاغذ کو پڑھنا چاہا تو خانصاحب ممدوح نے اسکو اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا کہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کاغذ سے ایک ایک سوال کو میں پیش کروں اور ہر ایک کا جواب بھی سنتا جاؤں اور گفتگو تحریری و تقریری دونوں طرح سے ہو اس کے بعد وہ تحریر اسی (موثقہ) کاغذ پر ہو جائے یا کسی دوسرے کاغذ پر۔"

آخر کار چند جوابات دوسرے کاغذ پر میں نے لکھے اور باقی جوابات کا زبانی بیان پر اکتفا ہوا۔

۳۔ میں نے دوستوں سے شکایت کی کہ اس طرح کے سوال وجواب جو اس وقت کئے جا رہے ہیں کیا نفع ہے؟ مناسب یہ تھا کہ جس وقت مہر کنندگان جمع ہوئے تھے اسی وقت ہم کو بھی بلا لیا جاتا۔ میں نے اول صاحبزادگان مولانا مخصوص اللہ وغیرہ سے کہا۔

"آپ لوگ میرے صاحبزادے ہیں اور میں آپ سے برادری اور رشتہ داری کی نسبت بھی رکھتا ہوں جس وقت بھی آپ یاد فرماتے تو آپ کو اختیار تھا۔ (میں حاضر ہو جاتا) اور اگر خود آپ غریب خانہ پر آدھی رات کو بھی تشریف لاتے تب بھی ٹھیک تھا۔ آپ سے یگانگت کی وجہ سے یہ شکایت کر رہا ہوں۔"

(یہ کہہ کر) میں نے پھر خانصاحب (مولانا رشید الدین خانصاحب) سے اسی بات کی شکایت کی اور عرض کیا۔ "کہ میں جناب سے دوستی، اخلاص اور شناسائی کا تعلق رکھتا ہوں آپ مہر کنندگان کے اجتماع کے وقت مجھے بھی طلب فرما لیتے"۔ خانصاحب نے فرمایا۔ "اس موجودہ اجتماع سے غرض یہ ہے کہ عوام و خواص آپ کا کلام سن سکیں۔"

میں نے کہا کہ یہی بہتر تھا کہ میں خود اُس وقت (اس سے پہلے کسی وقت) حاضر ہو جاتا

اور میرے مہر زدہ نوشتہ کو اس وقت اس مجمع میں پیش کر دیا جاتا اور یہ کہا جاتا کہ جس کسی کو اس مہر زدہ نوشتہ میں شک و شبہ ہو، یہ عبدالحیؒ حاضر ہے اس سے تحقیق کر لی جاوے خانصاحب مولانا رشیدالدین صاحب نے فرمایا۔

"یہ بات منظور و مطلوب ہے کہ عمومی طور سے سب لوگ سنیں"!

جب اس سلسلہ میں بحث و تکرار بڑھی تو بعض اکابر و معززین شہر نے فرمایا کہ مولوی صاحب یعنی اس بندہ ضعیف کا خانصاحب سے شکایت کرنا درست نہیں ہے اور عذر بھی معقول نہیں ہے۔ بات بڑھانے سے کیا فائدہ ہے؟

۳۔ اس تیسرے مضمون کی ترتیب یاد نہیں رہی کہ کس وقت مذکور ہوا البتہ اتنی بات یاد ہے کہ اس دوسرے مضمون کے بعد ہوا سوالات کے جوابات کے درمیان میں یا اس سے پہلے ہوا، یہ بھی یاد نہیں (وہ تیسرا مضمون) یہ ہے کہ خانصاحب نے بآواز بلند فرمایا کہ لوگ تمھاری طرف بہت سی غلط باتوں کی نسبت کرتے ہیں اور ہمیں ان لوگوں کی باتیں ناگوار گزرتی ہیں۔ لوگ آپ کا مقولہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی راہ (نعوذ باللہ) جہنم کی راہ تھی۔

میں نے کہا کہ میں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی (اور اگر کہی ہو) تو اس بات پر ایک گواہ ہونا چاہیئے۔ جس کسی نے یہ بات کہی ہو وہی اس کا مواخذہ دار ہوگا۔

خانصاحب نے فرمایا۔۔ وہی لوگ کہتے ہیں جو آپ کے فدائی اور مخلص بنے رہتے ہیں۔

خانصاحب کا لفظ "فدائی" فرمانا مجھے خوب یاد ہے۔

میں نے کہا کہ تعجب ہے کہ جو لوگ سال ہا سال سے میرے ہم قوم، ہم وطن و ہم مسکن ہیں اور نزدیک سفر و حضر رہتے ہیں وہ تو میرے فدائی اور مخلص نہیں ہیں اور بعض اشخاص جو چند دن سے جامع مسجد دہلی کی میری مجلس درس میں منجملہ اور شرکاء کے شریک ہو جاتے ہیں وہ میرے فدائی اور مخلص بن جائیں۔

خانصاحب نے ایک شخص کا نام لیکر پکارا کہ وہ کہاں ہے؟ اسے لاؤ، وہی کہتا ہے، اور شاید خانصاحب نے سخت غصہ آمیز الفاظ بھی اسکے متعلق فرمائے۔ میں خاموش رہا۔

اسی اثناء میں میں نے کہا کہ میں مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کو امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے مثل تو نہیں سمجھتا البتہ طحاویؒ و کرخیؒ کے مثل ضرور سمجھتا ہوں۔ میری زبان

اس قول کے شاہد کا ذکر کر رہی تھی کہ خانصاحب نے فرمایا کہ میں آپ کے کلام کو سچ سمجھتا ہوں، گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز کے بارے میں جوبات کہی تھی کہ وہ مثل طحاوی ذکر حنفی ہیں، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ از خود کہی تھی یا خانصاحب کے (کسی) سوال کے جواب میں کہی تھی۔

۴۔ چند حاضرین کی درخواست پر علیحدہ کاغذ پر میں نے چند جوابات لکھے تھے مگر مجھے خبر نہیں کہ اس کاغذ کو کس نے لے لیا تھا اتنا تو ضرور یاد ہے کہ خانصاحب جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے اُسی جانب وہ کاغذ گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خانصاحب بلند آواز سے سوال کرتے تھے میں جواب لکھ کر دیتا تھا اس جواب کو بھی خانصاحب بلند آواز سے پڑھکر سناتے تھے۔

ایک سوال و جواب میں اسی طرح عمل ہوا۔ پھر میں اپنے لکھے ہوئے جواب کو خود ہی بلند آواز سے پڑھتا تھا۔ خانصاحب پھر اسی جواب کو دوبارہ با آواز بلند پڑھتے تھے، یہ عمل بھی ایک دو جواب میں ہوا ہوگا۔ پھر مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے بلند آواز سے پڑھنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔

سوال ۱: قبر کو بوسہ دینے والا مشرک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس اشراک کا مشرک نہیں ہے جس سے حبط عمل لازم آتا ہے۔

سوال ۲:۔ قبر کو بوسہ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مکروہ ہے جیسا کہ کتاب عین العلم میں لکھا ہوا ہے۔ اور صاحب عین العلم کا اتباع اس باب (بوسۂ قبر کے سلسلہ) میں کرنا چاہیئے۔

سوال اول کے جواب کے الفاظ تو مجھے خوب یاد ہیں اور باقی جوابات کے الفاظ مجھے پوری طرح یاد نہیں لیکن مضمون جواب میں کوئی شبہ نہیں ہے، وہی مضمون ہے جو میں نے پہلے لکھا ہے۔

سوال ۳:۔ ترجمہ الفاظ قرآن و حدیث کے علاوہ قرآن و حدیث میں عقل کا دخل ہے یا نہیں؟

جواب: فلسفیات کے مطالعہ سے جو فہم انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اسکا دخل قرآن و حدیث میں ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ عقل کے دخل کی بہت سی صورتیں ہیں۔

پہلی صورت ۱ یہ کہ عرب کے محاورہ کو پہچاننا چاہیئے اور اس محاورہ کے مطابق قرآن و حدیث کو سمجھنا چاہیئے عقل کا یہ دخل تو ہونا ہی چاہیئے۔ مثلاً اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ واخفض

جناحك الخ (ترجمہ آیت ۔ وہ مومنین جنھوں نے آپ کا اتباع کیا ہے انکے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آیئے) محاورۂ عرب کا خیال نہ رکھکر اگر اس آیت کریمہ کے لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا جائے تو اللہ کے اس حکم کی بجا آوری حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم سے ثابت نہیں ۔ اور اگر محاورہ عرب کو دخل دیں کہ اس سے مراد تواضع ہے تو حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے اسکی بجا آوری اس طرح ہوئی کہ کسی سے ممکن نہیں ہے ۔

دوسری صورت[۲] یہ ہے کہ آیات متشابہات اور صفات میں عقل کو دخل دیں (یہ صحیح نہیں ہے) جیسے آیت "الرحمٰن علی العرش استویٰ" کے مفہوم میں ۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں عقل کو دخل نہیں دینا چاہیئے ۔ اور یہ بات معلوم و مسلّم ہے کہ ائمۂ سلف کا بھی یہی اعتقاد تھا "الاستواء معلوم والکیف مجھول" (استواء تو معلوم ہے اور اسکی کیفیت مجہول ہے) اس باب استواء میں یہی ثابت ہے ۔

شرح عقائد نسفی" میں مجھے یاد پڑتا ہے کہ متاخرین نے آیات متشابہات کی تاویل جاہلین اور فرق ضالہ باطلہ کے مطاعن کو رد کرنے کے لئے کی ہے ۔

تیسری صورت[۳] یہ ہے کہ احکام فقہیہ توقیفیہ مثلاً عدد رکعات نماز اور وضو میں عقل کو دخل دیں ، اور جب تک اپنی عقل سے معلوم نہ کرلیں قبول نہ کریں ۔ **یہ عقل کا دخل** نہایت قبیح اور کفر تک پہونچانے والا ہے ۔

اس کے بعد قیاس کے بارے میں (چوتھا) سوال ہوا ۔

یہی جواب دیا کہ میں قیاس کو مانتا ہوں اور قیاس میں مسلک حنفی کا مقلد ہوں ۔ یہ چار جواب میں نے لکھے ہیں ، جو کوئی ان میں کمی بیشی ، تبدیلی اور فرق کرے تو وہ میرے اسی کاغذ کو سامنے لائے ۔

بعد ازاں جلدی کی وجہ سے لکھنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا اور صرف زبانی بات چیت پر اکتفاء ہوا ۔ اور چونکہ لکھے ہوئے جوابات محفوظ ہوتے ہیں لہذا انھیں بعد کو علیحدہ لکھا گیا ۔

۵ ۔ ایک سوال یہ ہوا کہ کل بدعۃٍ ضلالۃٌ (ہر بدعت گمراہی ہے) عام ہے یا خاص ؟

جواب دیا گیا کہ خاص ہے ۔

پھر سوال ہوا کہ اس کا مخصِّص (تخصیص کنندہ) کیا چیز ہے ؟

جواب دیا گیا ۔ اس کا مخصص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے مسئلہ میں یہ قول گرامی ہے ۔

خانصاحب نے فرمایا کہ اس کا مخصص یہ حدیث بھی ہوگی "من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا (جس شخص نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسکو اس اچھے طریقے کی ایجاد کا اجر اور اسپر عمل کرنے والے اشخاص کا اجر ملے گا۔)

میں نے کہا یہ حدیث بھی مخصص ہو سکتی ہے۔

پھر خانصاحب نے کہا کہ ایک حدیث ان الفاظ میں ہے "من ابتدع بدعۃ ضلالۃ (باضافت بدعۃ بسوئے ضلالت) (ترجمہ: جس نے بدعت ضلالۃ کی ایجاد کی ہو) خانصاحب نے یہ بھی فرمایا کہ بدعت فرض، واجب اور مستحب بھی ہوتی ہے۔

میں نے کہا۔ ٹھیک ہے لیکن بدعت کی اصل بُری ہے۔ میں اصل بدعت کو سیئہ کہتا ہوں تاکہ کلّ بدعۃ ضلالۃ کا کلیہ باقی رہے ۔۔۔ اس معنی کو حضرت امام نوویؒ نے بیان فرمایا ہے۔ اور بدعت سیئہ کی اصل یہ ہے کہ اس میں کوئی حسن اور کوئی قبح ظاہر نہ ہو۔

خانصاحب نے فرمایا۔ بدعت مباحہ اور بدعت سیئہ میں کیا فرق ہے؟ یہی سوال حضرت مولوی مخصوص اللہ صاحب نے بھی کیا۔

میں نے کہا بدعت مباحہ کو میں نہیں جانتا ہوں ۔ خانصاحب نے ایک شخص کے ہاتھ سے ایک کتاب لی، اس کتاب کا نام بھی صحیح یاد نہیں۔ خانصاحب نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یہ حضرت امام نوویؒ کے استاذ محترم کا قول ہے اور امام نوویؒ وہ ہیں کہ جنکے قول سے مولوی صاحب (عبدالحئی بڈھانوی) نے بدعت کے معنی بیان کئے ہیں، امام نوویؒ کے استاذ محترم کے حوالہ سے جو بات پیش کی گئی تھی اس میں سے مجھے اتنا یاد ہے کہ من البدع المباحۃ (بدعت کی ایک قسم بدعت مباحہ بھی ہے)

بدعت مباحہ کے ضمن میں مولود شریف کے اندر کھانوں کا پکانا، فقراء اور مساکین کو کھلانا اظہار بشاشت کرنا اور مسلمانوں میں خوشی کا ہونا اور مولود شریف پڑھنا، ان سب باتوں کا بھی تذکرہ ہوا جس وقت خانصاحب اس عبارت کو پڑھ رہے تھے، اس وقت مولوی مخصوص اللہ صاحب نے آہستہ سے فرمایا کہ یہی بدعت مباحہ عرسوں کی اصل ہے میں نے مولوی صاحب موصوف کی یہ بات اچھی طرح سنی اور شاید دوسروں نے بھی سنی ہو۔

اسکے بعد ان دونوں حضرات نے یہ سوال کیا کہ مولود شریف کے بارے میں آپ

کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا بلا تعین تاریخ و یوم بدعت نہیں ہے اور تعین کے ساتھ بدعت سیئہ ہے۔ اگر یہ سمجھے کہ آگے پیچھے دوسرے دنوں میں ثواب یا تو ہوگا ہی نہیں اور اگر ہوگا تو کم ہوگا اگرچہ ان مقررہ دنوں میں کھانوں کی زیادتی کی وجہ سے مساکین طعام سے مستغنی ہوتے ہیں (اور کھانے کی ضرورت و رغبت نہیں ہوتی) اور دیگر ایام میں کھانے کے محتاج رہتے ہیں باوجود اس کے ان مقررہ دنوں میں ہی کھانے کا انتظام کرے، یہ بدعت سیئہ ہے۔ اور اگر نص شرعی سے کوئی بدعت مزاحم و متقابل ہو، جیسا کہ ماہ رمضان میں ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے اور مولود کرنیوالا یہ سمجھے کہ مولود کے زمانہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ثواب زیادہ پہونچتا ہے اور رمضان کی خصوصیت بھی جانتا ہو تو ایسے شخص کے متعلق شاید میں نے یہ کہا کہ یہ بات باعث خوف کفر ہے۔ اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ اسی سوال پر روزہ کی گفتگو ہوئی اور بیان بدعت کے درمیان یہ حدیث بھی ذکر کی گئی من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو ردٌ (جو ہمارے اس دین میں ایسی باتیں پیدا کرے جو اس میں نہیں ہیں تو وہ باتیں مردود ہیں)۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدعت امور دین میں ہوا کرتی ہے غالباً یہ سوال بھی مذکور ہوا کہ حدیث "ما راٰہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن" (جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بات اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے)۔ اس کا کیا جواب ہے؟ (میں نے کہا کہ) اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جو عادات مسلمین کے ماوراء کے ساتھ متعلق ہے۔ اور اثناء بیانِ بدعت میں یہ بات بھی میں نے کہی ہے کہ حضرت مجددؒ کے نزدیک "کل بدعة ضلالة" عام ہے۔

خانصاحب نے ایک دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ حضرت مجددؒ بدعت حسنہ کو داخل سیئہ کرتے ہیں اور بدعت سیئہ کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے مآل میں کوئی فرق نہیں۔

سوال ہوا کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

جواب دیا گیا کہ بدعت سیئہ ہے۔

خانصاحب نے فرمایا کہ تلقین مردہ کی طرح یہ اذان بھی جائز ہے۔

میں نے کہا حنفیہ کے نزدیک تلقین مردہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اگر اس کا جواز ہے تو مسلک امام شافعیؒ میں ہے۔

خانصاحب نے فرمایا۔ بعض کتب حنفیہ میں تلقین کا جواز موجود ہے اور اذان علی قبر کو اسی پر قیاس کر لیا ہے۔

میں نے کہا وہ کتاب جس میں (حنفیہ کے نزدیک) تلقین کی اجازت ہے، اسکو میں نہیں جانتا۔

خانصاحب نے فرمایا میں اس کا نام و نشان بتلاؤں گا، لیکن خانصاحب نے کتاب کا نام نہیں بتایا۔

پھر سوال ہوا کہ عبادت کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا عبادت مالیہ کے ثواب کا پہونچنا سب آئمہ کے نزدیک ثابت ہے۔ عبادت بدنیہ کا ثواب مردہ کو زندگی طرف سے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک تو پہونچتا ہے امام شافعی رح کے نزدیک نہیں پہونچتا۔

خانصاحب نے فرمایا کہ کتاب "شرح الصدور" میں سب آئمہ کا اس بارہ میں اتفاق لکھا ہے۔ مجھے اپنا جواب دینا یاد نہیں کہ اس کا کیا جواب دیا۔

پھر سوال ہوا۔ اجماع حجّت ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا کہ حجّت ہے۔

خانصاحب نے فرمایا کہ اگر ناقل اجماع ثقہ ہے تب اجماع حجت ہے۔

خانصاحب نے اول تو یہ بات فرمائی پھر میرے استفسار کے بعد مثال میں شیخ جلال الدین سیوطی رح جیسے علماء کے نام پیش کئے، اسکے جواب میں میں نے اسکی تصدیق و توثیق کی۔ اس سے زیادہ یاد نہیں۔

پھر سوال ہوا مردہ کو ادراک ہوتا ہے یا نہیں؟

میں نے جواب دیا۔ ہاں مردہ کو عالم (برزخ) کا ادراک خوب ہوتا ہے۔

پھر سوال ہوا کہ کیا اس دنیا کا بھی ادراک ہوتا ہے؟

میں نے جواباً کہا کبھی کبھی ہو جاتا ہے۔

پھر سوال ہوا کہ کیا مردہ اس شخص کے کلام کو برابر سنتا ہے جو اسکی قبر پر پہونچکر کچھ کہتا ہے؟ یا کبھی سنتا ہے؟ یا کبھی نہیں سنتا؟

میں نے جواب میں صرف ہاں واللہ تعالیٰ اعلم کہا۔

الغرض مضمون چہارم میں جو امور مذکور ہوئے ان کی تحریر کے بعد بدعت اور اذان علی القبر کا مسئلہ مکرر پیش ہوا اور باقی گفتگو جلدی کی وجہ سے مختصر ہوئی تھی۔

پھر خانصاحب نے ایک ایسی بات فرمائی جس سے تمام سوالات کے جوابات سے فراغت معلوم و مفہوم ہو گئی۔ پھر خانصاحب اور تمام حاضرین مجلس سے اٹھ گئے۔

۶۔ مجلس سے اٹھنے کے بعد ایک شخص نے تیجہ کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے کہا مردہ کو ایصال ثواب درست اور جائز ہے لیکن تیسرے روز کی قید بدعت سیئہ ہے۔ مضمون تیجہ میں جو کچھ کلام مذکور ہوا اسی کے مطابق کہا گیا۔ اسکے بعد پھر اذان علی القبر کے بارے میں ایک شخص نے سوال کیا۔

میں نے کہا یہ بدعت سیئہ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہیں تھی، اور اب تک مکہ معظمہ میں نہیں ہے اور یہ سلسلہ (عدم اذان علی القبر) اُس زمانہ سے لیکر اس وقت تک تواتر و توارث کے ساتھ ہے — اور ہم اسی کو دیکھتے آئے ہیں میں اذان علی القبر کو حسَن نہیں کہوں گا۔ ایک شخص کی درخواست پر اولاً تیجہ کا جواب باآواز بلند پڑھا گیا اور اس سے متصل جو اذان علی القبر کے سوال کا جواب تھا وہ بھی زور سے پڑھا گیا۔ اور تمہید ہفتم میں جن اکابر مولوی مخصوص اللہ وغیرہ علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کا ان جوابات کو سننا یا نہ سننا معلوم نہیں ہے۔

خاتمہ :۔ میں تین مضامین ہیں :۔

اول یہ کہ لوگوں میں جب رنگ برنگ کے اغراض ہوں تو اسی کے مطابق مختلف باتیں اور مختلف حالات ہوتے ہیں۔ گلستان سعدیؒ پڑھنے والے کو اپنے مطلب کے مطابق مختلف حکایات و ابیات یاد رہ جاتی ہیں۔ کسی کو تو باب پنجم کی حکایات عشق و جوانی اور کسی کو باب ششم کی ضعف و ناتوانی کی حکایتیں یاد رہ جاتی ہیں۔ (توحید پرست کو یہ حکایت یاد رہتی ہے۔)

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند

(ترجمہ شعر) کسی نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ اے روشن خاندان والے اور اے عقلمند بزرگ[۱]

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبد الحیؒ نے یہ روداد لکھتے وقت علامت و اشارہ کے طور پر صرف یہ ایک شعر ہی لکھنا کافی سمجھا، آگے اس سلسلہ کے یہ اشعار اور ہیں۔

ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی

(باقی اگلے صفحہ پر)

اصحاب خوارق وکرامات کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مقبولان بارگاہِ الٰہی ہیں وہ اپنی عاجزی اور بندگی کا اعتراف واقرار کرتے ہیں کبھی وقت تو ان مقبولان بارگاہ الٰہی سے اللہ کی مشیت وقدرت کے ذریعہ ایک امر عجیب صادر ہوتا ہے اور کبھی ان کی عاجزی ولاچاری صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس ہمیشہ توحید پرست مقبولانِ بارگاہ الٰہی کا معتقد رہتا ہے، اور کسی کو گلستان کی یہ حکایت یاد رہتی ہے۔

پیر مردے لطیف در بغداد
دخترک را بکفش دوزے داد

(ترجمہ) بغداد میں ایک خوش مزاج بوڑھے نے اپنی لڑکی ایک کفش دوز (موچی) کے نکاح میں دیدی (اس طرح کا مزاج رکھنے والا) ہمیشہ اوہام اور شہوت کے وساوس میں بے خوف ہو کر مبتلا رہتا ہے یہ سب اختلافات احوال کی مثالیں تھیں۔ جامع مسجد کے واقعہ مذکورہ میں بھی یہ بات بعید نہیں کہ وہاں کی باتوں کو سننا اور یاد رکھنا اغراض وحالات کے اعتبار سے مختلف ومتفاوت ہوا ہوگا۔

دوسرا مضمون یہ کہ متکلم کے کلام کا لہجہ سامعین کی عقلوں کے تفاوت وفرق کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مفہوم ایک شخص کی عقل کے مطابق ایک دو بات میں پورا ہو جاتا ہے اور دوسرے شخص کی فہم کے مطابق ایک طویل کلام کرنا پڑتا ہے، تاکہ وہ بات سمجھ جائے۔ یہ بات بلاشک وشبہ ہے کہ روز مذکور میں ہونیوالا کلام اتنا مختصر تھا کہ ہر شخص

(کا بقیہ صفحہ گذشتہ)

بگفت احوالِ ما برق جہاں است
دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

مطلب یہ ہے کہ کسی نے یعقوب علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ دور دراز کے ملک مصر سے آپ کے فرزند یوسف علیہ السلام کا کُرتہ لے کر جب قافلہ روانہ ہوا تو آپ نے اسکی خوشبو یہاں محسوس کر لی لیکن جب وہی یوسف آپ کی بستی کنعان کے قریب ایک کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تو آپ ان کو نہ دیکھ سکے ـــــ تو انھوں نے جواب دیا ہمارے حالات بجلی کی طرح ہیں کہ بجلی روشن ہوتی ہے۔ تو سب کچھ دیکھ لیا جاتا ہے، اور جب بجلی غائب ہو جاتی ہے تو کچھ نظر نہیں آتا ـــــ کبھی ہم بلند ترین عمارت کے اوپر ہوتے ہیں اور بہت نیچے تک دیکھ لیتے ہیں اور کبھی ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے۔

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اپنے اختیار میں کچھ نہیں اللہ تعالےٰ جب چاہتا ہے ہزاروں میل دور کی چیز معلوم اور محسوس کرا دیتا ہے جب نہیں چاہتا تو ہمیں قریب ترین چیز کا بھی علم نہیں ہوتا اور نظر نہیں آتی۔

کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا، مگر چند امور ظاہرہ ایسے تھے جو سمجھ میں آسکتے تھے۔ چنانچہ چار جوابا جو تحریر کئے گئے ہیں، امور ظاہرہ میں سے تھے۔ اور ان مضمونوں میں مقصد بالکل ظاہر ہے۔

کلام کے کچھ حصہ کا سمجھنا اور کچھ کا نہ سمجھنا ایسی بلائے عظیم ہے کہ کلام کرنے والے عالم کے حال کو بدل دیتی ہے۔

تیسرا مضمون یہ ہے کہ اس طرح کے واقعات پیش آنے کے وقت ایسا حال رونما ہوتا ہے کہ جس کسی کو فکر آخرت ہوتی ہے تو وہ اہم مقصود کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس مقصود سے ہرگز غافل نہیں ہوتا ہے، اور اپنے عقیدہ و عمل کو شرع شریف کے مطابق صحیح و درست رکھتا ہے۔ مناظرہ میں غالب و مغلوب کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ جانے کہ عقیدہ و عمل غالب و مغلوب کی دانست پر موقوف ہے تا کہ غالب کا اتباع کیا جائے اور مغلوب کا اتباع نہ کیا جائے تو ایسے شخص کو یہ جان لینا چاہئے کہ دین متین کے ارکان مناظروں پر موقوف نہیں رہتے۔ یہ بحث کہ تیجہ یا چالیسواں اور اس طرح کی دوسری رسمیں کرنی چاہئیں یا نہیں کرنی چاہئیں اور قبر کو پختہ بنانا جائز ہے یا نہیں ۔۔۔ ہرگز ہرگز یہ باتیں ارکان دین میں داخل نہیں ہیں۔

اگر سیکڑوں عاقل و بالغ مسلمان مردہ کو دفن کر کے اپنے اپنے گھر واپس آ جائیں اور پھر اس مردہ کا کوئی ذکر نہ کریں تو ہرگز ہرگز ارکان دین میں سے کوئی رکن متروک نہیں ہوا، برخلاف نماز جیسے رکن کے، کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کے بارہ میں سوال ہوگا اور نماز کو چھوڑنے والا فرعون وہامان کے ساتھ محشور ہونے کے قابل ہے۔

ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمان ایسے اہم ارکانِ اسلام چھوڑتے ہیں اور دو آدمیوں کو بھی اس پر ایسا قلق نہیں ہوتا جیسا کہ رسوم زائد کے چھوڑنے پر ہوتا ہے (جبکہ) بدعت کے چھوڑنے پر بہت کچھ سوچ بچار کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ تو ایک عظیم انقلاب ہے۔

واللہ غالبٌ علیٰ امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

تمت بالخیر

غلام محمد علیؒ عفی عنہ،

لہ یہ صاحب حضرت مولانا عبدالحیؒ کی تحریر فرمائی ہوئی روداد کے ناقل و کاتب ہیں۔

تکملہ

از ـــــ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کے مضمون میں مولانا ابوالحسن زید دہلوی کی تصنیف "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" کے متعلق بیشتر ضروری باتیں آگئی ہیں، جو لوگ اس موضوع سے پہلے سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں انھیں مولانا فریدی کے اس مضمون کی خاص قدر ہوگی ـــ نئی نسل کے جو لوگ مسئلہ اور اسکے تفصیلی پس منظر سے واقف نہیں ہیں انھیں اس عاجز کا مشورہ یہ ہے کہ وہ یہ چند کتابیں پڑھ لیں

(۱) شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہلِ بدعت کے الزامات (۲) الجنۃ لاھل السنۃ

(۳) اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان۔

جیسا کہ پیش لفظ میں عرض کیا جا چکا ہے یہ عاجز بندہ ایسے حال میں ہے کہ مختصر سا خط لکھوانا بھی طبیعت پر بہت بوجھ ڈالتا ہے لیکن پچھلے دنوں جب مولانا فریدی کے اس مضمون کی بدولت اس مسئلہ پر غور و فکر کرتا رہا تو ذہن میں بہت سی اصولی باتیں آتی گئیں، جو شاید اس ترتیب کے ساتھ پہلے کبھی نہیں آئی تھیں، اور دل میں سخت داعیہ پیدا ہوا کہ وہ بھی الفرقان کے صفحات میں محفوظ ہو جائیں، شاید اللہ کے کسی بندے کے کام آجائیں ـــ پیش نظر تکملہ میں وہی باتیں عرض کی جا رہی ہیں۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

۱۔ اپنے مطالعہ و تجربہ کی روشنی میں میرا یہ احساس ہے کہ بعض ان لوگوں کو جنھیں کسی وجہ سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ذوق و مشرب سے ذہنی مناسبت نہیں ہے بلکہ کچھ بُعد ہے وہ جب اپنی اس طبعی کیفیت کی علمی توجیہ کرنا چاہتے ہیں تو انکی کتاب "تقویۃ الایمان" کی بعض وہ عبارتیں پیش کرتے ہیں، جن میں اُن مشرکانہ رسوم و عادات کی بیخ کنی کیلئے قدرے سخت اور عام فہم انداز اختیار کیا گیا ہے جو اُس دور کے عام مسلمانوں میں بری طرح رائج تھیں ـــ اور ناواقف عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں تو حضرت شاہ شہیدؒ سے جو بُعد اور تنفر ہے وہ دراصل انکے سوءِ ادب اور بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں تقصیر

کی وجہ سے ہے.....

جہاں تک حضرت شاہ اسماعیل شہید یا ان جیسے دوسرے خادمان اسلام اور محسنین امت سے مناسبت یا عدم مناسبت کا سوال ہے تو وہ کوئی بحث و نظر اور استدلال کا مسئلہ نہیں، اسکے مختلف اسباب ہوتے ہیں، اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں کہ ہر ایک کو تمام اہل علم سے یکساں محبت اور قلبی لگاؤ ہو ـــــــ البتہ جہاں تک اس عاجز نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی شخصیت، مزاج، خدمات اور خاص کر ان کی زیر بحث کتاب تقویۃ الایمان کا مطالعہ کیا ہے اسکی روشنی میں مجھے ان لوگوں کی طرف سے جنھیں ان سے مناسبت نہیں، اپنی عدم مناسبت کی یہ مذکورہ بالا توجیہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہی نہیں ایسی افسوسناک جسارت نظر آتی ہے جسکے لئے عذر تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔

"تقویۃ الایمان" میں جو صاف انداز اور صریح لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے، اسکے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے ایک بات تو یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو لوگ اس کے اصل مخاطب تھے، اور جس ماحول میں اور جن لوگوں کی اصلاح کیلئے یہ کتاب لکھی گئی تھی، وہ کون تھے؟ کتنی بری طرح وہ مشرکانہ جاہلیت کے نرغے میں تھے، اور کیسی شدید ضرب اور دو انگاف دعوتِ توحید ان کو اس جاہلیت سے نکلنے کے لئے درکار تھی؟

تقویۃ الایمان میں کہیں کہیں اس کے حساس مصنف نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں پر مشرکانہ جاہلیت کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اسوقت کی صورتحال کا زیادہ صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر "فصل رابع فی ذکر رد الاشراک فی العادات" میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:-

> "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا۔ سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا یعنی جیسا مسلمان لوگ اپنے نبی اور ولی کے ساتھ معاملہ شرک کا کرتے ہیں اسی طرح قدیم شرک بھی پھیل رہا ہے۔ اور کافروں کے بتوں کو بھی مانتے ہیں انکی رسموں پر چلتے ہیں، برہمن پوچھنا، شگون لینا، ساعت ماننا، سیتیلا، مسانی پوجنا، ہنومان، لوناچماری، کلوا بیر کی دہائی دینی، دیوالی کا تہوار کرنا، نوروز مہرجان کی خوشی کرنا، قمر در عقرب، تحت الشعاع کا اعتبار کرنا کہ یہ سب رسمیں ہنود و مجوسی کی ہیں مسلمانوں میں رواج پاگئی ہیں۔" ص ۵۷، ۵۸

آگے فصل خامس میں سورۂ اعراف کی ایک آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد "فائدہ" میں لکھتے ہیں

"اور جب اولاد کی امید ہوتی ہے تو اسی کو (یعنی اللہ ہی کو) پکارتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اولاد اچھی بھلی ہووے تو اللہ کا بہت حق مانیں، پھر جب وہ اولاد بخشتا ہے تو اوروں کو ماننے لگتے ہیں اور ان کی نذر و نیاز یں کرتے ہیں۔ کوئی کسی کی قبر پر لے جاتا ہے کوئی کسی کے تھان پر کوئی کسی کی چوٹی رکھتا ہے۔ کوئی کسی کی بدھی پہناتا ہے، کوئی کسی کی بیڑی ڈالتا ہے کوئی کسی کا فقیر بناتا ہے۔" صـ۶۴

اسی فصل میں سورۂ نحل کی ایک آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد "فائدہ" میں لکھا ہے:۔

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ محرم کے مہینے میں پان نہ کھانا چاہیئے لال کپڑا نہ پہنیں حضرت بی بی کی صحنک مرد نہ کھائیں اور جب ان کی نیاز کیجیئے تو اس میں بالضرور فلانی فلانی ترکاریاں ہوں اور مسّی پسی مہندی ہو اور اس کو لونڈے نہ کھاویں اور جس عورت نے دوسرا خاوند کیا ہو وہ بھی نہ کھاوے اور جو نیچ قوم سے ہو یا بدکار وہ بھی نہ کھاوے۔ اور شاہ عبد الحق کا توشہ حلوا ہی ہوتا ہے۔ اور اس کو اس احتیاط سے بنائے اور حقہ پینے والے کو نہ دیجیئے اور شاہ مدار کی نیاز ملیدہ ہی چڑھتا ہے۔ اور بوعلی قلندر کی سیہمنی اور اصحاب کہف کی گوشت روٹی اور بیاہ میں فلانی فلانی رسمیں ضرور ہیں اور موت میں فلانی فلانی، اور موت کے بعد نہ آپ شادی کیجیئے نہ شادی میں بیٹھیئے، نہ اچار ڈالیئے اور فلانے لوگ نیا کپڑا نہ پہنیں۔ اور فلانے لال ٹوپی نہ پہنیں۔ سو سب جھوٹے اور شرک میں گرفتار، اللہ کی حکومت کی شان میں دخل کرتے ہیں اور ایک شرع اپنی جدی قائم کرتے ہیں"۔ صـ۶۷

تقویۃ الایمان کے ان اقتباسات سے نہایت واضح اور قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ جن مسلمانوں کی اصلاح کے لئے وہ لکھی گئی تھی وہ کیسی کیسی گمراہیوں اور کن مشرکانہ رسوم و بدعات میں مبتلا تھے۔ اور توحید و سنت سے وہ کتنے دور جا پڑے تھے۔ کم سے کم اس عاجز کو تو اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ ان جہالتوں اور ان گمراہیوں کی بیخ کنی کیلئے اسی لب و لہجہ اور اسی دو ٹوک انداز بیان کی ضرورت تھی، جسے اللہ کی

توفیق سے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان میں اختیار فرمایا۔ اس عاجز کے اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں پیدا ہوا اور جہاں پلا بڑھا وہاں وہ ٹھیٹھ ہندوانہ رسوم تو نہیں تھیں جن کا تقویۃ الایمان کے منقولہ بالا اقتباسات میں ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ قبر پرستی اور تعزیہ پرستی جیسے مشرکانہ اعمال میں وہاں کے مسلمان کہلانے والے لوگوں کی اکثریت بری طرح مبتلا تھی۔ ضلع مراد آباد کے مشہور قصبہ سنبھل کے جس محلہ میں ہمارا خاندان بسا ہوا تھا اس میں سو فیصد سنی آبادی تھی۔ ایک گھرانہ بھی شیعوں کا نہیں تھا لیکن تعزیہ داری کا جو حال وہاں تھا، شاید ہی وہ کسی شیعہ آبادی میں ہو بیسیوں گھروں میں تعزیے رکھے جاتے، ان پہ نذریں اور چڑھاوے چڑھتے، امام حسین سے حاجتیں اور مرادیں مانگی جاتیں، اور یہ نذریں اور چڑھاوے چڑھانے والے لوگ بھی سیدھا سادہ یقین رکھتے تھے کہ امام حسین انکی مرادیں پوری کردیں گے۔ بچوں کو اس امید پر امام حسین کا فقیر بنایا جاتا تھا کہ امام حسین ان کی زندگی کے ضامن ہو نگے ــــ قبروں پر بھی خوب چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ ہمارے محلہ ہی میں ایک اونچی سی قبر تھی جس کو "دادا الٰہی بخش کی قبر" کہا جاتا تھا اس پر خاص طور سے جمعرات کے دن مرادیں اور حاجتیں مانگنے والے طرح طرح کے چڑھاوے چڑھاتے ان میں زیادہ تر مٹھائیاں ہوتیں یا شکر آنے[1] کے طباق ــ ایک مجاور صاحب بیٹھے رہتے تھے انکے ساتھ ایک بوڑھی بدشکل طوائف بھی رہتی تھی۔ دونوں کے پاس اپنے اپنے برتن ہوتے ــــ چڑھاوے میں ایک حصہ مجاور صاحب کا ہوتا تھا اور ایک اس طوائف کا ــــ اور ایک حصہ ان بچوں کو تقسیم کیا جاتا جو اسی مقصد سے وہاں جمع ہو جاتے تھے ــــ ہر چڑھاوے کیلئے وہ طوائف ناچتی تھی، شاید اس لئے کہ دادا الٰہی بخش کے راضی کرنے کیلئے چڑھاوے کے علاوہ طوائف کے ناچ کی بھی ضرورت تھی ــــ سنبھل ہی کے ایک اور محلہ میں شاہ مدار کے نام سے ایک اور اونچی سی قبر تھی۔ اس پر کسی خاص تاریخ کو میلہ لگتا تھا۔ وہاں آنے والے "حاجی" زیادہ تر دیہات سے آتے تھے۔ جن کے جسم پہ کوئی سِلا ہوا کپڑا نہیں ہوتا تھا، "احرام" کی طرح ایک چادر بطور تہبند وہ پہنے ہوتے تھے اور ایک چادر اوپر کے جسم پر پڑی ہوتی، یہ حاجی اپنے ساتھ شاہ مدار کی قربانی کے لئے مرغا یا بکرا بھی اپنے ساتھ لاتے اور وہیں ان کی قربانی کرتے اور پھر وہ

---

[1] یہ اس علاقہ کا ایک خاص تحفہ ہوا کرتا تھا جس میں چاولوں کے اوپر شکر کی ایک تہہ ہوتی اور اسکے اوپر گھی کی ایک تہہ ہوتی۔

لوگ شاہ مدار سے اپنی مرادیں مانگتے ـــــ یہ میلہ میں نے خود بچپن میں کم از کم ایک دو دفعہ ضرور دیکھا تھا۔

اس عاجز نے اپنے وطن اور اپنے محلہ میں قبر پرستی اور تعزیہ پرستی کا یہ حال دراصل یہ عرض کرنے کیلئے بیان کیا ہے کہ میری طرح جن لوگوں نے ایسے حالات دیکھے ہیں انھیں شرک کی بیخ کنی اور دعوتِ توحید میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مخصوص اور دو ٹوک اندازِ بیان میں کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں معلوم ہوگی۔ البتہ جن خوش نصیبوں نے ایسے خانوادوں میں پرورش پائی جہاں یہ صورتحال نہیں تھی (اور میرا اندازہ ہے کہ ہمارے محترم مولانا ابوالحسن زید دہلوی مجددی کا خانوادہ ان میں سرفہرست ہوگا اس لئے کہ وہ مجددی اصلاحات و تعلیمات کا وارث گھرانہ تھا) انھیں اگر حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے اندازِ بیان میں ضرورت کے حدود سے تجاوز نظر آئے تو یہ بات بہت زیادہ باعث تعجب اور محل شکایت نہیں ہونی چاہیئے ـــــ ہاں ان حضرات کو یہ احتیاط ضرور ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ یہ کتاب ہندوستان کے چند ایسے مخصوص خاندانوں کیلئے نہیں بلکہ اس ملک میں بسنے والے ان عام مسلمانوں کیلئے لکھی گئی تھی، جو گلے گلے شرک و خرافات کے دلدل میں دھنسے ہوئے تھے۔

۲۔ تقویۃ الایمان کے مسئلہ پر غور کرتے وقت ایک اصولی حقیقت یہ بھی پیش نظر رہنی چاہیئے (جو قرآن مجید، اسوۂ نبوی اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے معلوم ہوتی ہے) کہ جب کسی ایسے گروہ کی اصلاح مقصود ہو جو کسی نبی یا ولی کے بارے میں ایسے غلو میں مبتلا ہو جس میں شرک کا شائبہ بھی ہو تو حکمت اصلاح کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں اس شخصیت کی بندگی اور بیچارگی کے پہلو کو... پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ بیان کیا جائے ـــــ سورۂ مائدہ آیت ۱۷ میں اُن عیسائیوں کے مشرکانہ غلو کی اصلاح کیلئے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدائی کے عرش پر بٹھائے ہوئے تھے فرمایا گیا ہے۔

"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا"

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قطعی کافر ہو گئے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہیں، اے ہمارے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے، بتلاؤ اگر خدا مسیح بن مریم، ان کی ماں اور

دنیا کے سارے انسانوں کو ہلاک اور فنا کر دینے کا ارادہ کرلے تو کس کے اختیار میں ہے کہ انکو بچا سکے؟

—— یاد رہے کہ یہ وہی مسیح بن مریم ہیں جن کو قرآن مجید ہی میں بعض دوسرے مقامات پر "کَلِمَۃُ اللّٰہِ وَرُوْحٌ مِّنْہُ" اور "وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ" فرمایا گیا ہے، اور انکی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَھَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ" —— لیکن سورۂ مائدہ کی اُس آیت میں جس میں عیسائیوں کے غُلو کی اصلاح مقصود ہے ایک بھی لفظ ایسا نہیں فرمایا جس سے ان کی عظمت اور علوشان ظاہر ہو، بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ بتلاؤ! اگر اللہ ان کو ہلاک اور فنا کر دینے کا ارادہ فرمائے تو ہے کوئی جو اُنھیں بچا سکے.....؟؟

اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا —— "لن نومن لک حتّٰی تفجر لنا من الارض ینبوعا.... الآیات" —— مطلب یہ ہے کہ ہم تم کو اس وقت تک خدا کا نبی و رسول نہیں مانیں گے جب تک تم یہ کر کے نہ دکھا دو کہ مکہ کی خشک زمین سے ہمارے لئے پانی کا چشمہ جاری کر دو! یا یہ کہ تمہارا خود ایک ایسا سرسبز کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں جاری ہوں یا تم یہ کر کے دکھا دو کہ آسمان کے ٹکڑے ہم پر گرا دو۔ یا اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کر کھڑا کر دو، یا تمھارا چاندی اور سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہاں سے لکھی لکھائی کتاب لے کر آؤ جسے ہم پڑھ لیں..... ان کرشموں کے بغیر ہم تمہیں نبی اور رسول نہیں مانیں گے۔!!

چونکہ مشرکوں کی ان جاہلانہ باتوں کا سبب اُن کا یہ خیال تھا کہ نبی اور رسول وہی ہو سکتا ہے جو مافوق البشر طاقت رکھتا ہو اور وہ کر کے دکھاوے جو کوئی بشر نہیں کر سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا "قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" (یعنی یہ کہ آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ ہر کمزوری سے پاک صاف میرا پروردگار ہے صرف وہی سب کچھ کر سکتا ہے میں تو بس ایک بشر ہوں اور ایک پیامبر۔)

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دوسرے مقامات پر قرآن مجید میں ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لئے مختلف القاب و اوصاف کے ساتھ آپؐ کا

تذکرہ کیا گیا ہے، کہیں فرمایا گیا "وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ" کہیں فرمایا گیا "وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" اور کہیں ارشاد ہوا "وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا"، لیکن سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیت کا مقصد چونکہ نبوت و رسالت کے بارے میں مشرکوں کے غالیانہ خیالات کی اصلاح تھا اس لئے آپؐ کی زبان مبارک سے صرف اتنا کہلوایا گیا "هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا" (میں تو ایک بشر ہوں اور اللہ کا پیام پہونچانیوالا پیغمبر اسکے سوا کچھ نہیں۔)

ایک موقعہ پر بعض صحابہ سے اظہارِ عقیدت و عظمت میں کچھ بے اعتدالی اور لغزش ہوگئی تو آپ نے سخت تنبیہہ فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

لَا يَسۡتَهۡوِيَنَّكُمُ الشَّيۡطَانُ، اَنَا مُحَمَّدُ بۡنُ عَبۡدِ اللّٰهِ، عَبۡدُ اللّٰهِ وَرَسُوۡلُهٗ، مَا اُحِبُّ اَنۡ تَرۡفَعُوۡنِيۡ فَوۡقَ مَنۡزِلَتِيَ الَّتِيۡ اَنۡزَلَنِيَ اللّٰهُ ۔۔۔۔۔ (رواہ احمد وعبد بن حمید وسعید بن منصور و البیھقی فی شعب الایمان) کنز العمال ج ۲ ص ۱۳۲

لوگو! تمھیں شیطان گمراہ نہ کردے، میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم مجھے میرے اُس مرتبہ سے اوپر اُٹھاؤ جہاں اللہ نے مجھے رکھا ہے۔

ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے سلسلۂ کلام میں نکل گیا "مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئۡتَ"۔ (یعنی وہ ہوگا جو اللہ چاہے اور جو آپؐ چاہیں) آپؐ اس پر سخت برہم ہوئے اور فرمایا:۔

"جَعَلۡتَنِيۡ لِلّٰهِ نِدًّا بَلۡ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ" ۔۔۔۔۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ کنز العمال۔ ج ۲ ص ۱۳۲)

تم نے مجھ کو خدا کے برابر کر دیا (یوں نہیں) بلکہ یوں کہو کہ جو تنہا خدا چاہے وہ ہوگا۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

لَا تُطۡرُوۡنِيۡ كَمَا اَطۡرَتِ النَّصَارٰى عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ، اِنَّمَا اَنَا عَبۡدُ اللّٰهِ وَرَسُوۡلُهٗ، فَقُوۡلُوۡا عَبۡدُ اللّٰهِ وَرَسُوۡلُهٗ۔

مطلب یہ ہے کہ میرے بارے میں اس طرح غلو مت کرو جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کیا میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں اور اسکا رسول یعنی پیامبر لہٰذا

حالانکہ خود آنحضرتؐ نے دوسرے موقعہ پر اپنے اوپر اللہ تعالےٰ کے خصوصی انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "أنا اول شافعٍ واوّل مُشفَّعٍ" اور "انا حبیب اللہ ولا فخر وأنا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ وادم فمن دونہ تحت لوائی ولا فخر..... وانا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ ولا فخر"

لیکن جب غلو کی اصلاح کیلئے آپ نے مذکورہ بالا ارشادات فرمائے تو اس میں صرف اتنا ارشاد فرمایا "انا محمد ابن عبداللہ، عبد اللہ ورسولہ" (میں تو بس اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں)۔

اس اصولی حقیقت اور حکمتِ اصلاح کا واضح ترین اور انتہائی سبق آموز نمونہ صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعہ پر تمام صحابہ کرام کے مجمع میں دیا تھا ——— صحیح بخاری کی روایت کے مطابق واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو باہر کے لوگوں میں سے سب سے پہلے حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اجازت لے کر حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوئے حضرت صدیقہؓ نے پردہ فرمالیا، حضورؐ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر حضرت مغیرہؓ نے کہا، آپ وفات پا چکے (انا للہ وانا الیہ راجعون) حضرت عمرؓ نے انکو ڈانٹا اور کہا کہ ہرگز آپ کی وفات نہیں ہوئی جب تک کہ فلاں فلاں کام انجام نہ پاجائیں گے آپ اس دنیا میں رہیں گے، مطلب یہ ہے کہ یہ سکتہ کی سی کیفیت ہے جس کو تم غلطی سے موت سمجھ رہے ہو پھر باہر آئے ——— خبر سن کر کچھ اور لوگ بھی آچکے تھے حضرت عمرؓ نے پوری شدت کے ساتھ اپنے اس یقین کا لوگوں کے سامنے اظہار فرمایا بعض روایات میں یہاں تک ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضورؐ کی وفات ہوچکی تو اسکا سر قلم کردیا جائیگا ——— ظاہر ہے کہ یہ ان پر ایک غلبۂ حال کی کیفیت تھی۔ غالب گمان ہے کہ حضورؐ کے ساتھ عام صحابہ کرام کو جو محبت تھی اسکی بنا پر انکو حضرت عمرؓ کی یہ بات اچھی لگتی ہوگی۔ اس دوران مجمع بڑھتا گیا۔ آنحضرت کے چچا حضرت عباس نے بھی حضرت عمرؓ کو سمجھانا چاہا لیکن انھوں نے انکی بھی نہیں سنی۔ اور زور شور سے اپنی بات فرماتے رہے ——— یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس دن حضورؐ نے وفات پائی اس دن کی صبح کو آپ کی حالت بہت اچھی تھی حضرت علی مرتضیٰؓ جو گویا مستقل تیماردار تھے صبح کو

جب وہ گھر سے باہر آئے اور لوگوں نے پوچھا کہ حضورؐ کا کیا حال ہے تو انھوں نے کہا کہ الحمدللہ حضورؐ کی حالت آج بہت ہی اچھی ہے۔ صدیق اکبرؓ یہ معلوم ہونے کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے جو کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ انکو جب خبر پہنچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے پہنچے دیکھا کہ اچھا خاصا مجمع ہے۔ اور حضرت عمرؓ بار بار لوگوں کے سامنے اپنی بات دہرا رہے ہیں صدیق اکبرؓ گھوڑے سے اتر کر سیدھے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوئے۔ حضورؐ کے جسد مبارک پر چادر ڈال دی گئی تھی۔ صدیق اکبرؓ نے اندر پہنچ کر چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی اور پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر کہا طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا (آپؐ زندگی میں بھی پاک اور پاکیزہ تھے اور موت کے بعد بھی پاک اور پاکیزہ ہیں) اسکے بعد حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمرؓ کو خاموش کرنا چاہا مگر انکا حال یہ تھا کہ انھوں نے انکی بھی نہیں سنی، صدیق اکبرؓ مسجد تشریف لائے سیدھے منبر پر پہنچے، عام صحابہ کرام جو جانتے تھے کہ ابو بکرؓ حضورؐ کے تمام صحابہ کرام میں افضل اور بلند مرتبہ ہیں خود حضورؐ نے آخری دنوں میں ان کو امام نماز بنا کر سب پر اس حقیقت کو ظاہر بھی کر دیا تھا۔ وہ سب حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر مسجد میں حضرت ابو بکرؓ کے پاس آگئے۔ حضرت عمرؓ بھی آگئے، اس موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ محسوس کر کے کہ عمرؓ کی بات غلط اور ایک قسم کے غلبۂ حال کا نتیجہ ہے اور اس سے لوگوں کے عقیدوں میں فساد آسکتا ہے حاضرین سے خطاب فرمایا جس میں صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق اللہ کی حمد و ثنا کے بعد واشگاف طور پر فرمایا "من کان منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت قال اللہ تعالیٰ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ۔

جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد کی بندگی اور عبادت کرتا تھا تو اسکو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد تو وفات پا گئے (ٹھیٹھ لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ محمد تو مر چکے) اور جو تم میں سے اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے تھے انکو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اسکو کبھی فنا نہیں۔ آگے صدیق اکبرؓ نے قرآن مجید کی اُس آیت کا حوالہ بھی دیا جس میں فرمایا گیا ہے کہ محمد اسکے سوا کچھ نہیں کہ بس اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے

رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم (دین سے) اُلٹے
پاؤں لوٹ جاؤ گے اور جو ایسا کریگا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گذار
(یعنی دین پر قائم رہنے والے) بندوں کو اس استقامت کا صلہ عطا فرمائیگا۔

غور فرمایا جائے صحابۂ کرام میں بلکہ پوری امت میں صدیق اکبرؓ کی برابر حضورؐ کا مرتبہ
شنا[illegible] اور آپؐ کے ساتھ محبت اور فدائیت کا تعلق رکھنے والا کوئی بھی نہ تھا۔ آنحضرتؐ
ے (صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق) وفات سے صرف پانچ دن پہلے مسجد شریف
کے اپنے آخری خطاب میں اپنے ساتھ حضرت صدیقؓ کے امتیازی تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے
فرمایا تھا کہ ہمارے ساتھ جس نے بھی جو احسان کیا تھا ہم نے اسکا بدلہ چکا دیا، سوائے ابوبکرؓ
کے انھوں نے جو احسانات کیئے اسکا بدلہ انکو اللہ تعالیٰ ہی آخرت میں عطا فرمائیگا۔ الغرض
حضورؐ کے ارشاد پاک اور اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق صحابہ کرام کے طبقہ اور پوری امت
میں ابوبکر صدیقؓ کو ہی حضورؐ سے سب سے زیادہ محبت اور فدائیت کا تعلق تھا اور وہی سب سے
زیادہ حضورؐ کے مقام عظمت کے شناسا تھے اسکے باوجود انھوں نے اس خطبہ میں جو حضورؐ
کے بارے میں غلو کے سدباب کیلئے دیا آپ کے نام کے ساتھ نبی یا رسول یا عظمت کو ظاہر
کرنے والا کوئی کلمہ حتیٰ کہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی نہیں فرمایا۔

اب رافضی جو حضرت صدیق اکبرؓ کو (معاذ اللہ) منافق کہتے ہیں اور ان سے بغض
وعداوت رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دیکھو حضور کے دنیا سے پردہ فرمانے کے فوراً بعد ابوبکرؓ کا
باطن ظاہر ہو گیا اور اس خطبہ میں انھوں نے حضورؐ کا جس طرح ذکر کیا وہ کھلی ہوئی بے ادبی
ہے —— لیکن تمام صحابہ کرام اور انہیں کی طرح انکی پیروی کرتے ہوئے ہم اہلسنت نے بھی
یہی سمجھا کہ حکمت اصلاح کا یہی تقاضا تھا، ہمارے نزدیک صدیق اکبرؓ کے اس خطبہ نے
امت کو عقیدہ کے فساد سے بچا لیا اور قیامت تک کیلئے رہنمائی دے دی۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ
کے دور خلافت میں جبکہ دور دراز کے بہت سے علاقے بھی اسلامی اقتدار کے دائرے میں آگئے
تھے، اور وہاں کے رہنے والوں نے اسلام قبول کر لیا، تو حج کے موقع پر اللہ نے حضرت عمرؓ
کے قلب میں یہ بات ڈالی کہ مختلف علاقوں کے جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور وہ
اب تک بت پرستی جیسی گمراہیوں میں مبتلا تھے وہ یہ دیکھ کر کہ حج کے ہر طواف میں حجر اسود
کو بوسہ د[illegible] یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ یہ بھی کوئی دیوی دیوتا ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔

باآواز بلند فاروقی انداز میں اعلان فرمایا کہ "اما واللہ لقد علمت انک حجر لا تنفع ولا تضر ولولا أنی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلک ما قبلتک" مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حجر اسود کی طرف خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ میں خدا کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اگر میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو ہرگز بوسہ نہ دیتا ______ اب ایک رافضی جو حضرت عمرؓ کے متعلق رافضیانہ عقائد رکھتا ہے وہ تو کہے گا کہ (معاذ اللہ) عمر بن الخطاب نے اس مقدس حجر اسود کی توہین کی جس کو حدیث میں یمین اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دست راست کے قائم مقام) کہا گیا ہے جس کو چومنا حج وعمرہ کے اعمال میں بڑا اونچا عمل ہے اور جسے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عظمت ومحبت کے جذبے کے ساتھ چومتے تھے ______ لیکن ہم اہلسنت حضرت فاروق اعظمؓ کے اس عمل اور انکے اس اعلان کو عقیدۂ توحید کی حفاظت اور امت کو شرک کے خطرہ سے بچانے کی کوشش کے سلسلہ میں نشانِ راہ سمجھتے ہیں۔

امت کے مصلحین مجددین اور دینِ حق کے محافظین کے ملفوظات ومکتوبات تقاریر ومواعظ اور تصنیفات سے بے شمار نمونے اس حکمتِ اصلاح کے پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن نہ اتنی گنجائش ہے اور نہ عقلِ سلیم رکھنے والوں کے لئے اتنی طوالت کی ضرورت تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب کی خدمت میں ایک دو مثالیں حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس سرہ کے مکتوبات سے بھی پیش کردی جائیں۔

مکتوبات کے دفتر اول کے مکتوب ۱۷۷ میں فرماتے ہیں:۔

اے برادر! محمد رسول اللہ باآں علو شان بشر بود وبداغ حدوث وامکان متسم۔	اے بھائی! محمد رسول اللہ بھی باوجود اسقدر بلندئ مرتبہ کے بشر تھے اور حدوث وامکان کے داغ سے داغدار۔

اب جو شخص حضرت امام ربانی سے بغض وعداوت رکھتا ہے وہ شور مچائے گا کہ حضرت مجدد نے حضورؐ کو حدوث وامکان کے داغ سے داغدار لکھدیا۔ یہ حضورؐ کی شان میں بے ادبی ہے۔

نیز دفتر سوم کے آخری مکتوب میں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حزن وغم سے متعلق ملا حسن کشمیری کے ایک سوال کے جواب میں ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

ہر قدر کہ از وجود بشریت باقیست	پس جسقدر بشریت باقی ہے اسی قدر اسکے

حجابِ راہ ہما قدر است وارتفاع — حجاب بھی موجود ہیں اور صفاتِ بشریہ کا
بشریت بالکل در کل ممکن نیست — کسی سے بھی بالکلیہ دور ہوجانا ممکن ہی نہیں
چہ در خواص وچہ در اخص الخواص — نہ خواص ہیں نہ اخص الخواص ہیں۔

شیخ عطار فرماید ؎ — شیخ عطار فرماتے ہیں۔
نمی بینی کہ شاہے چوں پیمبر — کیا تم نہیں دیکھتے کہ کامل فقر تو رسول اللہ
نیابد فقر کل تو رنج کم بر — صلے اللہ علیہ وسلم بھی حاصل نہ کرسکے
اس لئے تم اسکی حسرت نہ کرو۔

اب جسکے دل میں حضرت امام ربّانی کے بارے میں بدگمانی اور بغض و عداوت ہوگی، وہ کہے گا کہ انھوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں بے ادبی اور آپ کی تنقیص کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام ربانی اور شیخ عطار نے جو فرمایا وہ عین حقیقت ہے۔ مگر —— ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است۔

اس عاجز کے نزدیک شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور ان کے پیروکاروں کے معاملہ کی حقیقت یہی ہے۔

۳۔ محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب کے ابتدائیہ میں ص۱۳ پر لکھا ہے۔

"سردار دو عالم رحمت عالمیان صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس کو ائمۂ حدیث نے روایت کرکے امت مرحومہ کے واسطے اپنی کتابوں میں محفوظ کردیا ہے کہ "یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا" آسان کرو، مشکل نہ بناؤ، بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ، —— کیا مکروہ تنزیہی کو مکروہ تحریمی اور مکروہ تحریمی کو حرام قطعی قرار دینا اور شرک اصغر کو جس سے بچنا کوئی امر سہل نہیں ہے، ذرا سی ریا اور دکھاوٹ شرک اصغر اور شرک خفی ہے، شرک اکبر اور شرک جلی قرار دینا، آسان کرنا ہے یا مشکل بنانا، اور جو شخص ایسا فعل کرے وہ ارشاد نبوی پر عمل کر رہا ہے یا اپنی من مانی کر رہا ہے"

مولانا زید صاحب کی اس عبارت کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں جگہ جگہ مکروہ تنزیہی کو مکروہ تحریمی، مکروہ تحریمی کو حرام قطعی اور شرکِ اصغر اور شرکِ خفی کو شرکِ اکبر اور شرکِ جلی قرار دیا ہے ——

میں بہت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ مجھے "تقویۃ الایمان" میں بہت تلاش کے باوجود ایک جگہ بھی ایسی نہیں مل سکی جس میں شرکِ اصغر کو شرک اکبر یا شرک خفی کو شرک جلی قرار دیا گیا ہو۔ دانستہ طور پر شرک اصغر کو شرک اکبر یا شرک خفی کو شرک جلی قرار دے دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے ـــــ اور اگر نادانستہ طور پر ہو تو بہت سنگین غلطی ہے ـــــ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ شاہ شہیدؒ کی تقویۃ الایمان میں تلاش کے باوجود کسی مقام پر بھی ایسی عبارت نہیں ملی جس میں شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو ـــــ میرے پاس سنہ ۱۲۷۰ھ کا مطبوعہ وہ نسخہ ہے جس پر مولانا محبوب علی مرحوم کا حاشیہ ہے۔

اس صاف وضاحت کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ تقویۃ الایمان میں متعدد مقامات پر ان اعمال کو "شرک" (خفی یا جلی، اور اصغر یا اکبر کی صفت کے بغیر) قرار دیا گیا ہے جن کا مرتکب جمہور علمائے اہلسنت (بشمول مصنف تقویۃ الایمان) کے نزدیک نہ دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ ابدی عذاب اخروی کا مستحق قرار دیا جاتا ہے، بلکہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور یہ طرز بیان ـــــ ان اعمال کو "شرک" یا "کفر" قرار دینا، جو شرک یا کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ تو ہیں، لیکن ان کا کرنے والا قانونی و فقہی طور پر مشرک، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ علماء کرام کی اصطلاح میں اس قسم کے اعمال کو شرکٌ دونَ شرکٍ، کفرٌ دونَ کفرٍ کہا جاتا ہے۔

اس عاجز کے محدود مطالعہ میں اس موضوع پر سب سے زیادہ تشفی بخش، مدلل اور سیر حاصل بحث علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "الصلوٰۃ واحکام تارکھا" میں کی ہے، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحؒ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں "حدیث نبوی إن بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة" کی تشریح میں علامہ ابن قیم کی وہ پوری بحث قدرے تلخیص کے ساتھ نقل کر دی ہے، اس بحث میں علامہ ابن قیمؒ نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ جس طرح ایمان کے بہت سے شعبے ہوتے ہیں، اور ان سب ایمانی شعبوں کا درجہ اور حکم یکساں نہیں ہوا کرتا، بلکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی عدم موجودگی کی بنا پر اصل ایمان کا فقدان لازم ہوتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کے نہ ہونے کی صورت میں ایمان میں کمی اور کمزوری تو آتی ہے، البتہ بالکلیہ اسکے زوال کا حکم نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح کفر

کے بھی بہت سے شعبے ہوتے ہیں، اور کفر کے ان شعبوں کا بھی درجہ اور حکم یکساں نہیں۔ ــــ پھر یہ بیان کرنے کے بعد کہ کفر کی دو قسمیں ہوتی ہیں. کفر اعتقادی اور کفر عملی، دونوں کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن قیم نے لکھا ہے

فکفر الجحود ان یکفر بما علم ان الرسول جاء به من عند الله جحودًا وعنادًا من اسماء الرب وصفاته وأفعاله واحكامه وهذا الكفر يضاد الايمان من كل وجه ــــ وأما كفر العمل فينقسم إلى مايضاد الايمان وإلى مالايضاده فالسجود للصنم والاستهانة بالمصحف وقتل النبي وسبّه يضاد الايمان، وأما الحكم بغير ما أنزل الله وترك الصلاة فهو من الكفر العملي قطعًا ولا يمكن ان ينفى عنه اسم الكفر بعد أن اطلقه الله ورسوله عليه، فالحاكم بغير ما انزل الله كافر وتارك الصلاة كافر بنص رسول الله صلى الله عليه وسلم ولكن هو كفر عمل لا كفر اعتقاد...... وقد نفى رسول الله صلى الله عليه وسلم الايمان عن الزاني السارق وشارب الخمر وعمن لا يأمن جاره بوائقه واذا نفى عنه اسم الايمان فهو كافر من جهة العمل وانتفى عنه كفر الجحود

کفر انکاری (اعتقادی) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اسمأ و صفات اور اسکے افعال اور احکام کی قسم میں سے جس چیز کے بارے میں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو کہ اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، اس کا انکار، صرف نہ ماننے اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کیا جائے۔ کفر کی یہ قسم ایمان کے سو فیصد منافی ہے ــــ جہاں تک کفر عملی کا تعلق ہے تو وہ دو طرح کا ہوا کرتا ہے، ایک تو وہ جو ایمان کے منافی ہے، اور دوسرا وہ جو ایمان کے منافی نہیں ہے پس بت کو سجدہ کرنا، قرآن مجید کی توہین، پیغمبر کو قتل کرنا یا گالیاں دینا، ایمان کے منافی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بنائے قوانین کے علاوہ کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا، نماز چھوڑنا، یہ بلاشبہ کفر عملی ہے. اس طرح کے اعمال کو کفر ضرور کہا جائے گا کیونکہ اللہ اور اللہ کے رسول نے انھیں "کفر" کہا ہے. لہذا اللہ کے نازل کردہ قوانین کے بجائے کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنیوالا، اور نماز کا تارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صاف فرمان کے بموجب کافر تو کہا جائے گا، تاہم یہ کفر عملی ہوگا نہ کہ کفر اعتقادی...... اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زنا کرنیوالے، چوری کرنیوالے، شرابی اور جسکی شرارتوں سے پڑوسی محفوظ و مامون

والاعتقاد۔

نہ لیے ہے اس سے ایمان کی نفی فرمائی ہے لہٰذا وہ کفر عملی کا مرتکب قرار دیا جائے گا لیکن کفر اعتقادی اس پر نہیں ثابت کیا جائے گا۔

آگے چل کر اسی بات کی تائید میں علامہ ابن قیمؒ نے کئی اور مضبوط دلائل و شواہد قرآن مجید اور اکابر صحابہؓ و تابعین کے بیانات سے نقل فرمائے ہیں۔ پھر "کفرٌ دون کفرٍ" کے بارے میں بحث مکمل کرنے کے بعد شرک دون شرک" کے بارے میں لکھا ہے۔

کذالک الشرک شرکان، شرک ینقل عن الملۃ وھو الشرک الاکبر وشرک لاینقل عن الملۃ وھو الشرک الاصغر وھو شرک العمل کالریاء، وقال تعالیٰ فی الشرک الاکبر "اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰىہُ النَّارُ، وَقَالَ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ"۔۔۔۔ الآیۃ وفی شرک الریاء "فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا، ومن ھذا الشرک الأصغر قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن حلف بغیر اللہ فقد أشرک رواہ ابوداؤد وغیرہ ومعلوم أن حلفہ بغیر اللہ لایخرجہ عن الملۃ ولایوجب لہ حکم الکفار، ومن ھذا قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الشرک فی ھذہ الأمۃ اخفی من دبیب النمل۔۔

اسی طرح شرک بھی دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو وہ جس کا مرتکب ملت سے خارج ہو جاتا ہے اسے شرک اکبر کہتے ہیں' اور دوسرا وہ شرک جس سے آدمی ملت سے خارج نہیں ہوتا، اسے شرک اصغر کہتے ہیں جیسے ریاکاری، شرک اکبر کے بارے میں قرآنی آیات کا نمونہ ارشاد خداوندی (انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماوٰہ النار) اور (ومن یشرک باللہ فکأنما خرّ من السماء) وغیرہ ہیں' اور ریاکاری والے شرک کے بارے میں (مثلاً) فرمایا گیا ہے (فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولایشرک بعبادۃ ربہ احدا) شرک کی دوسری قسم شرک اصغر ہی کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم جس نے کھائی وہ شرک کا مرتکب ہوا ــــ یہ بات معلوم ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانے والا ملت سے خارج نہیں ہوتا اور نہ اس پر کفار کے احکام عائد کئے جاتے ہیں' شرک کی اسی قسم سے متعلق ہے آپؐ کا یہ ارشاد کہ اس امت میں

شرک جیونٹیوں کی دھیمی چال سے بھی زیادہ غیر محسوس ہوگا۔

یہ عاجز اپنے علم و مطالعہ کی حد تک پورے اطمینان کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ "تقویۃ الایمان" میں حضرت شاہ شہیدؒ نے ان مشرکانہ اعمال کو "شرک" قرار دینے میں ٹھیک اسی قرآنی و نبوی انداز کی پیروی کی ہے جس کی وضاحت علامہ ابن قیمؒ کی منقولہ بالا بحث میں کی گئی ہے ۔۔۔ بلکہ خود حضرت شاہ شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کے شروع ہی میں فصل اول کے تحت پہلی آیت کا ترجمہ لکھنے کے بعد اسکے فائدہ میں یہ بات صاف کر دی ہے کہ "شرک کی ایک قسم وہ ہے جس سے آدمی کافر اور دوزخ کے ابدی عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جو اس سے کم درجہ کے شرک ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے یہاں اس کی جو سزا مقرر ہے اس کا مرتکب بس وہ سزا پائے گا۔"

اگر اس عاجز کا یہ احساس نہ ہوتا کہ شرک وغیرہ دوسری عمومی گمراہیوں سے اُمت کی حفاظت کی جدوجہد کی راہ میں اس حکمت عملی کے مناسب اور بعض حالات میں ضروری ہونیکے بارے میں جو اطمینان، دین کی حفاظت اور امت کی اصلاح کی عمومی جدوجہد کے براہ راست تجربہ اور اسکی بدولت حاصل ہونے والے مخصوص ذوق و مزاج سے حاصل ہو سکتا ہے وہ صرف نظری دلائل سے نہیں ہو سکتا، تو یہ عاجز ابھی اس سلسلہ میں اور بھی کچھ عرض کرتا ۔۔۔ بس اب یہ کہتے ہوئے یہ گفتگو مکمل کرتا ہے کہ جس مبارک زبان سے "یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا" کی زرّیں ہدایت نکلی تھی، اسی زبان سے خود "من ترك الصلاة فقد كفر ومن حلف بغير الله فقد أشرك" وغیرہ متعدد سخت جملے بھی صادر ہوئے تھے ۔۔۔ اس پر غور کیا جائے، اور یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالےٰ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر ہدایت کو اپنے صحیح محل پر رکھنے اور آپ کی اصل منشاء کو ٹھیک سمجھنے کی استعداد ہم سب کو عطا فرما دے۔

بات یہ شروع ہوئی تھی کہ مولانا زید صاحب نے شاہ شہیدؒ پر الزام لگایا ہے کہ انھوں نے تقویۃ الایمان میں شرک اصغر کو اکبر اور شرک خفی کو جلی لکھا ہے ۔۔۔
اس کے جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ تلاش کے باوجود تقویۃ الایمان میں کوئی عبارت ایسی نہیں ملی جس میں شرک اصغر کو اکبر اور شرک خفی کو جلی لکھا گیا ہو ۔۔۔ ہاں ایسا بیسوں جگہ ہے کہ ایسے اعمال و رسوم کو جو شرک اکبر اور شرک جلی نہیں ہیں لیکن ان میں شرک کا شائبہ ہے، اُن کو (اصغر یا اکبر اور خفی یا جلی کی قید کے بغیر) شرک لکھا گیا ہے،

اور یہ کتاب اللہ اور ارشادات نبوی کے عین مطابق ہے ـــــــ اس سلسلہ میں کُفْرٌ دون کُفْرٍ اور شِرْکٌ دون شِرْکٍ سے متعلق شیخ ابن قیمؒ کا کلام بھی نقل کیا گیا ہے۔

اب یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ فی الحقیقت مولانا زید صاحب کے الزام کی بنیاد امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کی نقل کی ہوئی ایک حکایت پر ہے[1] جو امیر الروایات میں درج ہے، جس میں تقویۃ الایمان کے بارے میں خود شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ "اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔"

یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ تقویۃ الایمان میں کہیں بھی تلاش کے باوجود ایسی کوئی عبارت نظر نہیں پڑی جس میں شرک جلی لکھا گیا ہو ـــــ اسکے بعد یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ حکایت میں شرک خفی کو شرک جلی قرار دینے کی جو بات لکھی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہے اس واقعہ کے روایت کرنے والے کسی راوی کی غالباً غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

---

[1] حکایت کے نقل کرنیوالے امیر شاہ خاں صاحب مرحوم خورجہ (ضلع بلند شہر) کے رہنے والے ایک مرد صالح تھے اُن کو ہمارے اکابر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ساتھ عقیدت و محبت کا غیر معمولی تعلق تھا، اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں بزرگوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا انکو بہت موقع عطا فرمایا تھا، انکی ایک خصوصیت یہ بھی کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے سلسلے سے تعلق رکھنے والے اکابر و مشائخ اور خاص مسترشدین و متوسلین کے سیکڑوں واقعات اور ملفوظات انکو محفوظ تھے، اور وہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ ان واقعات و ملفوظات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے، جن میں دینی افادیت کا بلاشبہ بڑا سامان ہے ـــــ ہمارے بعض اکابر خاص کر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کو خیال پیدا ہوا کہ امیر شاہ خاں صاحب بزرگوں کے جو واقعات، حالات اور ملفوظات بیان کرتے ہیں اُن کو قلمبند کر کے کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے، خود امیر شاہ خاں صاحب نہ صاحب علم تھے نہ صاحب قلم، ان کا علم بس وہی تھا جو انھوں نے بزرگوں سے سنا تھا، اس لئے یہ کام وہ خود نہیں کر سکتے تھے، حضرت حکیم الامتؒ کے ایماء پر مولانا حبیب احمد کیرانوی مرحوم نے خانصاحب سے سُن سُن کر حکایات کے عنوان سے قلمبند کیا، اور ان حکایات کا مجموعہ "امیر الروایات" کے نام سے شائع بھی ہو گیا۔

امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے شاہ شہیدؒ کا زمانہ نہیں پایا، قریباً سو سال کا فرق ہے، امیر شاہ خاں مرحوم نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ یہ بات اُن سے کن صاحب نے بیان کی، بظاہر اسکی روایت میں دو تین واسطے ضرور ہوں گے، غالب گمان یہی ہے کہ ان میں سے کسی راوی کی غلط فہمی سے یہ غلطی ہوئی ہو، اور یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ خود امیر شاہ خاں صاحب مرحوم سے یہ مسامحت ہو گئی ہو، وہ عالم نہیں تھے، ان کا علم بس وہی تھا جو انھوں نے اپنے اُن بزرگوں سے جن کو انھوں نے پایا براہ راست سُنا تھا، اور جن بزرگوں کو نہیں پایا ان کے وہ واقعات و ملفوظات دوسرے بیان کرنے والوں سے سُنے تھے ——

اس عاجز کا یہ بھی خیال ہے کہ شاہ شہیدؒ نے غالباً یہ فرمایا ہوگا کہ "اُن امور کو جو شرک خفی تھے، شرک لکھدیا گیا ہے" —— چونکہ علماء کرام کے علاوہ عوام "شرک" اسی کو سمجھتے اور کہتے ہیں جو شرک اکبر اور شرک جلی ہو، اس لئے نقل کرنے والے صاحب نے جو خود صاحبِ علم نہ ہوں گے شرک کے ساتھ "جلی" کا لفظ بڑھا دیا ——

یہ بات کچھ بھی مستبعد نہیں —— واللہ اعلم۔

۴۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں حضرت شاہ اسماعیل شہید کے دل میں کیا جذبات تھے؟ تو اس کا صحیح علم تو اللہ تعالےٰ ہی کو ہے —— وہی دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم کمزور و ناتواں بندے تو شواہد و قرائن سے اندازے ہی لگا سکتے ہیں، ہم نے اُن کی زندگی بھر کے جو حالات پڑھے ہیں، اور جس قسم کے لوگوں کو ان کی تعریف میں رطب اللسان پایا ہے اسکی روشنی میں ہمارا گمان یہی ہے کہ وہ ان باتوفیق بندگانِ خدا میں سے ایک تھے جنھیں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ سے سچی محبت ہوتی ہے، بلکہ جن کا رُواں رُواں اُنکی محبت سے معمور رہتا ہے —— انھوں نے جہاں توحید کی حفاظت کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صالحین امت کی شان بندگی کو صاف لفظوں میں بیان کیا ہے، وہاں کے لئے انہی محبوبانِ بارگاہ الٰہی کا اسوہ یہی تھا، اور جہاں اس طرح کا کوئی تقاضا نہیں تھا وہاں انھوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار اُسی انداز میں کیا ہے۔ جو سچی محبت والوں کے شایانِ شان ہے، تو تقویۃ الایمان کی ابتداء جن سطروں سے کی گئی ہے ذرا انھیں

ملاحظہ فرمایئے :۔

"الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو کہ ہم کو تو نے ہزاروں نعمتیں دیں اور اپنا سچا دین بتایا اور سیدھی راہ چلایا اور اصل توحید سکھائی، اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا اور ان کی راہ سیکھنے کا شوق دیا، اور انکے نائبوں کی کہ جو ان کی راہ بتاتے ہیں اور انکے طریقے پر چلاتے ہیں، انکی محبت دی، سو اے پروردگار ہمارے ! تو اپنے حبیب پر اور اسکے آل و اصحاب پر اور اسکے سب نائبوں پر ہزار ہزار درود اور سلام بھیج اور اُس کی پیروی کرنے والوں کو رحمت کر اور ہم کو ان میں شریک کر۔"

اسی طرح تقویۃ الایمان کے آخری صفحہ پر خاتمہ میں تحریر فرمایا ہے :۔

"سو اے مالک ہمارے ! اپنے ایسے پیغمبر رحیم و کریم پر ہزاروں درود و سلام بھیج، اور انھوں نے جیسا ہم سے جاہلوں کو دین کے سکھانے میں حد سے زیادہ کوشش کی سو تو ہی اس کوشش کی قدر دانی کر۔"

اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی ایک دوسری تصنیف "منصب امامت" میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی عظمتِ شان اور بارگاہ خداوندی میں انکی محبوبیت، مقبولیت کا جو وجد آفریں بیان فرمایا ہے اسکی چند سطریں ذیل میں ملاحظہ فرمایئے، اور ــــ اگر اللہ تعالےٰ نے ذوقِ نظر عطا فرمایا ہے تو اِن سطور کے آئینہ میں، حضرت شاہ شہیدؒ کی قلبی کیفیت کو بچشم خود دیکھئے !

"باید دانست کہ انبیاء علیہم السلام را بحضور حضرت رحمان بہ نسبت جمیع افراد انسان نوعے از امتیاز ثابت است کہ بہ نگاہ مہربانی منظور اند و بہ لطفِ ربانی مسرور، بہ مزیتِ انعام سرفراز اند و بہ مزید اکرام ممتاز، یاسمین چمنِ محبوبیت اند و اورنگ نشیں انجمن مقبولیت اختران افلاک انس اند، افسران املاک قدس اند، و بتفویض مناصب عظیمہ لائق اند، و در سرانجام مہمات فخیمہ فائق، سرداران محافلِ کروبیاں اند، و سرانِ عساکر قدوسیاں، ہمت ایشاں مفتاح اغلاقِ ابواب است، دعائے ایشاں بلا ریب مستجاب، محب ایشاں محبوبِ حضرت رب الارباب است، و مبغض ایشاں مبغوض آنجناب، محبتِ ایشاں باعثِ رفیع

درجات است وتوسل ایشاں وسیلۂ نجات۔" (منصب امامت ص۴۲)

"معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کو دیگر افرادِ انسانی کے مقابلہ میں خاص امتیاز حاصل ہے، ان پر خداوند کریم کی نظرِ رحمت ہے اور ان کو عنایاتِ الٰہیہ سے خاص مسرت ہے، وہ فراوانی انعامات سے سرفراز اور فضل وکرم کی بارشوں سے ممتاز ہیں، چمنِ محبوبیت کے گلِ یاسمیں اور انجمنِ مقبولیت کے اورنگ نشین ہیں، آسمانِ انس کے درخشاں اختر اور عالم قدس کے افسر ہیں، مناصب جلیلہ کی تفویض کے لائق اور مہتم بالشان امورِ عظام کی انجام دہی میں فائق ہیں، کروبیوں کی محفلوں کے سردار اور قدوسی لشکروں کے سپہ سالار ہیں، ان کی خاص توجہ بند دروازوں کی کنجی ہے اور ان کی دعا لاریب مقبول ہوتی ہے، ان سے محبت کرنے والا حضرت رب العزت کا محبوب اور ان سے عداوت رکھنے والا اس بارگاہ میں مبغوض ومغضوب ہے، ان کی محبت ترقیٔ درجات کا ذریعہ اور ان کا توسل نجات کا وسیلہ ہے۔"

اور انھیں حضرت شہیدؒ کی ایک طویل معروف نظم ہے جس کا عنوان ہے "سلک نور" اس کے شروع میں جیسا کہ چاہیئے تھا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے چند اشعار ہیں، اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں رقمطراز ہیں:۔

خصوصاً کہ جو اکمل انسان ہے	وہ سارے صحیفوں کا عنوان ہے
وہ انسانِ اکمل ہے سنتے ہو کون!	ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون
نبی البرایا رسول کریم	نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم
حبیبِ خدا سید المرسلین	شفیع الوریٰ ہادئی راہِ دیں
محمد ہے نام اس کا احمد لقب	بیاں ہو سکے منقبت اسکی کب
دل اس کا جو ہے مخزنِ سرِّ غیب	مبرا خطا سے ہے بے شک وریب
بظاہر جو ہے مقطعِ انبیاء	حقیقت میں ہے مطلعِ اصفیاء

(کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ مرتبہ جناب خالد سیف صاحب ص۲۱ بحوالہ ماہنامہ برہان دہلی)

۵... یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں معمولی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ انھیں اللہ ورسول سے سچی محبت کی دولت نصیب تھی انھیں ہم نے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

اور خاص کر انکی کتاب تقویۃ الایمان کی تعریف میں رطب اللسان ہی پایا ہے — مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے اپنے مضمون میں حضرت سائیں توکل شاہؒ وغیرہ بعض اکابر و مشائخ کا تذکرہ فرمایا ہے جنھوں نے مولانا اسمٰعیلؒ کے حق میں کلماتِ خیر کہے تھے — یہ عاجز چند اور اکابر کی طرف عام قارئین، خصوصاً محترم مولانا زید صاحب کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے جو نام قابلِ ذکر ہے وہ ہے حضرت مولانا شاہ عبد الغنی مہاجر مدنیؒ کا جو مولانا زید صاحب کے والد بزرگوار حضرت مولانا شاہ ابوالخیر صاحب مجددی فاروقیؒ کے استاذ مکرم اور انکے دادا کے حقیقی بھائی تھے، انکی عبارت خود مولانا زید صاحب نے تتمۂ مقامات مظہری کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے جس میں حضرت ممدوحؒ نے حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور انکے مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے، اور ان کیلئے شہیدؒ کا لفظ استعمال کیا ہے[۱] (ناظرین کرام یہ عبارت مولانا فریدی مرحوم کے مضمون میں اسی مقام پر دیکھ چکے ہیں جہاں مولانا زید صاحب کا مکتوب نقل کیا گیا ہے، بہتر ہو کہ اس موقع پر اس عبارت پر ایک بار پھر نگاہ ڈال لی جائے۔)

پھر حضرت مولانا شاہ عبد الغنیؒ کے تلامذہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور پھر انکے تلامذہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور حضرت مولانا عبد العلی فریدیؒ صدر المدرسین و شیخ الحدیث مدرسہ عبد الرب دہلی (جو خود محترم مولانا زید صاحب کے استاذ بھی ہیں) — اور — انکے بعد کے طبقہ میں مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا سید سلیمان ندویؒ — اور — انکے بعد کی نسل میں مولانا نسیم احمد فریدیؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہ بے شمار اہلِ علم و ذکر — اور — کون نہیں جانتا کہ یہ سب کے سب حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عقیدت و محبت اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کی مدح و تحسین میں یک زبان اور رطب اللسان ہیں۔

مثال کے طور پر ملاحظہ فرمایئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ بیان جو ایک فتوے کے ضمن میں انھوں نے لکھا تھا:۔

"مولوی محمد اسمٰعیل صاحب عالم متقی، بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے

---

[۱] یاد رہے کہ مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب میں اور خط میں بھی ان کیلئے شہید کا لفظ لکھنے سے پرہیز کیا ہے۔

جاری کرنے والے اور قرآن و حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے، اور تمام عمر اسی حال میں رہے اور آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے..... اور کتاب "تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں...... (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱ ص۱۱۵)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے ایک سائل کے سوال کے جواب میں لکھا تھا:۔

"احقر مولوی اسماعیل صاحب شہیدؒ کو اور اس خاندان کو اپنا پیشوا سمجھتا ہے، اور بے تعصب ان کی باتیں موافق قرآن اور حدیث کے پاتا ہے، اور ان کے مخالفین کو حق سے دور اور ہٹ دھرمیاں کرتے دیکھتا ہے"۔

(مکتوبات یعقوبیہ ص۲۴)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی کتاب "الجہد المقل" میں لکھا ہے:۔

"عالم نبیل فاضل جلیل نمونہ "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" مولانا الحافظ الحاج مولوی اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ و علی آبائہ الکرام نے ..... جب اپنے زمانہ میں امور شرک و بدعت کا رواج زیادہ دیکھا تو مولانا ممدوح نے بمقتضائے تائید دین جہاں تک ہو سکا زبان سے نصیحت فرمائی، تحریروں کی بھی نوبت آئی چنانچہ رسالہ تقویۃ الایمان بھی جب ہی لکھا جس میں نصوص صریحہ سے نہایت سلاست کے ساتھ توحید کو بیان فرمایا..... اسکی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت و صحت عقائد نصیب ہوئی۔

(الجہد المقل ص۲)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمہ ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے انھوں نے خود نوعمری میں اسلام قبول کرنے کا واقعہ اس طرح تحریر فرمایا ہے:۔

سب سے پہلے جس کتاب نے مجھے اسلام کے متعلق صحیح واقفیت دی اور ہندو سوسائٹی میں رہ کر میں سولہ برس کی عمر سے پہلے ہی مسلمان ہو گیا وہ "تحفۃ الہند" ہے "تحفۃ الہند" کے (میرے ہم نام) مؤلف نے ہندو مذہب کے مشرکانہ

عقائد و رسوم کو نقل کرنیکے بعد ہندؤں کی طرف سے ایک اعتراض نقل کیا ہے
کہ مسلمانوں میں بھی مشرکانہ اعمال و رسوم پائے جاتے ہیں، اس کا جواب مؤلف
نے یہ دیا ہے کہ ہم نے ہندو مذہب کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ انکی مستند مذہبی کتابوں
سے ماخوذ ہے لیکن اسکے جواب میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ اسلام کی مستند
کتابوں سے ماخوذ نہیں بلکہ مسلمانوں کے اعمال و رسوم ہیں جنکا اسلام ذمہ دار
نہیں۔ اور قرآن و حدیث سے اسکی کوئی سند پیش نہیں کی جاسکتی اس موقع
پر میرے ساتھی جو میری طرح نومسلم تھے انکو توجہ ہوئی کہ وہ اس بات کی
تحقیق کریں کیا واقعی اسلام کی مستند کتابیں اس مسئلہ میں بالکل بے داغ ہیں
اور ان میں ان اعمال و رسوم کا کہیں ثبوت نہیں اس موقعہ پر ایک ایسی
کتاب کی ضرورت تھی جس میں صرف قرآن اور حدیث کے حوالہ سے اسلام
کی توحید پیش کی گئی ہو خوش قسمتی سے تحفۃ الہند کے بعد جو دوسری کتاب
میرے ہاتھ میں آئی وہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان تھی جو اس
سوال کا جواب شافی تھی اور جس سے معلوم ہو گیا کہ اسلام کی توحید بالکل
خالص ہے، اور قرآن اور حدیث مسلمانوں کے ان اعمال و رسوم سے
بالکل بری ہیں۔

ان دونوں کتابوں سے میں اسلام کے متعلق ایسا صحیح عقیدہ پیدا
کرسکا کہ آج تک شاید اس میں ایک حرف کا بھی اضافہ نہیں کر سکا۔"
(مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۲۹)

نیز انہی مولانا سندھی کا بیان ہے:-

"اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے شاہ صاحب کی تقویۃ الایمان پڑھی
چنانچہ رد شرک کے متعلق مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچا بلکہ ایک لحاظ سے
یہ کتاب مجھے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنی غرضیکہ امام محمد اسماعیل میرے
استاذ اور امام ہیں اور مجھے ان سے بہت محبت ہے جس طرح لوگ اپنے
مذاہب کے ائمہ سے کرتے ہیں۔" (شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک ص ۸)

تقویۃ الایمان کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنا تأثر ان لفظوں میں بیان

کیا ہے :-

"میرے بڑے بھائی مولوی حکیم سید ابو حبیب صاحب رضوی مجددی ......
توحید و سنت کے شیفتہ اور دلدادہ تھے۔ اور تمام عمر کامل اتباعِ سنت، اور
زہد و تقویٰ میں گذاری ..... مسلمانوں میں بدعت کا رواج زیادہ تر عورتوں
کے سبب سے ہے، اس لئے اُن کو اپنے رشتہ کی بیبیوں اور گاؤں کی دوسری بیبیوں
کو سمجھانے اور اسلام کی صحیح تعلیم سے آشنا کرنے کی دُھن تھی۔ انھوں نے ہفتہ میں
ایک دن بیبیوں میں وعظ و تلقین کیلئے مخصوص فرمایا۔ چونکہ میں بچہ تھا فارسی
ختم ہو کر میزان و منشعب شروع کی تھی۔ قرآن پاک کے بعد مولانا شاہ اسمٰعیل
شہیدؒ کی تقویۃ الایمان دین کی پہلی کتاب میرے ہاتھ میں دی گئی میں ان
بیبیوں کے بیچ بیٹھ کر تقویۃ الایمان کی ایک ایک بات پڑھتا تھا اور بھائی
صاحب مرحوم پردہ کے پیچھے سے ایک ایک مسئلہ کی تشریح و تفسیر فرماتے اور جو وہ
فرماتے وہ میرے دل میں بیٹھتا جاتا۔

یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں
کہ اثنائے تعلیم و مطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں کتنی دفعہ خیالات کے طوفان
اٹھے مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے
ہل نہ سکی، علم کلام کے مسئلے، اشاعرہ و معتزلہ کے نزاعات، غزالی و رازی
و ابن رشد کے دلائل یکے بعد دیگرے نگاہوں سے گذرے مگر اسماعیل شہیدؒ کی
تلقین بہر حال اپنی جگہ باقی رہی۔ (مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص۳)

اب ذرا موازنہ کیجئے تقویۃ الایمان اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے متعلق اِن حضرات کے
احساسات و تاثرات کا محترم مولانا ابو الحسن زید صاحب کے اس فیصلہ سے کہ "اس کتاب
میں ایسی عبارتیں ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کی گئی ہے،
اس لئے اللہ کے نیک بندوں کے دل اس سے آزردہ ہوتے ہیں اور وہ مولانا اسماعیل
دہلوی سے متنفر ہیں" ــــــ ؏ــ "شتان بین مشرق و مغرب" ــــــ
ــــــ اور ــــــ ؏ــ "ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا" کے مصداق
ان دونوں تاثرات میں زمین آسمان کا فرق آپ کو صاف نظر آئے گا ــــــ اگر مولانا

ابوالحسن زید صاحب کی یہ بات صحیح ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں کے تأثرات سطور بالا میں پیش کئے گئے اُن کے دل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت سے (معاذاللہ) بالکل خالی ہیں۔ اور وہ حدیث نبوی "لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب الیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین"..... کے بموجب ایمان سے محروم نہیں تو ناقص الایمان اور "اللہ کے نیک بندوں" کی فہرست سے خارج ضرور ہیں.....!!

۶۔ بلکہ بات یہاں پر آ کر بھی نہیں ٹھہرتی، مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب میں جس طرح تقویۃ الایمان و مولانا اسماعیل کے متعلق بعض حضرات کے سخت منفی خیالات کا اپنے موقف کی دلیل کے طور پر تذکرہ فرمایا ہے اس کی روشنی میں تو معاملہ کی نوعیت کہیں زیادہ سنگین ہو جاتی ہے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی تیرہویں صدی کے معروف اور مولانا اسماعیل دہلوی کے معاصر اہل علم میں سے ہیں۔ بعض وجوہ سے ایک زمانہ میں ان پر مولانا اسماعیل دہلوی کی شدید مخالفت کا غلبہ ہو گیا تھا[1]، اس زمانہ میں انھوں نے ایک کتاب "تحقیق الفتوی فی إبطال الطغوی" لکھی تھی، جو در اصل تقویۃ الایمان میں مسئلہ شفاعت کے بارے میں مولانا اسماعیل دہلوی کی ایک عبارت کے متعلق ایک سائل کے تین سوالات کے جواب کے طور پر لکھی گئی تھی، کتاب خاصی ضخیم ہے۔ اس عاجز کے پاس اس کا جو نہایت قدیم قلمی نسخہ ہے اس کے صفحات ۲۸۸ ہیں۔

غالباً جواب کی اسی طوالت کے پیش نظر مولانا خیر آبادی نے کتاب کے آخر میں سائل کے سوال اور اپنے جواب کا خلاصہ خود ہی لکھ دیا ہے۔ ذیل میں وہ خلاصہ اور اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:-

مستفتی در استفتاء سہ سوال کردہ، یکے آنکہ ایں کلام حق است یا باطل، دوئم آنکہ کلامش بر استخفاف وانتقاص شان واجب التوقیر حضرت سید الاولین والآخرین	مستفتی نے تین سوال کئے تھے (۱) تقویۃ الایمان کی پیش کردہ عبارت حق ہے یا باطل؟ (۲) یہ کلام حضور سید المرسلین علیہ الصلوات والتسلیمات کی شان میں بے ادبی اور تنقیص

---

[1] اہل نظر نے اس سلسلہ میں کئی وجوہ کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں سے مولانا خیر آبادی کا معقولات میں زیادہ اشتغال جو عموماً طور پر اتحاد (اعتزال) کی طرف لے جاتا ہے ۲۔ مولانا اسماعیل دہلوی سے معاصرانہ رقابت اور بدایوں والوں کی اشتعال انگیزی اور تفرقہ اندازی کی کوشش قابل ذکر ہیں۔ واللہ اعلم

افضل الانبیاء والمرسلین اشتمال وارد یانہ؟
سوم آنکہ برتقدیر اشتمال ودلالت آں شناعت
استخفاف وانتقاص شان آنحضرت ﷺ حکم
مرتکب آں شرعاً چیست؟ وازروئے
دین وملت کیست؟

جواب سوال اول این است کہ کلام
قائل مذکور از سرتا پاکذب وزور وفریب
وغرور است کہ او نفی سبب بودن شفاعت
برائے نجات گنہگاراں ونفی شفاعت وجاہت
وشفاعت محبت از آں حضرت ﷺ وحضرات
سائر انبیاء وملائکہ واصفیاء می کند۔ ایں
اعتقاد او خلاف کتاب مبین واحادیث
سید المرسلین است کما ثبت فی المقام
الأول مفصلاً وقد بان بطلان بعض کلماتہ
فی المقام الثانی معللاً

جواب سوال دوم اینست کہ کلام او بلا
تردد واشتباہ بر استخفاف منزلت و
جاہ آں سرور ومقربان بارگاہ حضرت اللہ و
انتقاص شان سائر انبیاء وملائکہ واصفیاء
وشیوخ واولیاء اشتمال وارد چنانچہ در مقام
ثالث مذکور وفیما سبق مبرہن ومسطور است۔

جواب سوال ثالث اینست کہ قائل
ایں کلام لاطائل از روئے شرع مبین
بلاشبہ کافر وبے دین است، ہرگز مومن
ومسلمان نیست وحکم او شرعاً قتل وتکفیر

پر مشتمل ہے یا نہیں؟ (۳) اگر یہ بات صحیح
ہے کہ اس کلام میں حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی
اور تنقیص ہے تو اسکے قائل اور اس کا عقیدہ
رکھنے والوں کے بارے میں شریعت کا حکم
کیا ہے؟

(۱) پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام
از سرتا پا جھوٹ فریب اور دھوکہ بازی
ہے کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء
علیہم السلام اور ملائکہ اور اصفیاء واولیاء
سے گنہگاروں کے حق میں شفاعت محبت
اور شفاعت وجاہت کی نفی کرتا ہے اس کا
یہ عقیدہ کتاب اللہ اور حضور ﷺ کے ارشادات
اور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف
ہے جیسا کہ تفصیل سے لکھا جا چکا۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ
اس کا یہ کلام سرور کائنات اور تمام
انبیاء وملائکہ اور اصفیاء ومشائخ اور
اولیاء کرام کی شان میں بے ادبی اور
تنقیص پر مشتمل ہے۔

(۳) تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ کلام
کرنے والا شخص (اس عبارت کا لکھنے والا)
شرع مبین کے حکم کے مطابق کافر بے دین ہے
ہرگز مومن اور مسلمان نہیں اور شرعاً اس کا

است وہر کہ در کفر او شک آرد یا تردد دارد یا ایں استخفاف راسہل انگارد کافر و بیدین و نامسلمان ولعین است الا در کفر و بیدینی کمتر است از کسیکہ ایں کلام ضلالت نظام را صواب و مستحسن پندارد و اعتقاد کند، و ایں کلام را از عقائد ضروریہ دین شمارد، و آں کس در کفر با قائل ہمسر بلکہ در استخفاف از وبالاتر است چہ او استخفاف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وسائر انبیاء و ملائکہ و اولیاء را مستحسن داشت و آنرا از ضروریات دین پندا شت، وہمچناں کسیکہ ظاہراً یا باطناً پاسداری ایں قائل در اینچنیں مسائل روا دارد و برائے حفظ حرمت او در اہل تاویلات دور از کار بروئے کار آرد چہ او نیز مرتکب استخفاف شان حضرت سید المرسلین شد کہ پاسداری بے دینے را بر احترام سید الانام علیہ التحیۃ والسلام رجحان داد بخوف ملامت بلکہ بمقتضائے بدبختی و شامت درپئے اثبات آنچہ بر استخفاف آنحضرت دلالت دارد افتاد، و ایں ہمہ کفر و زندقہ است و الحاد"

حکم یہی ہے کہ اسکی تکفیر کی جائے اور اسے قتل کر دیا جائے۔ اور جو شخص اسکے کفر میں شک کرے اور اسکی بے ادبی اور گستاخی کو معمولی بات سمجھے وہ بھی کافر بے دین اور غیر مسلم و ملعون ہے لیکن اس شخص کا کفر ان لوگوں کے مقابلہ میں کم تر درجے کا ہے جو اسکے کلام کو درست اور مستحسن سمجھیں اور اس عقیدہ کو دین کے ضروری عقائد میں شمار کریں اور ایسا کرنے والے کا کفر کلام کرنیوالے کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی بالاتر ہے چونکہ اس نے آنحضرت اور دوسرے انبیاء کرام اور اولیاء و اصفیاء اور ملائکہ کی توہین و تنقیص کو مستحسن سمجھا بلکہ اسکو دین کا ضروری عقیدہ مانا۔۔۔ یہی حال ہے اس شخص کا جو ظاہر یا باطن میں اس کلام کے کرنیوالے کی پاسداری کرتا اور انکی آبرو باقی رکھنے کیلئے دور از کار تاویلات کرتا ہے اس لئے کہ وہ بھی اسی توہین و تنقیص کا مرتکب ہے کیونکہ وہ حضور کے احترام کے مقابلہ میں ایک بے دین کی پاسداری کو ترجیح دیتا ہے، اور ملامت کے خوف سے بلکہ فی الحقیقت اپنی بدبختی کی وجہ سے ان چیزوں کے ثابت کرنیکے پیچھے پڑا ہے جن میں حضور اکرم کی توہین و تنقیص ہے، اور یہ سب کفر و الحاد اور زندقہ ہے۔۔۔۔۔

ہمیں یہاں مولانا فضل حق خیر آبادی کے اس فتوے پر گفتگو نہیں کرنی ہے نہ اسکی ضرورت ہے، ماضی میں اس موضوع پر کافی بحث کی جا چکی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خود مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس سے رجوع کر لیا تھا، جیسا کہ انشاء اللہ ہم آئندہ

عرض کریں گے ـــــ ہم تو یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ محترم مولانا ابو الحسن زید صاحب نے اپنی کتاب میں اس فتوے کو تحقیق انیق اور "تحقیق بھری کتاب" قرار دیا ہے اور صاف لفظوں میں اسکی تائید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :۔

"میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ اثر لیا ہے کہ اگر کوئی شخص انصاف کی نظر سے اس کا مطالعہ کرے گا وہ ان اکابر کا ہمنوا بنے گا"

اس کا صاف مطلب اور لازمی نتیجہ یہی سمجھا جائے گا کہ مولانا زید صاحب کو اس فتوے سے پورا اتفاق ہے، انکے نزدیک بھی وہ تمام حضرات جو تقویۃ الایمان کے مشتملات کو درست اور کتاب و سنت کے مطابق سمجھتے ہیں، کافر، بے دین اور غیر مسلم اور ملعون ہیں، اب آپ خود سمجھ لیجئے کہ کیسے کیسے علماء و مشائخ، اور زہد و تقویٰ و علم و معرفت کے اساطین، اس فتوے کی زد میں آتے ہیں؟ ــــ گذشتہ صفحات میں ہم نے تقویۃ الایمان کے بارے میں جن بزرگوں کے توصیفی و تعریفی کلمات نقل کئے تھے، اس موقع پر ذرا ایک بار پھر انکے ناموں پر نظر ڈال لیجئے اور انکی شخصیتوں اور رتبہ و مقام کو ذہن میں تازہ کر لیجئے......!!

ہم اب تک مولانا زید صاحب کے بارے میں جو کچھ جانتے تھے اسکی روشنی میں یہ صورتحال ہمارے لئے سخت حیران کن بھی ہے اور غم انگیز بھی!

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی ہر طرح کے زیغ و ضلال سے آخری وقت تک حفاظت فرمائے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی کے رجوع کا مسئلہ

مولانا فضل حق خیر آبادی کے فتوے کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے، تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کو اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا جائے کہ قابل اعتماد دلائل و شواہد سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے اپنے مذکورہ بالا فتوے سے جزائر انڈمان میں اسیری کے دوران رجوع کر لیا تھا، (یاد رہے کہ مولانا خیر آبادی اور مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی ان متعدد علماء و مشاہیر میں سے تھے جنھیں ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بعد برطانوی حکومت نے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی تھی اور جزائر انڈمان (کالا پانی) میں قید کر دیا تھا۔

امیر شاہ خانصاحب۔ جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ کی روایت ہے کہ مولانا سراج احمد اسرائیلی

سنبھلیؒ نے ان سے یہ بیان کیا تھا کہ مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی نے ـــــ جنھیں انڈمان سے رہا کر دیا گیا تھا۔ اور وہ ۱۲۷۷ھ میں اپنے وطن واپس آگئے تھے ـــــ انھیں (یعنی مولانا سراج احمد سنبھلی کو) بتایا تھا کہ مولانا فضل حق خیر آبادی بہت نادم تھے، اور بہت روتے تھے کہ انھوں نے مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مخالفت کی ـــــ انھوں نے (انڈمان میں) اپنے رفقاء سے کہا تھا کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے، اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں تو یہ کر لی ہے ـــ اور اگر مجھے رہائی مل گئی تو ہندوستان پہنچ کر اپنے رجوع کو شائع بھی کروں گا ـــــ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ انھوں نے اس کے بارے میں اپنے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیر آبادی کے نام خط بھی لکھ کر دیا تھا ـــــ

آگے امیر شاہ صاحب کا بیان ہے کہ میں نے مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی کی خدمت میں حاضر ہو کر (جو مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کے شاگرد تھے اور انکی رہائی کے بعد انکی خدمت میں کاکوری حاضر بھی ہوئے تھے) مولانا فضل حق خیر آبادی کے رجوع کے بارے میں مولانا سراج احمد صاحب کی بیان کی ہوئی مذکورہ بالا بات کا ذکر کیا تو انھوں نے اسکی تصدیق فرمائی، البتہ مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی کے نام خط کے بارے میں فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں ـــــ (ملخصاً امیر الروایات ص۱۶۱)

اگرچہ حضرت مولانا سراج احمد صاحب اسرائیلی سنبھلی کی سند سے امیر شاہ خانصاحب کی بیان کی ہوئی روایت ـ جسکی تصدیق حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی نے بھی فرمائی ـــ رجوع کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ لیکن مسئلہ چونکہ اہم ہے اس لئے یہ عاجز مناسب سمجھتا ہے کہ اسکے کچھ قرائن وشواہد بھی ذکر کر دیئے جائیں۔

مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کی جماعت کا ایک آرگن ماہنامہ "المیزان" کے نام سے ممبئی سے شائع ہوتا ہے۔ اس کا ایک خاص نمبر ۱۹۷۶ء میں "امام احمد رضا نمبر" کے عنوان سے

---

۵ مولانا سراج احمد اسرائیلی سنبھلی حضرت مفتی عنایت احمد کاکورویؒ، حضرت مولانا فضل حقؒ خیر آبادی کے ہم عصر اور اُس دور کے اکابر علماء میں تھے، ۱۳۱۰ھ میں نوّے سال کی عمر میں وفات پائی اس لحاظ سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے وقت انکی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔

شائع ہوا تھا، اس میں مولوی احمد رضا خاں صاحب سے گہری عقیدت رکھنے والے پروفیسر مختار الدین احمد صاحب (ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا مولوی احمد رضا خانصاحب کے بارے میں ایک مضمون "شخصی جائزہ" کے نام سے چھپا تھا۔ فاضل مضمون نگار نے اس میں نواب کلب علی خاں والئ ریاست رامپور کی مجلس میں مولوی احمد رضا خانصاحب اور مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور جانشین مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی مرحوم کی ملاقات کا ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ :-

"علامہ خیر آبادی نے گفتگو کا رخ موڑ دیا اور پوچھا کہ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے۔ اعلحضرت نے فرمایا کہ تدریس و تصنیف اور افتاء۔ پوچھا کس فن میں تصنیف کرتے ہیں اعلحضرت نے فرمایا کہ جس مسئلہ دینیہ میں ضرورت دیکھی، اور رد وہابیہ کا، مولانا نے فرمایا کہ آپ بھی رد وہابیہ کرتے ہیں ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے ہر وقت اس خبط میں مبتلا رہتا ہے۔" (المیزان امام احمد رضا نمبر ص۳۳۲)

آگے فاضل مضمون نگار نے مولانا خیر آبادی کے اس آخری جملہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ اشارہ مولوی فضل رسول بدایونی کے فرزند و جانشین مولوی عبد القادر بدایونی کی طرف ہے ان کا مشغلہ اور مشن بھی وہی رہا ہے جو انکے والد بزرگوار مولوی فضل رسول بدایونی کا تھا۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے اور امید ہے کہ ہر صاحب فہم یہی سمجھے گا کہ مولانا عبد الحق خیر آبادی مرحوم کا "ردّ وہابیہ" کو خبط اور اسکو زندگی کا مشن بنانے والے کو خبطی کہنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ بات انکے علم میں آچکی تھی کہ انکے والد ماجد حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ نے مولانا اسمٰعیل شہید رح کی تکفیر کے فتوے سے رجوع فرمالیا تھا۔

پھر انکے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا جو رویہ رہا کہ وہ شاہ اسمٰعیل شہید رح کو مومن صادق امت کا مصلح اور شہید فی سبیل اللہ سمجھنے والے اکابر علما کے ساتھ ویسا ہی تعلق اور برتاؤ رکھتے تھے جیسا کہ علماء حق کا ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے یہ بھی اسکی روشن دلیل ہے کہ انکو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ مولانا فضل حق رح نے خاص کر تحقیق الفتوی سے رجوع کرلیا تھا ___ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب ڈیڑھ سو سال تک طبع نہیں ہوئی، حال ہی میں سنا ہے کہ پاکستان میں مولوی احمد رضا خانصاحب کی جماعت سے تعلق رکھنے والے

بعض لوگوں نے یہ کتاب طبع کراکر شائع کر دی ہے۔

اس عاجز نے خیر آباد کے علمی سلسلہ کے آخری بزرگ حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کو دیکھا ہے اور بفضلہ تعالیٰ ان سے اچھا خاصا نیازمندانہ ربط بھی رہا ہے ان کا رویہ یہی تھا، انکے ایک عزیز اور چہیتے شاگرد مولانا عبد الشاہد خاں شروانی نے حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ کے عربی قصیدہ "الثورۃ الہندیۃ" کا ترجمہ ایک طویل مفصل مقدمہ کے ساتھ "باغی ہندوستان" کے نام سے اب سے قریباً نصف صدی پہلے لکھا اور شائع کیا تھا اس میں انھوں نے صراحت کے ساتھ مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ دونوں کا ذکر پورے احترام کے ساتھ کیا ہے اور دونوں کو شہید فی سبیل اللہ قرار دیا ہے[1]، اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ حال اور مسلک انکے محترم استاد حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کے تلمذ اور فیضِ صحبت کا نتیجہ ہے ــــ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت مولانا معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ اور انھیں کے طبقہ کے خیر آبادی سلسلہ کے ممتاز صاحبِ درس عالم مولانا فضل حق رامپوری (پرنسپل مدرسہ عالیہ ریاست رامپور) جو حضرت مولانا معین الدین ہی کی طرح بیک واسطہ مولانا عبد الحق خیر آبادی مرحوم کے شاگرد تھے، ان دونوں حضرات کا معمول تھا کہ اپنے اُن شاگردوں کو جو علمی لحاظ سے ممتاز ہوتے ان کو مشورہ دیتے کہ وہ یہاں سے فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ سے حدیث شریف پڑھنے کے لئے ایک سال کیلئے دار العلوم دیوبند جائیں، یہ عاجز ایسے متعدد حضرات سے واقف ہے ــــ الغرض ان قرائن و شواہد کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کی روایت کے بارے میں کسی کیلئے شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

۷۔ مولانا فریدی مرحوم کے مضمون کے آخر میں ناظرین کرام ۱۲۴۰ھ میں جامع مسجد دہلی میں ہونے والے ایک مباحثہ و مناظرہ کی روئداد ملاحظہ فرما چکے ہیں، خدا کرے کہ تاریخی اعتبار سے یہ روئداد مولانا کا ایک نادر تحفہ سمجھ کر پڑھی جائے۔ اہلِ ذوق و اہلِ نظر ہی اسکی تاریخی اہمیت کو محسوس کر سکیں گے ــــ یہاں پر یہ عاجز ایک ایسے علمی پہلو کی طرف بھی عام قارئین کی اور خصوصاً اہل علم کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے جو خود اسے بڑی شدت سے اس روئداد کے مطالعہ کے دوران محسوس ہوا۔ وہ یہ کہ یہ ایک عجیب قسم کا مناظرہ تھا، ایک

---

[1] باغی ہندوستان ص۱۲۶

فریق ہزاروں کا مجمع ساتھ لے کر جامع مسجد میں اچانک آگیا تھا، اور دوسرے فریق ــــ یعنی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحی شہیدؒ اور انکے کسی فریق و ہمخیال ــــ کو خبر بھی نہیں تھی کہ کوئی مناظرہ ہونیوالا ہے ــــ مولانا عبدالحیؒ اپنے روزمرہ کے معمول کے مطابق جامع مسجد میں درس و وعظ میں مشغول تھے ــــ جب انکے سامنے مناظرہ کا مسئلہ رکھا گیا تو انھوں نے عذر کیا، انکو مجبور کیا گیا، بالآخر وہ اس مجمع میں تشریف لائے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ بھی ساتھ تھے، انکو تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ تو گھر تشریف لے جائیں ــــ پھر اس مناظرہ میں وہ ہوا، جو آپ خود مولانا عبدالحی صاحب کی زبانی سن چکے ہیں ــــ اس روئداد کے مطالعہ سے للّٰہیت، بے نفسی اور ہار جیت سے بے نیاز ہو کر صرف احقاقِ حق اور نہایت خلوص کا جو نمونہ سامنے آتا ہے وہ بڑا ہی سبق آموز اور قابلِ تقلید ہے۔

یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحیؒ کے پیش نظر جھگڑے کو طول دینا نہیں ہے بلکہ صرف یہ ہے کہ سوال کا مختصر جواب دے کر اس ہنگامہ آرائی کو جلد از جلد دفع کیا جائے۔

اس مناظرہ کا یہ پہلو بھی خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ اس میں نہ تقویۃ الایمان کا ذکر آیا ہے نہ اسکی ان عبارتوں میں سے کسی عبارت پر بحث کی گئی ہے جنکے بارے میں حضرت شاہ شہیدؒ کے مخالفین کا دعویٰ ہے کہ اُن میں (معاذ اللہ) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی گئی ہے، اور اسی بنیاد پر کفر کے فتوے دیئے گئے ــــ اور معلوم ہے کہ شاہ شہیدؒ نے اپنے سفر حج سے پہلے (جو ۱۲۳۶ھ میں ہوا) تقویۃ الایمان تصنیف کی تھی اور شائع ہو چکی تھی، اور یہ مناظرہ چار سال کے بعد ۱۲۴۰ھ میں ہوا ہے پس اگر شاہ شہیدؒ سے اختلاف کرنیوالے اِن حضرات (مولانا مخصوص اللہ صاحب و مولانا رشید الدین صاحب وغیرہ) کا تقویۃ الایمان کے متعلق وہ دعویٰ ہوتا جو مولوی فضل رسول بدایونی اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کا تھا اور اب معلوم ہوا کہ ہمارے محترم مولانا زید صاحب کا بھی ہے تو مناظرہ میں اِس پر بحث ضرور ہوتی۔

الغرض مناظرہ میں تقویۃ الایمان کا نام تک نہ آنا اور اسکی کسی عبارت پر بحث نہ ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ شاہ شہیدؒ کے اُس وقت کے یہ مخالف علماء کرام تقویۃ الایمان اور شاہ شہیدؒ پر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص و توہین کا الزام نہیں لگاتے تھے ــــ مولانا زید صاحب نے اس مناظرہ میں زیر بحث آنے والے جن چودہ مسائل کا ذکر کیا ہے اُن میں بھی تقویۃ الایمان کی کسی عبارت کے متعلق کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

● آخر میں صاف لفظوں میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نہ حضرت

شاہ اسماعیل شہیدؒ کو معصوم سمجھتے ہیں، نہ ان کے استاد و مربی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو، نہ انکے شیخ و مرشد سید احمد شہیدؒ کو، اور نہ انکے دادا حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اور نہ ان سب کے شیخ المشائخ سیدنا امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کو ــــ الحمد للہ ہم نہ صرف یہ عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ اسے ہر آن مستحضر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بنی آدم میں معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہیں۔ انکے علاوہ بڑے سے بڑے عالم محدث، مفسر، مصلح اور امام سے غلطی ہو سکتی ہے ــــ امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ارشاد ہمارے نزدیک بالکل برحق اور امت کے لئے تا قیامت رہنما اصول ہے جو انھوں نے مسجد نبوی میں سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

کل یوخذ منہ ویرد علیہ الاصاحب هذا القبر علیہ الصلوٰۃ والسلام	ہر شخص سے کچھ اخذ کیا جاتا ہے اور کچھ رد کیا جاتا ہے، سوائے اس قبر مبارک میں آرام فرمانے والے کے علیہ الصلاۃ والسلام

اس لئے شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان میں، یا کسی اور کتاب میں یا کسی بھی عالم دین کی کتاب میں، یا انکے عملی اقدامات میں ایسی چیزیں بالکل ہو سکتی ہیں جو نا قابل قبول ہوں، اور انکو رد کرنا قبول کرنے سے بہتر یا ضروری ہو ــــ لیکن ــــ حضرت شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی و گستاخی کا الزام لگانا اور یہ کہنا کہ تقویۃ الایمان سے مذہبی آزاد خیالی کا دور شروع ہوا، اور یہ کہ اس کتاب سے بارگاہ نبوت کی تعظیم و احترام میں تقصیرات کا سلسلہ شروع ہو گیا، بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں کیلئے کتنا تکلیف دہ ہے جنھوں نے انہی بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں توحید و سنت اور محبت رسول کا سبق پڑھا ہے اور جن کے پاس جو کچھ ہے انہی حضرات کی محنتوں اور دعاؤں کی برکت سے ہے اور جو گرد و پیش کے حالات اور ماضی و حال کے جائزہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ؎

یہ بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

اللہ کا شکر ہے کہ ابھی ہم غلاموں کا اتنا خون سفید نہیں ہوا، اللہ کا ایک نابینا و معذور اور صالح بندہ اس قسم کے الزامات سن کر تڑپ اٹھا اور راہ میں شہید ہونے والے

ایک مخلص بندہ (شاہ محمد اسمٰعیل رحمہ) کی طرف سے دفاع اور ان پر لگائے جانے والے غلط الزامات کی تردید کو اپنے لئے زادِ آخرت اور رضاء الٰہی کا وسیلہ سمجھتے ہوئے اسی نابینائی اور معذوری کی حالت میں مضمون لکھا یا جو ناظرین کرام نے اس عاجز کی معروضات سے پہلے ملاحظہ فرمایا ——— اور عجب نہیں کہ اسی مخلص بندہ کے دردِ دل کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے اِس مبتلاء امراض بوڑھے ضعیف بندہ کے جسمِ ناتواں میں وہ کیفیت پیدا فرمادی جس نے وہ سب کچھ لکھوا دیا جو آپ نے تکملہ کے زیرِ عنوان یہاں تک پڑھا۔ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ

آخر میں ناظرین کرام کو یہ بتلانا بھی مناسب ہے کہ تکملہ میں محترم مولانا ابوالحسن زید دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید اور تقویۃ الایمان سے متعلق چند اور اہم باتیں بھی اس عاجز کو لکھنی تھیں لیکن یہ محسوس کر کے کہ جو لکھا جا چکا وہ بھی بہت ہو گیا ہے اسکو اِس وقت لکھنا مناسب نہیں سمجھا ——— اگر زندگی رہی اور اللہ تعالےٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ الفرقان کے کسی قریبی شمارہ میں اسکو بھی پیش کیا جا سکے گا ——— ناظرین کرام سے بھی دعا کی درخواست ہے ——— واللہ الموفق وھو المستعان۔

الفرقان میں شائع شدہ مقالاتِ فریدیؒ کی فہرست

(مرتبہ :۔ جناب قطب الدین ملا صاحب بگام)

عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر	۵	۶	۴۰-۳۳	۸
تذکرۂ خلفائے مجددؒ الف ثانیؒ	۵	مجدد الف ثانی نمبر ۸-۹-۱۰	۲۴۴-۲۱۷	۲۸
آفتاب سرہند (نظم)	۵	〃	۲۸۱	۲۰
مزار شاہ ولی اللہ پر پہونچ کر (نظم)	۷	شاہ ولی اللہ نمبر ۹-۱۰-۱۱-۱۲	۲۳۰	۱
حضرت شاہ ولی اللہؒ اور دار العلوم دیوبند (نظم)	۸	۲-۳	۷۲-۷۱	۲
سرکارِ مدینہ (نظم)	۱۷	حج نمبر ۸-۹-۱۰	۱۵۷	۱
اب سے[1] ایک سو چالیس برس پہلے قسط ۱	۱۹	۱۱	۲۴-۱۲	۱۳
〃 〃 〃 〃 〃 ۲	۱۹	۱۲	۳۷-۲۵	۱۳
〃 〃 〃 〃 〃 ۳	۲۰	۱	۳۴-۲۲	۱۳
بحرِ[2] ولایت کے دو آبدار موتی قسط ۱	۲۰	۶	۲۶-۱۳	۱۴
〃 〃 〃 〃 ۲	۲۰	۷	۴۸-۳۶	۱۳
تذکرۂ باقیؒ قسط ۱	۲۱	۱	۳۱-۲۳	۹
〃 〃 ۲	۲۱	۲	۳۳-۲۶	۸
〃 〃 ۳	۲۱	۳	۳۲-۲۷	۶
〃 〃	۲۱	۴	۳۲-۲۸	۵
تاج[3] العارفین	۲۱	۶	۴۸-۳۹	۱۰
طالبان سلوک کی ہمت افزائی (ترجمہ مکتوب خواجہ محمد معصوم)	۲۱	۷	۳۲-۲۹	۴

[1] مرزا مظہر جان جاناں کی مجلس
[2] خواجۂ کلاں و خواجۂ خرد۔
[3] شیخ تاج الدین سنبھلیؒ خلیفۂ باقیؒ

عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
خواجہ[1] ابرار (تذکرہ)	۲۱	۹-۱۰	۷۳-۸۴	۱۲
شیخ الہ داد	۲۲	۱	۲۰-۲۹	۱۰
اعزاز العلماء کی عنایات (تذکرۂ اعزاز رح)	۲۲	۸-۹	۹۴-۱۰۳	۱۰
مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی رح قسط ۱	۲۳	۲	۸-۲۰	۱۳
〃 〃 〃 〃 قسط ۲	۲۳	۳	۱۱-۱۶	۶
سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم (نعت)	۲۳	۳	۵۶	۱
مکتوبات خواجہ محمد معصوم رح قسط ۳	۲۳	۴	۷-۱۲	۶
〃 〃 〃 〃 〃 ۴	۲۳	۵	۱۳-۲۱	۹
〃 〃 〃 〃 〃 ۵	۲۳	۷	۱۹-۲۵	۷
〃 〃 〃 〃 〃 ۶	۲۳	۸	۱۵-۱۸	۴
〃 〃 〃 〃 〃 ۷	۲۳	۹-۱۰	۱۷-۲۶	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 ۸	۲۳	۱۱	۱۲-۱۶	۵
〃 〃 〃 〃 〃 ۹	۲۳	۱۲	۹-۱۵	۷
〃 〃 〃 〃 〃 ۱۰	۲۴	۱	۳۱-۳۹	۹
سید[2] احمد شہید رح	۲۴	۲	۴۴-۵۵	۱۲
مکتوبات خواجہ محمد معصوم رح قسط ۱۱	۲۴	۳	۱۷-۲۴	۸
〃 〃 〃 〃 〃 ۱۲	۲۴	۴	۱۶-۲۳	۸
〃 〃 〃 〃 〃 ۱۳	۲۴	۵	۱۱-۱۸	۸
〃 〃 〃 〃 〃 ۱۴	۲۴	۶	۱۳-۱۹	۷
〃 〃 〃 〃 〃 ۱۵	۲۴	۷-۸	۱۷-۲۴	۸
حضرت شاہ اسماعیل شہید رح	۲۴	۹	۵-۳۲	۲۸
الف[3] ثانی یا ہزارۂ دوم کا تجدیدی کارنامہ	۲۴	۱۰-۱۱-۱۲	۴۸-۶۵	۱۸

[1] خواجہ حسام الدین خلیفۂ باقی رح ۔ [2] مہر کی کتاب پر تبصرہ ۔ [3] تلخیص ۔

عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ قسط ۱۶	۲۵	۱	۲۶-۱۹	۸
" " " " قسط ۱۷	۲۵	۲	۱۴-۷	۸
" " " " قسط ۱۸	۲۵	۳	۲۷-۱۷	۱۱
" " " " قسط ۱۹	۲۵	۴	۲۲-۱۱	۱۲
" " " " قسط ۲۰	۲۵	۵	۲۶-۱۸	۹
" " " " قسط ۲۱	۲۵	۶	۱۷-۷	۱۱
" " " " قسط ۲۲	۲۵	۷	۱۴-۵	۱۰
آزاد کی کہانی	۲۶	۵	۵۶-۱۵	۴۲
نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مرحوم کا سفرنامہ حجاز	۲۶	۱۱	۳۵-۲۱	۱۵
" " " " قسط ۲	۲۶	۱۲	۳۹-۱۳	۲۷
تجلیات حضرت مجدد الف ثانیؒ قسط ۱	۲۷	۲	۲۰-۶	۱۵
" " " " قسط ۲	۲۷	۳	۲۶-۱۳	۱۴
" " " " قسط ۳	۲۷	۴	۲۲-۱۴	۹
" " " " قسط ۴	۲۷	۵	۲۳-۱۱	۱۳
" " " " قسط ۵	۲۷	۶	۴۲-۲۵	۱۸
" " " " قسط ۶	۲۷	۷	۲۲-۹	۱۴
" " " " قسط ۷	۲۷	۸	۲۶-۱۳	۱۴
" " " " قسط ۸	۲۷	۱۱-۱۰-۹	۳۴-۲۰	۱۵
" " " " قسط ۹	۲۷	۱۲	۲۷-۱۲	۱۶
" " " " قسط ۱۰	۲۸	۱	۲۶-۱۹	۸
" " " " قسط ۱۱	۲۸	۲	۲۶-۱۷	۱۰
" " " " قسط ۱۲	۲۸	۳	۲۷-۱۸	۱۰
" " " " قسط ۱۳	۲۸	۴	۳۵-۲۹	۷
" " " " قسط ۱۴	۲۸	۶-۵	۲۴-۱۷	۸

عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحے
تجلیات مجدد الف ثانی رح قسط ۱۵	۲۸	۷	۲۲-۱۴	۹
〃 〃 〃 〃 ۱۶	۲۸	۸	۲۸-۲۱	۸
〃 〃 〃 〃 ۱۷	۲۸	۹	۲۱-۹	۱۳
سفرنامۂ حجاز از مولانا رفیع الدین صاحب فاروقی کا ترجمہ	۲۸	۱۱-۱۰	۹۲-۳	۹۰
زیارت حرمین قسط ۱	۲۹	۵	۴۵-۲۲	۲۴
〃 〃 〃 ۲	۲۹	۶	۴۶-۳۹	۸
〃 〃 〃 ۳	۲۹	۷	۳۴-۲۸	۷
〃 〃 〃 ۴	۲۹	۸	۵۵-۴۹	۷
〃 〃 〃 ۵	۲۹	۹	۴۶-۳۱	۱۶
تجلیات مجدد الف ثانی رح قسط ۱۸	۲۹	۱۰	۵۶-۴۹	۸
〃 〃 〃 〃 ۱۹	۲۹	۱۲	۲۱-۱۳	۹
〃 〃 〃 〃 ۲۰	۳۰	۱	۲۶-۱۶	۱۱
〃 〃 〃 〃 ۲۱	۳۰	۲	۲۶-۱۴	۱۳
〃 〃 〃 〃 ۲۲	۳۰	۳	۳۴-۲۴	۱۱
〃 〃 〃 〃 ۲۳	۳۰	۴	۱۷-۱۵	۳
〃 〃 〃 〃 ۲۴	۳۰	۵	۲۹-۲۲	۸
〃 〃 〃 〃 ۲۵	۳۰	۶	۲۸-۲۳	۶
〃 〃 〃 〃 ۲۶	۳۰	۷	۳۱-۲۵	۷
〃 〃 〃 〃 ۲۷	۳۰	۸	۳۴-۲۴	۱۱
〃 〃 〃 〃 ۲۸	۳۰	۱۱-۱۰-۹	۵۴-۴۱	۱۴
〃 〃 〃 〃 ۲۹	۳۰	۱۲	۳۲-۲۳	۱۰
〃 〃 〃 〃 ۳۰	۳۱	۱	۱۳-۵	۹
〃 〃 〃 〃 ۳۱	۳۱	۳-۲	۳۴-۲۶	۹
〃 〃 〃 〃 ۳۲	۳۱	۴	۲۵-۱۹	۷

[۱] دفتر سوم کا آغاز۔ [۲] حضرت شاہ عبد القادر خانپوری۔

عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
حضرت شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ قسط ۱	۳۳	۱۱	۲۳-۱۴	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲	۳۳	۱۲	۲۲-۱۵	۸
〃 〃 〃 〃 〃 ۳	۳۴	۱	۲۲-۱۶	۷
〃 〃 〃 〃 〃 ۴	۳۴	۲	۳۰-۱۹	۱۲
〃 〃 〃 〃 〃 ۵	۳۴	۴	۲۳-۱۳	۱۱
〃 〃 〃 〃 〃 ۶	۳۴	۶	۲۶-۱۹	۸
〃 〃 〃 〃 〃 ۷	۳۴	۷	۲۵-۱۵	۱۱
سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ مختصر حالات، ملفوظات، غیر مطبوعہ علمی و ادبی تبرکات	۳۵	۱	۳۰-۱۶	۱۵
〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۲	۳۵	۲	۳۶-۲۵	۱۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۳	۳۵	۳	۳۲-۲۳	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۴	۳۵	۴	۱۸-۱۲	۷
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۵	۳۵	۶	۲۰-۱۲	۹
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶	۳۵	۷	۱۶-۱۰	۷
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۷	۳۵	۸	۲۱-۱۳	۹
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۸	۳۵	۱۲-۱۱-۱۰	۱۳۲-۱۲۹	۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۹	۳۶	۱	۲۴-۱۳	۱۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۰	۳۶	۲	۵۶-۴۷	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۱	۳۶	۳	۳۶-۲۴	۱۳
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۲	۳۶	۴	۳۴-۲۵	۱۰
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۳	۳۶	۵	۵۶-۴۴	۱۴
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ اپنی وصایا اور نصائح کے آئینے میں	۳۶	۱۱-۱۲	۳۱-۲۳	۹
〃 〃 〃 〃 قسط ۲	۳۷	۱	۲۴-۱۹	۶

عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۳	۳۷	۲	۲۳-۱۹	۵
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۴	۳۷	۳	۵۲-۴۷	۶
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۵	۳۷	۴	۳۰-۲۷	۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۶	۳۷	۵	۳۴-۳۰	۵
ارشادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ	۳۷	۶	۳۲-۲۱	۱۲
〃 〃 〃 قسط ۲	۳۷	۷	۲۸-۱۷	۱۲
〃 〃 〃 〃 ۳	۳۷	۸	۴۰-۲۵	۱۶
〃 〃 〃 〃 ۴	۳۷	۹	۳۱-۲۰	۱۲
〃 〃 〃 〃 ۵	۳۷	۱۱-۱۰	۴۰-۲۷	۱۴
〃 〃 〃 〃 ۶	۳۷	۱۲	۲۶-۱۳	۱۴
〃 〃 〃 〃 ۷	۳۸	۱	۲۶-۱۹	۸
〃 〃 〃 〃 ۸	۳۸	۲	۲۶-۱۷	۱۰
〃 〃 〃 〃 ۹	۳۸	۴	۳۳-۲۴	۱۰
〃 〃 〃 مجالس لکھنؤ ۱۰	۳۸	۵	۳۵-۳۰	۶
〃 〃 〃 ۲ ۱۱	۳۸	۶	۴۶-۴۱	۶
〃 〃 〃 ۳ ۱۲	۳۸	۸	۴۶-۴۱	۶
〃 〃 〃 ۴ ۱۳	۳۸	۱۰-۹	۴۴-۳۹	۶
بزم خواجہ خورد دہلویؒ کی ایک جھلک	۳۸	۱۱	۵۲-۴۵	۸
〃 〃 قسط ۲	۳۸	۱۲	۱۲-۵	۸
دامان[۱] کوہ سے ایک "مرد حق آگاہ کی آواز بازگشت"	۳۹	۱	۲۸-۲۳	۶
〃 〃 〃 〃 قسط ۲	۳۹	۴-۳	۴۶-۳۹	۸
〃 〃 〃 〃 〃 ۳	۳۹	۵	۳۲-۲۵	۸

۱؎ خواجہ محمد عثمان دامان۔

عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
بوئے گل در برگ گل قسط ۱	۳۹	۱۱	۲۹-۲۴	۶
" " " " ۲	۳۹	۱۲	۲۶-۱۹	۸
" " " " ۳	۴۰	۱	۲۹-۲۵	۵
" " " " ۴	۴۰	۲	۲۴-۲۰	۵
" " " " ۵	۴۰	۳	۱۱-۷	۵
" " " " ۶	۴۱	۲	۳۳-۲۶	۸
" " " " ۷	۴۱	۳	۳۲-۲۷	۶
" " " " ۸	۴۱	۵	۱۱-۷	۵
" " " " ۹	۴۱	۸-۷	۲۸-۲۳	۶
" " " " ۱۰	۴۱	۱۰	۲۹-۲۵	۵
" " " " ۱۱	۴۱	۱۱	۱۶-۱۲	۵
" " " " ۱۲	۴۱	۱۲	۲۰-۱۳	۸
" " " " ۱۳	۴۲	۲-۱	۲۷-۲۰	۸
قافلۂ اہل دل[1]	۴۲	۹	۱۹-۶	۱۴
" " " ۲	۴۲	۱۰	۱۴-۴	۱۱
" " " ۳	۴۲	۱۱	۲۴-۱۵	۱۰
جواہر پارے (اقتباسات مکاتیب رشیدیہ)	۴۳	۱	۲۹-۱۹	۱۱
" " " " قسط ۲	۴۳	۳-۲	۳۰-۱۹	۱۲
" " " " " ۳	۴۳	۸	۱۹-۱۳	۷
" " " " " ۴	۴۳	۹	۲۳-۱۷	۷
" " " " " ۵	۴۴	۱	۱۷-۹	۹
" " " " " ۶	۴۴	۲	۳۱-۱۹	۱۳
مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ	۴۴	۳	۳۷-۲۵	۱۳

[1] شاہ غلام علی مجددی کی مکتوبات کے آئینہ میں ۵۲ تذکرۂ خلفائے حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلویؒ

نمبر شمار	عنوانات	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
	جواہر پارے (تلخیص و ترجمہ مکاتب رشیدیہ) قسط ۷	۴۴	۷	۲۷-۲۱	۷
	〃 〃 〃 〃 〃 ۸	۴۴	۸	۲۴-۱۷	۸
	〃 〃 〃 〃 〃 ۹	۴۴	۹	۳۴-۲۵	۱۰
	〃 〃 〃 〃 〃 ۱۰	۴۴	۱۱-۱۰	۱۶-۷	۱۰
	〃 〃 〃 〃 〃 ۱۱	۴۴	۱۲	۱۴-۶	۹
	〃 〃 〃 〃 〃 ۱۲	۴۵	۱	۱۰-۶	۵
	〃 〃 〃 〃 〃 ۱۳	۴۵	۳-۲	۱۸-۱۳	۶
	〃 〃 〃 〃 〃 ۱۴	۴۵	۸	۱۸-۱۰	۹
	〃 〃 〃 〃 〃 ۱۵	۴۵	۹	۳۴-۲۹	۶
	حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی اور ان کا خاندان	۴۵	۳-۲	۳۱-۲۵	۷
	آسمانِ علم و عرفان کے دو درخشندہ تارے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی مہاجر اور حضرت شاہ محمد یعقوب محدث دہلویؒ مہاجر	۴۵	۱۱-۱۰	۶۶-۵۲	۱۵
	کاروانِ اہلِ فضل و کمال (تلامذہ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ)	۴۵	۱۲	۲۸-۲۱	۸
	〃 〃 〃 〃 〃 قسط ۲	۴۶	۱	۲۹-۲۵	۵
	〃 〃 〃 〃 〃 ۳	۴۶	۲	۳۰-۲۷	۴
	〃 〃 〃 〃 〃 ۴	۴۶	۳	۴۱-۳۲	۱۰
	〃 〃 〃 〃 〃 ۵	۴۶	۴	۳۳-۲۹	۵
	〃 〃 〃 〃 〃 ۶	۴۶	۵	۳۴-۲۹	۶
	〃 〃 〃 〃 〃 ۷	۴۶	۶	۳۵-۳۱	۵
	〃 〃 〃 〃 〃 ۸	۴۶	۷	۲۶-۲۱	۶
	〃 〃 〃 〃 〃 ۹	۴۶	۸	۲۸-۲۱	۸
	〃 〃 〃 〃 〃 ۱۰	۴۶	۱۰-۹	۲۸-۲۱	۸

	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحہ نمبر	کل صفحات
قسط ۱۱ 〃 〃 〃 〃	۴۶	۱۱	۲۵-۲۲	۴
〃 ۱۲ 〃 〃 〃 〃 〃	۴۶	۱۲	۳۶-۳۱	۶
〃 ۱۳ 〃 〃 〃 〃 〃	۴۷	۲	۲۵-۲۱	۵
〃 ۱۴ 〃 〃 〃 〃 〃	۴۷	۳	۲۳-۱۹	۵
حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی محفل ارشاد	۴۷	۷	۴۳-۳۸	۶
قسط ۲ 〃 〃 〃 〃 〃	۴۷	۸	۳۵-۲۹	۷
〃 ۳ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۸	۴	۳۱-۲۱	۱۱
〃 ۴ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۸	۶	۳۰-۲۲	۹
〃 ۵ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۸	۷	۲۷-۲۱	۷
〃 ۶ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۸	۱۱-۱۰	۴۰-۳۳	۸
〃 ۷ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۸	۱۲	۲۵-۲۱	۵
〃 ۸ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۹	۱	۱۸-۱۴	۵
〃 ۹ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۹	۳	۳۴-۳۱	۴
〃 ۱۰ 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۹	۴	۲۰-۱۶	۵
آثار شیخ الہندؒ	۴۹	۹-۸	۵۶-۴۱	۱۶
ایک[1] عظیم شخصیت - اجمالی مطالعہ	۵۰	۹ تا ۱۲	۳۸-۲۴	۱۵
حضرت میاں سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور درس ابوداؤد کی چند جھلکیاں قسط ۱	۵۴	۸	۳۱-۱۷	۱۵
〃 ۲ 〃 〃 〃 〃	۵۴	۹	۲۷-۱۵	۱۳
مولانا ابوالحسن زید کی کتاب مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان پر مفصل تبصرہ	۵۷	۸-۵	۱۹۹-۱۷۵	۳۲

نوٹ:- الفرقان کی جلد ۱۲ یعنی ۱۳۶۴ھ کی فائل دفتر الفرقان میں محفوظ نہیں رہ سکی ہے، جن صاحب کے پاس ہو وہ ادارہ کو مطلع فرمادیں، انشاءاللہ مناسب قیمت پیش کردی جائے گی۔

[1] شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ۔

تعلیمی سال نو کے آغاز پر اہل علم کے لئے خصوصی تحفہ

تفسیر الطبری مکمل ۱۲ جلد ۱۸۰۰/-
تفسیر ابن کثیر ۴ جلد ۱۰۰۰/-
فی ظلال القرآن سید قطب ۶ جلد ۱۲۰۰/-
تفسیر الدر المنثور للسیوطی ۶ جلد ۱۲۰۰/-
معانی القرآن واعرابہ للزجاج
محقق ۵ جلد ۱۵۰۰/-
تفسیر المہائمی ۲ جلد ۶۰۰/-
المعجم المفہرس لالفاظ القرآن
۳۵۰/-
المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث ۲۳۰۰/-
المعجم الکبیر للطبرانی ۵۰۰۰/-
موسوعۃ اطراف الحدیث ۳۲۰۰/-
الرفع والتکمیل لعبد الحئی فرنگی محلی ۳۰۰/-
نیل الاوطار للشوکانی ۴ جلد ۹۰۰/-
تقریب التہذیب ۱ جلد ۲۵۰/-
المتواری فی تراجم البخاری ۳۰۰/-
یتیمۃ الدھر للثعلبی مع التکملہ
۶ جلد ۱۴۰۰/-
الانساب للسمعانی ۵ جلد ۲۰۰۰/-
جمہرۃ انساب العرب لابن حزم ۳۰۰/-
السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۴ جلد ۱۰۰۰/-
الاصابہ فی تمییز الصحابۃ
لابن حجر العسقلانی ۱۲۰۰/-
معجم قبائل العرب ۵ جلد ۱۸۰۰/-
معجم البلدان للبلاذری ۱۸۰۰/-

القاموس المحیط دورنگ ۱ جلد ۲۵۰/-
المعجم الوسیط ۱ جلد ۵۵۰/-
المورد عربی انگریزی ۷۵۰/-
المورد انگریزی عربی ۷۵۰/-
مختار الصحاح للرازی ۲۰۰/-
المنجد ۸۰۰/-
معجم مصطلحات الادب ۷۰۰/-
قاموس المصطلحات السیاسیۃ ۴۵۰/-
شرح فتح القدیر لابن ہمام ۱۵۰۰/-
المستصفی للغزالی مع فواتح
الرحموت للفرنگی محلی ۵۰۰/-
جمہرۃ رسائل العرب ۴ جلد ۷۰۰/-
جمہرۃ خطب العرب ۳ جلد ۶۰۰/-
البیان والتبیین للجاحظ ۴ جلد ۸۰۰/-
کتاب البخلاء للجاحظ ۲۵۰/-
آثار ابن المقفع ۲۰۰/-
شرح مقامات بدیع الزمان ۳۰۰/-
جمہرۃ اشعار العرب ۲ جلد ۹۰۰/-
شرح دیوان ابی تمام ۳۰۰/-
شرح دیوان جریر ۳۰۰/-
دیوان البحتری ۲ جلد ۴۰۰/-
شرح دیوان المتنبی ۳۵۰/-
کتاب المعانی الکبیر ۲ جلد ۶۰۰/-
اساس البلاغۃ للزمخشری ۲۵۰/-
اسرار البلاغۃ للجرجانی ۲۵۰/-

کتاب الصناعتین للعسکری ۲۵۰/-
نقائض جریر والاخطل ابو تمام ۲۲۰/-
مفتاح العلوم للسکاکی تحقیق ۳۰۰/-
فی النقد الادبی عبد العزیز عتیق ۳۰۰/-
تاریخ النقد الادبی احمد ابراہیم ۱۲۰/-
ادب الکاتب ابن قتیبہ ۴۰۰/-
فی تاریخ النقد والمذاہب
الادبیۃ ۱۲۰/-
تاریخ النقد الادبی والبلاغۃ ۲۰۰/-
طبقات فحول الشعراء ۷۰۰/-
تاریخ الادب العربی عمر فروخ
شوقی ضیف ۶ جلد ۲۰۰۰/-
الکامل فی اللغۃ والادب
للمبرد محقق ۲ جلد ۴۰۰/-
شرح شافیہ ابن الحاجب ۴ جلد ۱۲۰۰/-
حاشیۃ الخضری علی شرح
ابن عقیل ۲۵۰/-
المفصل فی العربیۃ للزمخشری ۲۰۰/-
تاریخ بغداد ۱۹ جلد ۳۵۰۰/-
تاریخ الطبری ۵ جلد ۲۶۰۰/-
الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند
عبد الحئی حسنی ۳۰۰/-
المسوی شرح الموطا للامام ولی اللہ
الدہلوی ۲ جلد ۸۰۰/-
التیسیر شرح الجامع الصغیر ۲ جلد ۵۰۰/-

تفسیر وحدیث اور عربی زبان وادب سے متعلق اہم مراجع اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
سید قطب، مالک ابن نبی اور فتحی یکن کی شاہکار تصانیف

ملنے کا پتہ مکتبہ حراء پوسٹ بکس ۴۷، ۳ ٹیگور مارگ لکھنؤ

اردو مطبوعات ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۳

کتاب	قیمت
اسلام میں پردہ کی حقیقت	۵/-
اعتراضات اور مفصل جوابات	۱۵/-
ارکان اسلام	۱۰/-
اسوۂ رسول اکرم صلعم	۵۵/-
آخرت کے فکرمندوں کے ۵۰ قصے	۵/
احوال برزخ	۵/-
امت مسلمہ کی مائیں	۸/-
اسلامی معلومات ع۱	۴/-
" " ع۲	۵/-
" " ع۳	۵/-
" " ع۴	۵/-
ایک اہم دینی دعوت	۶/-
الحزب الاعظم مترجم	۱۰/-
تبلیغی سات نمبر	۱۰/-
چھ باتیں خورد	۴/-
چھ باتیں کلاں	۵/-
چھ باتیں اور مسنون دعائیں یکجا	۱۰/
چار ستارے	۲۰/
چہل ربنا	۲/
حیاۃ الصحابہ اول	۶۰/
" دوم	۷۰/
" سوم	۷۰/
" مکمل سٹ	۲۰۰/
حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت	۲۰/

کتاب	قیمت
حضرت جی کی یادگار تقریریں	۱۲/
حل المشکلات	۸/-
حج اور اس کی دعائیں	۲/۵۰
حالات جہنم	۶/-
حکایات صحابہؓ	۱۳/
حضرت ابوبکرؓ	۵/-
حضرت عمرؓ	۶/-
حضرت عثمانؓ	۵/-
حضرت علیؓ	۵/-
خدا کی جنت	۷/-
خدا کا ذکر	۷/-
دعوت ذکر	۳/-
رسول اللہ کی صاحبزادیاں	۷/-
رسول اللہ کی پیشین گوئیاں	۹/-
رسول اللہ کی دعائیں	۹/-
رسول اللہ کی نعتیں وسلام	۷/-
سوانح محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء	۱۵/
صبح وشام کی دعائیں	۴/-
طب نبوی صلعم	۲۰/-
عورتوں کی نماز	۵/-
فضائل توبہ و استغفار	۳۰/
فضائل اعمال اول مع درود شریف	۵۰/-
فضائل اعمال دوم	۵۰/-

کتاب	قیمت
فضائل تہجد	۸/-
فضائل مسواک	۶/-
فضائل نماز	۷/-
فضائل تبلیغ	۵/
فضائل ذکر	۱۳/
فضائل قرآن	۷/
فضائل رمضان	۶/
فضائل صدقات مکمل	۳۸/
فضائل حج	۲۰/
فضائل درود شریف	۱۰/
مسنون دعائیں	۶/-
مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج	۳/
مسنون اور مقبول دعائیں	۵/
معین التجوید	۳/
مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل	۵/
مسلمان خاوند	۷
مسلمان بیوی	۸/
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	۱۸/-
میدان حشر	۹/
مسلم خواتین کے لئے بیس سبق	۷/
والدین کے حقوق	۶/
یٰسین شریف مع دعاء نصف شعبان	۱/۵۰

ENGLISH PUBLICATIONS

Title	Price
Uswai Rasool-E-Akram	80-00
Hayat-us-Sahabah (3 Vols Set) each Vol.	150-00
Stories of Sahaba	30-00
Fazail-e-Aamal	80-00
The Holy Quran By M. M. Pickthal Text & Trans	75-00
Riyazus saliheen (Vol. 1 & 2)	250-00
Six Fundamentals of Islam	8-00
Peculiar Personal Problems of Man and women	10-00
Hazrat Muhammad the Prophet of Islam	12-00
Hazrat Abubakr (Raz.)	12-00
Hazrat Osman (Raz.)	12-00
Hazrat Omar (Raz.)	12-00
Hazrat Khalid Bin Walid (Raz.)	12-00
Hazrat Aisha (Raz.)	12-00
Four Companions (Raz.)	40-00
Hazrat Ali (Raz.)	12-00
Al-Hizbul Azam	18-00
Fundamentals of Islam	12-00
Teachings of Tabligh	15-00
Quranic Advices	15-00
Prayers of the Prophet (saw)	12-00

FRENCH PUBLICATIONS

Title	Price
LESAINT CORAN	Rs. 100-00
LE SE NEIGNEMENTS, DEL. ISLAM	Rs. 70-00

IDARA ISHAAT-E-DINIYAT
HAZRAT NIZAMUDDIN
NEW DELHI-110 013
(INDIA)

المطبوعات العربيّة

العنوان	السعر
الشیخ محمّد الیاسؒ ودعوۃ الدّینیۃ	۸/-
حیاۃ الصحابہؓ ۱-۴ (مشکل ومحشی)	۶۴۰/-
حیاۃ الصّحابہؓ ۱-۳ (قدیم)	۳۷۵/-
روضۃ الاحباب	۳۰/-
ریاض الصّالحین	۶۰/-
فضائل الاعمال	۳۵/-
منظر الموت ومابعد الموت	۳۵/-
دلائل الامور الستۃ	۲۵/-

हिन्दी प्रकाशन

शीर्षक	मूल्य
फज़ाइले आमाल १	६५-००
फज़ाइले आमाल २	७५-००
फज़ाइले सदकात	५०-००
फज़ाइले हज	३०-००
फज़ाइले दरूद शरीफ	१५-००
हिकायाते सहाबा रज़ि०	२०-००
फज़ाइले नमाज़	१०-००
हज व उमरा और उसका तरीका	१८-००

غور سے پڑھیے

۱-اس سے پہلے کی تمام فہرستیں منسوخ سمجھیں۔ ۲-آپکا آرڈر آنے پر کتاب کی جو قیمت ہوگی وہی لگائی جائے گی۔ ۳-مال منگوانے والے حضرات کم از کم ۲۵ فیصد رقم پیشگی ارسال فرمائیں۔ ۴-تمام اخراجات پیکنگ وی، پی وغیرہ بذمہ خریدار ہونگے، ۵-بلٹی، ٹرانسپورٹ اور قریبی ریلوے اسٹیشن اور اپنا مکمل پتہ صاف اور خوشخط لکھیئے، ڈرافٹ اس نام سے بنوائیے۔

IDARA ISHAAT-E-DINIYAT

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی تازہ شاہکار تصنیف
المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
(دوسرا ایڈیشن ترمیمات وتصحیحات کے بعد)
یعنی امیر المومنین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مفصل سوانح حیات، خاندانی خصوصیات، وہبی کمالات، خلفاء کی ترتیب زمانی میں حکمت الٰہی ومصلحت اسلامی، اسلام کے مفاد میں خلفاء ثلاثہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا بے نظیر اخلاص وتعاون، خلافت مرتضوی کا عہد اور اس کی عظیم مشکلات، بے نظیر زاہدانہ سیرت ومصلحانہ ومربیانہ کردار، فرزندان والا مقام (حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ) کی عطر بیز سیرت واخلاص اور ان کے اپنے اپنے وقت میں صحیح فیصلے اور اقدامات، آل رسول (سادات کرام) کے اعلیٰ اخلاق وشمائل، امت کی اصلاح وتربیت کی دائمی فکر، اسلام کی تبلیغ واشاعت، جہاد فی سبیل اللہ، اور ممالک اسلامیہ کی حفاظت ودفاع میں ہر عہد میں ان کا قائدانہ واولوالعزمانہ کردار مستند کتب تاریخ ناقابل انکار واقعات وحقائق اور تجزیاتی وتقابلی مطالعہ کی روشنی میں۔
معیاری کتابت، آفسٹ طباعت، صفحات تقریباً ۴۶۴ قیمت ساٹھ روپئے
نوٹ:۔ خصوصی رعایت صرف اس کتاب کے لئے۔ ایک کتاب پر ۲۵٪ فیصد۔ پانچ کتاب پر ۳۰٪ فیصد، اور دس کتاب پر ۳۳٪ فیصد مصارف ڈاک وپیکنگ خریدار کے ذمہ ہوں گے
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ ندوۃ العلماء لکھنؤ

سہ ماہی بحث و نظر کا

فقہی سیمینار نمبر

جولائی میں منظر عام پر آرہا ہے

جدید عصری مسائل پر فقیہان امت کے ۶۰ مقالات و مباحث کا مجموعہ

- کیا کسی انسان کا عضو (گردہ، آنکھ وغیرہ) دوسرے ضرورتمند انسان کے جسم میں منتقل کرنا جائز ہے؟
- ضبط تولید (آپریشن و مانع حمل دواؤں) کے شرعی حدود کیا ہیں؟
- کیا کرایہ کے مکان و دکان پر پگڑی لینا اور دینا جائز ہے؟

فقہی سیمینار نمبر، میگزین سائز، ۳۵۰ صفحات، فوٹو آفسٹ کی عمدہ طباعت قیمت فی ۲۵/

مقالہ نگاروں میں :- حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر طہٰ جابر فیاض العلوانی (امریکہ) مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا مفتی ظفیر الدین، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام، مولانا مجیب اللہ ندوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی احمد بیماؔ، مولانا شمس پیرزادہ وغیرہ۔

قارئین و ایجنٹ پیشگی آرڈر بھیج کر اپنی کاپی مخصوص کرالیں۔

پتہ :- بحث و نظر۔ پھلواری شریف، پٹنہ ۵

اسٹیشنری کی دنیا میں چمکتا دمکتا نام

اِنڈیا کاپی ہاؤس

کاپیاں، رجسٹر، لیجر اور نوٹ بکس کے ماہر

تاجروں کیلئے خصوصی رعایت

۱۷۲/۲۰ بازار جھاؤلال متصل تبلیغی مرکز کچہری روڈ لکھنؤ ۱۸

اردو ادب میں دو نایاب اضافے

مولانا شبیر احمد کاندھلوی مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی وفات اور حالات پر مبنی دو منظوم مجموعے مرتب کئے تھے جن کو علمی و دینی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا ہے۔

۱- غم نامۂ فراق، سانحۂ وفات شیخ الحدیثؒ صفحات ۸۰ - قیمت ۱۰/-
۲- دردنامۂ حسرت، حالات شیخ الحدیثؒ ۲۰۷ - صفحات - قیمت ۴۰/-

ملنے کا پتہ :- ڈاکٹر جاوید احمد کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

چند ادبی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
فراق کی شاعری	ڈاکٹر اشفاق اللہ	۱۲۵/-
اردو تمثیل نگاری	ڈاکٹر غلام رسول کرانی	۸۰/-
تلاش و تحقیق	کاظم علی خاں	۸۰/-
فرہنگ کلیات	ڈاکٹر فرید احمد برکاتی	۱۵۰/-
اردو میں بچوں کا ادب	ڈاکٹر خوشحال زیدی	۲۰۰/-
بنگال کی زبان سے اردو کا رشتہ	ڈاکٹر شانتی بھٹاچاریہ	۳۰/-
لندن اور لندن	ڈاکٹر سید عقیل	۶۰/-
تلاش و تعارف	ڈاکٹر حنیف نقوی	۴۰/-
شعلے کی شناخت	عمیق حنفی	۳۰/-
ایک نایاب مثنوی	ڈاکٹر عبد الرؤف	۱۵/-
غالب ایک مطالعہ	پروفیسر ممتاز حسین	۳۰/-
فراق فن اور شخصیت	ڈاکٹر علی احمد فاطمی	۳۰/-
ادب کی تلاش	بلراج کومل	۳۰/-
تنقیدی مطالعے	ڈاکٹر شارب ردولوی	۲۰/-
اردو افسانے کے افق	مہدی جعفر	۳۰/-
ساحل اور سمندر	احتشام حسین	۳۰/-
کربے کی سرگذشت	محمد علی صدیقی	۱۲/-
مغربی تنقید کے اصول	ڈاکٹر انور سجاد	۳۵/-
افکار و اظہار	نامی انصاری	۳۰/-
تاریخ و تحقیق	الطاف حسین شروانی	۲۵/-
کشمکش حیات	مرزا جعفر حسین	۶۰/-
مجاز، حیات اور شاعری	منظر سلیم	۳۰/-
تاریخ ادب کی تدوین	علی جواد زیدی	۱۲/-

(فہرست کتب طلب فرمایئے)

نصرت پبلشرز - امین آباد لکھنؤ ۱۸-۲۲۶

ماہنامۂ الفرقان کی اشاعت خاص "فریدی نمبر" شائع کرنے پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

گڈ فٹ اینڈ کمپنی

نظیر آباد - لکھنؤ ۱۸-۲۲۶

شیروانی اور سوٹ کی سلائی کیلئے ہماری خاص شہرت ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، کی دوسری گرانقدر تصنیفات

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان، بے حد دلنشیں اور پُر اثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ، مجلد عکسی ۱۲/-

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ، اخلاق و معاملات دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ (زیر طبع)

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا جامع مرقع۔ جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، قیمت مجلد ۲۶/-

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمۂ دعوت "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی ایمان افروز تشریح
قیمت ۴/۵۰

نماز کی حقیقت

نماز کے مقام اس کی روح اور حقیقت سے واقف ہونے کے لئے نیز اپنی نماز میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ نیا ایڈیشن
قیمت ۸/-

برکات رمضان

ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف کے فضائل و برکات اور انکی روحانی تاثیرات کا شوق انگیز بیان۔
قیمت ۵/-

معارف الحدیث

احادیث نبوی کا ایک جامع انتخاب آسان اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ اس مجموعہ میں ان احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا انسانوں کی فکری و اعتقادی اور عملی زندگی سے خاص تعلق ہے اور جس میں امت کے لئے ہدایت کا خاص سامان ہے ـــــ
قیمت مکمل، جلدیں مجلد عکسی ۱۶/- ۲ روپے

تذکرہ مجدد الف ثانی

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات، آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات قیمت مجلد ۲۸/-

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علماء حق پر اس کے اثرات

نیا ایڈیشن ـــــــ زیر طبع

میری طالب علمی

مولانا موصوف نے اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات بیان کئے ہیں۔ نیا ایڈیشن ۲/-

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرت کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح جان و سمجھ سکتے ہیں۔ عکسی ۹/-

منتخب تقریریں

آسان زبان میں مولانا نعمانی مدظلہ کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ۔ قیمت مجلد عکسی ۲۰/-

آپ حج کیسے کریں؟

یہ کتاب نہایت آسان و دلنشیں انداز میں حج کا طریقہ اور احکام و مناسک بھی بتاتی ہے۔ اور وہ ذوق و شوق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔
قیمت مجلد عکسی ۱۲/- غیر مجلد ۱/-

آسان حج

آپ حج کیسے کریں کا خلاصہ۔ پاکٹ سائز میں ـــ قیمت ۲/۵۰

قرب الٰہی کے دو راستے

قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل کی تشریح موجودہ حالات میں قرب بالفرائض کو ترجیح کیوں؟ اس رسالہ میں پڑھئے
قیمت ـــ ۲/-

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔
قیمت مجلد ۱۱/-

بوارق الغیب

علم غیب نبوی کی تردید میں مولانا نعمانی مدظلہٗ کی ایک محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت -/۲۸

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علمائے دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب نیا ایڈیشن نئی کتابت کیساتھ -/۱۲

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہید جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے مکروہ الزامات کا تحقیقی جواب۔ قیمت -/۶

عقیدۂ علم غیب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس سوال کا مدلل جواب قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ۔ قیمت -/۳

مسئلہ حیات النبی کی حقیقت

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طبعی وارد ہوئی؟ یا جس حیات کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز تھے اسی حیات کے ساتھ قبر مبارک میں منتقل کر دیئے گئے؟ یا آپ کو دوسرے انبیاء کی طرح اس دنیا سے منتقل ہونے کے بعد کوئی خاص اختصاص حیات حاصل ہوئی؟۔ قیمت -/۳

مولانا مودودی کیساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

مولانا نعمانی مدظلہٗ کی ایک اہم تصنیف اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں مولانا موصوف نے مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لئے بالخصوص ان کے متبعین کیلئے زیغ وضلال کا باعث بن سکتے ہیں
قیمت مجلد عکسی قیمت -/۱۸

تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات

اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۱۔ تبلیغی جماعت کی اصلی دعوت، بنیادی مقصد اور طریقہ کار کی وضاحت۔

۲۔ تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے

۳۔ مولانا مودودی صاحب کا ایک مضمون جس میں انھوں نے اپنا یہ تاثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔

۴۔ تبلیغی جماعت پر "جماعت اسلامی" کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات کا جواب

۵۔ بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت پر لگائے گئے ان کے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔

قیمت عکسی ایڈیشن ۶/۵۰

قادیانی کیوں مسلمان نہیں مسئلہ نزول مسیح وحیات مسیح

رد قادیانیت پر لاجواب کتاب جو عام وخاص سب کے لئے یکساں مفید ہے
قیمت -/۱۰

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ "دریا بکوزہ" کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔
قیمت ۳/۵۰

کفر واسلام کی حدود اور قادیانیت

اس میں قادیانی لٹریچر کے بیسوں حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانی فرقہ مرزا غلام احمد کو نبی و رسول مانتا ہے اس لئے وہ مسلمان نہیں۔
قیمت ۲/۵۰

انسانیت زندہ ہے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ کی زندگی کے چار سبق آموز واقعات، فرقہ وارانہ فسادات کے موجودہ دور میں ایک ایسا رسالہ جو ہر ہاتھ تک پہونچنا چاہیئے
قیمت ۳/۵۰

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز اور خطبہ عربی میں کیوں پڑھا جائے اس بارے میں شرعی حکم اور حکمتیں اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔
قیمت صرف ۳/۵۰

حالات کا تقاضا ہے کہ

ہر مسلمان کو آیتہ اللہ خمینی، ایرانی انقلاب اور شیعہ مذہب کے بارے میں ضروری معلومات ہوں

اس مقصد کے لئے

ان تین کتابوں کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ہوگا

ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت

از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

قیمت =/۲۲ روپے — انگریزی ایڈیشن =/۳۵

(اردو اور انگریزی کے علاوہ، عربی، فرانسیسی، بنگالی، تھائی، ملائی، وغیرہ متعدد زبانوں میں اس کتاب کے کئی ایڈیشن دنیا کے مختلف ملکوں میں شائع ہو چکے ہیں)

خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں دور حاضر کے علماء کا متفقہ فیصلہ

قیمت حصہ اول: =/۱۶ روپے، حصہ دوم =/۱۴ روپے

انقلاب ایران — اور — اسکی اسلامیت

از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

(یہ کتاب مصنف نے ایران کے سفر اور وہاں حقائق کے براہ راست مشاہدہ کے بعد لکھی ہے)

قیمت =/۱۰ روپے

ہمارا پتہ

الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

۲۲۶۰۱۸

نابغۂ عصر مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کی

چند یادگار تصانیف

تجلیات ربانی تلخیص و ترجمہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی

قیمت حصہ اول ۳۰/- حصہ دوم ۲۵/-

تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان قیمت ۱۳/-

تذکرہ شاہ اسماعیل شہید ـــــــ قیمت ۶/-

وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی ـــــــ قیمت ۳/-

مولانا فریدیؒ کی تین نئی کتابیں

قافلۂ اہل دل :- مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ و جانشین حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ اپنے ملفوظات کے آئینہ میں۔ اور ان کے خلفاء کا تذکرہ۔

حضرت شاہ ابو سعید حسنیؒ سلسلۂ ولی اللہی کا ایک گمنام درویش

حضرت شاہ ابو سعید قطبی رائے بریلویؒ کے مختصر حالات۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انکے خاندان سے ان کے تعلقات مراسلات کی روشنی میں ساتھ میں ان کے ایک گمنام خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبد القادر خالصپوری کا تذکرہ

شاہ عبد الرحیم و ابو الرضا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد ماجد شاہ عبد الرحیم فاروقیؒ دہلوی اور عم مکرم شاہ ابو الرضا فاروقی دہلویؒ کے حالات و ملفوظات اور مکتوبات کا انمول مجموعہ

ناشر الفرقان بکڈپو۔ ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی۔ نظیر آباد۔ لکھنؤ ۱۸

صحبتے با اہل دل

مرتبہ:- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب بھوپالی (عرف پیر ننھے میاں) کی عرفانی واصلاحی مجالس کا مرقع اور ان کے ارشادات وملفوظات کا مجموعہ جن میں عصر حاضر کے ذوق اور مزاج کے مطابق زندگیوں کی اصلاح کا پیغام، ایمان ویقین وکیفیت احسانی پیدا کرنے کا وافر سامان، اور حکایت وتمثیلات کے پیرائے میں تصوف اسلامی کا عطر اور سلوک ومعرفت کا لب لباب آگیا ہے۔ قیمت: ۳۲/

بریلوی فتنہ کا نیا روپ

از: مولانا محمد عارف سنبھلی

یہ کتاب ارشد القادری کی کتاب زلزلہ کا جواب ہی نہیں بریلوی فتنہ پر ایک ضرب کاری ہے مسئلہ علم غیب اور کائنات میں تصرف کے عقیدہ کی جو تنقیح کی گئی ہے وہ اس کتاب کا خاص تحفہ ہے۔
ساتھ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا ایک اہم مضمون علماء دیوبند پر بریلویوں کے الزامات کا پس منظر بھی ملاحظہ کیجئے۔
قیمت: ۱۵/

قرآن کی بیسک ریڈر یا رہنمائے تلاوت

○ از: سید محمود حسن ایڈوکیٹ مرحوم

تلاوت کی سنگین غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے، قیمت صرف ۱۴/

تاریخ میلاد

مولانا حکیم عبد الشکور مرزا پوری

مجلس میلاد کی مفصل تاریخ، ان کے بارے میں علماء کرام کی آراء اور اس سلسلہ میں نقطۂ اعتدال کیا ہے۔ قیمت: ۱۳/

دربار نبوت کی حاضری

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے حج کے سفر کی عاشقانہ دستانہ داستان، مولانا کے البیلے طرز بیان میں پڑھیئے۔ نیا عکسی ایڈیشن۔ قیمت ۶/

ملنے کا پتہ: الفرقان بکڈپو- ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ، یوپی

دوسرے اداروں کی مطبوعات کی مختصر فہرست

آپ بیتیاں

آپ بیتی مولانا دریابادی ۴۰/-
طوفان سے ساحل تک ۳۰/-
کاروان زندگی مکمل ۳ جلدیں ۱۰۰/-

اسلامیات

اسلام مکمل دین مستقل تہذیب ۳۰/-
اسلام کا پیغام بنی نوع انساں کے نام ۲۰/-
اسلامیات اور مغربی مستشرقین ۱۰/-
اسلامی ثقافت ۶۵/-
اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ۲۶/-
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب ۲۲/-
انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مکمل ۲ جلد ۸۰/-
تہذیب و تمدن کے اسلام پر اثرات ۱۸/-
مساجد اور اسلام ۵/-
معرکۂ ایمان و مادیت ۱۸/-
منصب نبوت ۳۰/-

ایمان افروز قصے و حکایات

ارواح ثلاثہ (حکایات اولیا) ۲۵/-
اللہ والوں کے قصے ۷/-
ایک نہایت عجیب و عبرتناک واقعہ ۱/۲۵
بچوں کی قصص الانبیاء اول تا پنجم ۳۶/-
حکایات صحابہ ۱۳/-

تاریخ

تاریخ اسلام مکمل (از اکبر شاہ) ۱۶۰/-
تاریخ بیت المقدس ۲۵/-
بزم مملوکیہ ۲۵/-
بزم صوفیہ ۴۲/-
تاریخ اسلام مکمل ۴ جلدیں ۱۱۸/-
تاریخ الاحکام ۳۰/-
تاریخ حرمین شریفین ۳۲/-
تاریخ فرشتہ مکمل ۲ جلد ۱۸۰/-
عربی زبان وادب عہد مغلیہ میں ۳۰/-
تاریخ دعوت وعزیمت مکمل ۵ جلد ۲۲۵/-
تاریخ الخلفاء ۵۵/-
ہندوستان کے عہد وسطی کا فوجی نظام ۲۳/-
ہماری بادشاہی ۱۵/-
یاد ایام ۱۵/-

تبلیغ

ایک تبلیغی جماعت کی کارگذاری ۴/-
ایک مطالعہ یا ایک مغالطہ ۴/-
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب ۲۰/-
تبلیغ کا مقامی کام ۱۵/-
تبلیغی تحریک کے بنیادی اصول ۱۰/-
روشنی اول ۴۰/- دوم ۴۰/-
فضائل اعمال یا تبلیغی نصاب اول ۵۰/-
" " " دوم ۵۰/-

تجوید وقرات

ضیاء القرآت ۴/-
جمال القرآن ۴/-
فوائد مکیہ ۲/۵۰
مظہر التجوید ۳/۵۰
نزہۃ القاری ۲/۵۰

تذکرے

پرانے چراغ مکمل ۲ حصے ۴۵/-
تذکرہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی ۱۰/-
تذکرۂ ائمہ اربعہ ۲۰/-
تذکرہ مصلح الامت اول ۳۰/- دوم ۲۷/-
تذکرۃ المصنفین ۲۱/-
کاروان ایمان وعزیمت ۱۲/-
وفیات ماجدی ۱۵/-

تصوف

احیاء العلوم مکمل ۳۵۰/-
اکابر کا سلوک و احسان ۶/-
تالیفات مصلح الامت ۴۵/-
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۲۰/-
صراط مستقیم ۲۴/-
کلیات امدادیہ ۲۵/-

تفاسیر قرآن

تفسیر ابن کثیر مکمل ۴ جلد ۴۲۵/-
تفسیر بیان القرآن مکمل ۲ جلد ۳۰۰/-
تفسیر معارف القرآن مکمل ۸ جلد ۷۵۰/-

حج

آئینہ حرم ۳۵/-
حج کے چند مشاہدات ۳/-
حج کی شرعی حیثیت ۲/-
کاروان مدینہ ۲۲/-
معلم الحجاج ۱۵/-

حدیث وعلوم حدیث

الحل المفہم لصحیح المسلم مکمل ۲ جلد ۱۲۰/-
الابواب والتراجم مکمل ۲ حصے ۳۰۰/-
بخاری شریف مکمل مترجم عکسی ۳۵۰/-
ترمذی شریف مترجم عکسی ۲۵۰/-

تنظیم الاشتات مکمل -/۱۲۰
مشکوٰۃ شریف مترجم عکسی مکمل -/۲۱۰
علوم الحدیث -/۳۰

حقوق

پڑوسی کے حقوق -/۲
حقوق زوجین -/۵
حقوق والدین -/۵
میاں بیوی کے حقوق /۵

ردشرک و بدعت اور شیعیت

آپ خود فیصلہ کریں کیا شیعہ مسلمان ہیں؟ ۱/۵۰
اعلیٰ حضرت کا دین -/۶
باطل شکن ۴/۵۰
بدعات محرم اور تعزیہ -/۷
بدعت کی باتیں مکمل -/۶۰
تعارف مذہب شیعہ -/۲۰
تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان -/۳۵
تقویۃ الایمان خورد -/۷
بدعت کیا ہے -/۱۵
توحید کا خنجر -/۱۴
حق نما ۱/۵۰ حقیقت نما ۲/۵۰
دو متضاد تصویریں -/۱۲
دیوبند سے بریلی تک -/۱۰
رضاخانی ترجمہ و تفسیر پر ایک نظر -/۲۰
رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ -/۱۲
زلزلہ در زلزلہ -/۱۵
شہید کربلا -/۱۵
شیعہ اور قرآن -/۲۰
قاتلان حسین کی خانہ تلاشی -/۷
مذہب شیعہ کے چالیس بنیادی
عقیدے ——— -/۴

سفرنامے

دریائے کابل سے یرموک تک -/۳۲
دو مہینے امریکہ میں -/۴۰
دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں -/۱۵
ڈھائی ہفتہ پاکستان میں -/۱۰
شرق اوسط کی ڈائری -/۵۰

سیرت النبی

آخری رسول -/۱۸
اسوۂ رسول اکرمؐ -/۵۵
اصح السیر -/۵۵
النبی الخاتم -/۱۲
پیغمبر اعظم و آخر -/۶۰
رحمت عالم -/۱۰
رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ -/۲۵
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی -/۳۵
رسالتمآب -/۶۰
سیرۃ طیبہ -/۲۰
سیرۃ النبی مکمل، جلد غیر مجلد ۳۷۱/

سیر و سوانح

اصحاب رسول -/۳۵
حیات امام ابوحنیفہ -/۶۰
بنات اربعہ -/۳۵
اشرف السوانح مکمل -/۱۲۵
جب ایمان کی بہار آئی -/۲۰
حیاۃ الصحابہ مکمل ۳ جلد -/۲۰۰
حیات خلیل -/۳۰
خلفائے راشدین -/۲۵
سوانح عبدالقادر رائے پوری -/۲۰
سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ -/۹۰

سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل ۲ جلد -/۱۲۰
سیرت عائشہؓ -/۲۵
سیرت مولانا محمد علی مونگیری -/۲۰
سوانح شیخ الحدیث محمد زکریاؒ -/۳۰
علامہ سید سلیمان ندوی -/۴۰
ہمارے اسلاف -/۱۰

علوم قرآنی

آسان لغات القرآن -/۳۰
فقہ القرآن -/۴۰
قاموس القرآن -/۳۵
مطالعہ قرآن حکیم -/۳۵
مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی -/۱۵

عورتوں کیلئے کتابیں

بہشتی زیور -/۴۵
پاک دسترخوان -/۱۳
حسن معاشرت -/۶
خواتین اور دین کی خدمت -/۴
ذائقہ ۴/۵۰
عورت اور پردہ -/۴
مسلمان بیوی مجلد -/۸ غیر مجلد -/۶

فقہ و فتاویٰ

اصول الفقہ -/۲۰
امداد الفتاویٰ مکمل ۶ حصے -/۴۰۰
جدید فقہی مسائل ۲ حصے -/۳۴
جواہر الفقہ مکمل ۲ حصے -/۱۲۵
دین دنیا -/۴۰
علم الفقہ -/۶۰ سپریم کورٹ کا فیصلہ -/۱۰
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل ۱۲ حصے -/۵۲۵
فتاویٰ رشیدیہ -/۴۸ نیا ایڈیشن -/۶۵

لغات و ڈکشنریاں

- القاموس الجدید عربی اردو خورد -/۲۷
- 〃 〃 اردو عربی -/۳۰
- 〃 متوسط -/۸۵
- بیان اللسان -/۵۰
- المنجد -/۱۲۰ المعجم الوسیط -/۱۵۰
- فیروز اللغات متوسط -/۴۰ کلاں -/۱۲۵
- مصباح اللغات -/۱۱۵

مسائل و احکام

- اسلامی قانون وراثت -/۱۲
- اشرف الجواب -/۵۰
- اصلاح انقلاب امت مکمل ۲ جلد -/۳۶
- تعلیم الاسلام مکمل مجلد -/۱۰
- اشرفی بہشتی زیور تختی مکمل مدلل -/۵۵
- چار فقہی تحقیقات ۱۲/۵۰
- جدید میڈیکل مسائل -/۱۰
- چند اہم فقہی مسائل -/۱۲
- روزہ کی شرعی حیثیت -/۲
- زکوٰۃ کی شرعی حیثیت -/۳
- مسئلہ ایصال ثواب -/۱۵
- معاشرتی مسائل -/۳۰
- نان نفقہ کا مسئلہ -/۱۲

متفرقات

- اقوال سلف -/۲۳
- امثال عبرت ۱۲/۵۰
- پیام امن -/۱۵
- تجارت اور اسلام -/۴
- جزیرۃ العرب -/۳۵
- دولت اور غربت اسلام کی نظر میں -/۱۲
- روح البیان مکمل ۲ جلد -/۳۶
- زاد کارواں -/۱۰
- سلسلۂ کوثر مکمل ۲ جلد -/۱۵۰
- سائنس اور اسلام -/۶۰
- عالم عربی کا المیہ -/۲۲
- علم جدید کا چیلنج -/۲۸

مقالات و خطبات اور تقریریں

- پاجا سراغ زندگی -/۲۲
- پہلی تقریر سیرت (۲ حصے) -/۲۲
- تحفۂ کشمیر -/۱۲
- تحفۂ انسانیت -/۱۸
- خطبات حکیم الاسلام مکمل -/۱۵۰
- مقالات سیرت -/۳۰
- طوبیٰ -/۵۰
- تسہیل المواعظ مکمل -/۸۰

نماز

- آئینہ نماز -/۷
- ارکان نماز -/۲
- برکت نماز -/۷
- رہنمائے نماز -/۳
- میری نماز -/۷ شرعی نماز ۲/۵۰
- نماز کی شرعی حیثیت -/۴
- نماز مترجم کلاں ۲/۵۰ خورد -/۲

نعتیں و سلام

- بادۂ وحدت -/۲
- پھول ہی پھول ۱/۵۰
- تجلیات حرمین -/۳
- خیر الامم کی بارگاہ میں -/۶
- درود و سلام -/۲
- سلام ہی سلام -/۱
- روح -/۳
- زمزمۂ نعت -/۲ فردوس -/۲
- گلدستۂ اہل ذوق ۱/۵۰
- نعتیں و سلام ۳/۵۰
- گلستان حرم -/۲
- نالۂ نیم شبی -/۱۲

ایک ضروری بات

جگہ کی کمی کی وجہ سے مندرجہ بالا فہرست میں ہم نے موجودہ کتب میں سے صرف چند ہی کتب کا تذکرہ کیا ہے۔ ہمارے اسٹاک میں ان موضوعات پر اور بھی بے شمار کتابیں، الحمد للہ موجود ہیں۔ نیز دیگر اہم موضوعات پر بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ مثلاً معری و مترجم قرآن مجید۔ پارے، دعاؤں کے مجموعے، عربی مدارس میں رائج درسیات نیز ہندی انگریزی اور عربی زبان کی اسلامی کتابیں ـــــــ اگر آپ مزید کتابوں کے بارے میں واقفیت چاہتے ہوں تو آج ہی ۲/- کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر ہماری مفصل فہرست کتب طلب فرمائیں۔ — مینجر

ہمارا پتہ: الفرقان بکڈپو۔ نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۱۸

معیاری طباعت ـــ وقت کی پابندی

اسکائی لائن پرنٹرس لکھنؤ

اردو، انگریزی، عربی وہندی کی شاندار و اعلیٰ

آفسٹ طباعت کیلئے

ہماری خدمات حاصل کیجیے

ہمارے یہاں آفسٹ پروسسنگ کی بھی مکمل سہولیات دستیاب ہیں

آپ کو جب بھی طباعت کا مسئلہ درپیش ہو

تشریف لائیے یا رابطہ قائم کیجیے

ہمارا پتہ:۔ اسکائی لائن پرنٹرس ـ چیامئو ـ لکھنؤ

فون ۳۶۰۹۳ / ۳۳۰۶۷

فون نمبر ۳۴۰۵۴

فریدی نمبر کی اہم اشاعت پر اودھ جنرل اسٹور ایجنسیز امین اباد لکھنؤ

دلی مبارکباد پیش کرتا ہے

خون صفا

موسم کی تبدیلی کے زمانہ میں خاص طور پر خون متاثر ہو جاتا ہے، طبیعت مضمحل اور صحت گرنے لگتی ہے۔ حدت، خارش، پھوڑے، پھنسی، خسرہ، بخار غرضیکہ فساد خون سے پیدا ہونیوالے تمام امراض کے لئے خون صفا مجرب ہے۔ فاسد مادہ کا تنقیہ کرتا، قبض دور کرتا، اور چہرہ نکھارتا ہے، ہر موسم میں ہر عمر کے لئے مفید ہے۔

تیار کردہ:- دواخانہ طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ یوپی

فون نمبر 75952

گرام خوشبو
پوسٹ بکس نمبر 68

تجربہ بتاتا ہے کہ

اعظم علی عالم علی

پرفیومرس

ھی نے لکھنؤ کے عطریات کا معیار قائم رکھا ہے

اب ہم تین نئے سنٹ ڈان۔ ڈبی۔ رومانس

پیش کرتے ہیں۔

ہمارا پتہ:- اعظم علی عالم علی پرفیومرس فاطمہ منزل آر بی ایل روڈ نیو حیدرآباد لکھنؤ

اودھ اسٹور امین آباد لکھنؤ کی جانب سے فریدی نمبر کے لئے نیک خواہشات

فون نمبر ۳۴۰۵۴

انرجائل ہربل ہیلتھ ٹانک

ENERGILE HERBAL HEALTH TONIC

ایک انتہائی مفید اور طاقتور ٹانک — خاص طور پر کمزوری کیلئے، خواہ وہ عام کمزوری ہو، یا سخت محنت اور پُرمشقت ورزش کے بعد کی کمزوری، بیماری کے بعد کی نقاہت ہو، یا بھوک کی کمی۔ شدید ذہنی تناؤ ہو، یادماغی وریاحی تکالیف، بے وجہ وزن بڑھ رہا ہو، یا قوت مزاحمت میں گراوٹ محسوس ہوتی ہو — یہی نہیں بلکہ بڑھتے ہوئے بچوں کے لئے، حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورتوں کیلئے بھی بیحد مفید اور اکسیر ٹانک

تیار کردہ:- شمع لباریٹریز (یونانی اینڈ آیورویدک) دہلی ۶
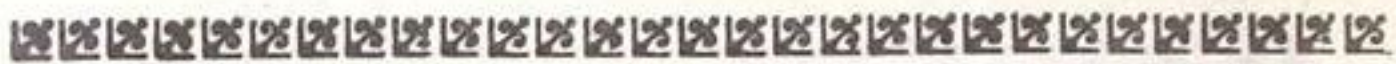
With best compliments from :—

Royal Mill Board Industries

Manufacturer of Mill Board & Straw Board

ROYAL STATIONERS

WHOLE SALE OF COPIES & REGISTERS

GWYNE ROAD, LUCKNOW-18

Hotel Burlington

Vidhan Sabha Marg Lucknow-1

Centrally located, Spacious Rooms, Moderate

Charges Homely Comfort and Delicious food.

King Watch House

2, Aminabad Lucknow-18

TEL-33096 & 62765

Distributor of :—

H M T WATCHES

Dealer of :—

TITAN, TIME STAR, ALLWYN &

SONIC WALLCLOCK

جب بھی آپ کو عمدہ لکڑی کی ضرورت ہو ہم سے ملیں

متین ووڈ ورکس

MATEEN
WOOD WORKS

عیش باغ روڈ۔ نزد پولیس چوکی عیش باغ لکھنؤ ۴

ہر قسم کی دلکش اور دیدہ زیب گھڑیوں کیلئے

ایک قابلِ اعتماد دوکان

یونیورسل واچ کمپنی

گوئن روڈ۔ امین آباد۔ لکھنؤ

فون ۴۹۹۴۴

لکھنؤ چکن آرٹ

نوابین اودھ کی یادگار لکھنؤ چکن آرٹ کے مری کے کرتے، ارگنڈی و پولسٹر کی ساریاں
اور ـــــ تھری پیس کنٹراسٹ لوزی سوٹ، ٹیری کاٹ وو ویلی سلک پر

اسرار احمد خاں لکھنؤ چکن آرٹ نظیر آباد لکھنؤ

HOTEL SALAM
دہلی میں آرام دہ قیام کیلئے ایک ہی نام
ہوٹل سلام
دہلی کے مشہور بارونق علاقہ میں واقع نئی بلڈنگ
جدید طرز پر بنے آرام دہ کشادہ کمرے ٭ جزوی ایرکنڈیشنڈ
ہر کمرے سے ملحق باتھ روم ٹھنڈا / گرم پانی فوراً میسر
ہر کمرے میں ٹیلیفون اور بجلی نہ ہونے پر جنریٹر کا انتظام
ہر کمرے میں قرآن مجید اور جانماز کا انتظام
رمضان مبارک میں تراویح اور سحری کا انتظام
پردہ نشین خواتین کے لئے علیحدہ مخصوص کمرے دستیاب
ناشتہ اور کھانے کا عمدہ انتظام ٭ ڈورمٹری میں کم قیمت پر آرام دہ بستر دستیاب
ٹیلیفون نمبر
261619
278973
269586
مناسب داموں پر عمدہ سروس ہمارا نصب العین
مینجر "ہوٹل سلام" ۸۹۹ - جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶
گھر سے دور آرام دہ قیام - ایک ہی نام - ہوٹل سلام

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226018 (INDIA)
Phone : 45547

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 57 No. 5-8
July. 1989

Only Cover Printed at : S. J. Press, Lucknow 7

سرپرست:
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

حالات کا تقاضا ہے کہ
ہر مسلمان کو آیۃ اللہ خمینی ایرانی انقلاب
اور شیعہ مذہب کے بارے میں ضروری معلومات
ہوں
اس مقصد کے لئے
ان تین کتابوں کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ہوگا
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت
از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
قیمت ۲۲/ روپے انگریزی ایڈیشن ۳۵/
(اردو اور انگریزی کے علاوہ، عربی، فرانسیسی، بنگالی، تھائی، ملائی، وغیرہ متعدد زبانوں میں اس کتاب کے کئی ایڈیشن دنیا کے مختلف ملکوں میں شائع ہوچکے ہیں)
خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ
قیمت حصہ اول ۱۶/ روپے، حصہ دوم ۱۴/ روپے
انقلاب ایران — اور — اس کی اسلامیت
از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی
(یہ کتاب مصنف نے ایران کے سفر اور وہاں حقائق کے براہ راست مشاہدہ کے بعد لکھی ہے)
قیمت ۱۰/ روپے
خصوصی پیشکش ایک ماہ کے اندر جن حضرات کی طرف سے 55/ روپے موصول ہوجائیں گے ان کی خدمت میں یہ تینوں کتابیں رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کردی جائیں گی۔
ہمارا پتہ
الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ
۲۲۶۰۱۸

ستمبر ۱۹۸۹ء مطابق محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

جلد: ۵۷

شمارہ: ۹

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

سرپرست:
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:
خلیل الرحمن سجاد ندوی

قیمت: ۴/۵۰

فہرست

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہِ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ فوراً ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ کیا جائیگا۔

ہمارا پتہ: منیجر ماہنامہ الفرقان، نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸ (یوپی) الہند

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے اسکائی لائٹ پرنٹرس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

مُدیر

آج کی صحبت میں سب سے پہلے تو اس رب کریم کا شکر بجا لانا ہے جس نے اپنے ایک صالح بندے — مولانا نسیم احمد فریدیؒ — کے تذکرہ و تعارف پر مشتمل الفرقان کی ایک خصوصی اشاعت کی ترتیب و طباعت کی توفیق ہم کمزور و ناتواں بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمادی — اور پھر ہماری اس کاوش کو اہلِ ذوق و اہلِ نظر کی پسندیدگی اور اہلِ طلب کی قدر دانی کا مورد بنا دیا، یہ بھی اس رب کریم کے فضل و عنایت کا نتیجہ ہے — یقین کیجئے کہ جس وقت ہم لوگوں نے "فریدی نمبر" کی اشاعت کا ارادہ و اعلان کیا تھا اس وقت عام اسبابی نقطۂ نظر سے وہ آسان نہیں تھا، ظاہری ضعف و معذوری کے اعتبار سے صاحبِ الفرقان (حضرت والد ماجد مدظلہٗ) — جن کا اور مولانا فریدی کا باہمی دیرینہ تعلق ہی دراصل اس نمبر کی اشاعت کا اولین محرک تھا — کا حال تو قارئین کو معلوم ہے ہی، یہ ناچیز بھی جسے مضامین کی ترتیب و تصحیح وغیرہ کا زیادہ تر کام کرنا تھا ان دنوں سخت بیماریوں اور تکلیفوں میں مبتلا تھا — مالی اعتبار سے یوں تو ادارۂ الفرقان کبھی بھی صحتمند نہیں رہا البتہ ان دنوں حال کچھ زیادہ ہی دِگرگوں تھا، اس کے علاوہ ادارہ کو کئی اور بھی انتظامی الجھنیں درپیش تھیں، الفرقان کے سابق کاتب صاحب تلوّن مزاجی کا شکار ہو کر رخ پھیر چکے تھے، ادارہ کے ایک قدیم کارکن بھی داغِ مفارقت دے گئے تھے، بہر حال حالات ایسے تھے کہ خاص نمبر تو درکنار عام شمارہ ہی کا تسلسل خطرے میں تھا — لیکن — یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق و تقدیر کا کرشمہ تھا کہ شکر و اعتراف، احسان مندی و وفاشعاری اور تلافیٔ مافات کا

جذبہ اس طرح دل و دماغ پر چھایا کہ اور کسی پہلو کو خاطر میں لانے کے لئے طبیعت آمادہ ہی نہیں ہوئی اور بنامِ خدا، واقعی محض بنامِ خدا، نمبر کا اعلان کر دیا گیا، البتہ اتنی احتیاط کی گئی کہ یہ حساب لگا کر کہ چار شماروں کے صفحات مجموعی طور پر ۱۶۰ ہوتے ہیں یہ پروگرام بنایا گیا کہ ۴۰ صفحات سے زیادہ کا اضافہ نمبر میں نہ کیا جائے تاکہ بوجھ ناقابلِ برداشت حد تک نہ پہونچنے پائے، اس بنا پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ نمبر انشاء اللہ ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہوگا اور اسی حساب سے مصارف کا تخمینہ لگا کر قیمت کا اعلان بھی کر دیا گیا، مگر پھر وہی ہوا جس کا بار بار تجربہ ہوتا ہے، ہمارے سارے منصوبے اور حساب رکھے رہ گئے ۲۸۰ صفحات پر مشتمل نمبر شائع ہوا یعنی چار شماروں کے مجموعی صفحات سے ۱۲۰ صفحے زیادہ، درمیان میں مختلف تجویزیں زیر غور آئیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قارئین کے سامنے صورتِ حال کی وضاحت کر کے ہم اپنا یہ اعلان واپس لے لیں کہ "نمبر نہ صرف سابق بلکہ نئے خریداروں کی خدمت میں بھی سالانہ خریداری ہی کے حساب میں اور بلا کسی اضافی قیمت کے پیش کیا جائیگا" اور یہ گذارش کریں کہ اس نمبر کے حساب میں دس روپئے مزید بھیجدیں، بعض لوگوں نے ہمیں یہ کہہ کر بھی سمجھانا چاہا کہ نمبر کی ضخامت کو اگر عام شماروں کے صفحات پر تقسیم کیا جائے تو اسے ساتؔ شماروں کا بدل ہونا چاہیئے جبکہ آپ نے اسے صرف چار شماروں کا بدل قرار دیا ہے اور اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سال الفرقان کے خریداروں کو سال کے بارہؔ[۱۲] شماروں کے بجائے پندرہؔ[۱۵] شمارے پیش کئے گئے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ زر سالانہ کی موجودہ شرح سے بارہ شماروں ہی کی طباعت وغیرہ کے مصارف کا پورا ہونا مشکل ہوتا ہے، یہ اضافی بوجھ ادارہ کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگا۔

لیکن یہ راقم الحروف اپنی غیر حسابی افتادِ طبع کی وجہ سے مجبور ہے اس نے ایسی کوئی تجویز منظور نہیں ہونے دی اور امید ہے کہ جس داتا کے خزانوں کے بھروسے پر یہ چھوٹا اپنے بڑوں سے ضد کر کے ایسی باتیں منوا لیتا ہے وہ اسکے بھروسے یا گمان کی لاج رکھے گا، وہ اس سے بہت زیادہ پر قادر ہے۔

ہاں! اس موقعہ پر یہ ناچیز الفرقان کے قدردانوں سے یہ ضرور عرض کریگا کہ اگر

آپ اس رسالہ کو کس درجہ میں مفید سمجھتے ہیں تو خالص دینی جدو جہد کی نیت سے اپنے دو تین دوستوں کو بآسانی اس کا خریدار بنا سکتے ہیں ــــ "ظہور قلم" کے اس دور میں رسائل و مجلات اور اخباروں کے سیلاب سے شاید ہی کوئی گھر آج محفوظ ہو، اگر ہمارے آپ کے گھروں میں اچھے پاکیزہ اور اصلاحی رسائل جائیں گے تو گھر کے ماحول پر انشاء اللہ انکا اچھا ہی اثر پڑیگا، آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ اپنے کسی عزیز یا دوست یا محسن کے نام الفرقان جاری کروادیں اور رقم بھیجتے وقت یہ صراحت کردیں کہ فلاں صاحب کے نام الفرقان میری طرف سے "ہدیۂ خلوص و محبت" کے طور پر جاری کر دیا جائے، آپ کی فرمائش کے مطابق ادارہ کی طرف سے ان صاحب کو اسکی اطلاع بھی کردی جائیگی، دینی کتابیں اور رسالے ایک دوسرے کو تحفۃً دینا ایک ایسی عادت ہے جس کا رواج ڈالنے کی ضرورت ہے کیا عجب ہے کہ آپ کا یہ تحفہ اس گھرانے میں صالح تبدیلی لانے یا اسے جادۂ حق پر ثابت قدم رکھنے میں معاون بن جائے اور آپ کو گھر بیٹھے اجر عظیم مل جائے۔

فریدی نمبر کے بارے میں تاثرات :-

بات شروع ہوئی تھی "فریدی نمبر" کی پھر تذکرہ چھڑ گیا کچھ اور باتوں کا ــــ تقریباً روزانہ کی ڈاک میں جو خطوط ہمیں موصول ہو رہے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الحمد للہ عام قارئین اور اہلِ علم و نظر نے "فریدی نمبر" کو بہت پسند فرمایا، ہمیں خاص طور پر خوشی اسکی ہے کہ تربیتی و اصلاحی نقطۂ نظر سے نمبر کو بہت مفید اور مؤثر سمجھا جا رہا ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ ہمارا مقصود اولیں بھی یہی تھا۔

آنے والے خطوط کے ڈھیر میں سے صرف دو کے اقتباس ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں، ایک عام طور سے اور خطوط کا رُخ بھی یہی ہے۔

"دار العلوم ندوۃ العلماء کے نائب ناظم جناب مولانا معین اللہ ندوی صاحب مدظلہ، نے راقم الحروف کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے :-

"مجھے چند دن پہلے ایک صاحب کے ذریعہ "فریدی نمبر" ملا، دل بہت ہی

متاثر ہوا، باوجود معذوری کے دوسرے دن ہی ختم کر دیا، کاش! مولانا مرحوم کی زندگی میں کچھ حالات کا علم ہوتا ___ میری طبیعت چاہتی ہے کہ اپنے مدارس کے اساتذہ ضرور دیکھ لیں، یوں تو سب کے لئے مفید ہے.... پچیس کاپیاں مع بل کے میرے پاس بھیجدی جائیں، انشاء اللہ مناسب جگہوں پر بھیجنے کی کوشش کروں گا"

دار العلوم دیوبند کے عربی ترجمان "پندرہ روزہ الداعی" کے ایڈیٹر مولانا نور عالم امینی صاحب نے حضرت والد ماجد مدظلہ، کے نام اپنے خط میں لکھا :-

"پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ..... پورے شمارہ کو دو مجلسوں میں مکمل پڑھ لیا آنجناب اور مولانا علی میاں صاحب کے مضامین کے علاوہ برادرم سجاد اور پروفیسر نثار احمد فاروقی کا مضمون زیادہ مؤثر معلوم ہوا ـ آخر الذکر کے مضمون میں بطور خاص ایک زخمی دل کی صدا محسوس ہوئی..... باقی سبھی کاوشیں اپنی اپنی جگہ مفید ہیں۔

خدا سے دعا ہے کہ ہر ایک کو اہلِ حق کی محبت کا صلہ دے، پہلی بار الفرقان سے ہی مولاناؒ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوا..... بیک وقت علم و دین و ادب و تزکیۂ نفس اور خدمتِ خلق، سادگی اور صبر و یقین اور دعوت و عزیمت کو جمع کرنا بڑا مشکل اور ممتاز کام ہے، اور ساتھ ہی اخفاء بھی، یہ تو سب سے زیادہ مشکل بات ہے..... خدا ہم سبھوں کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے"

دینی مدارس کیلئے فریدی نمبر کے سلسلہ میں خصوصی پیشکش :-

ہمارا شروع سے یہ احساس تھا کہ انشاء اللہ اس نمبر کا مطالعہ ہمارے دینی مدارس کے اساتذہ و طلبہ اور ذمہ داران کیلئے خاص طور پر بہت مفید ہوگا، اب متعدد اہلِ علم کے تاثرات سے بھی اسکی تائید ہوگئی۔ لہذا زیادہ سے زیادہ دینی مدارس میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس نمبر کے پہونچانے کی غرض سے ادارۂ الفرقان نے ایک خصوصی اسکیم

مرتب کی ہے ۔۔۔ آپ اس شمارہ کے صـ۳۵ پر وہ اسکیم ملاحظہ فرما سکتے ہیں ۔۔۔ اگر آپ خود کسی مدرسہ سے متعلق نہیں ہیں لیکن یہ نمبر خرید کر کسی مدرسہ میں پہونچانا چاہتے ہیں تب بھی آپ اس اسکیم کے حوالہ سے نمبر کی فرمائش ادارہ کو بھیج سکتے ہیں ۔

الفرقان نئے قالب میں :۔

یہ شمارہ آپ کو ایک نئے قالب میں ملے گا، اصل میں قصہ یہ ہے' آفسیٹ کی جو مشینیں یہاں لکھنؤ میں ہیں ان کے لئے زیادہ مناسب سائز یہی رہتا ہے جس پر یہ شمارہ پیش کیا جا رہا ہے' ہم نے کافی دن تک اس کی کوشش کی کہ الفرقان کے پرانے سائز کو باقی رکھتے ہوئے طباعت کے معیار کو بہتر سے بہتر بنایا جائے لیکن ہمیں اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکی، اب بنام خدا سائز کی تبدیلی کا فیصلہ کر لیا گیا ہے. انشاء اللہ اب الفرقان اسی سائز پر شائع ہوا کرے گا، امید ہے کہ تھوڑے دن میں آنکھیں اس سائز سے مانوس ہو جائیں گی اور یہ پیراہن الفرقان کو راس آئیگا ۔۔۔۔۔۔۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

صفحات اور زر سالانہ میں اضافہ :۔

سائز کی تبدیلی کے ساتھ ہی الفرقان کی ضخامت میں بھی آٹھ صفحات کا اضافہ کر دیا گیا ہے' اب انشاء اللہ الفرقان اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہوا کرے گا معیار طباعت میں بہتری اور صفحات میں اس اضافے کی وجہ سے الفرقان کی اشاعت پر سالانہ مصارف محتاط تخمینہ کے مطابق کم از کم ایک لاکھ تیس ہزار روپئے ہونگے جبکہ زر سالانہ کے موجودہ شرح کے مطابق اس کی سالانہ مجموعی آمدنی تقریباً پچاسی ہزار روپئے ہے' آمد و صرف کے اس فرق کو کم کرنے کی غرض سے الفرقان کے زر سالانہ میں اضافہ اب انتہائی ناگزیر ہو گیا ہے' چنانچہ اس شمارہ میں سالانہ چندہ کی نئی شرح

کا اعلان صـ۳۴ پر کیا جا رہا ہے. تمام قارئین اسے ضرور ملاحظہ فرمالیں. اور یہ بھی

نوٹ کرلیں کہ یہ اضافہ ستمبر ۱۹۸۹ء سے نافذ ہوگا۔

یادِ رفتگاں:۔

مارچ ۸۹ء کے شمارہ میں راقم الحروف نے حضرت مولانا عبیداللہ بلیاوی، ڈاکٹر محمد آصف قدوائی اور بھائی محمد یوسف پالنپوری کے حادثۂ انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے یہ کہا تھا کہ اِن حضرات کے حالاتِ زندگی کچھ تفصیل سے سنانے کا داعیہ ہے جو انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں پورا ہو پائیگا، پھر اپریل کے شمارہ میں ڈاکٹر محمد آصف قدوائی صاحب کے بارے میں حضرت والد ماجد مدظلہ کا ایک مفصل مضمون شائع ہوا لیکن گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے بقیہ دو حضرات کے بارے میں اسی اعلان پر اکتفا کرنا پڑا کہ "انشاء اللہ فریدی نمبر کے بعد کے شماروں میں ہم اپنے وعدہ کو پورا کرسکیں گے"۔——

پیشِ نظر شمارے میں بھائی یوسف صاحب پالنپوری کے بارے میں ہم اپنی معلومات پیش کر رہے ہیں —— مولانا بلیاوی کے متعلق ایک مفصل مضمون ابھی بدستور ہمارے ذمہ قرض ہے —— جو انشاء اللہ ہم ضرور ادا کریں گے —— اس سلسلہ میں مولانا کے قریبی اہلِ تعلق سے بھی ہماری درخواست ہے کہ مولانا کے حالاتِ زندگی اور احوال و واقعات کے بارے میں انکے پاس جو مستند معلومات ہیں وہ ہمیں جلد از جلد ارسال فرمادیں، —— اس شمارہ میں حال ہی میں دنیا سے رخصت ہونے والے تین ساتھیوں کا تذکرہ شامل ہے جنھوں نے راہ خدا میں اپنے وطن سے ہزاروں میل دور، جان، جان آفریں کو سپرد کی —— اس تذکرہ کو رسمی تعزیتی نوٹ کی طرح نہ پڑھئے گا اس سے سبق لینے اور سرگرم عمل ہونے کی نیت سے پڑھئے گا۔

آیۃ اللہ خمینی:

موت سے کسی کو مفر نہیں، ۴ رجون ۱۹۸۹ء کو جناب خمینی بھی رخصت ہوئے، اور نوحہ و ماتم کے شیدائی اپنے بے شمار فدائیوں اور رہبر و کاروں کو ماتم اور سینہ کوبی کا ایک نیا عنوان دے گئے —— اُن کی تمنا یہ تھی کہ وہ "امام آخر الزماں جناب مہدی" کے دستِ مبارک

میں انقلاب کا جھنڈا اٹھا کر ہی دنیا سے جائیں، انکے ہزاروں حلقہ بگوش گذشتہ دس سال سے یہ دعائیں بھی مانگ رہے تھے کہ "خدایا خدایا، تا انقلاب مہدی، خمینی را نگہدار" (اے خدا اے خدا، حضرت مہدی کے انقلاب تک خمینی کی حفاظت فرما!) لیکن ....ع!

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

الفرقان کے صفحات میں خمینی صاحب کا خوب "ذکر خیر" رہا ہے ___ انکے بہت سے خیالات سے عام مسلمانوں کو واقف کرانے کا زیادہ تر کام تقدیر الٰہی نے "الفرقان" ہی سے لیا ہے ___ انکے انتقال کے بعد تفصیل سے انکے بارے میں لکھنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس لئے اِس عرصہ میں جن حضرات نے ہم سے یہ فرمائش کی کہ ایک مرتبہ پھر خمینی صاحب کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اُنکی شخصیت کا جائزہ لے لیا جائے تو ہم نے ان سے معذرت ہی کی، لیکن اِدھر بعض اخبارات و رسائل میں جو مضامین اس سلسلہ میں نظر سے گذرے تو بڑا تعجب ہوا، اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کا ایک جملہ یہ یاد آیا کہ "ہماری مردہ پرست قوم کا بھی عجیب حال ہے، ایک شخص زندگی بھر...... اور ملعون رہتا ہے لیکن مرتے ہی اگر وہ "صلے اللہ علیہ وسلم" نہیں تو "علیہ السلام" ضرور ہو جاتا ہے! ___ بہر حال اس قسم کے مضامین پڑھ کر اس ضرورت کا احساس ہوا کہ اگر محنت کر کے خمینی کی شخصیت، زندگی، انکے خیالات اور کارناموں کے بارے میں اپنے مطالعہ کا حاصل الفرقان کے ذریعہ سے عام مسلمانوں کے سامنے رکھدیا جائے تو انشاء اللہ لوگوں کو فائدہ ہوگا، اور ایک چیز محفوظ ہو جائے گی، خاص کر اس لئے بھی اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے کہ اِس طلسماتی شخصیت" کے بارے میں اچھا خاصا مطالعہ اس غریب مدیر الفرقان نے گذشتہ سالوں میں کر ڈالا ہے ہو سکتا ہے کہ اسکے ذریعہ بہت سے لوگوں کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو اب تک انکے علم میں نہیں آسکی ہیں پھر میری طالب علمانہ افتادِ طبع نے تو اس شخص کی زندگی سے بہت سے سبق بھی اخذ کئے ہیں شاید ان پہلوؤں کی طرف بھی کچھ اشارہ ہو جائے ___ لیکن اس مضمون کی پہلی قسط کیلئے قارئین کو آئندہ ماہ اکتوبر کے شمارے کا انتظار کرنا ہوگا، اور اس غریب کیلئے دعاؤں کا اہتمام بھی۔ اللہ تعالے ہمارا حامی و ناصر ہو۔

آخری گذارش۔ اپنے محترم قارئین سے یہ ہے کہ اس شمارہ کے گٹ اپ، بدلے ہوئے سائز، کتابت و طباعت اور مضامین کے بارے میں اپنے تاثرات سے ہمیں مطلع فرمائیے تاکہ انکی روشنی میں ہم اور آگے بڑھ سکیں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلوی

اور

شاہ اسمٰعیلؒ و تقویۃ الایمان

(حسب وعدہ اسی موضوع سے متعلق چند ضروری باتیں مزید نذر ناظرین کی جاتی ہیں)

۹ محترم مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب میں تقویۃ الایمان کی چند عبارتوں پر خاص طور سے تبصرہ فرمایا ہے، اور ان کو گویا حضرت شہید کی سنگین گمراہی قرار دیا ہے، ان میں پہلی عبارت تقویۃ الایمان کے صـ سے یہ نقل فرمائی ہے:۔

> یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ یوسف میں: وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ــــ (ترجمہ) اور نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں۔ صـ

تقویۃ الایمان کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم مولانا زید صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

> "مولانا (اسماعیل صاحب) نے ایمان کا ترجمہ اسلام سے کیا ہے لہذا باللہ کا ترجمہ نہیں کیا، شاہ عبدالقادر کا ترجمہ یہ ہے " اور یقین نہیں لاتے بہت لوگ اللہ پر مگر ساتھ شریک بھی کرتے رہتے ہیں"

> علمائے کرام نے تفاسیر میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول مشرکین کے لبیک کہنے کے سلسلے میں ہوا ہے، وہ حج میں کہا کرتے تھے: "لبیک اللھم لبیک لاشریک لک اِلّا شریکاً تملکہ وما ملک" "حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک شریک کے اسکا اور اسکی ملکیت کا تو مالک ہے"۔

آخر میں مولانا زید صاحب نے تحریر فرمایا ہے:۔

مولانا اسماعیل نے محمد بن عبد الوہاب کی پیروی کی اور وہی لکھ گئے جو اس نے لکھا تھا اور آیت کو بلاوجہ مومنوں پر چپکا دیا" صنہ ۶۰، ۶۱

مولانا زید صاحب کے اعتراض کا حاصل یہی ہے کہ سورۂ یوسف کی آیت وما یؤمن اکثرھم باللہ۔ الآیۃ مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھی مولانا اسماعیل نے تقویۃ الایمان کی مندرجہ بالا عبارت میں اسکو مسلمانوں پر چپکا دیا اور اس میں انھوں نے محمد ابن عبد الوہاب کی پیروی کی ـــــــ یہ عاجز مولانا زید صاحب کی خدمت میں انکے اور اپنے بھی شیخ المشائخ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ایک مکتوب ہدایت پیش کرے گا جس میں یہ آیت تقویۃ الایمان ہی کی طرح ان جاہل مسلمانوں کے حق میں تحریر فرمائی گئی ہے جو حضرت قدس سرہٗ کے زمانہ میں مشرکانہ اعمال و رسوم میں مبتلا تھے ـــــــ اس مکتوب ہدایت سے صرف اتنا ہی معلوم نہ ہوگا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اس آیت کے استعمال میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کی پیروی کی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ انھوں نے اپنے زمانہ کے مبتلائے شرک مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ تقویۃ الایمان کی مختلف فصلوں میں لکھا ہے اس میں انھوں نے حضرت امام ربانی کے طریقے ہی کی پیروی کی ہے ـــــــ لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا زید نے تقویۃ الایمان کی جو دو سطری عبارت نقل فرمائی ہے اس سے پہلی چند سطریں بھی ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر دی جائیں جس سے معلوم ہوگا کہ مولانا شہیدؒ نے جن مسلمانوں کو اس آیت کا مصداق قرار دیا اُن کا حال کیا تھا۔ اور وہ مسلمان کہلائے جانے کے باوجود کیسے کیسے مشرکانہ اعمال و اطوار میں مبتلا تھے ـــــــ

شاہ شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"سو سننا چاہیئے کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی منتیں مانتے ہیں اور حاجت برآئی کے لئے انکی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کیلئے اپنے بیٹوں کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں؛

کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد النبی رکھتا ہے کوئی علی بخش، کوئی حسین بخش کوئی پیر بخش کوئی مدار بخش کوئی سالار بخش کوئی غلام محی الدین کوئی غلام معین الدین[1] اور انکے جیتے کے لئے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے کوئی کسی کے نام کی بدھی پہناتا ہے کوئی کسی کے نام کے کپڑے پہناتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے کوئی کسی کے نام کے جانور کرتا ہے کوئی مشکل کے وقت کسی کی دہائی دیتا ہے، کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے غرض کہ ہندو جو کچھ اپنے بتوں سے کرتے ہیں، سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیاء اور انبیاء سے اور اماموں اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کر گذرتے ہیں"۔

تقویۃ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے مسلمان کہلائے جانے والے جن لوگوں کو سورۂ یوسف کی آیت وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون کے مصداق میں شامل فرمایا ہے وہ کس کس قسم کے مشرکانہ اعمال و عادات میں مبتلا تھے۔

اب ہم امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اس مکتوب ہدایت کے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں جس کا حوالہ اوپر دیا گیا، یہ مکتوب کسی نیک بخت خاتون کو لکھا گیا ہے غالباً وہ حضرت سے ارادت کا تعلق رکھتی ہوں گی، اس مکتوب میں حضرت مجددؒ نے سورۂ ممتحنہ کی اُس آیت کی تشریح فرمائی ہے جس میں فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ کی نو مسلم خواتین سے بیعت لینے کا ذکر ہے، اس آیت میں بیعت کرنے والی خواتین سے پہلی جس چیز کا عہد لیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ کسی قسم کا شرک نہیں کریں گی (اَلَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا) اس کی تشریح اور وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجدد قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] ملحوظ رہے کہ اس طرح کے نام رکھنا اُس صورت میں ایک درجہ کا شرک ہوگا جبکہ یہ نام اس عقیدہ کی بنیاد پر رکھے جائیں کہ اس نام کی وجہ سے بچہ جیتا رہیگا اور بلاؤں بیماریوں سے محفوظ رہے گا اور اگر نام رکھنے کی بنیاد یہ عقیدہ نہ ہو تو ایسے نام رکھنا دائرۂ شرک میں نہ آئیگا بلکہ مکروہ ہوگا۔ (تقویۃ الایمان کے حاشیہ میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے)۔

"واستمداد از اصنام و طاغوت در دفع امراض و اسقام کہ در جہلۂ اہلِ اسلام شائع گشتہ است عین شرک و ضلال است۔"

بیماریوں کے دور کرنے کے لئے بتوں اور شیطانوں سے مدد طلب کرنا جیسا کہ جاہل مسلمانوں میں رائج ہو گیا ہے، عین شرک و ضلالت ہے۔

آگے اسی سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اکثر زناں بواسطۂ کمالِ جہل کہ دارند باین استمدادِ ممنوع مبتلا اند، و طلب دفع بلیہ ازیں اسماء بے مسمی می نمایند، و بادائے مراسم شرک و اہلِ شرک گرفتار اند علی الخصوص ایں معنی از نیک و بد ایشاں در وقت عروض مرض جُدری کہ در زبانِ ہندیہ بسیتلہ معروف است مشہود و محسوس است، کم زنے باشد کہ از دقائقِ ایں شرک خالی بود۔"

بہت سی (مسلمان) عورتیں اپنی انتہائی جہالت کی بنا پر ایسی چیزوں سے مدد طلب کرتی ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور بلا و مصیبت کا دفعیہ اُن اسماء سے کرتی ہیں جن کا کوئی مسمی نہیں ——— نیز وہ مراسمِ شرک و اہلِ شرک میں گرفتار ہیں ——— عورتوں سے یہ بات ——— خواہ وہ نیک ہوں یا بد، خاص طور پر چیچک کا مرض جس کو سیتلہ بھی کہتے ہیں عارض ہونے پر ——— ظاہر و محسوس ہوتی ہے، بہت کم عورتیں ہونگی جو اس شرک کی باریکیوں سے خالی ہوں۔

آگے فرماتے ہیں:-

"و تعظیم نمودن ایام معظمہ ہنود را و بجا آوردن دراں ایام متعارفۂ یہود را مستلزم شرک و مستوجب کفر است چنانچہ در ایام دوالی کفار، جہلۂ اہل اسلام علی الخصوص زنانِ ایشاں رسوم

غیر مسلموں کے عظمت والے دنوں کی تعظیم کرنا اور انکے مشہور رسوم بجا لانا بھی مستلزم شرک اور مستوجب کفر ہے ——— چنانچہ ایام دوالی میں جاہل مسلمان خصوصاً انکی عورتیں غیر مسلموں کے رسوم ادا کرتی ہیں

اہل کفر را بجا می آرند و عید خود میسازند و ہدایائے شبیہ بہدایائے اہل کفار بخانہائے دختراں و خواہراں در رنگ اہل شرک می فرستند ..... ہمہ شرک است و کفر است بدین اسلام قال اللہ تبارک و تعالیٰ وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔	اور ان دنوں میں عید کی سی خوشی مناتے ہیں اور اہل شرک کی طرح اپنی لڑکیوں اور بہنوں کو ہدیے روانہ کرتے ہیں ــــ یہ سب باتیں شرک کی اور دین اسلام سے انکار کی ہیں ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔

ہم نے جس غرض اور مقصد سے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے یہ اقتباسات یہاں نقل کئے ہیں وہ بفضلہٖ تعالیٰ پورا ہو گیا ــــ محترم مولانا زید حفظہٗ اور عام ناظرین نے بھی ملاحظہ فرمالیا کہ جس طرح حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنے زمانہ کے اُن جاہل اور گمراہ مسلمانوں کو بھی جو مختلف قسم کے مشرکانہ اعمال و رسوم میں مبتلا تھے، سورۂ یوسف کی آیت وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون کے مصداق میں شامل فرمایا ہے اسی طرح حضرت امام ربانیؒ نے اپنے زمانے کے اُسی طرح کے جاہل و گمراہ مردوں اور عورتوں کو جو مختلف قسم کے مشرکانہ اعمال و اطوار میں مبتلا تھے اِس آیت کے مصداق میں شامل اور اس آیت کو اُن پر چسپاں فرمایا ہے ــــ اور اس بارے میں حضرت شہیدؒ نے اپنے شیخ المشائخ اور محترم مولانا زید صاحب کے بھی جدّ اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ہی کی تقلید و پیروی کی ہے۔

اَب علمی دیانت اور حق پرستی کا تقاضا ہے کہ محترم مولانا زید صاحب نے سورۂ یوسف کی اِس آیت کے استعمال کے بارے میں جس جرم کا مجرم شاہ اسماعیل شہیدؒ کو قرار دیا ہے اُسی جرم کا مرتکب وہ حضرت امام ربانی کو بھی قرار دیں یا اعتراف فرمایا جائے کہ اس بارے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے ــــ ہمارے نزدیک حق اور حقیقت یہی ہے کہ ان دونوں بزرگوں (حضرت مجددؒ اور حضرت شہیدؒ) نے آیت کو بالکل صحیح استعمال فرمایا ہے، بلاشبہ آیت کا مصداق وہ سب لوگ بھی ہیں جو ایمان اور اسلام کے دعوے کے ساتھ کسی قسم اور کسی درجہ کے شرک میں مبتلا ہوں۔

سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کے عظیم ترین عالم محدث و مفسر اور فقیہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نور اللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر معروف بہ تفسیر مظہری[1] میں مسلمانوں کے فرقے قدریہ کو بلکہ ان عام مسلمانوں کو بھی جو مسبب الاسباب حق تعالیٰ سے غافل ہو کر اپنی ضروریات و معاملات میں اسباب ہی کو استعمال کرتے ہیں اس آیت کے مصداق میں شامل فرمایا ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہ کے مکتوب ہدایت کے جو اقتباسات اوپر نقل ہوئے ان سے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تقویۃ الایمان میں اپنے کو مسلمان کہنے اور کہلانے والے جاہل و گمراہ لوگوں کے ایسے اعمال و عادات اور اطوار کو جن میں مشرکین کی مشابہت اور شرک کا شائبہ ہو شرک قرار دیا ہے، اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بھی ایسے ہی اعمال و اطوار کو شرک اور "کفر بدین اسلام" قرار دیا ہے۔ نیز اسی مکتوب ہدایت میں آگے تحریر فرماتے ہیں:-

و حیوانات را کہ نذرِ مشائخ می کنند و بر سرِ قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات ذبح می نمایند، در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند۔	اور بزرگوں کیلئے جو حیوانات (مرغوں بکروں وغیرہ) کی نذریں مانتے ہیں اور پھر ان کو انکی قبروں پر لیجا کر ذبح کرتے ہیں تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:-

و ازیں عالم است صیام نساء کہ بنیت پیراں و بیبیاں نگاہ دارند و اکثر نامہائے ایشاں را از نزدِ خود تراشیدہ، روزہ ہائے خود را بنامِ آنہا نیت کنند، و در وقت افطار از برائے ہر روزہ طعامِ خاص بوضعِ مخصوص تعیین می نمایند و تعیین ایام	اور شرک ہی کے قبیلہ سے ہیں عورتوں کے وہ روزے جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں اور ان میں سے اکثر کے تو نام بھی خود انہی کے تراشے ہوئے ہیں اور انہی خود ساختہ ناموں پر وہ روزے رکھتی ہیں ــــ اور ہر روزہ کے

---

[1] تفسیر مظہری سورۂ یوسف ص ۷۵ جلد ۵ طبع دہلی۔

نیز میکنند از برائے صیام، و مطالب و مقاصدِ خود را باین روزہ ہا مربوط میسازند، و بتوسل این روزہ ہا از بیہا حوائج خود میخواہند و روائے حاجاتِ خود را از انہا میدانند، این شرکت در عبادت است....... وحیلہ است آنچہ بعضے از زنان در وقتِ اظہارِ شناعتِ این فعل گویند کہ ما این روزہ ہا برائے خدا نگاہ میداریم و ثوابِ آن را بہ پیراں می بخشیم، اگر دریں امر صادق باشند تعیینِ ایام از برائے صیام چہ درکار است و تخصیصِ طعام و تعیینِ اوضاعِ شنیعۂ مختلفہ در افطار برائے چیست۔

(مکتوب ۴۱ دفتر سوم ص۹۳ تا ۹۵ طبع امرتسر)

افطار کیلئے انھوں نے خاص طریقے مقرر کئے ہیں اور ان روزوں کے دن بھی الگ الگ مقرر ہیں، یہ بدبخت اور جاہل عورتیں اپنی حاجتوں کو ان روزوں سے وابستہ کرتی ہیں اور اُن روزوں ہی کے وسیلہ سے اپنی مرادیں اُن پیروں یا بیبیوں سے مانگتی ہیں اور انکی حاجت روائی کا اعتقاد رکھتی ہیں، اور یہ بلاشک شرک فی العبادت ہے....... اور وہ جو بعض عورتیں اسکے جواب میں یہ تاویل کرتی ہیں کہ ہم یہ روزے اللہ کے واسطے رکھتے ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتے ہیں، سو یہ محض ان کا حیلہ ہے ورنہ اگر وہ اس بات میں سچی ہوتیں تو اِن روزوں کیلئے خاص ہی دنوں کا تعین کیوں ہوتا اور پھر افطار میں خاص قسم کے کھانوں اور خاص طریقوں کے اہتمام کے کیا معنیٰ ؟

اب للہ از راہِ انصاف غور فرمایا جائے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ان مسلمان کہلائے جانے والوں کے بارے میں جو مختلف قسم کے مشرکانہ اعمال و اطوار میں مبتلا تھے، اس مکتوبِ ہدایت میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اور شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ نے از اول تا آخر تقویۃ الایمان میں ایسے ہی مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا گیا اِن دونوں میں کچھ بھی اصولی اور بنیادی فرق ہے؟ —— اس عاجز کو یقین ہے کہ اللہ کا جو بندہ

اس کی توفیق سے کسی کی بیجا حمایت یا مخالفت کے جذبات سے اپنے دل کو خالی کر کے غور کرے گا اُس کا فیصلہ یہی ہو گا کہ اِن دونوں میں کوئی اصولی اور بنیادی فرق نہیں ہے۔ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اِس بارے میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے طریقہ ہی کی پیروی کی ہے۔

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے صرف ایک مکتوبِ ہدایت کے چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کے مکتوبات کے تینوں دفتروں سے اِس مضمون کے مکاتیب بڑی تعداد میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔

محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے تقویۃ الایمان کی چند عبارتوں پر جو تبصرے فرمائے ہیں، اُن میں سے پہلے تبصرہ پر اس عاجز نے گفتگو شروع کی تھی اور اِس سلسلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ایک مکتوبِ ہدایت کے مندرجہ بالا اقتباسات پیش ہوئے جن سے مولانا زید صاحب کے تبصرہ کی حقیقت بھی ناظرین کے سامنے آ گئی نیز معلوم ہو گیا کہ تقویۃ الایمان میں شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضرت مجدد قدس سرہٗ کے طریقہ ہی کی پیروی کی ہے —— اس کے علاوہ تقویۃ الایمان کی جن عبارتوں پر مولانا موصوف نے تبصرہ فرمایا ہے ان میں بعض جو وہ عبارتیں ہیں جن کے متعلق شاہ شہیدؒ کے مخالفین، بے چارے سادہ دل عوام کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے ہیں کہ اِن میں رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں بے ادبی اور گستاخی کی گئی ہے —— اِن عبارتوں کی ایسی وضاحت اللہ تعالٰی نے اس عاجز کے قلم سے کرا دی ہے کہ اس کے بعد اس طرح کی وسوسہ اندازی کی کسی کے لئے گنجائش نہیں رہی[1] —— واللہ یھدی من یشاءُ الیٰ صراطِ مستقیم۔

---

[1] یہ وضاحت اس عاجز کے رسالہ "شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہلِ بدعت کے الزامات" میں ناظرین کرام ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۱۰۔ محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے اپنی کتاب میں مولانا فضل حق خیر آبادی مرحوم کی کتاب "تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی" کا دو جگہ ذکر فرمایا ہے' ص۶۵ پر تحریر فرمایا ہے:۔

"اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے علامۂ اجل مولانا فضل حق خیر آبادی ابیر کالا پانی کو کہ انھوں نے معرکۃ الآراء کتاب "تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی" جمعہ ۱۸ رمضان ۱۲۴۰ھ (۶ مئی ۱۸۲۵ء) کو تالیف کی، خوش قسمتی سے یہ لاجواب کتاب ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں اردو ترجمہ کے ساتھ پاکستان میں چھپ گئی ہے' شاہ عبدالعزیز کے سترہ نامی گرامی شاگردوں کے اس پر دستخط اور تصویب ہے' میر محبوب علی جامع ترمذی میں مولانا اسماعیل کے ہم سبق اور انکے سرگرم انصار میں سے ہیں' انھوں نے تقویۃ الایمان پر حاشیہ لکھا ہے انھوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور یہ لکھا:۔

لَمَّا تَأَمَّلْتُ وَنَظَرْتُ فِیْهِ مِنْ دَعَاوِیْ وَوُجُوْهِهَا وَغَیْرِهِمَا نَظَرَ الْإِنْصَافِ مِنْ غَیْرِ الْعِنَادِ وَالْاِعْتِسَافِ وَجَدْتُهُ حَقًّا لَا یَأْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ فَخَتَمْتُ عَلَیْهِ

—————— (محبوب علی)

"جب میں نے اس کتاب کے دعاوی اور ان کے دلائل، کسی عناد اور مخالفت کے بغیر نظرِ انصاف سے دیکھے' اُسے ایسا حق پایا کہ باطل کسی طرف سے اسے لاحق نہیں ہوسکتا، لہٰذا میں نے اس پر مُہر تصدیق ثبت کردی"! ص۶۵

پھر ص۱۰۰ پر بھی مولانا زید صاحب نے اس کتاب کا پوری تعریف وتحسین کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اُن سترہ حضرات علماء کرام کے اسماء گرامی بھی تحریر فرمائے ہیں جو ان کے بیان کے مطابق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے نامی گرامی شاگرد ہیں' اور انھوں نے اس فتوے کی تائید وتصدیق فرمائی ہے' آخری نام مولانا میر محبوب علی صاحب کا تحریر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

"میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور یہ اثر لیا ہے کہ اگر کوئی شخص انصاف کی

نظر سے ان کا مطالعہ کرے گا، وہ ان اکابر کا ہمنوا بنے گا یہ حضرات اپنے وقت
کے منتخباتِ روزگار تھے، ۱۲۴۰ھ میں ان کے دستخط ثبت ہوئے رحمۃ اللہ
علیہم اجمعین'' ص ۱۷

مولانا خیر آبادی مرحوم اور ان کی تصنیف "تحقیق الفتوٰی فی ابطال الطغویٰ" کا
ذکر تکملہ کے زیر عنوان پہلے بھی کیا جا چکا ہے[1]، لیکن اس کے بارے میں کچھ اہم باتیں جو وہاں
نہیں لکھی جا سکتی تھیں اب عرض کی جا رہی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ مولانا زید صاحب نے کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں
تو وہ سب کچھ تحریر فرمایا جو ناظرین نے ان کی مندرجہ بالا عبارتوں میں پڑھا ـــــ لیکن اس کا
کوئی ذکر نہیں فرمایا کہ کتاب میں کیا لکھا گیا ہے، اگر وہ اس کو بھی تحریر فرما دیتے تو ان کی کتاب
کے دیکھنے والوں کو ان کا موقف معلوم ہو جاتا اور کتاب کے قارئین انکے بارے میں رائے قائم کر سکتے۔

ہمارے ناظرین اس کتاب "تحقیق الفتوٰی فی ابطال الطغویٰ" کا وہ
خلاصہ جو خود اسکے مصنف مولانا خیر آبادی مرحوم نے کتاب کے آخر میں تحریر فرما دیا ہے فریدی نمبر
میں ملاحظہ فرما چکے ہیں[2] ـــــ صاف الفاظ میں اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ:-

مولانا اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں شفاعت کے مسئلہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی وجہ سے وہ واجب القتل اور کافر ہیں اور ایسے کافر ہیں کہ جو کوئی ان کے کفر میں تردد تامل کرے وہ بھی کافر ہے۔

مولانا زید صاحب نے اس کتاب کے بارے میں اپنی جو رائے مندرجہ بالا عبارتوں میں
ظاہر فرمائی ہے اسکے بعد کسی کیلئے اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے
بارے میں خود مولانا زید صاحب کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ وہ کافر ہیں، واجب القتل ہیں، اور جو
انکے کفر میں تردد تامل کرے وہ بھی کافر ہے۔

---

[1] ملاحظہ فرمایا جائے، فریدی نمبر ص ۲۴۱ [2] فریدی نمبر ص ۲۴۱ تا ۲۴۳ کتاب کا یہ خلاصہ
مولوی فضل رسول بدایونی نے اپنی کتاب "سیف الجبار" میں بھی نقل کر دیا ہے۔

یہ بات پہلے لکھی جاچکی ہے کہ اس فتوے کی زد میں کون کون اور کیسے کیسے اکابر و مشائخ آتے ہیں، جن میں مولانا زید صاحب کے بعض اکابر و مشائخ اور اساتذہ بھی ہیں[1]۔

اب یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ تمام اکابرِ جماعتِ دیوبند، اسی طرح جماعتِ اہلِ حدیث کے اکابر اور انکے تبعین کے علاوہ مولوی احمد رضا خاں اور انکے سب تبعین بھی اس فتوے کی زد میں آتے ہیں اور سب بیک قلم کافر قرار پاتے ہیں ـــــ شاید مولانا زید صاحب کو اس کا علم نہ ہو کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے نہ صرف یہ کہ اُن کو کافر کہنے میں تردد نامل کیا ہے بلکہ صراحت کے ساتھ عدم تکفیر کا رویہ اختیار کیا ہے اور دوسرے علماء و اصحابِ فتویٰ کو بھی یہی مشورہ دیا ہے کہ وہ انکی تکفیر نہ کریں۔ اپنی کتاب "تمہیدِ ایمان" میں تکفیر کے بارے میں اپنے محتاط رویہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"اور امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اہلِ لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکمِ اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے فان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ"[2]

نیز اسی تمہیدِ ایمان میں مولانا اسماعیل شہیدؒ ہی کے بارے میں لکھا ہے:۔

"کہ علمائے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے" وھو الجواب وبہ یفتی وعلیہ الفتوی وھو المذھب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامۃ وفیہ السداد"۔ یعنی یہی جواب ہے اور اسی پر فتوی ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی ہمارا مذہب، اور اسی پر اعتماد، اور اسی میں سلامت اور اسی میں استقامت[3]۔"

ازراہِ حسنِ ظن اس عاجز کا خیال ہے کہ محترم مولانا زید صاحب نے "تحقیق الفتوی" اور اس کا "خلاصہ" بھی شاید غور سے ملاحظہ نہیں فرمایا اور نہیں سمجھا کہ اس کی زد میں خود ان کے اکابر و مشائخ و اساتذہ اور مولوی احمد رضا خاں صاحب تک آجاتے ہیں ـــــ خدا کرے کہ اب اس حقیقت کے

---

[1] ملاحظہ فرمایا جائے فریدی نمبر ص۲۳۷ تا ۲۴۷ [2] تمہیدِ ایمان ص۴۳ طبع اول ۱۳۲۶ھ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی [3] تمہیدِ ایمان ص۴۲

سامنے آجانے کے بعد مولانا موصوف اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ رجوع کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۱۔ "تحقیق الفتویٰ" کے بارے میں ایک دوسری اہم بات یہ ہے کہ مولانا زید صاحب نے جن سترہ علماء کرام کے نام اس فتوے کی تائید و تصویب کرنے والوں کی حیثیت سے تحریر فرمائے ہیں اُن میں سے حضرت مولانا عبدالخالق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے متعلق، مولانا فریدی علیہ الرحمۃ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے[۱]۔ اُس سے قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ وہ تو شاہ اسماعیل شہیدؒ کے عاشقوں اور شیدائیوں میں سے تھے۔ لہٰذا اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کا نام مولانا اسماعیل شہیدؒ کے مکفرین میں لکھنا محض جعل اور افتراء ہے۔

اسی طرح یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ مولانا میر محبوب علی صاحب کا نام بھی بلاشبہ اُن پر افتراء ہے ـــــ حیرت ہے کہ مولانا زید صاحب نے اسکو کیوں نہیں محسوس فرمایا، انھوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کے پاس تقویۃ الایمان کا وہ نسخہ ہے جو ۱۲۷۰ھ میں دہلی کے مطبع صدیقی میں چھپا ہے اور اس پر مولانا میر محبوب علی صاحب کا حاشیہ ہے ـــــ وہ نسخہ اس عاجز کے پاس بھی ہے ـــــ "تحقیق الفتویٰ" میں مسئلۂ شفاعت سے متعلق جس عبارت کی بنیاد پر شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تکفیر کی گئی ہے وہ اِس نسخہ کے ص۳۶ سے شروع ہو کر ص۴۰ پر ختم ہوئی ہے، اس عبارت پر مولانا میر محبوب علی صاحب نے جو حواشی لکھے ہیں اُن میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مضمون کی تائید اور وضاحت ہی فرمائی ہے اور ص۳۷ کے آخری حاشیہ میں "ایک بڑے منطقی" کا ذکر کیا ہے، یقیناً مولانا زید صاحب کو بھی اس میں شبہ نہ ہوگا کہ اس سے مراد مولانا فضل حق خیرآبادی مرحوم ہی ہیں ـــــ اور جس طرح مولانا میر محبوب علی صاحب نے ان کا ذکر کیا ہے اسکے بعد کسی کو اِس کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے کسی ایسے فتویٰ کی تائید و تصویب کریں گے جس میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کو اس درجہ کا کافر قرار دیا گیا ہو کہ جو ان کے کفر میں تردد تامل کرے وہ بھی کافر ـــــ مولانا زید صاحب یقیناً اِس حقیقت سے

---

[۱] دیکھا جائے فریدی نمبر ص۱۹۰

واقف ہونگے کہ مولانا میر محبوب علی صاحب نے تقویۃ الایمان پر حاشیہ "تحقیق الفتویٰ" کی تصنیف کے کئی سال بعد لکھا ہے (اور حاشیہ ہی میں اس کا ثبوت موجود ہے) اس لئے اس کا امکان ہی نہیں کہ مولانا میر محبوب علی صاحب نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تکفیر کے فتوے کی تائید و تصویب کی ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جس ظالم افتراء پرداز نے "تحقیق الفتویٰ" کی تائید و تصویب کرنے والوں میں ان کا نام شامل کیا ہے یقین ہے کہ وہ بڑا ہی جاہل اور بے خبر ہے اُسے علم نہیں ہے کہ تقویۃ الایمان پر مولانا میر محبوب علی صاحب کا حاشیہ ہے اور وہ تقویۃ الایمان کے مضامین کے بارے میں شاہ شہیدؒ سے بالکل متفق اور انکے ہمنوا ہیں ____ حیرت ہے کہ مولانا زید صاحب نے اس کھلی حقیقت کو کیوں محسوس نہیں کیا بلکہ مولانا میر محبوب علی صاحب کی طرف سے ایک تائیدی دوسطری عربی عبارت بھی نقل فرمادی حالانکہ وہ میر محبوب علی صاحب کے حاشیہ سے پوری طرح واقف ہیں، انھوں نے اس کو ملاحظہ بھی فرمایا ہوگا ____ اِس عاجز کی ناقص عقل مولانا زید صاحب کے اس رویہ کی کوئی صحیح توجیہہ کرنے سے قاصر رہی ہے۔

اس کے بعد یہ عاجز بندہ عرض کرتا ہے، قریب بہ یقین میرا گمان ہے کہ باقی جن پندرہ حضرات کے نام تصدیق کرنے والوں میں لکھے گئے ہیں وہ سب ہی افتراء پردازی کا نتیجہ ہیں، مولانا زید صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ۱۲۴۰ھ میں اِن حضرات نے دستخط ثبت فرمائے ہیں ____ اور یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ اسی ۱۲۴۰ھ ہی میں دہلی کی جامع مسجد میں وہ مناظرہ ہوا جس کا ذکر خود مولانا زید صاحب نے بھی کیا ہے ____ اور معلوم ہے کہ اُس مناظرہ میں تقویۃ الایمان کی کوئی عبارت زیر بحث نہیں آئی، اگر جناب مولانا رشید الدین خاں صاحب، مولانا مخصوص اللہ صاحب اور مولانا محمد موسیٰ صاحب اور اُن کے ہم خیال حضرات جن کے دستخط فتوے پر تائید و تصویب کرنے والوں کی حیثیت سے ثبت کئے گئے ہیں کی رائے فتوے کی موافقت میں ہوتی تو مناظرہ میں کم از کم مسئلہ شفاعت سے متعلق تقویۃ الایمان کی اس عبارت پر یہ حضرات ضرور بحث کرتے جس کی بنا پر مولانا شہیدؒ کو

اس درجہ کا، کافر قرار دیا گیا ہے کہ جو ان کے کفر میں تردد تامل کرے وہ بھی کافر ہے۔

الغرض تقویۃ الایمان کی اس عبارت پر اور اس کے علاوہ کسی بھی ایسی عبارت پر جو ان حضرات کے نزدیک موجبِ کفر ہو بحث نہ کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان حضرات کی رائے حضرت شہیدؒ اور تقویۃ الایمان کے بارے میں وہ نہیں تھی جو فتوے میں لکھی گئی ہے اس بنا پر اس عاجز کا قریب بہ یقین گمان ہے کہ یہ سبھی نام کسی افتراء پرداز کی افتراء پردازی اور جعلسازی کا نتیجہ ہیں ——— اور میرے پاس "تحقیق الفتوی" کا جو قلمی نسخہ ہے (جس پر تاریخ تحریر ہشتم شہر ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ لکھی ہوئی ہے) اور اس کا کاغذ اور اس کی خاص ہئیت و کیفیت دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اسی زمانے کا لکھا ہوا ہے جس زمانے میں کتاب تصنیف ہوئی ہے) اس پر کسی کی بھی تائید و تصویب نہیں ہے ——— یہ بھی اس کا قرینہ ہے کہ فتوے کی تائید و تصویب کرنے والوں کے جو اسماء گرامی لکھے گئے ہیں یہ کسی ناخدا ترس افتراء پرداز کی افتراء پردازی ہے۔

واللہ اعلم۔

۱۲۔ ناظرین کرام فریدی نمبر میں ملاحظہ فرما چکے ہیں[۱] کہ یہ بات قابلِ اعتماد دلائل و شواہد سے ثابت ہو چکی ہے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے جزائر انڈمان کی اسیری کے زمانے میں اس فتوے سے رجوع کر لیا تھا اور اپنے رفقاء کو جن میں حضرت مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اِس رجوع پر شاہد بنایا تھا، پھر مفتی صاحب مرحوم رہا ہو کر تشریف لے آئے تھے، اور انھوں نے ہی مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ کے رجوع کی اطلاع دی تھی ——— مفتی صاحبؒ کی رہائی کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک انگریز افسر کی فرمائش پر انھوں نے "تقویم البلدان" نامی کتاب کا ترجمہ کیا تھا، اس انگریز افسر کی سفارش پر انکی رہائی کا حکم ہو گیا اور وہ ۱۲۷۷ھ میں اپنے وطن کاکوری (ضلع لکھنؤ) تشریف لے آئے اسکے اگلے سال ۱۲۷۸ھ میں مولانا فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے جزائر انڈمان ہی میں وفات پائی۔

---

[۱] فریدی نمبر صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۷

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مولانا خیرآبادی مرحوم کے اس رجوع کے بارے میں مفتی عنایت احمد صاحب کی اطلاع حضرت مولانا سراج احمد اسرائیلی سنبھلی مرحوم کی روایت اور حضرت مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق کے ساتھ امیر شاہ خاں مرحوم کے بیان سے معلوم ہوئی تھی (جیساکہ تفصیل سے فریدی نمبر میں لکھا جاچکا ہے) ـــــ لیکن معلوم ہوا کہ امیر شاہ خاں مرحوم ان دونوں باتوں سے واقف نہیں تھے کہ مفتی عنایت احمد صاحب کی رہائی کا باعث کیا ہوا تھا اور یہ کہ مولانا فضل حق خیرآبادی مرحوم نے ان کی رہائی کے اگلے سال ۱۲۷۸ھ میں جزائر انڈمان ہی میں وفات پائی ـــــ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے کہ امیر شاہ خاں مرحوم نہ صاحبِ علم تھے نہ صاحبِ مطالعہ، ان کے معلومات بس سماعی تھے اس وجہ سے ان کے بیانات میں کہیں کہیں بعض باتیں غیر صحیح بھی آگئی ہیں ـــــ اس عاجز کا خیال ہے کہ یہ باتیں انھوں نے اسی طرح کسی سے سنی ہوں گی۔ واللہ اعلم۔

۱۳۔ محترم مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں "رسالہ چہاردہ مسائل" کا عنوان قائم فرماکر چودہ سوالات اور ان کے جوابات تحریر فرمائے ہیں[1]، ان کا بیان ہے کہ جامع مسجد دہلی میں ۱۲۴۰ھ میں جو مناظرہ ہوا تھا اس میں یہ سوالات مولانا رشید الدین خاں صاحب نے لکھ کر پیش فرمائے تھے اور ان کے یہ جوابات مولانا اسماعیل صاحب نے لکھے تھے[2] ـــــ یہ سوالات اور جوابات فارسی زبان میں ہیں۔

ناظرین فریدی نمبر میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مولانا مفتی نسیم احمد علیہ الرحمہ نے اس پر تبصرہ فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اس مناظرہ میں شریک ہی نہیں تھے اور مولانا رشید الدین خانصاحب کے سوالات کے جوابات مولانا عبدالحئیؒ

---

[1] مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان ص۱۰۴ تا ۱۰۸

[2] ایضاً ص۱۰۴ و ۱۱۱

نے دیئے تھے۔[۱]

اب یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ جس شخص نے شاہ شہیدؒ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور وہ توحید و شرک اور سنت و بدعت کے بارے میں انکے طرز فکر اور مسلک سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اسکو اسکا شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ جوابات انکے تحریر فرمائے ہوئے ہونگے ——— اسی طرح اِن جوابات کو مولانا عبدالحیؒ صاحب کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جا سکتا انکے جوابات انکی خود نوشت روداد سے معلوم ہو چکے ہیں[۲] جو بہت مختصر ہیں، اور اکثر اُن جوابات سے مختلف ہیں جو "رسالہ چہاردہ مسائل" میں لکھے گئے ہیں ——— اِس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمۃ کے تبصرہ کے ابتدائی حصہ میں ایک جگہ اِن جوابات کے بارے میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ یہ جوابات "حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کے نہیں ہیں بلکہ مولانا عبدالحی بڈھانوی کے ہیں"[۳] اس عبارت میں یہ آخری خط کشیدہ جملہ غالباً کاتب صاحب کے سہو قلم کا نتیجہ ہے۔ مولانا فریدی علیہ الرحمۃ جنھوں نے حضرت مولانا عبدالحیؒ کی خود نوشت روداد کو اردو میں منتقل کیا ہے اُن کے بارے میں تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ "رسالہ چہاردہ مسائل" میں لکھے ہوئے جوابات کو مولانا عبدالحیؒ کی طرف منسوب کریں۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ مولانا فریدی صاحب نے فرمایا ہوگا کہ سوالات کے جوابات مولانا عبدالحی بڈھانوی نے دیئے تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۔ محترم مولانا زید صاحب نے اپنی کتاب کے آخر میں مولانا فضل رسول بدایونی کا ایک خط مولانا مخصوص اللہ صاحب کے نام اور انکی طرف سے اس کا جواب نقل کیا ہے[۴] ——— مولوی بدایونی صاحب نے اپنے خط میں مولانا مخصوص اللہ صاحب ابن حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ سے چند سوالات کئے تھے جن کا تعلق مولانا اسماعیلؒ سے تھا، ان میں ایک سوال جامع مسجد دہلی میں ہونے والے مناظرہ سے متعلق بھی تھا، مولانا بدایونی نے اس مناظرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہا تھا ——— اس کا جو جواب

---

[۱] فریدی نمبر ص۱۹۶ تا ۱۹۸　[۲] ایضاً ص۱۹۹ تا ۲۱۶　[۳] ایضاً ص۱۸۰　[۴] مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان ص۱۰۰ تا ۱۰۳

مولانا مخصوص اللہ صاحب نے دیا تھا' اس کے الفاظ یہ ہیں :-

"ہماری طرف سے جو سوالات ہوئے تھے اس کے جواب میں ہاں جی' ہاں جی کہہ کر مسجد سے چلے گئے"[1]

ظاہر ہے کہ مولانا زید صاحب نے مولانا مخصوص اللہ صاحب کا یہ جواب کسی اختلافی تردیدی نوٹ کے بغیر نقل کر کے "رسالہ چہاردہ مسائل" کے متعلق اپنے دعوے کی خود ہی تردید فرما دی ہے ——— لیکن کسی کے لئے بھی اس بارے میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ جواب جو مولانا مخصوص اللہ صاحب کی طرف سے نقل کیا گیا ہے بالکل خلافِ واقعہ اور صریح غلط بیانی ہے جس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔

مولانا زید صاحب نے مولانا بدایونی کا خط اور مولانا مخصوص اللہ صاحب کا جواب مولانا بدایونی کے رسالہ "تحقیق الحقیقۃ" کے حوالہ سے نقل کیا ہے ——— اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ مولانا مخصوص اللہ صاحب ہی نے یہ صریح غلط بیانی کی، یا کہا جائے خط اور جواب کا پورا افسانہ مولوی بدایونی صاحب ہی کا گھڑا ہوا ہے ——— اور خود اس عاجز کا خیال یہی ہے ——— ان بزرگوار کی جن متعدد کتابوں کا اس عاجز نے مطالعہ کیا ہے اُن میں اس طرح کے کئی افسانے نظر سے گذرے ہیں۔

---

۱۵ - اب ناظرین کرام حضرت شاہ شہیدؒ سے متعلق محترم مولانا زید صاحب کا ایک ارشاد ملاحظہ فرمائیں جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کے لکھتے وقت شاہ شہیدؒ کے متعلق مولانا موصوف کی ذہنی کیفیت کیا تھی۔ کتاب کے صـ۵۳ پر تحریر فرمایا ہے :-

"خاندانِ شاہ ولی اللہ کے حالات پڑھنے اور سمجھنے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مولانا اسماعیل نے واعظی کا پیشہ اپنا لیا تھا"

اس کے ثبوت اور شہادت کے طور پر "ارواحِ ثلاثہ" کے حوالہ سے امیر شاہ خانصاحب مرحوم کی بیان کی ہوئی حکایت سے نقل فرماتے ہیں :-

---

[1] مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان صـ۱۰۳

"حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا، اس زمانے میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحی صاحب مساجد میں، چھ مہینے کے بعد جہاد کے لئے تشریف لے گئے"

شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ اور ان کے خاص رفیق مولانا عبدالحی شہیدؒ کے حالات سے جو شخص کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ کی توفیق سے جب انھوں نے اپنے زمانہ کے بگڑے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح کی جد و جہد شروع کی تو ان کے مواعظ اور بیانات کا خاص موضوع توحیدِ خالص و اتباع سنت و شریعت کی دعوت اور ان مشرکانہ اعمال و رسوم اور ان بدعات و خرافات کی تردید اور ان کے ترک کی ترغیب ہوتی تھی جن میں اس وقت کے جاہل عوام کی بڑی تعداد مبتلا تھی ــــــ پھر ۱۲۴۰ھ میں حج سے واپسی کے بعد اپنے پروگرام کے مطابق جب جہاد کی تیاری شروع فرمائی تو جہاد فی سبیل اللہ یعنی راہِ خدا میں ہر قسم کی قربانی کی دعوت و ترغیب بھی ان کے مواعظ و بیانات کا خاص موضوع ہو گئی ــــــ اور شاہ شہیدؒ کے سوانح نگاروں کے بیانات کے مطابق قیامِ دہلی کے ان چھ مہینوں میں حضرت شہیدؒ کا یہ حال رہا کہ وہ گلی کوچوں میں بیانات فرماتے اور ان میں مسلمانوں کو اسی کی دعوت دیتے، جس قربانی کی وہ دعوت دیتے تھے اس کے لئے سب سے پہلے اپنے کو تیار کر چکے تھے اور بالآخر وہ اسی راہ میں شہید ہو کر اپنی مراد کو پہونچ گئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

محترم مولانا ابوالحسن زید صاحب نے دہلی کے گلی کوچوں میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کے اِن مواعظ و بیانات اور اس سلسلہ کی غیر معمولی سرگرمی کو "واعظی کا پیشہ" اپنا لینے سے تعبیر فرمایا ہے ــــــ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی سمجھا جائے گا کہ مولانا شہیدؒ پیشہ ور واعظوں کی طرح (گویا نذرانے وصول کرنے کے لئے) یہ وعظ کہتے تھے ــــــ کاش! محترم مولانا زید صاحب محسوس فرماتے کہ وہ اپنی محترم شخصیت اور اپنی قابلِ احترام نسبتوں کو

فراموش کر کے کسی قدر غلط، کیسی رکیک اور کتنی گری ہوئی بات تحریر فرما رہے ہیں۔

اس عاجز کو معلوم ہے کہ مولانا زید صاحب نے اپنی بعض تحریروں میں اکابر علماء دیوبند میں سے بالخصوص حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ حسنِ عقیدت کا خاص طور سے اظہار فرمایا ہے، یہ بھی تحریر فرمایا کہ انھوں نے عالم واقعہ میں ان کو متادّبین میں دیکھا[1] حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے استاذ الاستاذ بھی ہیں (جیسا کہ مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمۃ کے تبصرہ سے بھی معلوم ہو چکا ہے[2])۔

محترم مولانا زید صاحب نے جس ارواح ثلثہ کے حوالہ سے دہلی کے گلی کوچوں میں شاہ شہیدؒ کے مواعظ و بیانات کا ذکر امیر شاہ خاں کی روایت سے کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مولانا اسماعیل نے واعظی کا پیشہ اپنا لیا تھا ———— اُسی ارواح ثلثہ میں امیر شاہ خاں مرحوم ہی کی روایت سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک طویل ملفوظ نقل کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ وعظ کا اہل وہی شخص ہے اور اسی کے وعظ میں تاثیر ہوتی ہے جس کے دل و دماغ پر خلق اللہ کی ہدایت کا تقاضا مثلاً استنجے کے تقاضے کی طرح چھا جائے جو اتنا شدید ہوتا ہے کہ جب تک آدمی اس تقاضے سے فارغ نہیں ہو جاتا اسے چین نہیں آتا ———— آخر میں حضرت نانوتویؒ کے ملفوظ کے الفاظ یہ ہیں:-

> "یہ تقاضا مولوی اسماعیل صاحبؒ کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے تھے اُن کو چین نہ آتا تھا چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے اس لئے وہ وعظ کے اہل تھے اور ان کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا[3]"

---

[1] اس وقت اس عاجز کو یاد نہیں کہ مولانا زید کی یہ تحریر کس کتاب میں نظر سے گذری ہے، ناظرین میں سے کوئی صاحب ضروری سمجھیں تو مولانا زید صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں۔

[2] فریدی نمبر صـ۱۷۵ ، [3] ارواح ثلثہ صـ۲۰۸

جماعتِ دیوبند کے امام و پیشوا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ پر وعظ و نصیحت کے اس غلبہ کو امت کی ہدایت کے تقاضے کا غلبہ سمجھا جو یقیناً انبیاء علیہم السلام کی خاص وراثت ہے اور مولانا زید صاحب نے واعظی کا پیشہ اختیار کر لینے سے تعبیر فرمایا —— "ہنر بچشم عداوت بزرگ ترعیب است" کی یہ کیسی روشن اور عبرتناک مثال ہے —— اللہ تعالیٰ ہم سب کو قلب و نظر کی سلامتی نصیب فرمائے۔

۱۶۔ اب یہ عاجز اس سلسلۂ کلام کو تقویۃ الایمان سے متعلق خود حضرت شاہ شہیدؒ کے ایک بیان پر ختم کرتا ہے سنہ ۱۲۴۰ھ میں بغداد کے ایک محترم بزرگ اور عالم دین سید عبداللہ البغدادی الجیلانی ہندوستان تشریف لائے ہوئے تھے اور جیسا کہ معلوم ہوا ہے دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے چھوٹے بھائی شاہ محمد یعقوب صاحب کے پاس قیام فرمایا تھا، حضرت شاہ اسماعیلؒ سے عناد رکھنے والا ایک پنجابی مولوی تقویۃ الایمان کا نسخہ ہاتھ میں لے کر انکی خدمت میں پہونچا اور اسکی ایک عبارت پڑھ کر سنائی اور عربی میں انکو بتلایا کہ اس عبارت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو مشرکوں کے بتوں کے برابر بتلایا گیا ہے، سید ممدوح نے فرمایا کہ یہ تو انبیاء علیہم السلام کی شان میں بے ادبی ہے۔

اُن دنوں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کانپور تشریف رکھتے تھے وہاں آپ کو اسکی اطلاع ملی تو آپنے وہیں سے سید عبداللہ البغدادی الجیلانی کو خط لکھا، یہ خط عربی زبان میں تین صفحات کا ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب (انتباہ المومنین) کے ساتھ اسے اسّی سال پہلے اردو ترجمہ کے ساتھ سنہ ۱۳۲۰ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوا تھا، وہی نسخہ اس عاجز کے سامنے ہے، اس مکتوب میں شاہ شہیدؒ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد تحریر فرمایا ہے:-

"لا یخفی علیکم انی لما رأیت عوام مسلمی	مخفی نہ رہے کہ میں نے جب ہندوستان کے
الھند قد انھمکوا بجھلھم فی الاشراک	عام مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی کہ اپنی جہالت
والبدعات وتمسکوا بالشبہات الواھیات	کے سبب شرک و بدعت میں محو ہو گئے ہیں،
وجعلوا یعبدون القبور واھلھا	اور واہی تباہی شبہوں کو دلیل بنائے بیٹھے

وسألوا بهم حاجاتهم قلها وجلها
ألفت رسالة في رد الاشراك بالله
واسندت لما فيها بستة وعشرين
اية من كلام الله وترجمتها
بالهندی تسهيلا لاستفادتهم
وكشفا للغطاء عن قبح متمسكاتهم
واستدلالاتهم، فحمد الله قد هدى
ألوفا من النساء والرجال، فما
تردد فيها إلا بعض المعاندين
الجهال؛

ہیں، اور قبروں اور قبروالوں، مدفون مردوں
کی پوجا کرنے اور ان سے چھوٹی بڑی حاجتیں
مانگنے لگے ہیں تو رد شرک میں ایک رسالہ لکھا،
اس میں قرآن کی چھبیس ۲۶ آیتیں بطور دلیل
پیش کیں اور لوگوں کے فائدہ حاصل کرنے
اور انکی بری حجتوں اور بدنما دلیلوں کے
چہرہ سے پردہ اٹھانے کیلئے ان کا ہندی
(اردو) میں ترجمہ کیا۔ الحمد للہ کہ ہزار ہا
ہزار عورتیں اور مرد راہ راست پر آگئے
اور بعض سرکش جاہلوں کے سوا کسی کو
تردد باقی نہیں رہا۔

اسکے آگے شاہ شہیدؒ نے تقویۃ الایمان کی اس عبارت کی وضاحت فرمائی ہے جو سید عبداللہ البغدادی کو پڑھ کر پنجابی مولوی نے سنائی تھی اور ثابت کیا ہے کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے وہ قرآن مجید کی آیات کے بالکل مطابق ہے ــــــ لیکن اس سب کا نقل کرنا غیر ضروری ہے، شاہ شہیدؒ کے مکتوب کی جو سطریں اوپر نقل کی گئی ہیں ان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کیلئے تقویۃ الایمان لکھنے کا محرک کیا ہوا تھا اور اس کی تصنیف سے ان کا مقصد کیا تھا اور اس کے خاص مخاطب کیسے لوگ تھے ــــــ اگر شاہ شہیدؒ کی صرف اسی بات کو پیش نظر رکھ کر تقویۃ الایمان کا مطالعہ کیا جائے تو انشاء اللہ کسی سلیم القلب صاحب ایمان کو اس میں کہیں بھی حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی شان میں بے ادبی نظر نہ آئیگی بلکہ اسکے مضامین قرآن حکیم اور ارشادات رسول کریمؐ کے عین مطابق معلوم ہوں گے۔

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا مطبوعہ مکتوب کے آخر میں خود شاہ شہیدؒ کی طرف سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مکتوب الیہ محترم بزرگ سید عبداللہ البغدادی الجیلانی، شاہ شہیدؒ کے مکتوب کے ملنے کے بعد ان کے پاس خود تشریف لائے اور معذرت کی جسکے الفاظ یہ ہیں:۔

• لقد صدقت فیما الفت فی رسالتک	کہ آپ نے اپنی کتاب (تقویۃ الایمان)
وما قلت فیک کان من عدم درایۃ	میں جو کچھ لکھا ہے بالکل ٹھیک ہے اور میں نے
کلامک لأن کلامک فی رسالتک	جو کچھ آپ کی نسبت کہا وہ محض اس وجہ
کان هندیا وانا رجل عربی	سے تھا کہ میں آپ کا کلام سمجھ نہیں سکا کیونکہ
لا أفهم الهندی والرجل	آپ کا رسالہ ہندی (اردو) زبان میں تھا
الفنجابی قد افتری علیک	اور میں عرب کا رہنے والا ہوں، ہندی
وأغلط فی الترجمۃ کثیرا	(اردو) بالکل نہیں سمجھتا، اُس پنجابی
فلا تغضب۔	نے آپ پر بہتان لگایا اور مجھے غلط ترجمہ
	کرکے سنایا، آپ مجھ سے خفا نہ ہوں۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ اور انکی تصنیف تقویۃ الایمان کے بارے میں اس عاجز نے جو کچھ یہاں تک لکھا یا اللہ تعالےٰ کی توفیق سے آخرت کے محاسبہ و مواخذہ کو پیش نظر رکھ کر وہی لکھا ہے جس کو فیما بینی وبین اللہ حق اور صحیح سمجھا ہے ـــ وبہ أدین اللہ یوم القیامۃ ـــ

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد النبی الأمی وعلیٰ آلہ وصحبہ والتابعین لهم باحسان إلی یوم الدین
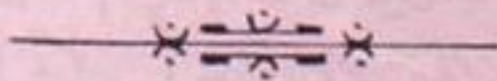
ایک غلطی کی تصحیح

فریدی نمبر کے صـ۲۳۳ پر لکھا گیا ہے کہ مولانا زید صاحب کے الزام کی بنیاد امیر شاہ خاں مرحوم کی نقل کی ہوئی ایک حکایت پر ہے جس میں تقویۃ الایمان کے بارے میں شاہ شہیدؒ کا ایک بیان نقل کیا گیا ہے جسکے آخر میں یہ بھی ہے کہ "اس میں (یعنی تقویۃ الایمان میں) ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھدیا گیا ہے"

آگے اسکے جواب کے طور پر لکھا گیا ہے کہ تقویۃ الایمان میں تلاش کے باوجود کہیں بھی کوئی ایسی عبارت نظر نہیں پڑی جس میں شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو ___ آگے اسی سلسلۂ کلام میں صـ۲۳۴ پر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "امیر شاہ خاں مرحوم نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ یہ بات ان سے کن صاحب نے بیان کی"

اب یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ خط کشیدہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ حکایت بہت طویل ہے آخر میں امیر شاہ خاں نے بیان کیا ہے کہ "یہ میں نے مولوی عبد القیوم صاحب اور اپنے استاذ میاں جی محمدی صاحب وغیرہ سے سنا ہے"۔

یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ یہ عاجز طویل عرصہ سے اس حال میں ہے کہ جو کچھ لکھتا ہو خود نہیں لکھ سکتا دوسروں سے لکھاتا ہوں اور جو پڑھتا ہو دوسروں سے پڑھوا کر سنتا ہوں۔

امیر شاہ خاں مرحوم کی جس حکایت میں تقویۃ الایمان کے بارے میں شاہ شہیدؒ کا مذکورہ بیان نقل کیا گیا ہے وہ میں نے پڑھوا کر سنا تھا، سنانے والے صاحب نے اتنا ہی پڑھا جس کا تعلق شاہ شہیدؒ کے اس بیان سے تھا، میں نے سمجھا حکایت ختم ہو گئی اور چونکہ وہاں تک امیر شاہ خاں مرحوم نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ یہ بات انھوں نے کن صاحب سے سنی اس لئے میں نے یہی لکھوا دیا ___ بعد میں معلوم ہوا کہ حکایت وہاں ختم نہیں ہوئی کتنی طویل ہے ___ حکایت کے آخر میں امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نے بیان کر دیا ہے کہ یہ بات میں نے مولوی عبد القیوم اور میاں جی محمدی سے سنی۔

بہر حال اس عاجز نے جو لکھا یا وہ غلط تھا اسلئے تصحیح ضروری سمجھی ___ لیکن غلطی کا اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اصل جواب وہی ہے کہ تقویۃ الایمان میں تلاش کے باوجود کہیں کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جس میں شرک خفی کو شرک جلی لکھا گیا ہو ___ لہذا امیر شاہ خاں صاحب مرحوم کا یہ بیان خود ان کی یا کسی راوی کی غلط فہمی، یا نقل میں غلطی کا نتیجہ ہے۔

واللہ اعلم۔

اپنی بہنوں کیلئے

بیگم سید اصغر حسین صاحبہ لکھنؤ

حُسنِ اخلاق

خداوند تعالےٰ اپنے رسول کریمؐ کے حق میں فرماتا ہے:۔

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ الخ (اللہ تعالےٰ کی رحمت سے (جو آپ پر ہے) آپ آدمیوں کے حق میں نرم ہو گئے (یعنی کریم و رحیم ہو گئے) اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ سے الگ ہو جاتے، اس لئے آپ ان کے قصوروں کو معاف فرما دیں اور اگر قصور کریں تو ان کیلئے دعائے مغفرت کریں، اور ان سے ہر کام میں مشورہ لیا کریں۔)

اللہ تعالےٰ اپنے خاص بندوں کے حق میں فرماتا ہے کہ:۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ۝ (ہمارے بندگان خاص وہ ہیں جو نرمی و عاجزی کے ساتھ زمین پر چلیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ باتیں کریں تو وہ ان کو سلام کریں اور الگ ہو جائیں (یعنی ایسا جواب دیں جو تکلیف دہ نہ ہو اور گناہ سے دور ہو)

حضور (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "جو شخص عاجزی اور نرمی سے محروم ہے وہ خیر سے محروم ہے"۔

نیز آپؐ نے فرمایا کہ "تم میں سب سے زیادہ وہ شخص اچھا ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو"۔

نیز فرمایا کہ "مومن نیک صفاتی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی جناب میں وہ رتبہ پا لیتا ہے جو تمام رات نماز پڑھنے والا اور ہر روز روزہ رکھنے والا پاتا ہے"۔

عزیز بہنو! خدا اور رسول کا فرمان آپ نے پڑھ لیا۔ اب غور کیجئے کہ ہمارے اور آپکے پاس یہ قیمتی جوہر باقی رہ گیا ہے یا یہ کہ سب کا سب یہ قیمتی سرمایہ ہم کھو بیٹھے ہیں۔

اسلام میں اخلاق کو نہایت اہم درجہ حاصل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جس کے پاس اخلاق نہیں اس کا ایمان مکمل نہیں"۔

ہم اپنی حالت کا ذرا جائزہ لیں کہ ہمارے تعلقات میں اخلاص و حسنِ خلق کا کہاں تک اثر ہے جہاں تک میرا خیال ہے ہم اس نعمت سے بڑی حد تک محروم ہو چکے ہیں، مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم پر یہ فرض خاص طور سے عائد ہوتا ہے کہ اسلامی اخلاق ہمارے اخلاق ہوں، ہم میں اسلامی حمیت ہو ایمانی غیرت ہو، اسلام کی سچی وفاداری اور مسلمانوں اور رشتہ داروں اور دوستوں کے ساتھ سچی ہمدردی ہو، ہم خواہ دنیا کا کوئی کام کریں دوسروں کا فائدہ ہمیشہ پیش نظر رہے، اپنے کسی فائدے کی خاطر یا اپنے ذاتی نقصان سے بچنے کیلئے ہم سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے عزیزوں اور پڑوسیوں کو کوئی نقصان یا تکلیف پہونچے، جس طرح ہم اپنی توہین برداشت نہیں کر سکتے، اسی طرح دوسروں کی توہین ہم کو گوارا نہ ہو، ہم کو یہ طے کر لینا چاہئے کہ ہمارے مالوں میں یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں، معذوروں کا بھی حق ہے ان کا بھی حق ہے جو کوئی کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں مگر سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کر پاتے ہیں ہم پر قوم کے بچوں کا بھی حق ہے جو قدرت کے خزانے سے دماغ اور ذہانت لاتے ہیں مگر غربت کی وجہ سے تعلیم نہیں پا سکتے، الغرض اسلامی تعلیم یہی ہے کہ ہم دنیا میں آنکھیں بند کر کے نہ بیٹھیں اور غور کرتے رہیں کہ کس کس کی خدمت یا مدد کرنا ہمارا فرض ہے، پھر جہاں تک ہو سکے دوسروں کی مصیبت و تکلیف میں انکے شریک رہیں اور جو مالی یا اخلاقی مدد کر سکتے ہوں اس میں دریغ نہ کریں، جنکے پاس دولت نہیں ہے، وہ دوسرے ذریعوں سے بھی مدد کر سکتے ہیں، یہ مشاہدہ ہے کہ بہ نسبت غریب گھرانوں کے ہمارے امیر گھرانوں کی خواتین میں بداخلاقی کا مرض بہت زیادہ ہوتا ہے، غریب کو پاس بٹھا کر اسکا درد دکھ سننا کسرِ شان سمجھا جاتا ہے اسکے برعکس اس زمانہ میں دوسرے مذاہب اور دوسری قوموں کی خواتین میں خوش اخلاقی اور ہمدردی زیادہ پائی جاتی ہے، یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے معلّم اخلاق حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اُمت میں ہونے کے باوجود ہم حُسنِ اخلاق اور انسانی ہمدردی میں دوسری قوموں کی خواتین سے بہت پیچھے ہیں، اخوت و مساوات کا سبق ہم نے بھلا دیا ہے، اسلامی رواداری

ہم نے ترک کردی ہے اسکی وجہ سے ہمارا معاشرتی نظام بھی درہم برہم ہو چکا ہے، دنیا میں اسلام کے آنے سے پہلے حسن اخلاق کا دُور دُور پتہ نہ تھا، پھر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ عرب کے درندے بھی فرشتے بن گئے۔ اب ہماری بد اخلاقی کا یہ حال ہے کہ ہم خود اپنوں کیلئے درندہ بن گئے ہیں، معاف کیا جائے واقعہ یہی ہے کہ ہماری بد اخلاقی انتہا کو پہونچ گئی ہے، کسی اچھے مذہبی کام کے لئے یا اسلامی مدرسہ کے لئے اگر کوئی چندہ لینے آجائے یا کوئی شامت کا مارا حاجت مند آجائے تو پھر دیکھئے کہ ہمارا پارہ کتنی ڈگری چڑھ جاتا ہے، چار آنے ہماری جیب سے نہیں نکلتے، حالانکہ اسی وقت مع بچوں کے سینما جاکر دس بیس روپئے صرف کر دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ہم طاقت و دولت کو غلط سمجھنے اور غلط استعمال کرتے ہیں، وہ صرف خدا کی طاقت ہے جو ہم کو طاقت عطا کر کے رحم کرنا سکھاتی ہے۔ طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں ہے کہ ہم کمزوروں کو دبائیں اور ان کے حق ماریں، طاقت کا صحیح استعمال یہ ہے کہ ہم اپنے نفس سے جنگ کریں اور اپنے اندر بد اخلاقی اور سنگدلی کا جذبہ اُبھرتے نہ دیں، جب تک افراد کی داخلی تربیت و تنظیم اس نظریہ کے تحت نہ ہوگی قوم کی اصلاح اور تعمیر و ترقی کی ساری تدبیریں اور کوششیں بے نتیجہ رہیں گی۔

پروردگار عالم ہم کو وہ خصلتیں عطا فرما جو تیرے نزدیک اچھی ہوں۔ اور جو عادات تیری مرضی کے خلاف ہوں ان سے ہم کو دور رکھ اور تمام آفات دینی و دنیوی سے ہم کو بچا! آمِین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْن!!

مولانا فریدی نمبر کی توسیع اشاعت کے سلسلہ میں خصوصی رعایتی اسکیم

صرف دینی مدارس و مراکز کے لئے

- نمبر ۵ عدد طلب کرنے پر محصول ڈاک ہمارے ذمہ ہوگا۔
- ۶ سے ۱۰ عدد تک نمبر طلب کرنے پر ۱۵٪ فیصد رعایت دیجائے گی اور محصول ڈاک ہمارے ذمہ ہوگا
- ۱۱ سے ۲۵ " " " ۲۵٪ " " " محصول ڈاک وغیرہ ذمہ خریدار ہوگا
- ۲۶ سے ۵۰ " " " ۳۰٪ " " " " " " "
- ۵۱ سے ۹۹ " " " ۳۵٪ " " " " " " "
- ۱۰۰ سے ۱۹۹ " " " ۴۰٪ " " " " " " "
- ۲۰۰ یا اس سے زائد " ۴۵٪ " " " " " " "

نوٹ :- زیادہ تعداد میں طلب کرنے والے حضرات آرڈر کے ہمراہ چوتھائی رقم ضرور بھیجیں۔

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

یاد رفتگاں

بھائی محمد یوسف صاحب پالنپوری علیہ الرحمۃ

گجرات کے مشہور شہر پالنپور کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی جنگواڑہ ہے۔ تقریباً ۲۰ سال پہلے وہاں کا ایک نوجوان محمد یوسف بمبئی میں ٹیکسی چلایا کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں اٹھارہ سال کی عمر میں اس نوجوان کا تبلیغ کے کام سے تعلق ہوا، اور پھر "حال" ہی نہیں بدلا، مستقبل کے منصوبے اور ارمان بھی بدل گئے ـــــ دیکھتے ہی دیکھتے یہ نوجوان ایسا خوش اوقات، ایسا پابندِ ضبط و نظم اور اتنا جفاکش اور برق رفتار کارکن بن کر ابھرا کہ نہ جانے کتنے پرانے ہمسفروں سے آگے نکل گیا۔ اور اپنے گاؤں، ضلع، برادری اور صوبے کی سطح کی فکروں کے ساتھ پورے ملک بلکہ عالمی سطح پر پوری پراگندہ حال مسلم قوم کو ایک "با مقصد امت" بنانے کی فکر و سعی کا ایک قابلِ رشک نمونہ بن گیا۔

۱۱ر فروری ۸۹ء کو یوسف بھائی کا انتقال ہوا تھا، مئی کے شمارے میں ان کے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے وعدہ کیا گیا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ کسی شمارے میں ان کے بارے میں کچھ تفصیل سے لکھا جائیگا۔

ذیل کی سطروں میں آپ جو مضمون ملاحظہ فرمائیں گے وہ دراصل مجموعہ ہے یوسف بھائی مرحوم کے حالات کے بارے میں موصولہ تین تحریروں کا جن میں سے ایک تو ان کے صاحبزادے بھائی محمد طلحہ کی طرف سے ہمیں موصول ہوئی اور دو تحریریں ان کے قریبی رفقاء مولوی محمد عثمان کھاکل صاحب اور جناب محمد خالد منیہار صاحب نے بھیجی تھیں ـــــ راقم الحروف نے ان تینوں کو صرف مرتب کرنے کا کام انجام دیا ہے۔

یوسف بھائی مرحوم کو اللہ نے بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان میں سب سے پہلے قابلِ ذکر ان کی زبردست قوتِ ارادی اور صبر و تحمل و عالی ہمتی ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ

۳۶ سال پہلے جو وہ کام میں لگے تو مسلسل حالات کے سخت نشیب و فراز کے باوجود قابلِ رشک استقامت کے ساتھ اور فکر و محنت، قربانی و دعا، اور سوجھ بوجھ میں ترقی کے ساتھ لگے ہی رہے یہاں تک کہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے —— راہِ محبت میں ان کی ثابت قدمی اور سنجیدگی کا ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ ان کے صاحبزادے کے بیان کے مطابق عرصۂ دراز سے دردِ شکم میں مبتلا ہونے کے باوجود دین کے تقاضوں کو مؤخر کر کے صرف علاج و معالجہ اور آرام کیلئے گھر کا زیادہ قیام پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے صاحبزادے لکھتے ہیں :-

" انتقال سے چار ماہ قبل ایک سفر سے جب گھر تشریف لائے تو صحت بہت کمزور معلوم ہوئی، صاف طور پر کسی اندرونی تکلیف کے آثار ظاہر ہو رہے تھے لیکن اپنی زبان سے کسی کے سامنے تکلیف کا اظہار نہیں کیا بلکہ صرف ایک ہفتہ قیام کر کے پھر سفر شروع کر دیا اور دورانِ سفر ہی جتنا ہو سکا علاج کراتے رہے۔ بندہ نے اس سلسلہ میں ان کو ایک خط میں دہلی لکھا کہ ابا جان اس مرتبہ جب آپ تشریف لائے تھے تو آپ کی صحت بہت کمزور معلوم ہو رہی تھی، دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ کا شکر ہے لیکن ہمیں اس سے اطمینان نہیں ہوا حقیقتِ حال تحریر فرما کر ممنون فرمائیے۔ جواب میں تحریر فرمایا :-

" بیٹا بندہ کی صحت کئی ماہ سے خراب چل رہی ہے پیٹ، کمر اور رانوں میں مستقل درد رہا کرتا ہے پیشاب میں کافی جلن ہوتی ہے بسا اوقات رات میں ایسا درد شروع ہو جاتا ہے کہ تکلیف کی وجہ سے ساری رات بیداری میں گزر جاتی ہے بیٹا جس طرح میں نے تم گھر والوں کے سامنے اس تکلیف کا اظہار مناسب نہیں سمجھا اسی طرح یہاں دہلی میں اکابرین کے سامنے اظہار نہیں کیا کیونکہ اگر میں اس تکلیف کو ظاہر کر دوں تو ہمارے بڑے ازراہِ شفقت ضرور مجھے علاج و آرام کا حکم فرمائیں گے اور یہاں کے دین کے کام کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے جس کے لئے صوبوں اور ملکوں سے لوگ جوق در جوق پہنچ رہے ہیں دل گوارا نہیں کرتا کہ علاج اور آرام میں وقت صرف کیا جائے پتہ نہیں کہ اب میری زندگی کا کتنا وقت

باقی رہ گیا ہے بس دل یہ چاہتا ہے کہ عمر کے آخری حصہ کا زیادہ سے زیادہ وقت
اسی عالی کام میں لگ جائے اور زیادہ تر مجھے یہی دھیان وخیال رہتا ہے کہ
عالمِ آخرت کی طرف جانے کا وقت بالکل قریب آگیا ہے"!

آخری دنوں کا حال

انتقال سے تقریباً ڈیڑھ مہینہ قبل جب تکلیف میں بہت زیادہ شدت ہوئی اور بعض معالجوں نے بتایا کہ جگر کا کینسر نہایت خطرناک مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے تب طے ہوا کہ علاج کیلئے بمبئی لے جایا جائے۔ یہ مشورہ بھی پٹنہ میں ہوا تھا جہاں ایک جوڑ کے موقع پر یوسف شدید تکلیف کے باوجود گئے تھے، چنانچہ وہاں سے بمبئی جانے کی تیاری کیلئے پہلے اپنے وطن آئے اور گھر والوں سے کہا کہ مشورہ سے میرے لئے بغرض علاج بمبئی جانا طے ہوا ہے اور میری نیت یہ ہے کہ پندرہ روز کے بعد ذمہ داروں کی ایک جماعت کام کرتی ہوئی بمبئی پہنچ رہی ہے، میں انشاءاللہ ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ گھر سے نکلتے وقت گھر کے تمام چھوٹے بڑے افراد کو جمع کرکے اجتماعی دعا کی۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ اس دعا سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ گھر میں ان کی آخری دعا ہے ـــــ بمبئی پہنچ کر ایک اسپتال میں داخل کئے گئے عیادت کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا جب تک خود بولنے کی ہمت اور طاقت رہی آنے والوں کو دین اور دین کی محنت میں شریک ہونے کی دعوت دیتے رہے لیکن جب مرض کی شدت زیادہ ہوگئی اور بولنے کی سکت بالکل نہ رہی تو ایک مضمون لکھوا دیا جو عیادت کیلئے آنے والوں کو پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ یہاں تک کہ جب بولنا بالکل ہی بند ہو گیا تو اشارے سے اپنے صاحبزادے یا دوسرے تیمارداروں سے کہتے کہ ہر آنے والے کو وہ تحریر پڑھوا دی جائے۔ عبرت اور فائدے کیلئے اس مضمون کا ایک حصّہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بھائیو اور دوستو! بیمار کی مزاج پرسی کرنے میں ستّر ہزار فرشتے دعائیں کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ اس کا دھیان جما کر بیمار پرسی کرنے والے بھائی مندرجہ ذیل باتوں سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ اولاً تو اوپر والی حدیث پاک کا

خیال کرتے ہوئے اس دھیان جماتے ہوئے اپنے نظام زندگی کو ٹھیک کرنا چاہیئے اور اپنے آپ کو مقصدِ حیات پر لانا چاہیئے۔ اللہ کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تندرستی کو غنیمت سمجھو بیماری سے پہلے خوشحالی کو غنیمت سمجھو تنگدستی سے پہلے فرصت کو غنیمت سمجھو مشغولی سے پہلے جوانی کو غنیمت سمجھو بڑھاپے سے پہلے، زندگی کو غنیمت سمجھو موت سے پہلے۔ غنیمت سمجھو، غنیمت سمجھو کا جملہ ایک خاص بات کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ "غنیمت سمجھو" والے حال میں بندہ نے جن اعمال کا اپنے آپ کو عادی اور پابند بنایا ہوگا، اس حال کے بدل جانے پر یعنی مقابلہ کا حال آجانے پر جب ان اعمال کے کرنے کی سکت نہ رہی اور نیت بدستور باقی ہے تو نہ کرسکنے کے باوجود حق تعالیٰ شانہٗ پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے، البتہ فریضۂ نماز کو ہر حال میں آخری سانس تک ادا کرنا ہوگا۔ چاہے اشاروں سے ہی سہی۔ لہٰذا ہم اپنے نظامِ زندگی کو ٹھیک کرلیں اور مقصدِ حیات اور زندگی کا اصل کام دعوتِ ایمانی کی محنت کو بنالیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کی توفیق عطا فرمائیں!

دعوت کے مبارک کام کے دو جز ہیں۔ ایک تو عالمی نسبت پر نقل وحرکت؛ دوسرے مقام پر رہنے کی شکل میں مسجد وار جماعت میں جڑ کر محنت کا نظام، کمانے کھانے اور ضروریاتِ زندگی کو ضرورت کا درجہ دیں، مقصدِ حیات کا درجہ نہ دیں۔ دعوتِ ایمان والے عمل میں ہی حق تعالیٰ نے پورے دین کو، پوری حقیقت کے ساتھ پوری امت میں اور پوری دنیا میں قیامت تک کے لئے زندہ ہونے کی خاصیت رکھی ہے، اور باطل نظام کے درہم برہم ہوجانے کی تاثیر بھی اللہ پاک نے اس مبارک عمل میں رکھی ہے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محنت میں اللہ پاک نے کرکے دکھایا، وہی تاثیر صحیح محنت کرنے پر آج بھی ظاہر ہوسکتی ہے۔ انشاء اللہ۔

بندے پر جب تکلیف اور اضطراب کا حال آئے تو ان چار دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہیئے:-

یا اللہ! میں آپکے فیصلے پر راضی ہوں، آپ میرے اس حال سے خوش ہو کر میری مغفرت فرمادیں، اور پوری دنیا کے انسانوں کو ہدایت کا نور عطا فرمادیں اور پوری امت کو دعوت ایمان کی محنت پر کھڑا فرمادیں، اور جو بندے دعوت کے کام سے منسوب ہو چکے ہیں، اُن سب کو صفاتِ قبولیت سے آراستہ فرمادیں، اور یہ تینوں دعائیں قیامت تک آنے والے انسانوں کے حق میں قبول فرمالیں۔ آمین

پھر مریض کے مرض کو صحت سے بدلنے کیلئے تین بار دُرود شریف پڑھ کر سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر حدیث کی اس دعا کو مانگا جائے اور دم کیا جائے
اَللّٰھُمَّ اَذْھِبِ الْبَأْسَ ۔ رَبَّ النَّاسِ ۔ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا ۔ ترجمہ ۔ اے اللہ بیماری کو دُور فرما۔ اے لوگوں کے رب مجھے شفاء عطا فرمادے۔ آپکے علاوہ دوسرا کوئی شفاء نہیں دے سکتا۔ مجھے ایسی شفاء عطا فرما کہ جسکے بعد بیماری کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ آمین

بندے کی آپ حضرات کی خدمت میں دعاؤں کی درخواست ہے کہ صحت اللہ تعالیٰ اپنی رضا والے کاموں میں لگانے کیلئے عطا فرمائے اور بندے کی طرف سے آپ کو کسی طرح کی بھی تکلیف پہونچی ہو تو اللہ کیلئے معاف کرنے کی بھی درخواست ہے۔ اور بندے نے بھی آپ کو معاف کر دیا ہے۔

آخری دنوں میں شب و روز سخت اذیت و تکلیف رہتی تھی، لیکن وہ کہا کرتے تھے کہ "مجھے تکلیف ضرور ہے لیکن الحمد للہ دل میں خوب اطمینان ہے کہ یہ تکلیف اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ جس حال میں رکھے بندے کو راضی رہنا چاہیئے، عیادت کرنے والے کبھی کبھی ان کی حالت کو دیکھ کر متأثر ہو جاتے تو الٹا انھیں صبر کی تلقین کرتے۔

آخر میں مشورہ ہوا کہ انھیں بمبئی سے سورت لے آیا جائے۔ سورت کے معروف نیمبار خاندان سے یوسف بھائی کے بڑے مخلصانہ تعلقات تھے، چنانچہ ان حضرات کی

بنگش پر شیخ محمود نمبہار کے مکان پر قیام طے ہوا۔ شدید تکلیف کے باوجود مرض الوفات میں بھی تمام نمازیں با جماعت ہی ادا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آخری عشاء کی نماز جو اشاروں سے پڑھی وہ بھی اپنے صاحبزادوں کے ساتھ با جماعت ہی ادا کی۔۔ ان کے صاحبزادے بھائی محمد طلحہ کا بیان ہے کہ "آخری عشاء کی نماز کے بعد بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور ساتھ ہی بے چینی بہت بڑھ گئی، کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھنا شروع کر دیا اور اسی حال میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وارض عنہ وأدخلہ الجنۃ ونجہ من النار۔ اللھم اعف عنہ وعافہ وأکرم نزلہ ووسّع مدخلہ۔

طالب علمانہ ذوق

بھائی محمد خالد نمبہار صاحب نے ان کے حالات کے بارے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ:۔ یوسف بھائی زندگی بھر طالب علم رہے۔ ہر کام کی بات کو بہت اہتمام سے پہلے رف نوٹ بک میں اور پھر صاف حرفوں میں مستقل ڈائریوں میں لکھ لیتے تھے ان کی ڈائریاں واقعی قابل دید شنید ہیں، جن میں دعوت کے اصول و آداب قیمتی ہدایات اور بہت ساری کام کی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ "کلام نرم و نازک" سے انھیں کتنی طبعی مناسبت تھی اس کا اندازہ ان کے منتخب اشعار سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ایک ڈائری میں سے ان کے چند پسندیدہ اشعار لکھتا ہوں۔

تعمیر زندگی میں گھبرا کے رک نہ جانا	تکمیل زندگی ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانا
میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی	میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی
سمجھ میں یہ نہیں آتا وہ اتنا مہرباں کیوں ہے	خطائیں بڑھتی جاتی ہیں عطائیں کم نہیں ہوتیں

یوسف بھائی مرحوم کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ تعلق تھا، ان کے نام کے ساتھ ان کی ڈائری میں یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں	اس قلب میں یارب کیا آگ لگی ہوگی

یوسف بھائی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے آٹھ بیٹے دیئے۔ جن میں چھ حافظ قرآن ہو چکے ہیں اور دو چھوٹے بیٹے حفظ قرآن میں مشغول ہیں۔

اللہ تعالیٰ یوسف بھائی پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے، بڑا سبق سکھا گئے اپنی زندگی سے ہم سب کو، وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور تھے، مگر کہاں سے کہاں "پہنچ کردم بیا..." اے اللہ ایسا ہی جذبۂ صادق ہم سب کو بھی عطا فرما دے، اور اے اللہ اس کام کو خوب فروغ و استحکام عطا فرما جس کی بدولت ہزاروں "یوسفِ بے کارواں" ضائع ہونے سے بچ رہے ہیں، اور ہمیں اس کی صحیح قدردانی کی توفیق عطا فرما۔

ویرحم اللہ عبداً قال آمیناً۔

ڈاکٹر شاہ عالم، محمد نسیم خورجوی اور ڈاکٹر عبدالقدیر صاحبان الی رحمۃ اللہ

الفرقان کے قارئین میں سے زیادہ تر حضرات ان تینوں احباب کی راہ خدا میں شہادت کی خبر سن چکے ہوں گے — یہ تینوں حضرات اپنے وطن سے ہزاروں میل دور ایک جماعت کے ساتھ امریکہ میں سفر کر رہے تھے۔ ۲۵ جولائی کو دوران سفر ایک حادثہ کا شکار ہوئے اور مالک حقیقی سے جا ملے — اس حادثہ کی اطلاع دیتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ الیکٹریکل انجینیرنگ کے پروفیسر جناب ڈاکٹر سلمان بیگ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

"ہماری امریکہ گئی ہوئی جماعت کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا اسکی اطلاع غالباً آپ تک پہنچ چکی ہوگی۔ فون سے ملی ہوئی اطلاعات کے مطابق یہ حادثہ ۲۵ جولائی ۸۹ء منگل کو دوپہر دوؔ بجے کے قریب پیش آیا۔ نادر علی خاں صاحب کی امارت میں اور انکے علاوہ ڈاکٹر اقبال احمد خاں صاحب، ڈاکٹر شاہ عالم اور محمد نسیم خورجوی (انجینیر) پر مشتمل یہ جماعت وائل عون سے امریکہ میں کام کر رہی تھی اور اُس وقت کچھ مقامی ساتھیوں کے ہمراہ ایک وین میں ڈیٹرائٹ سے کلیولینڈ جا رہی تھی۔ مقامی ساتھیوں ہی میں سے ایک گاڑی چلا رہے تھے سنا ہے کہ ایک بھاری اور تیز رفتار ٹرک کے پچھلے حصّے سے ایسی ٹکر لگی کہ وین قلابازیاں کھاتی ہوئی دور جا پڑی۔ کچھ ساتھی تو دروازوں کے کھل جانے سے باہر گر گئے تھے مگر چار اسی میں پھنسے رہ گئے تھے۔ ان میں سے دوؔ، ڈاکٹر شاہ عالم اور نسیم خورجوی جائے حادثہ پر ہی اور تیسرے ساتھی (ڈاکٹر عبدالقدیر حیدرآبادی) اسپتال کے راستے میں اللہ کو پیارے ہوئے،

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ گاڑی چلانے والے ساتھی (چودھری عبدالستار) شدید زخمی ہوئے ڈاکٹر نادر علی خاں صاحب اور ڈاکٹر اقبال احمد خاں کے پاؤں کی ہڈیوں کے ٹوٹنے اور داخلِ اسپتال ہونے کی خبر ہے۔ یہ اطلاع ۲۶ جولائی ۸۹ء بدھ کے دن ظہر کے وقت علی گڑھ بذریعہ فون پہنچی، اور فطری طور پر ہم سب کے قلوب کو دہلا گئی اور متعلقین کو تو رنج والم کے سمندر میں غرق کر گئی۔ حضرت جی دامت برکاتہم کی منشاء کے مطابق متعلقین سے استفسار کے بعد وہیں ڈیٹرائٹ میں دفن کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ٹیلیفون سے گاہے گاہے اطلاعات آتی رہیں۔ امریکہ کے ساتھیوں کے اصرار پر تدفین کو ایک دن کیلئے مؤخر کیا گیا۔ پورے براعظم سے ساتھی جوق در جوق جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے دوڑے آئے۔ تقریباً پانچ ہزار کے مجمع نے جنازے میں شرکت کی۔ اللہ تعالےٰ ان شہداء کی قربانیوں کو قبول فرماکر تمام عالم بالخصوص امریکہ کی ہدایت تامہ کا فیصلہ فرمائے۔ پندرھویں صدی کے ان اُمتیوں نے راہِ خدا میں جان دے کر اُس سرزمین میں اپنی قبریں بنوائیں جو دین کے متوالے صحابہ کرام کی قبروں سے محروم تھی۔ جدائی کا رنج وغم تو فطری چیز ہے مگر ان کی شہادت یقیناً قابلِ رشک ہے۔

نسیم خورجوی مرحوم ہمارے پرانے ساتھیوں میں سے تھے یہیں سے انجینیرنگ کا ڈپلوما کیا تھا۔ بعد میں آگے کی پڑھائی بھی P.W.D کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر یہیں کرتے رہے۔ اب بھی ME کر رہے تھے۔ زمانۂ طالب علمی سے دعوت کے کام سے جڑے ہوئے تھے۔ پسماندگان میں ان کے بوڑھے باپ، بیوہ، پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ سب سے بڑا لڑکا یہیں ڈپلوما انجینیرنگ کے دوسرے سال میں زیر تعلیم ہے۔

ڈاکٹر شاہ عالم مرحوم میری چھوٹی بہن کے شوہر تھے۔ ابھی ۳۵-۳۶ سال کا سن تھا۔ یہاں شعبۂ جغرافیہ میں لکچرر تھے۔ دو بچے اور ان سے چھوٹی ایک بچی ہے، بڑا بچہ نو سال کا ہے، حفظ مکمل کر کے اسکول جاتا ہے۔ دوسرا ۷½ سال کا ہے۔ ابھی حفظ کر رہا ہے، ۲۵ پارے مکمل کر چکا ہے۔ بچی تین سال کی ہے۔ والد کا تین سال پہلے ہی انتقال ہوا تھا، ماں سب سے بڑے جوان بیٹے کا غم برداشت کرنے کو موجود ہے۔ مرحوم طبعاً بہت نرم مزاج، دیندار

اور متقی تھے۔ گورکھپور کے ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور بچپن سے دعوت کے کام میں لگے ہوئے تھے۔ ہائی اسکول کے بعد پی ایچ ڈی تک کی پڑھائی ہماری یونیورسٹی سے کی اور اس کے بعد ہی ۸۲ء میں لکچرر ہو گئے تھے۔

آپ سے درخواست ہے کہ خود بھی شہداء کے لئے ایصال ثواب اور پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا کا اہتمام فرمائیں اور دیگر احباب سے بھی تلقین فرما دیں۔ اللہ ہم سب کو مرتے دم تک دعوت کے اس عظیم عمل میں اخلاص و استخلاص سے لگے رہنے کی توفیق عطا فرمائے جس کی خاطر انھوں نے اپنی جانیں قربان کیں، اور اپنے فضل و کرم سے اس ہدایت نامہ اور اصلاح کامل کے فیصلے فرمائے جس کی طلب میں یہ تگ و دو ہو رہی ہے۔ میرے ضعیف والدین پر بھی اس حادثہ کا اثر ہے ان کے لئے بھی خصوصی دعا فرما دیں۔ مرحومین کی اولاد کیلئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو نیک اور صالح بنائیں۔ حیات طویلہ وطیبہ عطا فرما کر دین کا داعی و شیدائی بنائیں اور دنیا و آخرت کی ہر کامیابی سے سرخ رو فرمائیں۔ آمین

فقط طالب دعا

محمد سلمان بیگ

دار العرفان سرسید نگر۔ علی گڑھ

۲-۲-۰۲

جیسے جیسے اس حادثہ کی خبر اکابر اور احباب و رفقاء کو ملتی گئی، مرحومین کے متعلقین کے نام تعزیتی خطوط بکثرت آنے گئے ــــــ حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب دامت برکاتہم نے مکہ مکرمہ سے حادثہ کی خبر ملتے ہی فوری طور پر ایک تعزیت نامہ علی گڑھ کے ساتھیوں کے نام روانہ فرمایا، اس تعزیت نامہ کا کچھ حصہ بھی ہم عام فائدہ کیلئے پیش کر رہے ہیں:۔

"یہ خط ایک بہت ضروری بات سمجھ کر لکھوا رہا ہوں۔ وہ یہ کہ جب حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم دعوت لے کر مکہ مکرمہ میں یہ آواز لگاتے پھرتے تھے کہ اے لوگو لا الٰہ الا اللہ کا یقین پیدا کرلو کامیاب ہو جاؤ گے تو ابو لہب جو خاص چچا تھے، اور ابو جہل جو مکہ مکرمہ کے بڑے سرداروں میں سے تھے اور دوسرے سرداران مکہ

آپؐ کو اذیت دینے کے درپے ہو گئے۔ کوئی آپؐ کے اوپر خاک پھینکتا اور کوئی نماز کی حالت میں اونٹ کی اوجھ آپؐ کی کمر پر رکھتا لیکن آپؐ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے صبر و تحمل کی اور دشمنوں کو معاف کرنیکی نصیحت آتی تھی۔ پھر طائف میں جو ہوا سو ہوا۔ یہ آپؐ کی بدنی تکلیف کی ابتداء تھی۔ اس کے بعد آپؐ کے سب سے زیادہ ہمدرد اور معاون اور محبوب چچا ابو طالب کا جب انتقال ہوا جو آپؐ کی طرف سے دفاع کرتے تھے تو آپ کو روحانی صدمہ شروع ہوا۔ پھر آپؐ کی محبوبہ زوجہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا جب انتقال ہوا اور حضرت سمیہ رضؓ کی شہادت پر آپؐ نے آنسو بہائے۔ پھر غزوۂ بدر میں چودہ[۱۴] صحابہ جو آپؐ کے جاں نثار تھے، شہید ہو کر آپ کے روحانی غم کو بڑھا گئے اس کے بعد غزوۂ احد میں ستر[۷۰] صحابہ کی شہادت نے جن میں آپؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہ اور آپؐ کے محبوب خادم مصعب بن عمیر اور عبد اللہ بن جحش جیسے آپؐ کے روحانی غم کو بڑھا گئے مگر اللہ تعالےٰ نے ان حضرات کی شہادت پر پورے عرب میں حق کے پھیلنے کا راستہ کھول دیا اور اسلام پوری شان و شوکت کے ساتھ عرب کے اندر پھیل گیا پھر آپؐ کی رفیق اعلیٰ سے ملاقات، تمام صحابہ کے صدموں کو اسقدر بڑھا گئی کہ صحابہ کے ہوش اڑ گئے پھر جوں جوں صحابہ شہید ہوتے گئے۔ اتنا ہی اسلام دنیا میں قوت پکڑتا گیا —— اس سے اللہ تعالےٰ کی یہ سنت معلوم ہوئی کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کی اور قربانی کی وجہ سے حق غالب ہوتا ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری جانوں کے قیمتی ہونے نے اللہ کے دین کو پھیلنے سے روک رکھا ہے۔ اور جب ہم اللہ کے دین پر اپنی جانوں کو قربان کریں گے تبھی دنیا میں اللہ تعالےٰ کا دین تمام باطل ادیان پر غالب آوے گا —— پھر فرمایا کہ ہر مسلمان کے دل میں یہ جذبہ ہو کہ میرا کام دنیا میں اللہ کی راہ میں شہادت کے مواقع تلاش کرنا ہے تمام صحابہ رضؓ کا یہی جذبہ تھا...

..... جب تک ہمارا یہ جذبہ نہیں بن جائے گا کہ ہم اللہ کی راہ میں پھرتے ہوئے مختلف ملکوں میں شہید ہوں اس وقت تک اللہ تعالٰی کی رحمت جوش میں آنی مشکل ہے ..... (امریکہ میں کام کرنے والی جماعت کے جو ساتھی آپ کے یہاں کے شہید ہوئے ہیں) انکے اعزاء سے ہماری طرف سے تعزیت فرما دیں اور آپ حضرات بھی صبر جمیل اختیار کریں۔ اللہ تعالٰی سب کو اجر عظیم عطا فرمائے انکے بچوں کو تسلی اور تشفی دیں کہ ہر شخص کا وقت مقرر اور معین ہے۔ موت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور موت اپنے وقت سے پہلے نہیں آتی۔ بچے، جوان، بوڑھے، چاہے سفر میں ہوں یا گھر پر ہوں اپنے وقت پر موت سب کو لے جاتی ہے جس قدر لوگ صبر کریں گے اور اللہ تعالٰی کی راہ میں نکلنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اسی قدر اللہ دین دنیا میں بلند کریں گے ــــ سب حضرات ان کیلئے ایصالِ ثواب کی تشکیلیں اختیار کریں۔"

مکہ مکرمہ ہی سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ ریاضیات کے ایک استاذ نے جو حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے، حادثہ کی اطلاع ملنے پر اپنے تعزیتی خط میں لکھا :۔

"اب تک اسلام کے لئے جتنی قربانیاں دی جا چکی ہیں انکے مقابلہ میں ان تین کی شہادت تو کچھ بھی نہیں لیکن یہ تو ہمارے ان ساتھیوں کی بڑی سعادت کی بات بن گئی کہ بڑوں بڑوں کی صف میں شامل ہو گئے۔ اللہ پاک کی ذات سے آج سے امید بن چلی کہ اب ہمارے ادارے کا بھی نصیب جاگے گا۔ اور انسانوں کی ہدایت کا کام اس ادارے سے لیا جائے گا۔"

خدا کرے اب یہ بات ہم پر اور ہمارے ساتھیوں پر کھل جائے کہ ایسے وقت میں جبکہ قربانی کی سطح برابر بڑھ رہی ہو، ہماری بے فکری کے ساتھ اس محنت میں چلنا ہمارے لئے بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔ اگر اب درد اور غم کے ساتھ ہر طبقہ میں تھوڑی سی بھی محنت پر ساتھی آجائیں تو انشاء اللہ وہ نتائج ظاہر ہونگے جو برسوں میں بھی ظاہر نہ ہوئے۔ آپ حضرات اس سنہری وقت کو ہاتھ سے

نہ جانے دیں۔ اب دلوں کو پگھلا دینے والی قربانی وجود میں آئی ہے۔ اگر اب محنت کرنے میں ہم نے کمی اور کوتاہی کی تو یہ ہمارے دل کے دو ٹکڑے کل قیامت کے میدان میں ہمیں معاف نہیں کریں گے"

الفرقان کے صفحات میں جانے والے اِن خوش نصیب مرحومین کا تذکرہ اور اس حادثہ سے متعلق تین خطوط کے اقتباسات اسی مقصد سے پیش کئے گئے ہیں کہ ناظرین کرام ان حضرات کے لئے دعاؤں اور ایصال ثواب کا اہتمام بھی کریں، اور اس راہ میں قدم بھی بڑھائیں جس میں چلنے سے بلند ہمتی، درد و غم، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کا جذبہ، ایمان اخلاص اور وہ سب کچھ، بشرط طلب و بقدر ہمت، حاصل ہو سکتا ہے، اور ہزاروں بندوں کو حاصل ہو رہا ہے، جس کا حاصل ہونا سب سے بڑی کامیابی، اور جس سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں ایک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

اگر ہمارے کان ہوتے تو ہم ان شہیدوں کا اور راہِ خدا کے ہر شہید کا یہ پیغام سن رہے ہوتے کہ ؎

یہ مصرع کاش نقشِ ہر در و دیوار ہو جائے
جسے جینا ہو مرنے کے لئے تیار ہو جائے

نوٹ:۔ اس جماعت کے بقیہ جو ساتھی زخمی تھے انکے بارے میں برابر یہ خبریں مل رہی ہیں کہ وہ الحمد للہ رو بہ صحت ہیں اگرچہ ان میں سے غالباً دو کی چوٹیں بہت سخت ہیں، ان حضرات کے لئے دعائے صحت کے اہتمام کی بھی درخواست ہے۔

استدراک

جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے فریدی نمبر میں شائع ہونے والے اپنے مضمون کے سلسلہ میں حسب ذیل استدراک بھیجا ہے۔

۱۔ میرے مضمون میں مولانا فریدی علیہ الرحمۃ کا جو شجرۂ نسب دیا گیا ہے وہ "جواہر فریدی" اور "تحقیق الانساب" میں دیئے ہوئے شجروں سے جزوی طور پر مختلف ہے لیکن یہ مولانا فریدیؒ ہی کی ایک یادداشت کی روشنی میں لکھا گیا ہے جسکے آغاز میں انھوں نے لکھا ہے کہ "نزد خاکسار احقر العباد یہ شجرہ صحیح ہے"۔ اس کی رو سے مولانا فریدیؒ حضرت بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ کی ۲۳ ویں پشت میں ہیں۔

۲۔ صفحہ ۱۸ پر (سطر ۱۷) مولوی حسین احمد فریدی کے تیسرے فرزند ابرار احمد فاروقی (متوفی ۴/۱۹۸۴ء/۱۴۰۴ھ) کا نام ادھورا رہ گیا ہے اور اگلی سطر میں ہے "یہی تیسرے بیٹے حضرت مولانا....." یہ میرے مسودے میں ٹائپ کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مولانا فریدی چوتھے فرزند ہیں۔

۳۔ مولانا فریدی کا سنہ ولادت ۱۹۱۱ء اور مہینہ ستمبر معلوم ہے میں نے اسے محرم ۱۳۲۹ھ کے مواقف لکھا یہ سہو قلم ہے تقویم دیکھنے سے پتہ چلا کہ اس سال محرم اور جنوری ایک ساتھ واقع ہوئے ہیں بعد کو مولانا فریدیؒ کے ایک سرٹیفکیٹ میں انکی تاریخ ولادت ۶ ستمبر ۱۹۱۱ء ملی جو ۱۲ رمضان ۱۳۲۹ھ کے مطابق ہے۔

۴۔ ص۹۵ پر مولانا فریدی کے سفر حیدر آباد کا سنہ ۱۹۶۸ء لکھا ہے یہ ۱۹۶۹ء ہونا چاہیئے۔

۵۔ اُن کی وفات ۵ ربیع الاول کو ہوئی اور تدفین ۶ ربیع الاول کو مجھے تسامح ہوا کہ دفن کی تاریخ کو تاریخ وفات بنا دیا۔

(نثار احمد فاروقی)

سالانہ چندہ ماہنامہ الفرقان

اندرونِ ملک ——————— ۴۵/=

فریدی نمبر سے اجرا کی صورت میں مع رجسٹری فیس ——————— ۵۰/=

بیرونی ممالک { بحری ڈاک ——————— ۱۴۰/= یا 6/= £
ہوائی ڈاک ——————— ۲۵۰/= یا ۱۱/= £ }

بنگلہ دیش ——————— ۵۰/= پاکستان ——————— ۱۰۰/=

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

اِدارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

تبلیغی جماعت
جماعتِ اسلامی
اور بریلوی حضرات

از: مولینا محمد منظور نعمانی

اس میں مندرجہ ذیل مضامین پڑھیے:

(۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت، بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق سی، آئی، ڈی کے ایک افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہونگے (۳) مولینا ابو الاعلیٰ مودودی کا ایک مضمون جو انھوں نے "جماعتِ اسلامی" قائم کرنے سے قریبًا دو سال پہلے تبلیغی جماعت کے اس وقت کے میدانِ عمل علاقہ میوات کا دورہ کرنے کے بعد اپنے رسالہ "ترجمانُ القرآن" میں لکھا تھا، اس مضمون میں انھوں نے اپنا یہ تاثر قلم کے پورے زور کے ساتھ ظاہر کیا تھا کہ اس زمانے میں احیاءِ دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہے جو حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اختیار فرمایا ہے (جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے) جن لوگوں کے دلوں میں دین کی خدمت کا سچا جذبہ ہو ان کو اسی طریقہ پر کام کرنا چاہیے۔ یہ پورا مضمون جو کتاب کے بیس صفحات پر آیا ہے خاص طور سے قابل مطالعہ ہے۔ (۴) "تبلیغی جماعت" پر "جماعت اسلامی" کے حضرات کی طرف سے کئے جانے والے اعتراضات کا جواب۔ (یہ بہت اہم مضمون کتاب کے ۳۶ صفحات پر ہے)۔ (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ، اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت

* ۸۸ صفحات * اعلیٰ کاغذ * معیاری کتابت وطباعت * قیمت: 8-00

ناشر: الفرقان بکڈپو، ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226018 (INDIA)
Phone : 45547

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 57 No. 9
September, 1989

Only Cover Printed at : S. J. Press, Lucknow-7

جلد: ۵۷ — شمارہ: ۱۰

سرپرست: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر: خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

قیمت: ۴/۵۰

فہرست

نمبر شمار	فہرست مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر

اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ماہ صفر و ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہِ کرم آئندہ کے لئے سالانہ چندہ فوراً ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی۔پی روانہ کیا جائیگا۔

ہمارا پتہ : منیجر ماہنامہ الفرقان، نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸ (یوپی) الہند

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے اسکائی لائن پرنٹرس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

نگاہِ اوّلیں

آج کل ہر طرف جلسہائے سیرت کی تیاریاں چل رہی ہیں، ہمارا شہر لکھنؤ بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے ــــ ایک جلسہ کے لئے اس ناچیز مدیر الفرقان کو مدعو کیا گیا، اس نے جواب میں منتظمین جلسہ کو جو خط لکھا، مناسب سمجھا گیا کہ اسے افادۂ عام کے لئے الفرقان میں شائع کر دیا جائے ــــ
ذیل میں وہی خط ملاحظہ فرمایا جائے ــــ مدیر

ہر سال اِن دنوں میں اس خاکسار کو ایک امتحان سے گذرنا پڑتا ہے، ملک کے مختلف علاقوں کے جلسہ ہائے سیرت میں شرکت کے لئے دعوت نامے آتے ہیں اور کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ دور دراز کے علاقوں کے لوگ پہلے سے خط وکتابت کئے بغیر دعوت دینے ہی کی غرض سے سفر کر کے لکھنؤ آجاتے ہیں اور ان کی زحمت اور اصرار کی وجہ سے معذرت کرتے ہوئے طبیعت پر بہت بوجھ پڑتا ہے ــــ اگرچہ گذشتہ چند سالوں کے تجربے نے "تنگ نظروں" اور "بدذوقوں" کی فہرست میں ہمارا نام بھی درج کرا دیا ہے، تاہم دس بیس مقامات سے بہت زوردار بلاوے موصول ہو ہی جاتے ہیں، البتہ اتنا فرق ہوا ہے کہ ہم لوگوں کے معاملے میں اس پہلو پر خاص زور دیا جاتا ہے جس کی طرف آپ نے بھی اشارہ فرمایا ہے یعنی یہ کہ ــــ "ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے جلسے کا مزاج دعوتی بن جائے اور وہ ایک روایتی جلسۂ سیرت بن کر نہ رہ جائے۔"

ہم اور آپ ایک ہی شہر میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے مزاج سے واقف بھی ہیں، اور الحمدللہ کہ ہمارے آپ کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے خلوص ومحبت اور قدر واعتماد موجود ہے اس لئے دل چاہا کہ بے تکلف اس سلسلے میں اپنے دل کی کچھ باتیں عرض کروں، شاید کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے لئے انھیں مفید بنا دے، چاہے ان کا نفع آج کے بجائے کل ظاہر ہو۔

دل کے حال سے تو اللہ واقف ہے لیکن جہاں تک اس خاکسار کا اندازہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے پراگندہ حال اُمّت مسلمہ کی زبوں حالی اور اس کو درپیش پیچ در پیچ مسائل کے سلسلے میں درد و فکر کی دولت اور کچھ کر گذرنے کا جذبہ عطا فرما رکھا ہے، چھوٹا منھ بڑی بات ہے لیکن کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اگر آپ جیسے فعال متحرک اور سلیقہ مند لوگ اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں مستقل مزاجی کے ساتھ منظم طریقے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اصولوں پر دین اور اُمت کی خدمت کے عظیم میدان میں استعمال کرنا شروع کردیں تو اپنی ذات کے اندر بھی ایمان کی طاقت بڑھے تقویٰ اور توکل اور انابت وخشیت اور آخرت کا استحضار جیسی اہم اور بنیادی صفات میں ترقی واستحکام ہو، اور اُمّت کے ہزاروں لاکھوں افراد کے لئے دین پر جمنا اور دوسروں کو دین پر لانا بھی آسان ہو اور کچھ ہماری آیندہ نسلوں کے صحیح تعلیم وتربیت کا نظام بھی قائم ہو اور پھر دین کے تمام شعبوں کو فروغ ہو۔

جس مبارک ہستی کی سیرت کے عنوان پر ہم یہ مجلسیں منعقد کرتے ہیں اسکی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے بالکل صفر سے کام شروع کر کے وہاں تک پہنچایا جہاں تک نہ اس سے پہلے کام پہنچ سکا نہ آئندہ کبھی پہنچ سکے گا لیکن افسوس ہے کہ ہم اس پہلو پر شاید بالکل غور نہیں کرتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہاں سے کام شروع کیا اور پھر کس ترتیب کے ساتھ اور کن مرحلوں سے گذرتے ہوئے آپ نے اپنے کام کو مکمل کیا، ہمارے کان بار بار یہ سنتے ہیں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج سے لے کر دنیاوی زندگی کے تمام شعبوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پابندی ضروری ہے لیکن دین کی نصرت

خدمت' اور حق کی اشاعت اور باطل کو مٹانے کی جدوجہد، بچھڑے ہوؤں کو اللہ کی طرف واپس لانے کی کوشش اور علم و ایمان اور جذبۂ اطاعت کو عام کرنے کی محنت کے سلسلے میں آپ نے جو اصول قائم فرمائے اور جو ابدی اور فطری ہدایات دیں اور عملی طور پر جو طریقۂ کار اور جو ترتیب برت کر دکھائی' نہ ہم کبھی اس کا مذاکرہ کرتے ہیں اور نہ اس بات کا کہ ان چیزوں میں بھی ہم آزاد نہیں ہیں بلکہ ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین ہونے کی حیثیت سے تمام انبیاء و رسل سے زیادہ تفصیل اور اہتمام کے ساتھ اِن اصولوں کو قولاً و عملاً بیان فرمایا ہے اور ان کوششوں کی کامیابی کی ایک اہم شرط ان اصولوں کی حتی الامکان پابندی بھی ہے ــــــ بلکہ ان اصولوں پر عمل کرنے کے نتیجہ میں جو کامیابی اور جو خیر و برکت ظاہر ہوتی ہے وہ بھی دراصل ثمرہ ہوتی ہے' اِن اصولوں اور سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مابین قائم شدہ نسبت و تعلق کا۔ ؏

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں، ایک صاحب مدینہ منورہ آئے، اور بظاہر ان کی یہ آمد ہجرت ہی کے سلسلہ کی تھی۔ مگر آپؐ پر کسی ذریعہ سے منکشف ہو گیا کہ اِن صاحب کے مدینہ آنے کا اصل مقصد دین کی راہ میں ہجرت و قربانی نہیں ہے' بلکہ ایک اور ذاتی مقصد ان کے اس سفر کا اصل محرک ہے' آپ نے بڑی شفقت مگر پوری صراحت کے ارشاد فرمایا! انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری ما نوی ..... (اعمال کے نتیجہ کا سارا انحصار اس اندرونی جذبہ اور مقصد پر ہوتا ہے جو اس عمل کا اصل محرک ہوتا ہے اور آدمی جو کام کرتا ہے اسکے نتیجے میں صرف وہی چیز اسے حاصل ہوتی ہے جو اسکے دل میں اس عمل سے حقیقۃً مقصود ہوتا ہے۔)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں ایک بہت اہم حقیقت منکشف فرمائی ہے۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جو چیز اس کے دل میں اصل مقصود کے طور پر جاگزیں ہوتی ہے وہ اپنی تمام ذہنی، قلبی، روحانی، عملی قوتیں اسی چیز کے پانے میں مرکوز کر دیتا ہے۔ اور پھر تقدیر خداوندی کے مطابق وہی چیز انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ بس اگر

کچھ لوگ کسی علاقے میں کوئی ایسا اجتماع کریں جس سے ان کا مقصد صرف اور صرف یہ ہو کہ اس علاقے کے مسلمانوں کے اندر رجوع الی اللہ کی کیفیت آجائے اور دین کی ضرورت وعظمت اور اس سلسلے میں اپنی کوتاہی وپسماندگی کا احساس ان میں اس طور پر آجائے کہ وہ اپنی اس کمی کو دور کرنے کے لئے مقدور بھر کوشش کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو اسی اصول کے مطابق بقدر ہمت ومحنت یہ مقصود حاصل ہوتے لگتا ہے اسی طرح اگر کوئی جلسہ بچوں کی حوصلہ افزائی اور تعلیم وتربیت یا کسی ادارے کے تعارف کے مقصد سے ہوتا ہے تو کسی نہ کسی درجہ میں یہ نتائج بھی حاصل ہوجاتے ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا تذکرہ آپ کے بتائے ہوئے نہایت بنیادی اہمیت کے حامل اصولوں کی ایک مثال کے طور پر کیا ہے اور اس سے میرا مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ جن محنتوں سے اچھے نتائج ظاہر ہورہے ہیں وہاں سے نتائج کے ظاہر ہونے کے اور جہاں سے نتائج ظاہر نہیں ہوپا رہے وہاں سے نتائج ظاہر نہ ہونے کے پیچھے اسباب وعوامل کا ایک پورا سلسلہ ہے۔ اور مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ پہلی قسم کی محنت میں لگے ہوئے لوگوں کو دوسری قسم کی کوششوں میں گھسیٹا جائے اور یہ امید کی جائے کہ ان کی ایک تقریر سے آوے کا آوا بدل جائے گا اور ایک دم سے اچھے نتیجے برآمد ہوجائیں گے، بلکہ ضرورت اِسکی ہے کہ سنجیدگی سے آمد وخرچ کا جائزہ لیا جائے اور اللہ ورسولؐ کے بتائے اصولوں کے مطابق ہی کام کرنے کا عزم کیا جائے، خدا کرے کہ پہلی قسم کی محنت میں لگے ہوئے لوگ بھی یہ کبھی نہ بھولیں کہ جو اچھے نتائج ظاہر ہورہے ہیں وہ ان کے کسی کمال یا ہنر کی وجہ سے نہیں ظاہر ہورہے بلکہ یہ صرف اُس محنت کے اصولی اعتبار سے صحیح اور مقبول ہونے کا نتیجہ ہے جس سے وابستگی کا شرف ہزار حجابات ظلمانی ونورانی کے باوجود اللہ تعالےٰ نے انھیں عطا فرمادیا ہے، انھیں ہمیشہ اس پر دل سے اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے کہ اب وہ ایک ایسی عالمی برادری کے فرد ہیں جس کی جڑیں بہت مضبوط اور جس کی شاخیں مشرق سے مغرب تک اور عرب سے عجم تک پھیلی ہوئی ہیں لہذا انھیں اب پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی توجہ، قربانی کی مقدار کو بڑھانے اور اپنی اندرونی اصلاح وتکمیل کی

طرف مرکوز رکھنی چاہیئے، اگر اس مرحلہ پر بھی وہ کسی قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہوئے تو یہ کم ہمتی اور ناقدری کی علامت ہوگی جو اللہ کو پسند نہیں۔

میرے محترم دینی بھائی! خدا کے لئے سوچئے کہ اسلام اور اُمّت کو اس زمانے میں جن فتنوں کا سامنا ہے اور جس طرح کفر و شرک پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے ان حالات میں کیسی مسلسل اور منظم اور خالص علمی جد و جہد کی اِس وقت ضرورت ہے دین کے جتنے بھی شعبے اس وقت ہمارے اور آپ کے سامنے ہیں اُن سب کیلئے جس مستقل مزاج، مخلص اور وفادار عملے کی ضرورت ہے کیا اسکی تیاری کا کام ان وقتی تقریبات سے انجام پا سکتا ہے؟ بلکہ مجھے تو یہ بھی اندیشہ ہے کہ یہ جو ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان وقتی ہنگاموں کیلئے جان مال اور وقت سب کچھ قربان کر دیتا ہے لیکن صبر و استقلال کے ساتھ منصوبہ بند طریقے پر قربانی دینے کا مزاج عام طور پر عنقاء ہو گیا ہے، کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ ہم ہی نے انکی عادت وقتی تقریبات میں بار بار ان کو استعمال کر کے بگاڑ دی ہو؟! جو لوگ دور تک کے حالات پر نظر رکھتے ہیں، اور امت سازی کی طویل اور صبر آزما محنت میں لگے ہوئے ہیں اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ فی الحال تمام وقتی ہنگاموں سے جن میں فطری طور پر توجہ اور صلاحیت بٹ جاتی ہے، عام مسلمانوں کو مکمل طور پر پرہیز کرانے کی ضرورت ہے تو وہ بالکل صحیح کہتے ہیں۔

ایک بات اور اس سلسلہ میں قابل غور ہے ــــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور مسجد نبوی میں نماز باجماعت کا آغاز ہوا تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ نماز کے اوقات میں لوگوں کو مسجد میں جمع کرنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے، اس مسئلے پر مشورہ کیلئے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو لے کر بیٹھے تو تین مختلف رائیں آئیں، کچھ لوگوں نے کہا کہ گھنٹہ بجایا جائے، کسی نے ناقوس کی رائے دی اور کسی نے آگ روشن کرنیکی یہی تینوں طریقۂ کار یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے یہاں اپنی عبادتگاہوں میں اپنے اہل مذہب کو اکٹھا کرنے کے لئے رائج تھے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں میں سے کسی رائے کو قبول نہیں فرمایا، دیر تک غور و خوض کے باوجود جب کوئی اور تدبیر سمجھ میں نہیں آئی تو آپ نے مجلس برخاست کر دی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اسکی فکر لے کر اپنی

م گاہوں پر چلے گئے، رات میں اللہ تعالےٰ نے متعدد صحابہ کرام کو رویاء صالحہ میں اذان سکھائی
نھوں نے صبح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی آپ بیتی سنائی اور اس
نا سے اذان کا طریقہ مشروع ہو گیا۔

مجھے یہاں پر اس واقعہ کے ضمن میں یہ عرض کرنا ہے کہ جبتک منجانب اللہ کوئی رہنمائی نہیں تھی
س وقت تک نماز کے لئے جمع کرنے کے طریقۂ کار کے بارے میں رائے مشورے کی پوری گنجائش تھی
یکن خداوندی رہنمائی اور تشریح کے بعد اس بارے میں رائے مشورے یا غور و خوض کی ذرہ برابر
نجائش نہیں رہی بلکہ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جس طرح وہ تینوں رائیں دوسری قوموں میں
ج طریقۂ کار سے متاثر پر مبنی تھیں اور اسی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبول
ہیں فرمایا اسی طرح آج بھی خام انسانی ذہن جب دین کی خدمت کے مختلف تقاضوں کو
وچتے ہیں تو اکثر جو شکلیں انکے ذہن میں آتی ہیں ان میں غیروں کے طریقوں کا تاثر چھپا
ہوتا ہے اگرچہ اہلِ بصیرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اس طرز پر سوچنے
الوں کو طعن و ملامت کا ہدف نہیں بناتے لیکن آپؐ ہی کے اسوہ کا اتباع کرتے ہوئے
یسی تجویزوں کو قبول بھی نہیں کرتے اس لئے کہ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ جس طرح اس امت
ی عبادت خداوندی کے الگ طور طریقے دیئے گئے ہیں اسی طرح دعوت کی پکار اور دعوتی
دوجہد کے لئے الگ الفاظ، الگ نظام اور مستقل نصاب بھی عطا کیا گیا ہے۔

میری واحد تمنا یہی ہے کہ آپ جیسے حضرات زیادہ غور و فکر کر کے اپنے لئے ان میدانوں
و منتخب فرمائیں جن میں زیادہ سے زیادہ اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے ابدی
صولوں کی پابندی کی کوشش کی جا رہی ہو اور پھر اپنے اندر اور باہر کی دنیا میں اس کے
وزافزوں فوائد کا خود مشاہدہ اور تجربہ کریں۔

آخر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ کی اور آپ کے رفقاء کی جو قدر و محبت دل میں
ہے اسی نے اس جسارت پر آمادہ کیا —— آپ سب کی دعاؤں کا محتاج اور سائل
وں، اللہ تعالےٰ ہم سب کو ہدایت تامہ عطا فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

گاہے گاہے باز خواں

صاحب قرآن اور قرآن

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

گاہے گاہے باز خواں کے عنوان کے تحت وقتاً فوقتاً ہم الفرقان کی پرانی فائلوں میں شائع شدہ مضامین پیش کرتے رہتے ہیں، عام طور پر قارئین اس سلسلہ کو بہت پسند کرتے ہیں۔

پیش نظر مضمون دراصل حضرت مولانا نعمانی دامت برکاتہم کی کتاب "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" — کا مقدمہ ہے جو انھوں نے اس کتاب کے انگریزی ایڈیشن کی اشاعت کے موقع پر خاص کر انگریزی خواں حضرات کیلئے لکھا تھا۔ بعد میں اصل اردو ایڈیشن میں بھی اسے بطور مقدمہ شامل کر دیا گیا۔ ماہ ربیع الاول کے موقع پر ہم یہ مضمون قارئین الفرقان کی خدمت میں دوبارہ پیش کر رہے ہیں — ادارہ

یہ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے کہ اب سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں پوری انسانی دنیا نورِ ہدایت سے محروم اور روحانیت و اخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی یورپ پر قرون وسطیٰ کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، ایران اور اس کے زیر اثر ملکوں میں مزدکیت کا دور دورہ تھا جس نے اخلاق و شرافت کی حدود کو درہم برہم کر کے انسانوں کو حیوان بنا دیا تھا، ہندوستان پورانک عہد کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا، یہاں ایک طرف تو جمادات و حیوانات بلکہ سانپوں تک کی پرستش ہوتی تھی اور دوسری طرف بیچارے ان انسانوں کے ساتھ جن کو نسلی اور پیدائشی طور پر اچھوت قرار دیا گیا تھا حیوانوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا، وہ انسان ہونے کے باوجود انسانی حقوق سے محروم تھے جس کے کچھ اثرات اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود اب تک بھی باقی ہیں — کم و بیش یہی حال انسانیت کی پستی اور انسانوں کی بے راہ روی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے ان دوسرے ملکوں کا بھی تھا جن کی تاریخ معلوم ہے۔

پھر ان سب کے گویا قلب میں جزیرہ نمائے عرب تھا جو یورپ ایشیا اور افریقہ کے مقام اتصال پر واقع تھا، اور اسی لئے پرانے زمانے میں اُسے "دنیا کی ناف" کہا جاتا تھا، یہ بھی اس دور میں خداوندی ہدایت

اور تعلیم و تہذیب کی روشنی سے یکسر محروم تھا، تاریکیوں اور گمراہیوں کے بادل تہہ بہ تہہ چھائے ہوئے تھے، ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار دیویوں، دیوتاؤں اور ان سے نسبت رکھنے والی پتھر کی مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی، اُن کے لئے انسانوں تک کی قربانی دی جاتی تھی، شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے خدا کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، وہ ایک بڑا بت خانہ بن گیا تھا، پورے ملک میں جنگل کا قانون چالو تھا، کوئی حکومتی نظام بھی نہ تھا، انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، سنگدلی اور قساوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود اپنے نومولود بچوں کو گڑھا کھود کے زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے، بے شرمی اور بے حیائی کا یہ حال تھا کہ بہت سے لوگ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، بعض قبیلوں میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کی بیوہ بیوی کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا اور یہ گویا اُس کا حق تھا ــــ اخلاق و روحانیت کی اس تباہی کے علاوہ دنیا بھی برباد تھی، بہت بڑی تعداد ایسے غریبوں کی تھی، جو غربت و افلاس کی مجبوری سے زمین کے کیڑے مکوڑے اور مردار تک کھا لیتے تھے۔

پوری انسانی دنیا کے اور خاص کر ملک عرب کے یہ حالات تھے کہ اب سے ٹھیک چودہ سو (۱۴۰۰) سال پہلے عرب کے مرکزی شہر مکہ میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ ہی کی نسل کے ایک معزز قبیلۂ قریش کے ایک شریف گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا ــــ یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا یعنی ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا، اور بیوہ ماں ہی نے اس کو پالا، عمر کا چھٹا سال تھا کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، تو دادا عبدالمطلب نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا، اس کے دو ہی سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آٹھ سالہ بچہ کو چچا ابو طالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

اس بچہ کا نام "محمد" رکھا گیا تھا جس کے معنیٰ ہیں، وہ ذات جو اپنی صفات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی قابلِ تعریف ہے۔

چونکہ عربوں میں اس زمانہ میں تعلیم کا رواج نہیں تھا، اس لئے آپ بھی اُمّی یعنی نوشت و خواند سے بالکل ناآشنا رہے ــــ لیکن فطرت کی سلامتی اور رُوح کی پاکیزگی جو خدا کا خاص عطیہ تھا اس کی وجہ سے اس انتہائی فاسد ماحول میں بھی آپ کی زندگی نہایت معصومانہ اور شریفانہ رہی۔

جب سن شعور کو پہنچے تو کسب معاش کی فکر ہوئی تاکہ چچا ابو طالب پر (جن کے خود بھی کافی اولاد تھی) بوجھ نہ پڑے، تجارت خاندانی پیشہ تھا، اسی کا اپنے لئے انتخاب کیا لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا ذاتی کاروبار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے اپنی محنت دوسروں کے سرمایہ کے ساتھ لگا کر کام شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں معاملات میں آپ کی امانت و دیانت، سچائی اور نیک کرداری کی شہرت ہو گئی، اور آپ کا لقب ہی "امین" پڑ گیا، جس نے آپ کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا اس نے آپ کو ایک فرشتہ صفت انسان اور بالکل نئے قسم کا ایک پاکباز تاجر پایا، اور وہ متاثر ہوا۔

مکہ میں قریش ہی کے قبیلہ میں خدیجہ ایک دولت مند بیوہ خاتون تھیں جن کا اپنا کاروبار بھی تھا، اور دوسروں کو سرمایہ دے کر بھی وہ تجارت کراتی تھیں، بڑی صاحب فراست اور نیک فطرت خاتون تھیں، اُن سے بھی آپ کا کچھ کاروباری واسطہ پڑا تھا ــــــ وہ اگرچہ صاحب اولاد تھیں اور اُن کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی اور آپ کی عمر ابھی صرف پچیس سال ہی کی تھی اس کے باوجود انھوں نے آپ سے نکاح کرنا چاہا اور یہ نکاح ہو گیا۔

اس نکاح کے بعد آپ کو اپنے معاشی مسئلہ کی زیادہ فکر نہیں رہی تو آپ زیادہ وقت خلق اللہ کی خدمت خاص کر غریبوں، آفت رسیدوں اور ضرورت مندوں کی امداد و اعانت اور علاقہ میں امن و امان کی فضا قائم کرنے پر صرف کرنے لگے ــــ زندگی اسی طرح چل رہی تھی اور آپ کی معصومانہ سیرت، نیک روی، غربا نوازی اور خدمت خلق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عام طور سے آپ کی عظمت اور محبت پیدا ہو گئی تھی اور اس طرح پوری قوم کی غیر رسمی سرداری آپ کو حاصل تھی کہ عمر کے چالیسویں سال میں آپ کے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی، دل میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ گھر سے اور آبادی سے دور، سب سے الگ بالکل تنہائی میں عبادت اور دعا و مناجات کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کریں ــــ مکہ سے قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی پہاڑی ہے جس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چند چٹانوں سے گھرا ہوا ایک قدرتی غار ہے جو آج بھی غار حرا کے نام سے معروف ہے آپ ایک ہفتہ کے لئے صرف زندگی کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے اور بالکل یکہ و تنہا اس غار میں رہتے، ہفتہ میں ایک دفعہ گھر آتے اور پھر اسی طرح کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہیں چلے جاتے اور سارا وقت توجہ الی اللہ اور تفکر و عبادت میں گزارتے۔

اگرچہ اس وقت خدا کی ذات وصفات کی وہ معرفت آپؐ کو حاصل نہیں تھی جو بعد میں وحی الٰہی سے حاصل ہوئی، اسی طرح طریق عبادت کی بھی کوئی خاص تعلیم آپ کو نہیں ملی تھی لیکن کسی طالب کو جس کی فطرت سلیم، روح پاکیزہ اور دل نورانی ہو جس درجہ کی خدا کی مجمل معرفت و محبت اور اس کی رضا جوئی اور حصول قرب کا شوق پیدا ہوجانا چاہئے، وہ یقیناً آپؐ کو حاصل تھا، اور اپنے قلبی داعیہ کی رہنمائی کے مطابق آپؐ خدا کی عبادت اور اس کے حضور میں دعا کرتے تھے یہ سلسلہ کئی مہینہ اسی طرح جاری رہا۔

اسی زمانہ میں ایک نئی کیفیت آپؐ میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ آپؐ بکثرت خواب دیکھنے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ اگلے دن واقعہ کی شکل میں سامنے آجاتا، لیکن آپؐ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار و اعلان بالکل نہ کرتے —— یہ عالم بالا کے ساتھ آپؐ کے روحانی رابطہ کا آغاز تھا اور شروع ہونے والے دن کی صبح صادق تھی

اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک دن جب کہ غار حرا کے اس مجاہدہ اور اعتکاف کے تسلسل پر چھ مہینے گزر چکے تھے، آپ غار حرا سے اس غیر معمولی حالت میں گھر آئے کہ رنگ پیلا تھا جیسا کہ کسی سخت دہشت زدہ انسان کا ہوجاتا ہے اور جسم پر لرزہ کی سی کیفیت طاری تھی آپ آتے ہی پڑ گئے اور گھر والوں سے فرمایا "مجھے موٹے کپڑے اڑھا دو، مجھ پر موٹے کپڑے ڈال دو (زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ) پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو بیوی خدیجہ کے دریافت کرنے پر غار میں خدا کے فرشتے کا ظاہر ہونا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور اس کا کلام پڑھوانا اور اس سلسلہ میں جو کچھ پیش آیا تھا، اور آپؐ کے قلب اور روح پر اس کا جو غیر معمولی بوجھ پڑا تھا وہ سب آپؐ نے بیان کیا، اور بتلایا کہ میری یہ حالت اُس کے اثر سے ہے —— خدیجہ جو بڑی صاحب فراست خاتون تھیں انھوں نے پہلے تو خود آپؐ کو تسلی دی کہ آپ جیسے نیک اور سب کے کام آنے والے بندہ کے ساتھ اُس کا خدا جو کچھ کرے گا وہ بہتر ہی ہوگا، اس کے بعد وہ آپ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو بہت بوڑھے تھے، آنکھوں سے بھی معذور ہوچکے تھے، انھوں نے بہت پہلے اپنی بت پرست قوم کے کیش و مذہب کو چھوڑ کے نصرانیت اختیار کرلی تھی، وہ قدیم آسمانی کتابوں تورات و انجیل کے اچھے عالم بلکہ مترجم بھی تھے، انھوں نے غار حرا کا واقعہ سن کر یقین کے ساتھ کہا کہ تمھارے پاس جو فرشتہ آیا تھا، یہ اللہ کا وہی خاص فرشتہ ہے جو پیغمبروں کے پاس خدا کا کلام و پیام اور اس کے احکام لایا کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے تم کو منصب نبوت

پر فائز کیا ہے' اور پیغمبری کا کارِ عظیم تمھیں سپرد کیا جائے گا اور سن لو تمھاری قوم تمھاری دشمن ہو جائے گی اور تم کو جلاوطن کر دے گی، پھر بوڑھے ورقہ نے حسرت سے کہا کہ کاش میں اس وقت زندہ و توانا ہوتا اور تمھارا ساتھ دے سکتا!

بس یہاں سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دورِ نبوت کا آغاز ہوا۔

آپؐ کا اب تک حال یہ تھا کہ اپنی ذات سے معصوم فطرت اور خادمِ خلق تھے لیکن خاموشی پسند تھے' اس دور میں عربوں میں شعر و سخن سے دلچسپی عام تھی لیکن آپؐ نے اس میں بھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی' نہ قوم کے سامنے کبھی خطیب اور مقررین کے کھڑے ہوئے' کبھی مصلحانہ حیثیت سے بھی کسی تحریکیت اور ہنگامہ خیزی کا آپ سے ظہور نہیں ہوا' حتیٰ کہ قوم کی حد سے گزری ہوئی بداخلاقی و بے راہ روی کی اصلاح کے لئے بھی آپؐ نے کوئی تحریک کھڑی نہیں کی اور کوئی پلیٹ فارم نہیں بنایا، وحی و رسالت' قیامت و آخرت اور دین و شریعت کے موضوع پر بھی اس پورے چالیس سال میں کبھی آپؐ سے کچھ نہیں سنا گیا، اگلے پیغمبروں اور ان کی امتوں کے سبق آموز واقعات کا بیان بھی آپؐ کی زبان پر کبھی نہیں آیا، سیاسیات و عمرانیات، معاشیات و اقتصادیات کے بارے میں بھی اس پورے عرصہ میں اپنی قوم کو آپؐ نے کوئی رہنمائی نہیں دی' الغرض چالیس سال کی عمر تک آپؐ کی زندگی کا ان باتوں سے کوئی ادنیٰ تعلق ظاہر نہیں ہوا، اور کسی نے کوئی ایسی بات آپؐ سے نہیں سنی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ آپؐ ان مسائل کی الف ب سے بھی واقف و باخبر ہیں۔

لیکن عمر کے اکتالیسویں سال میں غارِ حرا کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اچانک آپؐ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا ہو گیا، گویا آپؐ کے قالب میں ایک دوسری روح آ گئی' اور آپ ایک بالکل دوسری قسم کے انسان بن گئے اب آپؐ کی خاموشی ٹوٹ گئی اور اپنی قوم سے آپؐ نے کہا کہ مجھے خدا نے وحی و الہام سے نوازا ہے اور اپنی پیغمبری کی خدمت میرے سپرد کی ہے' جیسے کہ کبھی پہلے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ، اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور پھر موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو سپرد کی تھی۔

آپؐ نے قوم کو بتایا کہ وہ خدا میرا اور تمھارا اور ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے' ہر نقص سے پاک اور عظمت و کمال کی ساری صفات کا جامع ہے' صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے' میری تمھاری اور سب کی موت و حیات اُسی کے قبضہ میں ہے' ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں ہے' کسی دوسرے کی یہ شان نہیں ہے' اس کے سوا جن بتوں اور دیویوں' دیوتاؤں کی پوجا

کی جاتی ہے اور جن کو حاجت روا سمجھا جاتا ہے اُن کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں ہے ان کی عبادت اور اللہ کے سوا کسی مخلوق کی بھی عبادت بہت بڑا گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے اس لئے صرف ایک خدا کی عبادت کرو جو معبود برحق ہے اسی سے لو لگاؤ، اس سے بھرپور محبت کرو اور اس سے بہت زیادہ ڈرو، یہ حکم میرے لئے بھی ہے اور تم سب کے لئے بھی!

آپؐ نے قوم کو یہ بھی بتایا اور اُن کے دلوں میں اس کا یقین اتار دینے کی پوری کوشش کی کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں ہمیشہ نہیں رہے گی جس طرح ہر پیدا ہونے والا آدمی اپنی مقررہ زندگی پوری کر کے مر جاتا ہے اسی طرح یہ پوری دنیا بھی ایک وقت خدا کے حکم سے فنا کر دی جائے گی، وہ قیامت کا دن ہوگا، پھر خدا ہی اپنی قدرت سے سب کو دوبارہ زندگی بخشے گا، اور ایک دوسرا عالم برپا ہوگا، یہ آخرت کا عالم ہوگا جس میں سب کو اپنے کئے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی جنھوں نے دنیا میں خدا کو اور خدا کے احکام کو مان کر پاکبازی اور نیک کرداری کی زندگی گزاری ہوگی، ان پر خدا کی رحمت ہوگی اور ان کو بھرپور لذتوں اور مسرتوں والی زندگی عطا فرمائی جائے گی اور اس کے برعکس جنھوں نے اس دنیا میں اپنے خالق و پروردگار کو بھلا کر اور اس کے احکام سے بے پروا اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر مجرمانہ زندگی گزاری ہوگی وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

پھر آپؐ نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بندوں پر اللہ کے حقوق اور بندوں پر دوسرے بندوں کے حقوق اور اعمال صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی بھی قوم کو تعلیم و تلقین کی اور فواحش و منکرات اور بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے منع بھی فرمایا، اور اس کے برے انجام سے ڈرایا۔

اسی طرح آپؐ نے قوم کو خرید و فروخت، تجارت و سوداگری اور مالی لین دین اور محنت و مزدوری وغیرہ کے بارے میں بھی خدا کی ہدایات پہنچائیں اور بتایا کہ ان میں یہ طریقے صحیح و جائز اور یہ غلط و ناجائز ہیں کھانے پینے کے بارے میں بھی آپؐ نے بتایا کہ یہ چیزیں خدا نے حلال اور یہ حرام قرار دی ہیں پھر آپ نے ان باتوں کو صرف بتا کے اور بیان کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ یہی آپ کی زندگی کا مشن ہو گیا اور ان سچائیوں کی دعوت اور اپنی قوم عرب کی اور پوری انسانی دنیا کی ہدایت کی فکر آپ پر اس طرح چھا گئی کہ اس سے الگ کسی چیز سے گویا کوئی دلچسپی نہیں رہی، دن رات اسی کی فکر اور جد و جہد میں مشغول رہتے اور اسی کے لئے اپنے خدا سے دعائیں کرتے۔

اس راستہ میں آپ نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، ماریں کھائیں، ذلتیں برداشت کیں، آپ کا اور آپ کے کنبہ کا طویل مدت تک بائی کاٹ کیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی بھی ناکہ بندی کی گئی لیکن آپ نے اپنی دعوت اور جدوجہد میں کوئی کمی نہیں کی، مخالفین سے کسی آویزش کے بغیر آپ امکان بھر اپنے کام میں اسی طرح لگے رہے اور ان کے لئے اللہ تعالےٰ سے اور زیادہ الحاح سے ہدایت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہے۔

قوم میں سے جن لوگوں کی روحوں میں نیکی کا جوہر اور حق کو قبول کرنے کی کم و بیش صلاحیت موجود تھی، وہ ایک ایک دو دو کرکے آپ کی سچائی سے متاثر ہوکر آپ کی دعوت کو قبول کرتے رہے اور پھر وہ بھی مکہ کے شرارت پسند عنصر کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے قریباً دس بارہ سال اسی طرح گزرے اس کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے باہر نکل جانے پر مجبور کردیا اور اس کا کوئی امکان نہیں رہا کہ مکہ میں رہ کر دینِ حق کی دعوت اور بندگانِ خدا کی ہدایت کی خدمت کا سلسلہ جاری رہ سکے تو آپ نے خدا کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنا مستقر اور اپنی دعوت وجدوجہد کا مرکز بنالیا، یہاں پہنچ کر کام اور زیادہ جذبہ اور محنت سے ہونے لگا اور خدا کے فضل سے دعوت قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدینہ میں آپ کے پیروؤں اور رفیقوں کی اجتماعیت سے ایک عجیب و غریب قسم کا حکومتی نظم و نسق بھی قائم ہوگیا —— اس حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، پولیس نہیں تھی، تھانیدار نہیں تھا، تحصیلدار نہیں تھا، جج نہیں تھا، منصف نہیں تھا، کوئی بھی عہدہ دار نہیں تھا، اور سب تھے یعنی حسبِ ضرورت ان عہدوں کے سارے کام ہوتے تھے، اور آپ کی دعوت کو قبول کرنے والے بندگانِ خدا محض اللہ کی رضا اور ثواب کے لئے بغیر کسی تنخواہ اور حکومتی منصب و لقب کے یہ ساری خدمات انجام دیتے تھے۔

نئے طرز کی اس حکومت نے جس کے مؤسس اور سربراہ نبی اُمّی حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تھے، دنیا کو عملی طور سے دکھا دیا کہ بغیر فوج اور خزانے کے بھی حکومت ہوسکتی ہے اور مقاصدِ حکومت بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام پاسکتے ہیں —— دشمن طاقتوں سے اس حکومت کی جنگیں بھی ہوئیں جو دنیا کے لئے مختلف پہلوؤں سے جنگوں کا بہترین نمونہ تھیں، اور جن سے بہت کچھ سبق سیکھا جاسکتا ہے، مخالف طاقتوں سے معاہدے بھی ہوئے، صلحیں بھی ہوئیں، اس حکومت نے اپنوں پر اور پرایوں پر ٹیکس بھی لگائے اور دنیا کو

دکھا دیا کہ ٹیکس کے بارے میں اچھی حکومتوں اور اُن کے عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد صرف دس سال آپ اس دنیا میں رہے اور اتنی تھوڑی مدت میں قریب قریب پورا ملک عرب آپؐ کے لئے مسخر ہوگیا اور آبادی کے بہت بڑے حصہ نے آپؐ کی دعوت ہدایت کو قبول کرلیا ہزارہا ہزار وہ آدمی جو پہلے خدا سے ناآشنا تھے آخرت اور جزا سزا کے تصور سے جن کا ذہن بالکل خالی تھا اور ساری عمر انتہائی گمراہیوں اور بداخلاقیوں میں گزاری تھی، وہ آپؐ کے فیضِ صحبت اور تعلیم و تربیت سے ایسے معیاری اور کامل انسان بن گئے کہ طویل انسانی تاریخ اُن کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے ـــــ افراد ہی نہیں بلکہ کامل انسانوں کی ایک پوری قوم پیدا ہوگئی جس کی مثال چشم فلک نے نہ اُن سے پہلے دیکھی تھی، نہ اس کے بعد دیکھی۔

یہ سب کچھ صرف دس۱۰ سال میں ـــــ اور مکہ کے ابتدائی دور کو بھی شامل کرلیا جائے تو قریباً قریباً بیس۲۰ بائیس۲۲ سال میں ـــــ ایک ایسے آدمی کے ذریعہ ہوگیا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ الف ب بھی نہیں جانتا تھا، اس کو اچھے مہذب اور دانشمند اور خدا پرست انسانوں کی کبھی صحبت بھی نہیں ملی تھی، اس کی زندگی میں چالیس۴۰ سال کی عمر تک (جو اندرونی جذبات اور رجحانات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے) کسی قسم کی ہنگامہ پسندی، تحریکیت اور کسی مہم کی قیادت کے جذبہ کی ادنیٰ سی جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جو نہ شاعر تھا نہ خطیب، نہ شاعروں یا مقرروں کی کوئی ٹیم اس کے ساتھ تھی، رسالوں اخباروں اور ریڈیو کا تو وہ زمانہ ہی نہیں تھا ـــــ تو سوچنے کی بات ہے کہ اتنا عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال یہ انقلاب اس آدمی کے ذریعہ کیسے ہوگیا؟

خدا کا وہ بندہ کہتا تھا کہ خود مجھ میں کچھ نہیں ہے، میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں، پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں ہوں ـــــ میں خدا کی ذات و صفات اور توحید وغیرہ کے بارے میں بیان کرتا ہوں قیامت و آخرت اور دوزخ و جنت کے بارے میں جو بتاتا ہوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو احکام دیتا ہوں، اور جو کچھ بھی تعلیم و تلقین کرتا ہوں یہ میرے اپنے فہم و فکر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ سب میرے اور تمھارے خدا کی طرف سے ہے، اس نے مجھے تمھاری ہدایت و خدمت کے لئے آلۂ کار اور وسیلہ بنالیا ہے ـــــ وہ ایک کلام پڑھ کر سناتا تھا، جو اس تعلیم و ہدایت کا سرچشمہ تھا، اس میں بلا کی تاثیر اور کشش تھی، اگرچہ وہ عربی زبان

میں تھا جو پوری قوم کی زبان تھی لیکن وہ بالکل نرالا کلام تھا، خود لانے والے (پیغمبر) کے کلام سے بھی بالکل ممتاز ـــــ اس کے دشمن بھی اس سے متاثر ہوتے تھے اور اس لئے اس کو "جادو" کہتے تھے ـــــ لیکن وہ کلام سنانے والا کہتا تھا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ خدا کا کلام ہے، اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے، یہ میرے لئے بھی اُس کا ہدایت نامہ اور حکم نامہ ہے اور تمھارے لئے اور ساری دنیا کے لئے بھی ـــــ یہ خدا کی آخری کتاب قرآن ہے۔

وہ قرآن آج بھی جوں کا توں محفوظ ہے، اور اس میں غور و فکر کرکے آج بھی سچائی کا ہر طالب یہ یقین حاصل کرسکتا ہے کہ ـــــ یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اس میں صفات الٰہی اور توحید جیسے مضامین کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، وہ یقیناً معرفت کا آخری نقطہ ہے جس تک خدا کی ہدایت و تعلیم کے بغیر کسی ذہین سے ذہین انسان کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی، اسی طرح حیات بعد الموت اور اس قسم کے دوسرے مشکل مسائل پر قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقیناً انسانی علم و فکر سے بہت آگے کی چیز ہے ـــــ پھر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں، جو زمانہ کی بڑی سے بڑی تبدیلیوں کے باوجود انسانوں کی رہنمائی کے لئے بالکل کافی ہیں، اُن کے بارے میں ہرگز نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ کسی انسان اور خاص کر محمد بن عبداللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) جیسے کسی اُمّی اور بالکل ناتعلیم یافتہ انسان کے فہم و فکر کا نتیجہ ہیں۔

الغرض قرآن خود ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ ہے اور اس کے لانے والے اور پیش کرنے والے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُس کے سچے رسول ہیں۔

امید ہے کہ اس کتاب "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے" کا مطالعہ اس سلسلہ میں آپ کا مددگار ثابت ہوگا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث

کتاب المناقب والفضائل (۲۲)

فضائل خلفاء اربعہ:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض ارشادات میں جس طرح ایک ساتھ شیخین حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان فرمائے اور جس طرح بعض ارشادات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر ایک ساتھ تینوں حضرات کے فضائل بیان فرمائے (جو اپنے موقعہ پر پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں) اسی طرح آپ نے اپنے بعض ارشادات میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر چاروں خلفاء کے فضائل ایک ساتھ بیان فرمائے ہیں، ذیل میں آپ کے ایسے ہی چند ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهُ زَوَّجَنِيْ إِبْنَتَهُ وَحَمَلَنِيْ إِلَى دَارِ الْهِجْرَةِ وَأَعْتَقَ بِلَالًا مِنْ مَالِهِ، رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَالَهُ صَدِيْقٌ، رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ، رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ ——— رواه الترمذی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابوبکرؓ پر، انھوں نے اپنی بیٹی

(عائشہ رض) کا میرے ساتھ نکاح کر دیا، اور دار الہجرہ مدینہ منورہ تک پہونچنے کے لئے میرے واسطے (سواری وغیرہ) سفر کے انتظامات کئے، اور بلال رض کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا، ـــــ اللہ کی رحمت ہو عمر رض پر، وہ حق بات کہتا ہے اگرچہ کڑوی ہو، اسکی اِس (بے لاگ) حق گوئی نے اِس حال میں کر چھوڑا ہے کہ کوئی اس کا سچا اور پورا دوست نہیں ـــــ اللہ کی رحمت ہو عثمان رض پر جس کا حال یہ ہے کہ فرشتے بھی اس سے شرماتے ہیں ـــــ اور اللہ کی رحمت ہو علی رض پر، اے اللہ! تو حق اور سچائی کو اس کے ساتھ دائر و سائر کر دے، وہ حق کے ساتھ رہے اور حق اس کے ساتھ" ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں چاروں خلفاء راشدین کیلئے رحمت کی دعا فرمائی، سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاء رحمت فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ ان کے تین اعمالِ خیر کا ذکر فرمایا، سب سے پہلے انکے اس عمل کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کر دیا ـــــ اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اگرچہ کم از کم آٹھ ازواج مطہرات آپ کی اور بھی ہوئیں لیکن حضرت عائشہ رض کے نکاح کی خاص اہمیت یہ تھی کہ آپ کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا وجود اُن کے کمالِ ایمان، ان کی فراست و دانشمندی اور بالخصوص ان کی وجہ سے خانگی ضروریات کی فکروں سے بے فکری اور آزادی حاصل ہو جانے کی وجہ سے حضور کے لئے باعثِ سکونِ خاطر تھا ـــــ ان کی وفات سے فطری طور پر آپ کو غیر معمولی رنج اور صدمہ تھا، اُس وقت عالمِ غیب کی طرف سے آپ کو اشارہ ملا کہ ابوبکر رض کی بیٹی عائشہ رض تمھاری رفیقۂ حیات ہونگی۔ اگرچہ وہ اس وقت بہت کمسن تھیں لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غیبی اشارہ کی بنا پر یقین فرمایا کہ یہ منجانب اللہ مقدر ہو چکا ہے، اور ان کی رفاقت حضرت خدیجہ رض ہی کی طرح میرے لئے خیر اور باعثِ سکونِ خاطر ہوگی، چنانچہ ایک نیک خاتون خولہ بنت حکیم نے حضرت ابوبکر رض کو حضور کی

طرف سے رشتے کا پیغام پہونچایا ـــــ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حضرت عائشہؓ اس وقت بہت کمسن تھیں، نیز ان کی نسبت جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے ہو چکی تھی جو ابو بکر ہی کی طرح مکہ کے خوشحال اور دولتمند لوگوں میں تھے ـــــ اور مالی حیثیت سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جو حال تھا وہ ابو بکرؓ کے سامنے تھا اس کے باوجود انھوں نے حضورؐ کی اس حالت کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اِس امید پر کہ یہ نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کے سکون کا ذریعہ بنے گا اپنی اور بیٹی کی سعادت سمجھ کر اسے قبول کر لیا اور حضرت عائشہؓ کا آپؐ سے نکاح کر دیا ـــــ بہر حال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مندرجہ بالا ارشاد میں حضرت ابو بکرؓ کے حق میں رحمت کی دعا کرنے کے ساتھ پہلے ان کے اِس احسان کا ذکر فرمایا اس کے بعد ان کے اِس دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لئے میرے واسطے انتظامات کئے اور پورے سفر میں میرے ساتھ رہے، آخر میں حضورؐ نے ابو بکر صدیقؓ کے اس تیسرے عملِ خیر کا ذکر فرمایا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو جو مکہ کے ایک انتہائی سنگدل کافر ومشرک کے غلام تھے وہ صرف حضورؐ پر ایمان لانے اور شرک چھوڑ کر توحید کو قبول کر لینے کی وجہ سے ان کو سخت لرزہ خیز تکلیفیں دیتا تھا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کے مالک کو منھ مانگے دام دیکر خرید لیا اور آزاد کر دیا ـــــ اگرچہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کے علاوہ بھی ایسے متعدد غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جن کو ان کے کافر ومشرک مالک صرف ایمان لانے کے جرم میں تکلیفیں دیتے تھے لیکن حضرت بلالؓ حبشی کی خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اِس ارشاد میں صرف انھیں کو خرید کر آزاد کرنے کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد آپؐ نے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور انکے اس خاص وصف کا ذکر فرمایا کہ وہ مخلوق کی رضامندی و ناراضی سے بے پرواہ ہو کر ہر معاملے میں حق بات کہتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کو کڑوی معلوم ہو، اور اس کی وجہ سے لوگ اُن سے دور اور ناراض ہو جائیں ـــــ معلوم ہوا کہ کسی بندہ کا یہ حال بھی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور ایسا بندہ اللہ کی

رحمت کا خاص طور سے مستحق ہے ـــــ حضرت عمرؓ کے بعد آپؐ نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس وصف کا ذکر فرمایا کہ اللہ کے فرشتے بھی ان سے شرماتے ہیں (اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اُن کے اس وصف کا ذکر گذر چکا ہے) ـــــ حضرت عثمانؓ کے بعد آپ نے چوتھے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! تو علیؓ کے ساتھ حق کو دائر و سائر کردے یعنی ہمیشہ وہ حق پر رہیں اور حق اُن کے ساتھ رہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جس ترتیب کے ساتھ اِن چاروں کا ذکر کیا اور ان کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اُس سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ کی امت میں یہ چاروں حضرات سب سے افضل اور بلند مرتبہ ہیں اور ان کے درمیان اسی ترتیب کے مطابق درجات کا فرق ہے، نیز اِس ترتیب سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے بعد یہ چاروں حضرات اسی ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے آپؐ کے خلیفہ اور جانشین ہونگے ـــــ اس کے علاوہ بھی آپؐ کے بہت سے ارشادات میں اسی ترتیب سے ان چاروں حضرات کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان سب احادیث سے بھی اشارہ ملتا ہے ـــــ ان میں سے چند حدیثیں ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں۔

عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَرْحَمُ اُمَّتِيْ بِاُمَّتِيْ اَبُوْبَكْرٍ وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ وَاَكْرَمُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَاَقْضَاهُمْ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ ـــــ رواہ ابن عساکر

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت کے لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ رحم دل میری امت میں ابوبکرؓ ہیں ـــــ اور اللہ کے معاملہ میں سب سے سخت عمرؓ بن خطاب ہیں ـــــ اور حیاء کے لحاظ سے میری امت میں سب سے افضل عثمان بن عفانؓ ہیں، اور نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے میں علی ابن ابی طالبؓ میری امت میں سب سے فائق ہیں" ـــــ (ابن عساکر)

(تشریح) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک کے اُس وصف کا ذکر فرمایا ہے جس میں اُس کو اُمت کے تمام دوسرے افراد پر امتیاز حاصل ہے ـــــ حضرت ابوبکرؓ صفتِ رحمت اور رحم دلی کے لحاظ سے تمام امت میں فائق ہیں ـــــ اسی طرح شدت فی امر اللہ یعنی اللہ تعالےٰ کے احکام اور حقوق کے بارے میں سخت گیری کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ممتاز ہیں، علیٰ ہذا صفتِ حیاء جس کو حدیث شریف میں ایمان کا خاص شعبہ بتایا گیا ہے اس ایمانی صفت کے لحاظ سے امت میں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو امتیاز حاصل ہے، اور نزاعات و خصومات کا صحیح اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی صلاحیت جو اللہ تعالےٰ کی خاص نعمت اور الٰہی اور نبوی خلافت کا خاص وظیفہ ہے اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر فوقیت حاصل ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ فَضَّلَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ فَقَدْ رَدَّ مَا قُلْتُهٗ وَكَذَّبَ مَا هُمْ اَهْلُهٗ ـــــــــــــــ رواہ الرافعی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ پر (کسی اور کو) فضیلت دی تو اس نے میری بتلائی ہوئی بات کی تردید کی، اور یہ چاروں (عند اللہ) جس مرتبے پر ہیں، اس کی تکذیب کی ـــــــــ (الرافعی)

(تشریح) حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں، اہلِ حق کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ چاروں حضرات تمام امت میں افضل ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اس بارے میں واضح ہیں جو کوئی بدعقیدہ شخص کسی دوسرے کو ان چاروں سے افضل جانے تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تردید اور مخالفت کا مرتکب ہوا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَجْتَمِعُ

حُبُّ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ فِیْ قَلْبِ مُنَافِقٍ ——— رواہ الطبرانی فی الاوسط وابن عساکر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ان چاروں (میرے ساتھیوں اور رفیقوں) ابوبکر و عمر اور عثمان و علی کی محبت کسی منافق کے دل میں جمع نہ ہوگی۔

——— (معجم اوسط طبرانی، ابن عساکر)

(تشریح) یہ حدیث بھی کسی تشریح کی محتاج نہیں، بفضلہ تعالےٰ اھل السنۃ والجماعۃ کا حال یہی ہے کہ وہ ان چاروں حضرات سے محبت کو گویا جزو ایمان یقین کرتے ہیں، اور جو بدنصیب ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض رکھے اس کو فاسد العقیدہ اور حقیقی ایمان سے محروم جانتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا تھا کتب حدیث میں اور بھی ایسی روایات ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اِن خلفاء اربعہ کی فضیلت اور ان کے امتیاز کا ذکر اسی ترتیب سے فرمایا ہے، ان سب روایات سے ان حضرات کی فضیلت کے ساتھ ان کے درمیان فرق مراتب اور خلافت کے بارے میں ترتیب کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

خلفاء اربعہ کے فضائل کے بارے میں ایک قابلِ لحاظ حقیقت

حدیث کی اکثر کتابوں میں شیخین (حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمر رضی اللہ عنہما) کے فضائل کے بارے میں حدیثوں کی تعداد کم ہے ——— حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ——— اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دَور صحابہ میں شیخین کی شخصیتیں متفق علیہ تھیں اور کسی کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کے فضائل کی روایتیں تلاش کرے اور اُمّت کے عوام کو پہنچائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں خاص طور سے ایک گروہ کی سازش اور شرارت سے

جس کا سرغنہ ایک منافق عبداللہ ابن سبا تھا اُن کی شخصیت متفق علیہ نہیں رہی، اسلئے اس کی ضرورت پیدا ہوگئی کہ ان کے فضائل سے متعلق روایتیں تلاش کر کے بیان کی جائیں، اسی وجہ سے ان کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد حدیث کی کتابوں میں شیخین کی بہ نسبت زیادہ ہے ــــ انکے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شخصیت بھی متنازعہ ہوگئی اور خوارج کا ایک مستقل ایسا گروہ بھی پیدا ہوگیا جو ان کو دین اور اُمّت میں فتنہ جانتا اور واجب القتل سمجھتا تھا (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے) اس لئے ان کے فضائل کی حدیثیں تلاش کرنیکی بھی ضرورت پیدا ہوگئی اور اللہ کے مخلص بندوں نے محنت و تلاش سے ان کے فضائل کی حدیثیں جمع کیں ــــ علاوہ ازیں ان کے بارے میں غلو کرنیوالوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جو اُن کے فضائل میں حدیثیں وضع کرنا کارِ ثواب سمجھتے تھے، ان میں سے بہت سے بظاہر صالحین کی سی زندگی گذارتے تھے ــــ ہمارے محدثین "بشر ہی تھے" ان کا زمانہ بھی ان راویوں کے بہت بعد کا تھا، وہ ان کے اندرونی حال سے واقف نہ ہو سکے اور ان کی روایتیں بھی ہماری کتب حدیث میں شامل ہوگئیں، اس لئے بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل کی روایات ہماری کتب حدیث میں خلفاء ثلثہ کی بہ نسبت بہت زیادہ تعداد میں نظر آتی ہیں ــــ اس بات کی ضرورت واقعۃً موجود ہے کہ ان احادیث کا محدثانہ اور محققانہ اصول و قواعد کی روشنی میں جائزہ لیا جائے ــــ یہ عاجز اب عمر کے اس مرحلہ اور ضعف و معذوری کے اس حال میں ہے کہ خود اس طرح کے کسی کام کی ہمت نہیں کر سکتا، دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کا داعیہ اس کے اہل لوگوں کے قلب میں ڈال دے اور یہ کام بھی انجام پا جائے۔

مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کی تین نئی تصانیف

قافلۂ اہل دل ۲۵/- تذکرۂ شاہ ابوسعید حسنیؒ ۱۰/-

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ و ابوالرضاؒ مع ضمیمہ اہلِ قبور سے زندوں کی ہم کلامی ۱۴/-

ملنے کا پتہ:- الفرقان بکڈپو ــــ ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ

مولانا عتیق احمد بستوی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قافلۂ اہلِ دل

از

مولانا فریدیؒ ـــــ کا تعارف

["قافلۂ اہلِ دل" دراصل حضرت مرزا مظہر جانِ جاںؒ کے خلیفۂ اجل اور تیرہویں صدی ہجری کے عظیم مصلح و مربّی حضرت مولانا عبداللہ المشتہر بہ شاہ غلام علیؒ کے ملفوظات و مکتوبات اور انکے خلفاء کے تذکرہ پر مشتمل مولانا نسیم احمد فریدیؒ کے ان مضامین پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً الفرقان میں شائع ہوتے رہے اور اب ایک کتابی شکل میں شائع ہو رہے ہیں۔ اس کتاب کے لئے ہمارے قلمی معاون مولانا عتیق احمد بستوی نے لکھا ہے ــــ وہی تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔]

"قافلۂ اہلِ دل" کے صفحات پیشِ نظر ہیں اور ذہنی کشمکش کے ساتھ یہ سطریں قلمبند کرنے جا رہا ہوں، یہ تذکرہ ہے ان خدا رسیدہ بزرگوں کا جنھوں نے تاریخ ہند کے دورِ زوال میں صحابہ کرام اور صوفیائے عظام کی یاد تازہ کر دی اور ایمان و یقین کے نغموں سے عالم کو معمور کیا۔ قلم ہے حضرت مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم کا جو بلاشبہ "قافلۂ اہلِ دل" کے ایک فرد اور بزرگانِ پیشین کی زندہ یادگار تھے جنھوں نے پابندئ شریعت اور اتباعِ سنت کی قندیل سے نہاں خانۂ دل کو روشن اور علماء ربانی کے تذکروں سے بزمِ علم و تحقیق کو معطر رکھا ــــ ایسے بلند پایہ اصحابِ تذکرہ اور تذکرہ نگار کے بارے میں ایک سیاہ دل، پراگندہ دماغ، بندۂ نفس کا قلم حرکت میں آئے، اسے "جرأت بے جا" کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے لیکن مخدوم گرامی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا حکم ہے کہ یہ گنہگار "قافلۂ اہلِ دل" کا تعارف لکھے اور بیش قیمت زرّیں خلعت

ہیں ٹاٹ کا پیوند لگائے حضرت مولانا نعمانی دامت برکاتہم فاضل تذکرہ نگار کے بھی مخدوم ومحترم ہیں اس لئے تعمیل ارشاد ضروری ہے۔ دل کے ایک گوشے میں یہ خیال بھی پرورش پا رہا ہے کہ شاید "قافلۂ اہلِ دل" کے جلو میں شرکت اس غرقِ عصیاں کے لئے سامانِ مغفرت بن جائے۔ ان متضاد جذبات کے ساتھ یہ تعارفی صفحات لکھے جا رہے ہیں۔ اگر یہ صفحات "قافلۂ اہلِ دل" کے شایانِ شان ہو جائیں تو اسے بھی اصحاب تذکرہ بزرگوں اور صاحبِ دل تذکرہ نگار کی کرامت سمجھئے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت روشن ہے کہ کسی قوم کے سیاسی زوال کے ساتھ اس کا علمی اور تہذیبی زوال ضروری نہیں۔ اقوام وملل کی تاریخ میں ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ ایک قوم جس وقت سیاسی زوال کی انتہائی پستی میں تھی وہی زمانہ اسکی علمی کامرانی اور تہذیبی ارتقاء کا تھا۔ دور کیوں جائیے ہندوستان ہی کی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

بارہویں صدی ہجری کا نصف آخر اور تیرہویں صدی ہجری کا نصف اول مسلمانانِ ہند کی سیاسی تاریخ کا بدترین زمانہ ہے مغلیہ سلطنت (جو دولت عثمانیہ کے بعد عالم اسلام کی سب سے عظیم اور وسیع سلطنت تھی) اس دور میں تیزی سے روبہ زوال تھی۔ برصغیر میں انگریزوں کے سیاسی اثرات بڑھ رہے تھے۔ جاٹوں اور مرہٹوں نے دارالسلطنت دہلی کے اردگرد حلقہ تنگ کر دیا تھا مغلیہ سلطنت کا چراغ لال قلعہ کے اندر ٹمٹما رہا تھا بجھنے کیلئے ہوا کے کسی ہلکے جھونکے کا منتظر تھا لیکن یہی دور مسلمانانِ ہند کی علمی اور تہذیبی تاریخ کا سب سے تابناک دور ہے۔ اسی دور میں ہندوستان نے عالمِ اسلام کی علمی وفکری قیادت کی اور علوم اسلامیہ کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں لیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور انکے عالی مرتبت خلفاء فرزندان اور شاگردوں نے اسی دور میں اصلاح وتجدید کی وہ ہمہ گیر جدوجہد شروع کی جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ سے اس سے پہلے مشکل سے ملے گی۔

اسی سیاسی زوال، انتظامی بحران اور عدم استحکام کے زمانہ میں دہلی کے اندر ایک طرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تیز وتند سیاسی ہواؤں سے بلند ہو کر اپنے ہمہ گیر اصلاح وتجدید کے منصوبے کو علمی جامہ پہنا رہے تھے، تو دوسری طرف دہلی ہی کے

ایک گوشے میں حضرت مرزا مظہر جانِ جاںؒ عشق و معرفت کی دکان لگائے بندگانِ خدا کی روحانی پیاس بجھانے اور تزکیۂ نفوس و اصلاحِ باطن میں ہمہ تن مصروف تھے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی وفات کے بعد ان کی اصلاحی و تجدیدی تحریک اور انکی علمی روایات کو انکے فرزندان و خلفاء خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے آگے بڑھایا اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاںؒ کی جانشینی کا شرف انکے خلیفۂ اجل حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ (متوفی ۱۲۴۰ھ) کو حاصل ہوا۔ حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ نے پورے اخلاص و تقویٰ اور کمالِ توکل و قناعت کے ساتھ خانقاہ مظہریہ کو نہ صرف آباد رکھا بلکہ اسکی فیض رسانی کا دائرہ وسیع تر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددی سے اصلاحِ نفوس و تزکیۂ باطن کا غیر معمولی کام لیا۔ انکی خانقاہ میں برصغیر کے علاوہ عالمِ اسلام کے اطراف و اکناف سے طالبین رشد و ہدایت کھنچ کھنچ کر آتے اور اپنے قلوب انوارِ ایمان سے منور کرکے، اتباعِ سنت و شریعت کا بے پناہ جذبہ لے کر اپنے اپنے ملک واپس جاتے۔ حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ کے صرف ایک خلیفہ مولانا خالدؒ کردی کے ذریعہ جن بندگانِ خدا کو اصلاح و ہدایت کی دولت ملی انکی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

مولانا نصر اللہ خاں خورجویؒ تاریخ دکن میں شاہ غلام علی نقشبندی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

فیضانِ ایشاں از ہند تا بہ سندھ و از عجم	حضرت شاہ غلام علیؒ کا فیض ہند سے سندھ
تا بہ عرب و از بخارا تا بہ روم رسیدہ است	تک اور عجم سے عرب تک اور بخارا سے روم
اقلیمے از اقالیم سبعہ نباشد کہ فیض رسانِ	تک پہنچا ہوا ہے ہفت اقلیم میں سے کوئی
حضرتِ ایشاں در آں جا نہ باشد (ص۱۰۶)	اقلیم ایسی نہیں ہے کہ حضرتؒ کا فیض
	پہنچانے والا وہاں پر موجود نہ ہو۔

امام اہلِ سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اُس مقالہ میں جو الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر (۱۹۳۷ء ۱۳۵۷ھ) میں "الخطبة الشوقية في حضرة المجددية" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اور پھر بعد میں تذکرۂ مجدد الف ثانیؒ

(مرتبہ حضرت مولانا نعمانی دامت برکاتہ) میں امام ربانی کے زیر عنوان شائع ہوا حضرت مولانا شاہ غلام علیؒ کو تیرہویں صدی کا مجدد قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:-

"آپ کی ذات بابرکات سے تو اس قدر فیض ہوا کہ بقول حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ شاید اگلے مشائخ میں کسی سے اس قدر فیض ہوا ہو ——— ہندوستان میں شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو صرف ایک شہر انبالہ میں پچاس خلفاء آپ کے تھے۔"

حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ نے اسی مقالہ میں مشہور حنفی فقیہہ علامہ شامی کی ایک عربی عبارت نقل فرمائی ہے جس میں انھوں نے حضرت مولانا شاہ غلام علیؒ کے بارے میں حسب ذیل آداب والقاب استعمال کئے ہیں:-

"شیخ مشائخ الدیار الهندیۃ،	ملک ہند کے شیخ المشائخ، رموز و
وارث المعارف والاسرار المجددیۃ	معارف مجددیہ کے وارث، بحار
سباح بحار التوحید سباح قفار	توحید کے شناور، میدان درویشی
التجرید، قطب الطرائق، غوث	و تجرد کے سیاح، قطب طرائق،
الخلائق معدن الحقائق، منبع	غوث خلائق، معدن حقائق
الحکم والاحسان والایقان	منبع حکم واحسان، سرچشمۂ اسرار
والدقائق، العالم النحریر	وایقان، عالم تبحر، فاضل یگانہ
الفاضل والعلم المفرد الکامل المتبحر	ماسوا اللہ سے بیگانہ حضرت شیخ
عما سوی مولاہ حضرۃ الشیخ	عبداللہ دہلویؒ[1]۔
عبداللہ الدھلوی۔"	

مولانا نسیم احمد فریدیؒ کو اللہ تعالیٰ شانہ نے مشائخ و بزرگانِ دین کے علوم و معارف

---

[1] حضرت مولانا شاہ غلام علیؒ اگرچہ اپنے اسی نام سے مشہور تھے، لیکن ان کا اصلی نام عبداللہ ہی تھا حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ نے اپنے اسی مضمون میں ان کا نام اس طرح لکھا ہے۔ حضرت مولانا شیخ عبداللہ المشتہر بہ غلام علیؒ۔

سے خصوصی مناسبت اور انکے تذکرہ وتراجم کا خاص ذوق نصیب فرمایا تھا۔ انھوں نے مشائخ وعلماء ہند کے مکتوبات وافادات کا بڑا حصہ بڑی کامیابی کے ساتھ فارسی سے اردو میں منتقل کیا اور اردو خواں نسل کا رشتہ بزرگانِ دین کے علوم ومعارف سے جوڑ دیا۔ انھیں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ کے ملفوظات ومکتوبات کی تلخیص وترجمہ اور انکے جلیل القدر خلفاء کی تذکرہ نگاری کی توفیق نصیب فرمائی ——— "قافلۂ اہلِ دل دراصل اسی عظیم المرتبت ہستی حضرت شاہ غلام علیؒ کے ملفوظات ومکتوبات کے اردو ترجمہ اور انکے خلفاء کے تذکرہ کا "عطر مجموعہ" ہے۔

حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ انکے ممتاز خلیفہ شاہ رؤف احمد رافت مجددی رامپوریؒ نے درالمعارف کے نام سے فارسی زبان میں مرتب کیا تقریباً چالیس سال قبل مولانا نسیم احمد فریدیؒ نے ماہنامہ الفرقان میں درالمعارف کی تلخیص وترجمہ کا سلسلہ اس عنوان سے شروع کیا" اب سے ایک سو چالیس برس پہلے ——— ایک مردِ حق آگاہ کی مجلس میں" مولانا مرحوم نے درالمعارف میں ڈوب کر آبدار موتی اہلِ نظر کے سامنے پیش کئے اور ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ ادب وانشاء کے اعتبار سے بھی مولانا مرحوم کا یہ سلسلۂ مضامین آپکی شاہکار تحریروں میں سرفہرست جگہ پانے کے قابل ہے ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ میں اس تلخیص وترجمہ کی پہلی قسط شائع ہوئی مضمون کا ابتدائیہ اس غضب کا ہے کہ کوئی باذوق قاری اسے بار بار پڑھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس کا تمہیدی حصہ ملاحظہ ہو۔

تصور کی کارفرمائی سے تیرھویں صدی کے ثلث اول کی دہلی میں جا پہنچا ——— یہ دہلی ہے ——— سلطنت مغلیہ کا چراغ لال قلعہ میں ٹمٹما رہا ہے، غنیمت ہے ابھی بجھا نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ باوجود پیرانہ سالی پوری جدوجہد کے ساتھ ملتِ بیضا کی نگرانی میں مصروف ہیں اور سلطنت کے مادّی سہارے کے زوال سے جو خراب نتائج پیدا ہو گئے ہیں انکے ازالہ کی تدبیر انھوں نے تعلیمات اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے اندر ڈھونڈ نکالی ہے.....

اس عظیم الشان محدث کے آستانۂ فیض پر پہلے حاضر ہو کر اکابرِ اولیاء کے مزارات پر

حاضر ہوا ـــــ بعدہٗ شاہجہانی مسجد جامع کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا کہ ـــــ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ شہید کے مزار پُرانوار پر حاضری کا شوق غالب ہوا ـــــ وہاں پہنچا ـــــ دیکھا کہ خانقاہ مظہریہ میں ایک درویش بصد "انداز خسروانہ" بیٹھا ہوا "باہر" کے تیز و تند جھونکوں سے بے پروا ہو کر "چراغ ایمان" جلا رہا ہے۔ اس کے چہرے پر عجیب انوار ہیں۔ اسکی باتوں میں دل لگتا ہے۔ اسکی خاموشی میں بھی ایک کشش ہے۔ توحید کا متوالا ہے عشق رسول میں سرشار ہے کبھی قرآن مجید کی تفسیر بیان کر رہا ہے کبھی بخاری و ترمذی کا درس دے رہا ہے۔ کبھی مکتوبات امام ربانی کے معارف سبقاً سبقاً پڑھا رہا ہے کبھی مثنوی مولانا رومؒ کی جانب متوجہ ہوتا ہے ـــــ پھر اسکے ساتھ ساتھ صبح و شام کا حلقہ ہے، ذکر ہے تلاوت ہے، رات کو تہجد ہے، ہند اور بیرونِ ہند کے کثیر التعداد طالبین جمع ہیں۔"

اس مضمون کا پورا ابتدائیہ سادہ و پرکشش نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ ترجمہ انتہائی رواں اور شگفتہ ہے۔ ترجمہ پن کا کہیں ہلکا احساس بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اثر آفرینی کے اعتبار سے "از دل خیزد بر دل ریزد" کا کامل مصداق ـــــ جہاں تک ملفوظات کے مضامین کا تعلق ہے اسے مکتوبات امام ربانی کے مضامین کی تسہیل سمجھئے ـــــ دوسرے نقشبندی مجددی بزرگوں کی طرح اتباعِ شریعت و سنت پر زیادہ سے زیادہ زور ہے۔ تصوف کے مظاہر و ظواہر کے بجائے روحِ تصوف پر پوری توجہ مرکوز ہے۔ درالمعارف کی تلخیص و ترجمہ کا کام الفرقان کے تین شماروں میں مکمل ہوا۔ (از ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ تا محرم ۱۳۷۲ھ)

درالمعارف کی تلخیص و ترجمہ کے تقریباً بیس۲۰ سال بعد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی تحریک و فرمائش پر مولانا فریدی مرحوم نے مکاتیب شاہ غلام علی کی تلخیص و ترجمہ کا سلسلہ شروع فرمایا۔ یہ مکاتیب بھی خانوادۂ مجددی کے چشم و چراغ اور شاہ غلام علی نقشبندیؒ کے خلیفۂ اجل شاہ رؤف احمد رافت مجددیؒ کے جمع کردہ ہیں۔ مولانا فریدیؒ مرحوم نے ان مکاتیب کی تلخیص و ترجمہ کا سلسلہ الفرقان میں اس عنوان سے شروع فرمایا "بوئے گل دربرگ گل ـــــ حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ دہلوی اپنے مکتوبات کے آئینے میں" تیرہ ۱۳ قسطوں میں یہ سلسلہ مکمل ہوا، پہلی قسط ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ کے شمارہ میں اور آخری قسط محرم،

صفر ۱۳۹۲ھ کے شمارے میں شائع ہوئی پہلی قسط میں صاحب مکتوبات شاہ غلام علی نقشبندیؒ کے حالات نزہۃ الخواطر جلد ہفتم سے اخذ کرکے شامل کر دیئے گئے ہیں۔

یہ مکتوبات بڑے مؤثر اور ایمان افروز ہیں۔ مکتوبات امام ربانی کی جلوہ ریزی ان مکاتیب میں بہت نمایاں محسوس ہوتی ہے۔ حضرت شاہ غلام علیؒ نقشبندی مجددی کے مکاتیب کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت بھی آئینہ ہو جاتی ہے کہ تصوف وسلوک اسلام کے متوازی کسی نظام کا نام نہیں بلکہ تصوف کا حاصل اتباع سنت و شریعت، اخلاص و تقویٰ، توکل و قناعت ایثار و قربانی، مجاہدہ و تہذیبِ نفس ہے۔ تصوف دراصل کیفیتِ احسانی کے حصول کا نام ہے، جس کے نتیجے میں دینی عقائد و حقائق کا استحضار پیدا ہوتا ہے، محبتِ الٰہی کا چراغ دل میں فروزاں ہوتا ہے۔ ان مکتوبات کی افادیت اور قدر و قیمت کا اندازہ تو مطالعہ کے بعد ہی قارئین کو ہو سکے گا۔ میں یہاں بہ طور نمونہ ایک مکتوب پیش کرتا ہوں۔

اپنے ایک مرید میاں محمد حسن وکیل انگریز کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ـ چالیس سال یا اس سے زیادہ ہوگئے کہ خلوت کے اندر دل کی آرزوؤں کو شکستہ کرکے اور مخلوق سے نظر ہٹا کر صبر و قناعت میں زندگی بسر ہو رہی ہے اور بغیر کسی کی امداد کے تفقر کے عافیت و فراغت کے ساتھ ایام عمر گزر رہے ہیں ــــ الحمد للہ علی ذالک ــــ نواب امیرالدولہ (والئ ٹونک) سے امدادِ خانقاہ کا بالکل تذکرہ نہ کیا جائے، انکی امداد مجھے منظور نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس اخیر عمر میں فقر و قناعت اور صبر و توکل کے طریقے میں کوئی خلل واقع ہو جائے۔

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم   با میر خاں بگوئے کہ روزی مقدر است

(ہم فقر و قناعت کی آبرو برباد کرنا نہیں چاہتے۔ نواب امیر خاں والئ ٹونک سے کہہ دو کہ روزی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر و مقرر ہے۔)

اس عمر میں محتاجوں کے سامنے اپنی احتیاج پیش کرنا درویشوں کے استغناء کے خلاف ہے..... والسلام۔   (الفرقان محرم الحرام ۱۳۹۲ھ۔ ص ۲۸)

مکاتیب شاہ غلام علی مجددیؒ کی تلخیص و ترجمہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا

نسیم احمد فریدیؒ نے "قافلۂ اہلِ دل" کے عنوان سے حضرت شاہ غلام علیؒ نقشبندی مجددی کے خلفاء کا تذکرہ قلم بند کیا۔ یہ تذکرہ الفرقان کے تین شماروں (ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۲ء) میں شائع ہوا۔ مریدین وخلفاء اپنے پیرو مرشد کا آئینہ ہوتے ہیں، درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اس لئے مشائخ کا مرتبہ ومقام پہچاننے کے لئے انکے خلفاء کے حالات وکمالات سے واقفیت انتہائی ضروری ہوتی ہے حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ مرحوم نے اگرچہ خود حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ کا مفصل تذکرہ نہیں لکھا لیکن انکے ملفوظات و مکتوبات کی تلخیص وترجمہ پیش کر کے اور انکے خلفاء کا تذکرہ مرتب کر کے انھوں نے حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ کی شخصیت کا بھرپور تعارف کرا دیا اور ان کی تعلیمات واصلاحی نظریات سے استفادہ آسان بنا دیا۔

مولانا نسیم احمد فریدی مرحومؒ کی خواہش تھی کہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ کے ملفوظات ومکاتیب کی تلخیص وترجمہ اور انکے خلفاء عظام کا تذکرہ یکجا طور پر کتابی شکل میں شائع ہو جائے لیکن تقدیر الٰہی کی بات ہے کہ انکی یہ خواہش انکی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ تقریباً ایک سال پہلے مولانا مرحوم اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے۔ امید ہے کہ وہ اپنے رب غفور کے حضور میں سرخرو ہو رہے ہوں گے اور اپنے اخلاص وتقویٰ، تواضع وبے نفسی، اتباع شریعت اور حمیتِ دینی کا شیریں پھل پا رہے ہونگے۔
—— اب مکتبہ الفرقان کی طرف سے مولانا مرحوم کی مذکورہ بالا تینوں قیمتی تحریروں کو کتابی شکل میں "قافلۂ اہلِ دل" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ "قافلۂ اہلِ دل" اگرچہ دراصل صرف اس مضمون کا عنوان تھا جس میں حضرت شاہ غلام علی نقشبندیؒ کے خلفاء کا تذکرہ کیا گیا تھا لیکن تینوں تحریروں کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا فیصلہ کرتے وقت یہی نام پوری کتاب کے لئے موزوں معلوم ہوا، نیز حضرت شاہ غلام علیؒ نقشبندی کے ملفوظات ومکتوبات "قافلۂ اہلِ دل" کے لئے بہترین "زادِ راہ" ہیں، اس لئے "قافلۂ اہلِ دل" کے ساتھ انکی اشاعت ہر طرح مناسب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے انشاء اللہ مولانا مرحوم کی روح خوش ہوگی اور انشاء اللہ مولانا مرحوم کی دوسری

محترمہ ذکیہ سلطانہ ۔ کراچی

عبداللہ بن سبا

(ایک تحقیقی مطالعہ)

یہودی دنیا کی قدیم اقوام میں سے ہیں "عہد نبوی میں یہودی عرب کے تمام علاق[ے]
میں پھیلے ہوئے تھے، ٹھوس بستیوں میں بھی اِکے دُکے بلکہ بستیوں کی ایک زنجیر نظر آتی ہے جو ا[یلہ]
(عقبہ) مقنا، خیبر، وادی القریٰ، تیما، فدک، مدینہ (یثرب) اور طائف اور جرش سے لے کر یمن و
بحرین تک عرب میں شمالاً جنوباً چلا گیا ہے"[1] لیکن یہودیوں کی اکثریت مدینہ میں آباد تھی جس وقت
مسلمان ہجرت کرکے مدینہ پہنچے انکو یہودیوں کے تین بڑے خاندانوں بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قر[یظہ]
سے سابقہ پڑا[2]، وہ زراعت، تجارت وصنعت پر چھائے ہوئے تھے[3]، دولت مند ہونے کی وجہ [سے]
انکو معاشی برتری حاصل تھی، انصار کی اکثریت انکی مقروض تھی ملکی اور تجارتی برتری کے ساتھ سا[تھ]
انکو مذہبی اور علمی سرداری بھی حاصل تھی۔ اور باہمی میل جول کی وجہ سے ان کے رسم و رواج بھی بڑ[ی]
حد تک قبائل میں اثر کر چکے تھے۔

ہجرت کے بعد اسلام مدینہ میں تیزی سے پھیلنے لگا اور یہودیوں کا زور خود بخود کم ہونے لگا۔ اس و[جہ]
سے یہودیوں کو زبردست دھچکا لگا۔ آنحضرتؐ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان لوگوں سے معاہدہ کر لی[ا]
جسکی رُو سے انھیں مذہبی آزادی اور جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی گئی تھی لیکن اسلام کی
اشاعت کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی آتش حسد بڑھتی گئی اور وہ درپردہ اسلام کی بیخ کنی ک[ی]

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ رسول اللہ کی سیاسی زندگی ص۳۰۹ "عہد نبوی میں یہودی"
[2] شبلی سیرت النبی حصہ اول ص۲۹۵ [3] ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی ص۳۱۰ [4] شبلی سیرت النبی حصہ[...]
ص۲۰۹

کوششوں میں لگے رہتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جاتے تھے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اسلام سچا مذہب ہوتا تو کوئی کیوں پھرتا۔ رسول اللہؐ کے قتل کی سازشیں کرنے اور اوس و خزرج کو لڑوانے کی فکر میں رہتے تھے، انہی سازشوں کی وجہ سے ان کو مدینہ سے خیبر جلاوطن کیا گیا[1] وہاں بھی وہ اسلام کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں نے خیبر کو بزور شمشیر فتح کیا، آنحضرتؐ نے ان کی درخواست پر ان کو وہیں آباد رہنے دیا اور ان کی زمینیں بھی ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیں۔ یہودی پیداوار کا نصف مسلمانوں کو ادا کر دیتے تھے[2]

یہودیوں کی فتنہ پرداز طبیعت ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیتی تھی، اس وجہ سے عہد فاروقی میں ان کو خیبر سے بھی جلاوطن کر دیا گیا[3] خیبر سے جلاوطنی کے بعد ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کی جا سکتی چنانچہ انھوں نے سازشوں سے کام لینا شروع کر دیا اور مناسب موقع کی تلاش میں لگے۔ یہ موقع ان کو عہد عثمانی کے آخر میں اس وقت میسر ہوا جب کہ معاشرہ میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی تھیں[4]۔

یمن کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے اردگرد کے ماحول سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف ایک خفیہ تحریک شروع کی[5]۔ یہ یمن کے ایک شہر صنعا کا باشندہ تھا[6] اس کا باپ سبا نامی یہودی تھا اس کی ماں حبشن تھی جو کہ ایک باندی تھی اور اپنے سیاہ رنگ کی وجہ "سودا" مشہور تھی اسی لئے عبداللہ بن سبا کو "ابن سودا" بھی کہا جاتا ہے[7]۔ عہد عثمانی میں یہ مدینہ پہنچا اور بظاہر اسلام

---

[1] شبلی۔ سیرت النبیؐ، جلد اول ص ۳۹۵ تا ۴۱۲ (یہودیوں کے ساتھ معاہدہ و جنگ)

[2] امام ابو یوسف۔ کتاب الخراج ص ۵۰ و ۵۱۔ شبلی۔ سیرت النبی ص ۲۷۵ تا ۲۹۰ (خیبر) تفصیل کیلئے دیکھئے محمد حمیداللہ کی کتاب "آنحضرتؐ کی سیاسی زندگی" ص ۳۲۵ تا ۳۵۴

[3] البلاذری۔ فتح البلدان ص ۲۵۔ امام ابو یوسف۔ کتاب الخراج ص ۵۰، ۵۱

[4] تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے "عہد عثمانی کا معاشرہ" ص ۲۱۴ تا ۲۴۲

[5] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۱۶۷۔ شبلی، سیرت النبیؐ حصہ اول ص ۳۹۵ تا ۴۱۲

[6] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۹۸۔ الفرق بین الفرق ص ۱۴۴

[7] طبری تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۹۸۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ۔ جلد ۳ ص ۷۷
ابن عساکر۔ تاریخ تہذیب ابن عساکر۔ جلد ۷، ص ۴۲۸۔ الاعلام، جزو رابع ص ۲۲۰

قبول کر لیا۔ بقول ابن حزم "یہ اس لئے اسلام لایا کہ جن مسلمانوں پر قابو پا لے ان کو گمراہ کرنے"[1] اس نے
اس انداز میں پروپیگنڈہ شروع کیا جو بظاہر تو "خلافتِ عثمانی" کے خلاف تھا لیکن درحقیقت وہ
"اسلام" اور "صحابیت" کے خلاف تھا۔ اس نے اپنی سازش ان خطوط پر مرتب کی :-

۱۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ کی پرانی رقابت کو زندہ کرنے کے لئے اس نے اس خیال کی اشاعت کی کہ بنو ہاشم کے ساتھ سخت ناانصافی ہو رہی ہے اور خلافت کے حقدار صرف اہلِ بیت ہیں اور موجودہ خلیفہ اس کے حقدار نہیں۔

۲۔ خلیفۂ وقت خلافت کی ذمہ داریوں سے پورے طور پر عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور اسکے عمال انتہائی ناقص ہیں۔

۳۔ عرب اور عجم کے سوال کو ہوا دینا۔ مسلمانوں کو جن لوگوں سے سابقہ پڑا تھا ان میں اہلِ عجم بھی شامل تھے۔ ان کی حکومت کو عربوں نے مٹایا تھا۔ شاہ پرستی انکی فطرت تھی۔ اس لئے سرزمین عجم میں ابن سبا کی تحریک کو بڑا فروغ حاصل ہوا کیونکہ عجمیوں کا نقطۂ نظر اس سے بہت مختلف تھا۔ ابن سبا چاہتا تھا کہ اسلام کا شیرازہ بکھر جائے۔ اور اسلامی "خلافت" موروثی سانچہ میں ڈھل جائے تاکہ ان کی "خدمات" اور "صحابیت اہلِ بیت" کے صلہ میں ان کو زیادہ حقوق حاصل ہو جائیں اس لئے دمشق سے نکل کر عراق اور خصوصاً مصر میں ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ثابت ہوئی[2] کیوں کہ یہاں زیادہ تر عجمی رہتے تھے۔

عبداللہ بن سبا نے اپنی سازش کو انتہائی خفیہ طور سے شروع کیا اس نے ایک گروہ بنایا اور محبت "اہلِ بیت" اور "صحابیت علی" کو حربے کے طور پر استعمال کیا کیونکہ یہ ایک ایسا حربہ تھا۔ جس سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنایا جا سکتا تھا عبداللہ بن سبا کے اس عقیدہ کو مصر میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں بہت سے موالی رہتے تھے جو ابن سبا کی طرح پہلے یہودی یا نصرانی تھے اور جن کا عقیدہ یہ تھا کہ "الیاس علیہ السلام" اور "عیسیٰ علیہ السلام" پھر دنیا میں لوٹ کر آئیں گے اور دونوں پیغمبر خدائی اوصاف کے حامل اور خدا کے مظہر کامل

---

[1] ابن حزم، الملل والنحل۔ الجزء الثانی ص ۱۱۵ ۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص ۷۷
[2] ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص ۷۷

ہیں۔ بیشتر موالیوں نے بہ خوشی ابن سبا کی جماعت میں شرکت قبول کر لی اور اس طرح حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی جو ان کو ان صفات سے متصف سمجھتی تھی، جو ان میں قطعی نہیں تھیں اور نہ ہی کسی میں بعد میں ہو سکتی ہیں۔ ابن حزم لکھتے ہیں۔

"اس نے اس کمینہ گروہ کو جو علیؓ کی محبت میں ہلاک ہونے والا تھا راہ دکھائی کہ وہ "الوہیت علی" کا طریقہ اختیار کریں جیسا کہ پولوس نے مسیح علیہ السلام کے پیروؤں کے لئے طریقہ نکالا کہ وہ "الوہیت مسیح" کا طریقہ اختیار کریں[1]"

اس طرح نہ صرف یہ کہ اس نے اسلامی عقائد میں تحریف کی بلکہ اس نے اسلام کی مرکزیت کو زبردست نقصان پہنچایا اور خلیفۂ وقت کے مقابل ایک شخصیت کو لا کھڑا کیا۔ اس نے کہا:

"تعجب ہے کہ مسلمان یہ گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام لوٹ کر آئیں گے اور یہ نہیں جانتے کہ محمد لوٹ کر آئیں گے۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ یہ ہیں: "ان الذی فرض علیك القرآن لرآدك الی معاد[2]"

(وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن اتارا تجھے ضرور لوٹا دے گی جو لوٹنے کی جگہ ہے[3])

اس آیت کریمہ کا مطلب اس نے اپنے حسب منشا بنا لیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار اس دنیا میں ضرور تشریف لائیں گے[4]۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کی خوشخبری سنائی اور فرمایا "کہ اے نبی میں تجھے بشارت دیتا ہوں کہ اس وقت تو مکہ سے دور ہے لیکن دل گیر نہ ہو وقت آیا چاہتا ہے کہ ہم تجھے اس مقام کی طرف واپس لائیں گے جو لوٹنے کی جگہ ہے[5]۔

۱؎ ابن حزم۔ الملل والنحل جلد اول ص۴۰۵ السفارینی شرح عقیدۃ السفارینی جلد اول ص۷

۲؎ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص۹۸۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص۷۷۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۶۷ تا ۱۶۸۔ الزرکلی۔ الاعلام الجزء رابع ص۲۲۔ نوبختی۔ فرق الشیعہ ص۴۴

۳؎ پارہ ۲۰ سورۃ القصص آیت ۸۵ ۴؎ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص۹۸ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۶۷ تا ۱۶۸۔ ابن عساکر۔ تہذیب ابن عساکر جلد ۷ ص۴۲۸

۵؎ پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص۔ آیت ۸۵۔

لوگوں نے ان تاویلات کا اثر قبول کر لیا[۱] اور اس سلسلہ میں گفتگو شروع کر دی[۲]۔

ابن سبا نے کہا کہ دنیا میں جتنے نبی گذرے ہیں ان میں سے ہر ایک کا ایک وصی بھی ہوا ہے حضرت علیؓ بھی رسولِ خدا کے وصی ہیں جس طرح محمد خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح علیؓ "خاتم الاوصیا" ہیں[۳]۔ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اپنے نبی کی وصیت پوری نہ کرے اور رسول اللہ کے وصی پر پیش قدمی کر کے امت کو اپنے ہاتھ کر دے[۴]۔ اس طرح اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خلیفۂ وقت حضرت عثمانؓ خلافت کے مستحق نہیں ہیں اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی جبراً و غصباً خلافت پر قابض ہو گئے تھے، حالانکہ خلافت پر ان کا کوئی حق نہیں تھا[۵]۔ اس نے عوام کو للکار کر اٹھو اور ظالم امراء کو نکال دو اور حضرت عثمانؓ نے بیت المال کا بہت سا مال جمع کر کے اس پر قبضہ جما لیا ہے اس لئے تم اٹھ کھڑے ہو محمدؐ کے وصی تمہارے درمیان موجود ہیں عثمانؓ کو مسند خلافت سے ہٹا دو۔ اس پر طعن و تشنیع شروع کرو اور یہ ظاہر کرو کہ تمہارا مقصد "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے[۶]۔

حضرت علیؓ سے متعلق اس کا غلو اس حد تک بڑھا کہ اس نے کہا کہ "علی خالق ہیں[۷] اور میں ان کا نبی ہوں[۸]"۔

اپنے ان عقائد کی اشاعت اور ملت اسلامیہ کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کیلئے اس نے

۱۔ طبری: تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص۹۰ ۲۔ ابن عساکر: تاریخ تہذیب ابن عساکر جلد ۷ ص۴۲۸

۳۔ طبری: تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص۹۰۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص۷۷
ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۶۸۔ ابن عساکر۔ تاریخ تہذیب جلد ۷ ص۴۲۸ مطبوعہ دمشق
ابو منصور۔ الفرق بین الفرق ص۱۴۴ ۴۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص۷۷

۵۔ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول، جزو خامس ص۹۰۔ ابن خلدون۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص۱۳۹
نوبختی۔ فرق الشیعہ ص۴۴۔ ۶۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص۷۷۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۶۸

۷۔ ابن قتیبہ۔ المعارف ص۶۲۲۔ الفرق ابن قتیبہ: تاویل مختلف الحدیث ص۸۷۔ الکشی
معرفۃ اخبار الرجال جلد اول ص۷۔ البلخی۔ کتاب البداء والتاریخ جلد ۵ ص۱۲۹

۸۔ الکشی۔ معرفۃ اخبار الرجال جلد اول ص۷۔

سلطنت اسلامیہ کا ایک طویل دورہ کیا اور مدینہ، مکہ، کوفہ، شام اور مصر کا سفر کر کے حالات کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور ایسے لوگوں کا سراغ لگایا جو کسی وجہ سے حکام کے طرز عمل کے شاکی تھے۔ یا ایسے لوگ جو اگرچہ مسلمان تھے لیکن اسلامی تعلیمات سے پورے طور پر واقف نہ تھے۔ عبداللہ بن سبا کو مکہ اور مدینہ میں کسی قسم کی کامیابی نہ ہوئی۔ اسکی تحریک انہی مقامات پر زیادہ کامیاب ہوئی جہاں صحابہ کرامؓ کی تعداد بہت کم تھی اور جو تھے انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ مصر، شام، کوفہ اور بصرہ میں فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں اور ان فوجی چھاؤنیوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنھیں صحبتِ نبویؐ سے بہت کم استفادہ کا موقع ملا تھا[۱] اور جو جہاد کی مصروفیتوں کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کو بہت کم سمجھ سکے تھے۔

مکہ اور مدینہ میں ناکام ہونے کے بعد عبداللہ بن سبا نے بصرہ کا رخ کیا۔ طبری، ابن اثیر اور خلدون کے بیان کے مطابق اس وقت عبداللہ بن عامر والیٔ بصرہ تھے، ابن سبا نے بصرہ میں ایک لٹیرے حکیم بن جبلہ کے ہاں قیام کیا جو نظر بندی کی زندگی گذار رہا تھا[۲]۔ آدمی چرب زبان اور ہوشیار تھا اس نے بہت جلد حکیم بن جبلہ کو شیشہ میں اتار لیا، اور اسکے ہاں آنے جانے والوں کو بھی ہمنوا بنا لیا۔ بقول طبری "کچھ لوگوں نے اس کا نظریہ مان لیا اور اسکے ہمنوا ہو گئے"[۳] والیٔ بصرہ عبداللہ بن عامر کو جب یہ خبر ہوئی تو انھوں نے عبداللہ بن سبا کو طلب کیا اور اس سے بصرہ آنے کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا "میں اسلام لے آیا ہوں اور یہاں سکونت اختیار کرنا چاہتا ہوں"۔ عبداللہ بن عامر نے کہا "تو غلط کہتا ہے مجھے اصل حقیقت کا پتہ چل گیا ہے بہتر یہ ہے تو حدود بصرہ سے نکل جا" لیکن بصرہ میں قیام کے دوران اس نے ان تمام لوگوں کو منظم کر لیا جو حاکم وقت سے ناراض تھے یا جنکو اس نے عیاری سے ہمنوا بنا لیا تھا۔ ابن سبا نے حکیم بن جبلہ کو ان سب کا لیڈر بنا لیا اور انکو امیر کی اطاعت کرنے کی ہدایت کی اس طرح بصرہ میں نظر بندوں کی ایک جماعت

---

۱ ابن خلدون: تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ ۲ طبری: تاریخ طبری جلد اول جزو خامس صفحہ ۹۰ ابن خلدون: تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ ۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ صفحہ ۷۲

۳ طبری: تاریخ طبری جلد اول جزو خامس صفحہ ۹۰ ۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ صفحہ ۷۲

قائم ہوگئی۔

بصرہ سے نکل کر اس نے کوفہ کا رُخ کیا[1] یہاں ایسے عناصر خاصے تھے جو اسکے ہم خیال تھے اور کسی نہ کسی بہانے سے حکومت کے خلاف خروج چاہتے تھے۔ ان لوگوں میں مالک بن اشتر ابن الکوا، عمیر بن ضابی جندب، کمیل اور ابن زاجکہ شامل تھے، ان میں سے ابن سبا نے اشتر کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے چنا اور اس سے کہا کہ " اسلامی تعلیم کی رو سے قریش اور غیر قریش سب برابر ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ قریش تمام اعلیٰ عہدو پر فائز ہیں اور غیر قریش محکوموں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں"۔ اشتر خود بھی کسی اعلیٰ منصب کا خواہشمند تھا یہ اس کے دل کی آواز تھی اس لئے فوراً وہ عبداللہ بن سبا کا ہمنوا بن گیا۔ کوفہ میں غیر قریش افراد کافی تعداد میں آباد تھے اور وہ لوگ اسلامی جنگوں میں حصہ بھی لے چکے تھے اس لئے ان لوگوں نے اس خیال کو جلد قبول کر لیا۔ اور ایک جماعت خلیفہء وقت کے خلاف تیار ہوگئی۔ والئ کوفہ سعید بن العاص سے اس جماعت کو خاص عداوت تھی انکو بدنام کرنے کے لئے ہر روز ایک نیا شوشہ چھوڑا جاتا ۔۔ اور عوام کو قریش کے خلاف بھڑکانے کے طرح طرح کے وسائل کام میں لائے جاتے اشرافِ کوفہ نے ان حرکتوں سے تنگ آ کر والئ بصرہ سے انکی شکایت کی اور انکی جلاوطنی کی درخواست کی۔ سعید بن العاص والی بصرہ نے حضرت عثمانؓ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور ان کے حکم سے تقریباً دس آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرغنہ تھے، شام جلاوطن کر دیا[2] لیکن یہ جلاوطنی بعد از وقت تھی۔ عبداللہ بن سبا کا کام کوفہ میں مکمل ہو چکا تھا اور ایک جماعت تشکیل پا چکی تھی جو فتنہ کو پھیلانے کے لئے کافی تھی۔ جلاوطنی عبداللہ بن سبا کے لئے بے حد سودمند ثابت ہوئی اس طرح اس کو مختلف مقامات پر اپنے خیالات کو پھیلانے کا موقع مل گیا۔

(جاری)

---

[1] ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ صـ ۷۲

[2] ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ صـ ۷۰

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

روح اللہ خمینی (۱۹۰۲ء-۱۹۸۹ء)
ایک پُراسرار شخصیت

عجیب و غریب تضاد

پندرھویں صدی ہجری کی پہلی دہائی کی سب سے زیادہ معروف و مشہور شخصیت بلاشبہ ایران کے انقلابی رہنما آیت اللہ روح اللہ خمینی کی تھی، عالمی وسائل ابلاغ سے لے کر عام لوگوں کی زبانوں اور عقلوں تک سب سے زیادہ انھیں کا نام چھایا رہا ــــــــ لیکن انکی نجی زندگی، خاندانی پس منظر، معمولات، عادات و اطوار، حلقۂ احباب اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے عنوان جن سے کسی شخصیت کا پورا تعارف ہوتا ہے، وہ عام لوگوں کا تو ذکر ہی کیا اچھے اچھے "خواص" کیلئے بھی پردۂ خفاء ہی میں رہے ــــــ اگر آپ کو یہ بات باور کرنے میں کچھ تردد ہو تو دور کیوں جایئے اپنے ہی ذہن پر تھوڑا سا بوجھ ڈالکر سوچئے کہ آپ خود خمینی صاحب کی سوانح زندگی کے بارے میں کیا جانتے ہیں، ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ آپ کو اُن چند باتوں کے سوا کچھ یاد نہیں آئیگا جن کا حاصل یہی ہے کہ ــــــ "وہ آہنی عزم و ارادہ رکھنے والے ایک عظیم رہنما تھے، جبّہ و دستار میں ملبوس عصر حاضر کے بے مثال لیڈر تھے اور چناں تھے چنیں تھے..... ۱۹۷۹ء میں انھوں نے ایران میں جو انقلاب برپا کیا وہ انسانی تاریخ کا ایسا عظیم الشان واقعہ ہے جس نے پوری دنیا کو مبہوت کر دیا، اور اس دنیا کو کنٹرول کرنے والی بڑی طاقتوں بالخصوص امریکہ کو ہلا کر رکھ دیا وغیرہ وغیرہ" ــــــ گویا، ۷۰ سال کی عمر تک خمینی صاحب کون تھے کیا تھے، یہ کسی کو نہیں معلوم اور نہ کسی نے جاننے کی کوشش

ہی کی، حالانکہ وہ جو کچھ بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں بنے وہ اس صدی کی ابتدائی سات دہائیوں کی طویل مسافت میں پھیلے ہوئے ـــــ ان اسباب و عوامل کے نتیجہ کے طور پر بنے جو ان کے اندر اور باہر کی دنیا میں خدا کے تکوینی نظام کے ماتحت کام کر رہے تھے ـــــ ایک ہی شخص کا بیک وقت سب سے زیادہ مشہور و معروف اور مجہول و پُراسرار ہونا اگر کوئی کمال کی بات ہے تو بلاشبہ خمینی صاحب سے شاید ہی کوئی دوسرا شخص اس کمال میں پالا مار سکے۔

خاندانی پس منظر

اٹھارویں صدی عیسوی میں ہندوستان پر نادر شاہی حملہ کے وقت ایران سے جو شیعہ خاندان ہندوستان آکر بس گئے تھے اُن میں نیشاپور کا ایک علمی خاندان بھی تھا اس کی ایک شاخ پنجاب میں اور دوسری کشمیر میں آکر بسی تھی، کشمیر میں اس خانوادے میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام سید محمد حسین رکھا گیا[1] سید محمد حسین نیشاپوری کا انتقال بھی کشمیر ہی میں ہوا، ان کے لڑ

---

[1] سید محمد حسین نے مذہبی تعلیم حاصل کی اور مجتہد بنے بعض لوگوں نے انھیں "عبقات الانوار" نامی ایک کتاب کا مصنف قرار دیا ہے، اس نام سے جو کتاب مشہور ہے وہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی معروف کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کے رد میں شیعوں کی طرف سے لکھی گئی ہے، اور اسکے مصنف مولوی سید حامد حسین صاحب کنتوری (متوفی سنہ ۱۳۰۶ھ) بتائے جاتے ہیں جو خمینی صاحب کے پردادا سید محمد حسین نیشاپوری کی طرف "عبقات الانوار" نام کی جو کتاب منسوب ہے ہم اسکے بارے میں فی الحال کچھ نہیں جانتے، ہمیں اس کتاب کا سراغ ایرانی صحافی امیر طاہری کی انگریزی کتاب THE SPRIT OF ALLAH, KHOMEINI AND THE ISLAMIC REVOLUTION سے ملا ہے جس میں انھوں نے کتاب کے مضامین کے بارے میں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ سنی مسلمانوں کے خلاف سخت تبرّوں سے بھری ہوئی ہے بلکہ اسمیں سنیوں کو کفار حربی قرار دیا گیا ہے، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ انقلاب ایران کے کچھ ہی عرصے بعد یہ کتاب نظر ثانی و اصلاح کے بعد "قم" سے شائع کی گئی تھی لیکن پھر اس اعلان کے ساتھ اسکی اشاعت کا سلسلہ روک دیا گیا کہ آیت اللہ خمینی کی منظوری حاصل کر کے اس کا مستند ایڈیشن جلد شائع کیا جائیگا ہم نے یہ پوری تفصیل اسلئے لکھدی ہے کہ شاید اس مضمون کو پڑھنے والوں میں سے کوئی صاحب اس کتاب کی حقیقت کا پتہ لگا سکیں

انکے لڑکے سید احمد "نجف اشرف" (عراق) میں مذہبی تعلیم حاصل کر رہے تھے، غالباً والد کے انتقال کی خبر سن کر سید احمد نے ہندوستان واپسی کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں انھیں اپنے مستقبل کی فکر تھی، ادھر یہ ہوا کہ ایران کے چھوٹے سے شہر "خمین" کے ایک رئیس یوسف کامرائی خاں کو اپنی چھوٹی سی ریاست میں ایک "مولوی" کی ضرورت پڑی اور "نجف" کے ایک سفر کے دوران انھوں نے وہاں زیر تعلیم طلبہ میں اپنا مقصود تلاش کیا انکی نگاہِ انتخاب انھیں سید احمد پر پڑی، اور وہ انھیں اپنے ساتھ خمین لے آئے اس طرح سید محمد حسین نیشاپوری کے لڑکے سید احمد خمینی بن گئے، سید احمد نے خمین میں دینی مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس اور اُن کاموں کی انجام دہی میں مشغول ہو گئے جو ایک شیعہ عالم و مجتہد کے ذمے عام طور سے ہوا کرتے ہیں، کچھ عرصے بعد یوسف خاں نے اپنی لڑکی کے ساتھ سید احمد کی شادی بھی کر دی، سید احمد کے پانچ اولادیں ہوئیں جن میں سے ایک سید مصطفیٰ تھے، پھر ان سید مصطفیٰ کی سات اولادیں ہوئیں، جن میں سے چھٹے کا نام روح اللہ رکھا گیا، یہی بچہ آگے چل کر "آیت اللہ روح اللہ خمینی" کے نام سے مشہور ہوا۔

پیدائش اور بچپن

روح اللہ ۹ نومبر ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے تھے لیکن ابھی چھ مہینے کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ انکے والد سید مصطفیٰ زمین جائداد کے ایک جھگڑے میں کچھ لوگوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے اتنی کمسنی میں والدین میں سے کسی کا سایہ اٹھ جانا ہر ایک کے لئے مسائل پیدا کرتا ہے لیکن چونکہ ایرانی معاشرہ سخت جاہلانہ توہم پرستی میں گرفتار تھا اس لئے روح اللہ کے حالات اور نفسیات پر اس حادثہ کا زبردست اثر پڑا، ہوا یہ کہ اس حادثہ کی وجہ سے بچہ کو "منحوس" اور "بد قدم" قرار دیدیا گیا، ہوتا یہ تھا کہ مقتول والد کے ماتم کیلئے عورتیں جمع ہوتیں اور تذکرہ چھڑ جاتا بچہ کی منحوسیت کا اور پھر نت نئے حقائق کا انکشاف ہونے لگتا مثلاً اس بات سے کہ بچے کی عمر اس حادثہ کے وقت چھ مہینے کی تھی اور مقتول والد کو چاقو کے چھ ہی وار کے حملوں کا نشانہ بننا پڑا تھا، یہ نتیجہ نکالا گیا کہ بچہ کی عمر کے ہر ایک مہینے کے بدلے ایک زخم باپ کو

سہنا پڑا۔۔۔ بچہ کی نحوست ثابت کرنے کے لئے یہ بات بہت کافی تھی، اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے نفرت وکراہیت بھری نگاہیں بچے پر پڑتی رہیں اور ایک خاص احساس محرومی اسکے اندر پروان چڑھتا رہا، دوسرے رشتہ داروں کے سلوک کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ماں نے بھی بچہ کو چھوڑ دیا تھا، چنانچہ روح اللہ کی پرورش اور نگہداشت کا تمام تر کام اُن کی خالہ نے انجام دیا۔

تعلیم

چار سال کی عمر میں مکتب سے روح اللہ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے آگے کی تعلیم کے لئے ایران میں وہی قدیم نظام جاری تھا جس میں علماء و مشائخ مختلف علاقوں میں حلقہائے درس قائم کرتے تھے چنانچہ روح اللہ بھی سولہ سال کی عمر میں ایران کے ایک شہر "اراک" جاکر آیت اللہ شیخ محسن اراکی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد انھوں نے کسی اور مجتہد کے حلقۂ درس میں شامل ہونیکا فیصلہ کرلیا اور بالآخر "قم" جاکر شیخ عبدالکریم حائری کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے، جلد ہی دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہوگئی، ایرانی معاشرہ میں رائج آداب کے مطابق بتدی طلبہ کو اپنے اساتذہ و مشائخ سے انکے گھر پر ملاقات کی اجازت نہیں ہوتی لیکن روح اللہ کو شیخ حائری کی کچھ ایسی خصوصی توجہ حاصل ہوگئی تھی کہ انھیں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس عام اصول کی پابندی سے مستثنیٰ کردیا گیا تھا۔

جس زمانے میں روح اللہ "قم" میں مقیم تھے اس زمانہ میں ایران بڑے سنگین اور فیصلہ کن مراحل سے گذر رہا تھا ــــ پرانے سانچے ٹوٹ رہے تھے، انگریزوں کے اشاروں پر تمام مسلم اور مشرقی ممالک کی تشکیل نو کی جارہی تھی، ایران کے پڑوسی ملک ترکی میں جو کچھ ہوچکا تھا اب ایران میں اسی کی تیاری تھی ــــ ان حالات کا اثر روح اللہ کی شخصیت اور مستقبل پر، شاید انکی فطری حساسیت اور سیمابی افتاد طبع کی وجہ سے سب سے زیادہ پڑا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۲۱ء میں ایران کے قاچار حکمراں احمد شاہ کے خلاف ایک بغاوت برپا کی گئی جس کے نتیجے میں احمد شاہ کو باغیوں کے دو لیڈروں سید ضیاء الدین طباطبائی کو وزیر اعظم اور بریگیڈ کمانڈر رضا خاں کو وزیر دفاع بنا دینا پڑا، یہ دونوں ایرانی معاشرہ کی تطہیر و تشکیل جدید کے علمبردار تھے، اور ان دونوں کے برسرِ اقتدار آنے سے ایران کے مذہبی رہنماؤں کو فکر و تشویش تھی، سید ضیاء الدین طباطبائی چونکہ پہلے ایک اخبار نکالتے تھے اور بغاوت کے بعد وزیر اعظم بنا دیئے گئے تھے، اسلئے انکے خیالات زیادہ صراحت کے ساتھ لوگوں کے علم میں آگئے تھے چنانچہ علماء کی طرف سے زیادہ مخالفت کا نشانہ وہی بنے، رضا خاں کچھ تو اپنی فوجی ذمہ داریوں کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ وہ اپنے دل میں کچھ اور ہی چھپائے بیٹھے تھے، مذہبی معاملات میں زیادہ تر سکوت اختیار کئے رہے بلکہ جہاں موقع ملتا وہ اپنے مذہبی جذبات کے اظہار کی بھی کوشش کرتے، مثلاً محرم کے موقع پر ماتمی جلوسوں میں بری طرح سینہ کوبی کرتے ہوئے اور روتے ہوئے دکھائی پڑتے، یہی وجہ ہے کہ ضیاء الدین طباطبائی تو مذہبی طبقے کی نفرت و لعنت کا نشانہ بنتے چلے گئے، اور رضا خاں کو زیادہ تر علماء و مجتہدین کی ہمدردیاں حاصل ہوتی گئیں۔

اسی سیاسی حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے رضا خاں اپنے قدم جماتا گیا یہاں تک کہ ۲۴ء میں وزیر اعظم بھی بن گیا، پھر نومبر ۲۵ء میں ایرانی مجلس (پارلیمنٹ) نے ایک تجویز منظور کر کے ایران کی قدیم قاچار شہنشاہی کا خاتمہ کر کے مکمل اختیارات رضا خاں کے حوالے کر دیئے اور جو تھوڑی سی کسر رضا پہلوی[1] کے "مختارِ کل" بننے میں باقی رہ گئی تھی وہ بھی پوری کر دی جس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے چند ہفتوں کے اندر اندر ایک مجلس دستور ساز

---

[1] یہ ۱۹۲۵ء ہی کی بات ہے جب کہ رضا خاں نے جو ایرانی فوج کے ایک معمولی سے بریگیڈ کمانڈر تھے وزیر اعظم بننے کے بعد پہلی مرتبہ اپنے نام کے ساتھ پہلوی کا لقب لگایا ___ اور یہ دراصل اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ اب وہ ایران کو مکہ مدینہ اور نجف و کربلا سے دور لے جاکر ما قبل اسلام کی پہلوی تہذیب اور ایرانی قومیت کے رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں ___ جو لوگ مصطفیٰ کمال کے ساتھ "اتاترک" کے لقب کی تاریخ جانتے ہیں وہ رضا خاں کے ساتھ "پہلوی" کے لقب کی معنویت زیادہ بہتر طریقہ پر سمجھ سکتے ہیں

بلائی جس نے صرف پانچ نشستوں کے بعد وزیر اعظم رضا پہلوی کو "شہنشاہ ایران" قرار دیدیا اور ایک نئی شہنشاہی قائم کرنے کا مجاز کر دیا، اور پھر اس فیصلے کے پندرہ گھنٹے کے اندر اندر قصر گلستان میں شاہنشاہِ ایران رضا پہلوی کی تاج پوشی کی رسم بھی ادا ہو گئی اور اسی طرح چار پانچ سال کے عرصے میں ایران کا یہ معمولی سا فوجی افسر "شاہنشاہِ ایران" بن بیٹھا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ شہنشاہِ ایران نے تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوتے ہی قرآن مجید کا بوسہ لیا اور اس طرح ایران کے مذہبی رہنماؤں کے دل میں جگہ بنانے کی ایک اور کوشش کی، لیکن پھر ہوا یہ کہ درجہ بدرجہ طاقت و اقتدار کی سیڑھیوں پر چڑھتے رہنے کے ساتھ ساتھ اسکی اصلیت بھی کھلتی چلی گئی اس نے ٹھیک مصطفےٰ کمال اتاترک کے طریقے پر ایران سے اسلامیت کے نام و نشان کو مٹا دینے اور اپنی قوم کو مغربیت کے رنگ میں رنگ دینے کی کوشش شروع کر دی، اسلامی کیلنڈر کو منسوخ کر دیا اور ایرانی جنتری کو رواج دینا شروع کر دیا، فوج میں جبری بھرتی کا آغاز کر دیا، مردوں کے لئے مغربی لباس پہننا لازمی قرار دیدیا، اور ان قوانین کے نفاذ کی ذمہ داری فوج کے سپرد کر دی، جوشیلے فوجیوں نے جوش و خروش کے ساتھ کارروائی شروع کر دی علماء کے عمامے ڈھیر کر کر کے نذر آتش کئے جانے لگے داڑھیاں جبراً مونڈی جانے لگیں، نوجوانوں کو پکڑ پکڑ کر فوجی ٹریننگ کے لئے دُور دراز کے علاقوں میں بھیجا جانے لگا۔

یہ سب کچھ اس زمانے میں ہو رہا تھا جبکہ روح اللہ بھر پور شباب کے دور میں داخل ہو چکے تھے اور "آتش جوان تھا" ان کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی اور وہ کچھ کر گذرنے کے لئے بے چین تھے، وہ اپنے ان استاذوں سے بالکل متفق نہیں تھے جن کا کہنا تھا کہ یہ وقتی طوفان ہے گذر جائیگا، روح اللہ کی جوشیلی طبیعت اس طرزِ فکر کو سننے کی بھی متحمل نہیں تھی، غالباً اسی بنا پر انھوں نے اپنے استاذ شیخ عبدالکریم حائری سے بھی علیحدگی اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

(جاری)

AL-FALAH अल-फलाह

MUTUAL BENEFITS LTD.

غیر سودی مالیاتی اِدارہ

الفلاح میوچویل بنیفٹس لیٹڈ ایک پبلک لمیٹڈ کمپنی ہے اور مرکزی سرکار سے نوٹیفائڈ ہے اس کا نصب العین غیر سودی طریقہ پر لوگوں کی رقومات کو جمع کرنا ہے اور ان رقومات سے اِس طرح سرمایہ کاری کرنا کہ :

① رقومات محفوظ رہیں۔
② رقومات دستیاب رہیں۔
③ حلال و مناسب نفع حاصل ہو۔
④ اقتصادی ترقّی ہو۔

مندرجہ ذیل اسکیموں کے تحت ممبران اپنی رقوم جمع کرا سکتے ہیں :

۱. مُدّتی جمع کھاتہ ______ TERM DEPOSITS
۲. ریکرنگ کھاتہ ______ RECURRING DEPOSITS
۳. بچت کھاتہ ______ SAVINGS DEPOSITS
۴. ضروریاتی قرض کھاتہ ______ EMERGENCY LOAN DEPOSITS

یہ کمپنی ممبران کو غیر سودی تجارتی قرض بھی مہیّا کرے گی

ممبر بننے کے لئے اور پوری معلومات حاصل کرنے کیلئے رابطہ قائم کریں۔

الفلاح میوچویل بنیفٹس لمیٹڈ ۹ رانی لکشمی بائی مارگ

نزد بیگم حضرت محل پارک، لکھنؤ۔ فون 33598

سالانہ چندہ ماہنامہ الفرقان

اندرونِ ملک		۴۵/=
فردی نمبر سے اجراء کی صورت میں مع رجسٹری فیس		۵۰/=
بیرونی ممالک	بحری ڈاک ۱۴۰/=	یا 6/= £
	ہوائی ڈاک ۲۵۰/=	یا ۱۱/= £
بنگلہ دیش		۵۰/=
پاکستان		۱۰۰/=

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

ادارۂ اصلاح وتبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

ایجنسی ماہنامہ الفرقان

۱. کم از کم ۵ کاپیوں پر ایجنسی دی جاتی ہے۔

۲. دس عدد تک کی ایجنسی کو پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جاتے ہیں

۳. کسی خاص نمبر کی اشاعت کے وقت دس کاپیوں تک منگانے والی ایجنسی کو پیشگی ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔

۴. اخراجات بہرصورت بذمہ ادارہ ہوتے ہیں۔

۵. شرح کمیشن:

۵ تا ۹ کاپی پر 15٪ ۱۰ تا ۲۴ پر 25٪ ۲۵ یا زائد کاپی پر 33٪ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے۔

۶. ایجنسیوں کا بل فی شمارہ کی قیمت سے بنایا جاتا ہے۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

مینیجر ماہنامہ الفرقان نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

نومبر ۱۹۸۹ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
جلد ... ۵۷
شمارہ ... ۱۱
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
سرپرست:
مدیر
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی
قیمت: ... ۴/۵۰

مضامین نگار — صفحہ نمبر

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہِ کرم آئندہ کیلئے سالانہ چندہ فوراً ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ کیا جائے گا۔

ہمارا پتہ:- منیجر ماہنامہ الفرقان، نظیر آباد (۳۱- نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸ (یو پی، الہند)

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے اسکائی لائن پرنٹرس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

———— مُدیر

فروری ۱۹۸۶ء کی بات ہے، ہم لوگ لکھنؤ میں ایک دینی اجتماع کی تیاریوں میں مصروف تھے، اچانک حالات نے کروٹ بدلی، بابری مسجد کے قضیہ کو لیکر جو اُن دلوں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اچانک نئے انداز سے ابھار آگیا تھا، پورے صوبے میں سخت تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، دونوں طرف جذبات میں سخت اشتعال تھا ———— ہمارا اجتماع جس ہفتہ ہونیوالا تھا غالباً اُسی ہفتہ میں مسلمانوں کی طرف سے یوم احتجاج منائے جانیکی دعوت تھی اور پروگرام یہ تھا کہ صوبے بھر سے احتجاجی دستے متعینہ تاریخ پر لکھنؤ پہونچکر اپنے کو گرفتاریوں کیلئے پیش کریں گے۔ اُسی دن دوسرے فریق کی طرف سے بھی اسی قسم کے پروگراموں کا اعلان کیا گیا تھا، انتظامیہ کی طرف سے سخت احکامِ امتناعی نافذ کر دیئے گئے تھے، ہر قسم کے اجتماع، جلسے، جلوس پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ ہم چند ٹوٹے پھوٹے ساتھی اپنی مسجد میں مشورہ کیلئے بیٹھے امیر کی ہدایت کے مطابق میں نے ہی سب اہلِ مشورہ کے سامنے صورتِ حال کی وضاحت کی اور سب سے درخواست کی کہ خوب سوچ سمجھ کر اور پورے احساس ذمّہ داری کیساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر رائے دیں، تھوڑی دیر کے مشورہ کے بعد ہمارے امیر نے یہ فیصلہ کیا کہ انشاء اللہ اجتماع حسبِ پروگرام ہوگا، ساتھ ہی اصولوں کی پابندی اور دعاؤں کے زیادہ سے زیادہ اہتمام کی طرف ہم سب کو متوجہ کیا، اور ہم سب اپنی اپنی ہمّت و استعداد کے مطابق اجتماع کی تیاریوں اور دعاؤں میں لگ گئے، جیسے جیسے اجتماع کی تاریخ قریب آتی گئی، حالات کی ناسازگاری اور جذبات میں تناؤ بڑھنے کی خبریں ملتی رہیں، بیکسی اور بے بسی کا احساس بھی بڑھتا رہا اور کسی نہ کسی درجہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع و انابت کی کیفیت میں بھی

اضافہ ہوتا گیا، اجتماع سے متصلاً ایک دو دن پہلے یہ بھی معلوم ہوا کہ لکھنؤ آنیوالی ٹرینوں اور بسوں اور دوسری سواریوں کو روک روک کر اُن تمام لوگوں کو اُتارا جا رہا ہے جن کے بارے میں پولیس والوں کو شبہ ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہے، ہر ایسی خبر سے فطری طور پر تشویش بڑھتی لیکن الحمدللہ ساتھیوں کو اس اصول کی پابندی نصیب رہی کہ مشکلات و خطرات کا زیادہ چرچا نہ کیا جائے، بلکہ ہماری زبانوں پر اللہ تعالےٰ کی سنت و قدرت ہی کے تذکرے رہیں۔

اجتماع سنیچر کے دن سے شروع ہونیوالا تھا لیکن طے یہ ہوا کہ شہر کا ہفتہ واری اجتماع جو جمعرات کی شام کو ہوا کرتا ہے وہ بھی اجتماع گاہ ہی میں منتقل کر دیا جائے تاکہ دو دن پہلے سے ہی وہاں اجتماع کی فضا بن جائے، ایک اہم مسئلہ آنیوالی جماعتوں کے لکھنؤ تک بخیریت پہونچنے اور پھر انکے استقبال اور اجتماع گاہ تک انکے پہونچانیکا تھا۔ زیادہ تر جماعتوں کی آمد جمعہ کی صبح سے ہفتہ کی صبح تک متوقع تھی، شہر کے مختلف ریلوے اسٹیشنوں اور بس اڈوں پر جن ساتھیوں کو آنیوالے مہمانوں کے استقبال اور رہبری کی خدمت سپرد کی گئی تھی انکے ذمہ داروں نے جمعہ کی صبح بتایا کہ ہر جگہ بڑی تعداد میں پولیس فورس لگا دی گئی ہے جو تمام مسلمان مسافروں کو روک کر تحقیقات کرتے ہیں اور جن کے متعلق انکو شبہ ہوتا ہے کہ انکی آمد احتجاج کے سلسلہ کی ہے اُنھیں شہر میں داخل نہیں ہونے دیتے، یا تو حراست میں لے لیتے ہیں، یا اپنے سامنے ہی واپس روانہ کر دیتے ہیں ظاہر ہے کہ اُسوقت ایسی فضا تھی کہ تمام ظاہری تدبیروں کا بھی راستہ بند تھا بس ایک راستہ تھا کہ اپنے اللہ سے مدد مانگی جائے، اور جن جن ساتھیوں کو اس صورتِ حال کا علم یا اندازہ تھا اللہ کا شکر ہے کہ وہ اضطراری کیفیت کے ساتھ دعاؤں کی طرف متوجہ رہے کچھ کا تو یہ حال محسوس ہوتا تھا کہ بظاہر سارے کاموں میں لگے ہوئے ہیں لیکن دل دعاء میں مشغول ہے۔ اضطراری کیفیت بھی عجیب چیز ہے۔

جمعہ کی صبح سے قافلوں کی آمد شروع ہو گئی، ہر چند منٹ کے بعد کسی جماعت کی آمد کی خبر ملتی، ہم لوگ انکے ذمہ دار سے ملکر خیریت معلوم کرتے اور پھر جو کچھ معلوم ہوتا اُس سے ایمان بڑھتا، اکثر ذمہ داروں نے بتایا کہ لکھنؤ سے پہلے بعض اسٹیشنوں پر پولیس والے ہمارے ڈبوں میں چڑھے اور ہماری صورتیں دیکھکر

ہماری طرف بڑھے، ہم لوگ اپنی تعلیم میں مصروف تھے، تھوڑی دیر ہماری تعلیم یا ہمارے مذاکرہ کو غور سے سُنا پھر دوسری طرف چلے گئے، لکھنؤ اسٹیشن یا بس اڈّے پر بھی کسی جماعت کو نہیں روکا گیا، بعض ساتھیوں نے بتایا کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہماری طرف بڑھے لیکن پھر اچانک کسی اور طرف مشغول ہو گئے اور ہم آرام سے باہر آکر اپنی سواریوں میں بیٹھ گئے، جمعہ کے دن مغرب کی نماز کے بعد میں اجتماع گاہ میں ایک کام میں مصروف تھا کہ امیر محترم کی طرف سے مجھے ہدایت ملی کہ ضلع انتظامیہ کے اعلیٰ افسران آئے ہوئے ہیں، اِس لئے فوراً آجاؤ (پہلے سے مشورہ سے طے ہو چکا تھا کہ اگر ضرورت پڑے گی تو چار ساتھیوں پر مشتمل ایک جماعت انتظامیہ سے بات کرے گی۔ ان چار میں ایک یہ خاکسار بھی تھا) میں جب پہونچا تو معلوم ہوا کہ انٹلی جنس اور پولیس کے کچھ افسران آئے ہیں۔ پہلے تو آپس میں تعارف ہوا، اسکے بعد آپس میں بات چیت شروع ہو گئی، امیر محترم کے حکم پر میں نے ہی بات کا آغاز کیا، میں نے جو گفتگو اُس وقت کی وہ تو خاصی طویل تھی، وہ پوری گفتگو تو یہاں نقل نہیں کرنی ہے لیکن اس کا خلاصہ پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، سب سے پہلے تو میں نے ان سے یہ کہا :-

"ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپکو آپکے اعلیٰ حکّام نے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے حکم وارادہ نے ہمارے پاس بھیجا ہے، ہم صدق دل سے چاہتے تھے کہ ہمیں اپنے ضلع کی انتظامیہ کے ذمّہ داران سے براہِ راست گفتگو کا موقع مل جائے، اس لئے کہ ہمیں اندازہ تھا کہ جب اُنھیں آج کل کے حالات میں اتنے بڑے اجتماع کی خبر ملے گی تو بجا طور پر اُنھیں تشویش ہو گی، اور اس کے ازالہ کی صورت صرف یہ ہے کہ ہماری اور انکی براہِ راست ملاقات ہو جائے، اسلئے ہم سچے دل سے آپکے شکر گذار ہیں کہ آپ خود یہاں آئے، اب یہ ہماری ذمّہ داری ہے کہ اس اجتماع کے موضوع و مقصد کے بارے میں ہم پوری صفائی اور دیانتداری کے ساتھ آپ سے گفتگو کریں اور پھر آپ ہم کو بتائیں کہ ان حالات میں اس اجتماع کا انعقاد مناسب ہے یا نامناسب؟

پھر میں نے ان سے کہا کہ عام طور پر اسوقت جب کچھ لوگ کہیں پر جمع ہوتے ہیں تو وہ کسی گروہ یا فریق کے خلاف لوگوں کے ذہن بنانے کیلئے جمع ہوتے ہیں لیکن ہمارا یہ جمع ہونا

دنیا کے سارے انسانوں کو کامیاب کرنیکے خیر خواہانہ جذبہ سے ہے، ہمارے دل خدا کا شکر ہے کہ نفرت وعناد کے جذبہ سے خالی ہیں اور ہماری تمنا ہے کہ سارے جہان کا درد اور پوری انسانیت کی محبت اور اس کی سچی خیر خواہی سے ہمارے دل معمور ہو جائیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ ساری دنیا میں ہر چیز ترقی کر رہی ہے لیکن انسانیت مسلسل زوال کا شکار ہے۔ ہمارے نزدیک ہمارے معاشرہ، ہمارے ملک اور پوری دنیا کی تمام مصیبتوں، پریشانیوں اور تمام جھگڑوں کا واحد سبب یہ ہے کہ انسان بگڑ گیا ہے، بگڑتا چلا جا رہا ہے۔ اور اسے سدھارنے کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی۔ اکثریت والے کہتے ہیں کہ اقلیت والے خراب ہو گئے ہیں اور اقلیت والے کہتے ہیں کہ خرابی اکثریت والوں کی ہے، حکام کہتے ہیں کہ محکوم بگڑ گئے ہیں، محکوم ساری خرابیوں کا سرچشمہ حکام کو قرار دیتے ہیں۔ مالدار کہتے ہیں کہ غریب طبقہ بگڑ گیا ہے اور غریب کہتے ہیں کہ بگاڑ سارا مالدار ہوں کا ہے۔۔ غرضیکہ ہر طبقہ دوسرے طبقہ کو مورد الزام قرار دیتا ہے، اور اپنے کو بالکل بری، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بگاڑ پوری انسانیت میں ہے جبتک مجموعی طور پر ماحول کا بگاڑ دور نہیں ہوگا اس ماحول میں رہنے والا کوئی طبقہ بھی اسکے بگاڑ سے بچ نہیں پائیگا، اسلئے ہم لوگوں نے خوب سوچ سمجھ کر اُن لوگوں کی رہنمائی کو قبول کیا ہے جنھوں نے چھوٹے اور وقتی مسئلوں کو اپنی محنتوں کا موضوع بنانیکے بجائے خالصۃً نبیوں کی پیروی کرتے ہوئے اِس بڑے دائمی، بنیادی اور عالمگیر مسئلہ کو اپنی محنتوں کا میدان بنایا ہے، ہم جو کچھ اُن کے بارے میں جانتے ہیں اسکی روشنی میں کہہ سکتے ہیں کہ انکے دلوں میں واقعۃً پورے انسانوں کا درد ہے، وہ انسانیت کے سچے خیر خواہ ہیں۔ اور سب کو دنیا سے لیکر آخرت تک کامیاب و بامراد دیکھنا انکی سب سے بڑی تمنا ہے، ہم لوگ اس کام کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ کر رہے ہیں، ہمارا یقین ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کی مخاطب پوری انسانیت ہے لیکن یہ بات آج کتابوں میں تو ہے مگر بہت کم مسلمان ہیں جو اس حقیقت کو ٹھیک طور پر سمجھ کر خدا کے اس عظیم تحفہ کو دنیا کے ایک ایک انسان تک پہنچانے کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری

کو محسوس کرتے ہوں۔ بلکہ اس وقت انتہائی افسوسناک صورتحال تو یہ ہے کہ مسلمان کہلانے والوں کی غالب اکثریت اس بات کو بالکل بھول چکی ہے، ہم دنیا کی قوموں کی طرح ایک قوم بن گئے ہیں۔ اور دوسروں کی دیکھا دیکھی ساری دنیا میں حقوق کی لڑائی لڑ رہے ہیں...... ہماری کوشش کا اولین میدان اگرچہ مسلمان ہیں اس لئے کہ ہمارا ایمان ہے کہ بغیر مسلمانوں کے ذہن میں بنیادی تبدیلی پیدا کئے پوری دنیا کے انسانوں کو سوچنے پر مجبور کرنے کی کوشش عملاً کامیاب نہیں ہو سکتی ـــ لیکن ہمارا اصل نشانہ یہ ہے کہ دنیا میں جتنے سلیم الطبع انسان موجود ہیں وہ اپنی انسانیت کی قدر کریں اور اس کی بلندی کو سمجھیں۔

میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ ایک ایسے زمانہ میں جس میں ہر طرف شکوے شکایت اور احتجاج کا ماحول ہو، دلوں میں تنگی عام ہو آپ جیسوں کیلئے اس بات پر یقین کرنا کوئی آسان نہیں کہ ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے، اور یہ کہ واقعۃً ہم ساری دنیا کے انسانوں کو بھی خوشحال و کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ جو لوگ انجانے میں ہم پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں ہماری تمنا ہے کہ انکی سمجھ میں بھی بات آجائے اور وہ بھی کامیاب ہو جائیں، ہم لوگ اپنی کم حیثیتی، کسمپرسی اور بے وزنی کے باوجود اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتے ہیں کر رہے ہیں، اور چاہ رہے ہیں کہ پہلے مرحلہ میں کم سے کم اتنا ہو جائے کہ مسلمان کہلانے والی قوم سمجھے اور پر پوری انسانیت کی خیر خواہی کی بھاری ذمہ داری ہے کہ ایک ایک فرد کے دل میں سب کی حقیقی خیر خواہی کے جذبات دوسرے تمام جذبوں پر غالب ہو جائیں، ہمارا یقین ہے کہ خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں، اور ہمارا ایمان ہے کہ بالآخر فتح سچائی اور انصاف کی ہوتی ہے، دنیا کی جس قوم کی اکثریت کے دل میں دوسروں کی سچی خیر خواہی آجائیگی ہمیں یقین ہے کہ خدا جسکے قبضۂ قدرت میں سارے انسانوں کے دل ہیں وہ تمام انسانوں کے دلوں کو اس قوم اور اسکے طور طریقوں کی محبت سے بھر دینگے، ہم جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں یہ باتیں بالکل اجنبی معلوم ہوتی ہیں اور جب ہمارے اپنوں کی اکثریت کیلئے یہ باتیں اجنبی ہیں تو اگر آپکو یہ اجنبی یا خیالی معلوم

ہوں یا آپ انھیں زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کے بجائے کسی سنیاسی کا اُپدیش قرار دیں تو ہمیں آپ سے کوئی شکایت نہیں، بہرحال ہم یہ ضرور کہیں گے کہ ہمارا یہ اجتماع کوئی وقتی جلسہ نہیں، پورے ملک اور پوری دنیا کے انسانوں کے بگاڑ کو دور کرنے کے بڑے اور مقدس مقصد کیلئے اپنے بھائیوں کو سرگرم عمل اور بےچین وبیقرار بنا دینے کیلئے کی جانیوالی محنت کا ایک حصہ ہے، ضلع میں امن وامان قائم رکھنے کے منتظم وذمہ دار کی حیثیت سے معاشرہ کے بگاڑ کو دور کرنیکی ضرورت آپ ہم سے زیادہ محسوس کرتے ہونگے لہذا ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ خود اس اجتماع میں کہی جانیوالی باتوں کو سنیں، اپنے عملے کے اُن لوگوں کو بھیجیں جنھیں ہم نہیں جانتے، وہ ہر پروگرام میں شریک ہوں، ہماری باتیں ریکارڈ کریں اور پھر آپ ہمیں بتائیں کہ یہاں جو کچھ کہا گیا اُس سے امن وامان میں خلل پڑیگا یا اسکے قائم رکھنے میں مزید مدد ملے گی۔

یہ ہے اُس گفتگو کا خلاصہ جو اُسوقت میں نے اُن لوگوں سے کی، میں اپنی بات میں محو رہا، اور تینوں ساتھی ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہے جسوقت میں اس گفتگو کیلئے چلا تھا تو اُن ساتھیوں سے جو اصول کے مطابق پہلے ہی سے ہمہ وقت ذکر ودعا میں مشغول رہنے کیلئے ۵ دن کیلئے مسجد میں معتکف تھے، خاص طور پر یہ کہہ کے آیا تھا کہ آزمائش کا وقت ہے، اور "وقت دعا ہے"۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ان میں سے ایک صاحب کچھ کھا رہے تھے، سنتے ہی وہ چیز انھوں نے رکھی اور سجدے میں پڑ گئے ـــــ اور جب تک ان کو اللہ کی مدد کی خبر ہم لوگوں کی طرف سے نہیں پہنچی وہ تینوں مسکین صفت بندگانِ خدا اللہ تعالیٰ سے مدد کی بھیک مانگتے رہے ـــــ یہ انہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ جب میں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ بند کیا تو میں نے دیکھا کہ جو صاحب سب سے اعلیٰ افسر تھے انکی ڈائری کنارے رکھی ہوئی ہے انکے سر پر رومال بندھا ہوا ہے ـــــ اور آنکھیں نم ہیں، جب میں خاموش ہوا تو وہ بولے۔

"مولانا! اب ہماری بھی کچھ سنئے! ہم آئے تو تھے سرکار کے بھیجے ہوئے اب یہاں سے جا رہے ہیں آپکے بھیجے ہوئے، یقین کیجئے، سب کچھ ہماری سمجھ میں آگیا ہم جب اس جلسہ گاہ کے اندر داخل ہوئے تھے۔ ہمیں ایک سفید روشنی سے آسمان سے برستی ہوئی دکھائی دی تھی اسی وقت ہم سمجھ گئے تھے کہ معاملہ یہاں کچھ اور ہے۔ اور اب بات سمجھ میں آگئی کہ معاملہ کیا ہے ـــــ آگے انھوں نے کہا: مولانا صاحب! آپ جیسوں کی وجہ سے ہی ہمارا یہ سماج ابھی چل رہا ہے، ورنہ شاید یہ نشٹ (برباد) ہو گیا ہوتا

اب ہمیں آپ سے کچھ نہیں پوچھنا ہے، آپ سکون سے اپنا کام کیجئے۔ بلکہ میری دو درخواستیں قبول کر لیجئے، ایک تو یہ کہ ہم سے یہاں کی کچھ سیوا (خدمت) لے لیجئے۔ اور دوسری یہ کہ میرا ایک ہی لڑکا ہے میں اُسے کل لاؤں گا، اسکے سر پر ہاتھ پھیر دیجئے گا، اور اسکے لئے دعا کر دیجئے گا۔.......

یہاں ان افسر صاحبان کی بات کا بھی بس خلاصہ ہی نقل کر سکا ہوں، ورنہ جذبات میں انھوں نے بھی بہت کچھ کہا تھا۔ اس بیچ میں ہمارے امیر صاحب (جو اس گفتگو میں شریک تھے) کے پاس ذمہ داروں کی طرف سے اطلاع آئی کہ ایک جماعت جو اس اجتماع میں شرکت کیلئے لکھنؤ آرہی تھی، لکھنؤ کے مضافات میں واقع ایک تھانہ میں زیر حراست ہے، امیر صاحب نے وہ رقعہ میری طرف بڑھا دیا، میں نے اُسے پڑھا اور ان افسروں کو رخصت کرتے وقت اُن سے کہا کہ "آپ جو خدمت کرنا چاہتے تھے اُس کا ایک موقعہ آپ کو اللہ نے فراہم کر دیا، فلاں تھانے میں ہماری ایک جماعت زیر حراست ہے، اگر آپ کا دل مطمئن ہو گیا ہے اور آپ اسمیں کوئی حرج نہ سمجھیں تو ہمیں مشورہ دیں اس جماعت کی رہائی کیلئے ہم کیا تدبیر کریں" انھوں نے یہ سنتے ہی کہا کہ آپ کو اس سلسلہ میں کچھ نہیں کرنا پڑیگا، یہ ہمارا فرض ہے، آپ صرف دعا کیجئے اور اس جماعت کا انتظار کیجئے، ہم کوشش کرتے ہیں کہ جلدی سے جلدی آپکے وہ ساتھی آپ تک پہونچ جائیں (الحمد للہ ایسا ہی ہوا، چند گھنٹوں کے بعد وہ جماعت بخیر و عافیت اجتماع گاہ پہونچ گئی) اور پھر ایسے حالات میں جبکہ چند آدمی بھی کہیں پر یکجا نہیں ہو سکتے تھے کئی ہزار کا یہ مجمع پورے سکون کے ساتھ اعمال میں مصروف رہا اور پھر اجتماع کے ختم پر سارے ملک کے مختلف علاقوں کیلئے حسبِ معمول جماعتیں روانہ ہوئیں ـــــ فالحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا أن ھدانا اللّٰہ۔

یہ ایک استثنائی اور "خارق عادت" واقعہ نہیں تھا۔ اس کائنات میں جسے اللہ تعالیٰ نے اسباب و نتائج کے مستحکم اور ناقابل تبدیل نظام کا پابند بنایا ہے اور جس میں حسن تدبیر، صبر و تحمل اور دعاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے ہمیشہ صحیح نتائج نکلتے ہیں اور جس میں پھوہڑپن اور متکبرانہ دعوؤں کے نتیجے اُلٹے ہی برآمد ہوتے ہیں، اس میں روزمرہ پیش آنے والے معمولی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی تھا ـــــ ہم لوگوں کو اس سے بڑا سبق ملا، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سنت کا عملی تجربہ ہوا۔ صاف نظر آ گیا کہ کس طرح ساری مخلوق کے دل اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں؟ دلوں میں امید کی روشنی بڑھی، اور دعوتی مزاج، اور نبوی طریقے کی کامیابی پر یقین مضبوط ہوا ـــــ

میں ذرہ برابر مبالغہ کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ اسی طرح کے تجربے پوری دنیا میں ان ہزاروں بھائیوں کو ہوتے رہتے ہیں جو زمانہ کے عام مزاج سے ہٹکر نبوی طریقے پر دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں' اور ان تجربوں کی وجہ سے ایسا عین الیقین اس منہاج کے صحیح ہونیکے بارے میں بنتا ہے کہ پھر کسی تحریک کی چمک دمک اور چیخ و پکار پر کان دھرنے کو بھی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔

یہ سطریں جن دنوں میں سپرد قلم کی جارہی ہیں ہندوستان میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے اور بہت بڑے پیمانہ پر قتل وغارتگری کی تیاریاں ہورہی ہیں ——— کاش کہ مسلمانوں کی سمجھ میں اب تو آجاتا کہ اِن حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے قرآن کس طریق کار کی طرف رہنمائی کرتا ہے! سیدالانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ہمیں کیا رہنمائی ملتی ہے؟ کاش کہ ہم دوستوں اور دشمنوں کے درمیان فرق کرسکتے! کاش کہ ہم پر یہ حقیقت کھل جاتی کہ ہم صرف مظلوم نہیں ظالم بھی ہیں! ختم نبوت کی برکت سے پوری دنیائے انسانیت کے بارے میں مجموعی طور پر ہم انہی جذبات، اُسی خیر خواہی و ہمدردی، اُسی شفقت و محبت اُسی محنت و قربانی اور اُسی قدر صبر و تحمل اور عدل و شجاعت کے مکلف ہیں جسکی ذمہ داری اصلاً انبیاء علیہم السلام پر ہوا کرتی تھی ——— ہائے جس قوم کو اجتماعی طور پر اتنا بلند مقام دیا گیا تھا، اب اسکے عوام تو عوام خواص تک کے ذہن میں اس کا دھندلا سا تصور بھی باقی نہیں رہ گیا ہے ——— اور یہی مطلب ہے ہمارے اس احساس بلکہ یقین کا کہ ہم مظلوم بعد میں ہیں، اور ظالم پہلے ہیں ——— ربنا ظلمنا انفسنا واِن لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین۔

میں اپنے قلم کو روکتا ہوں' نہ کاش سے کام چلے گا نہ ہائے سے' بلکہ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ نہ اداریوں سے کام چلے گا نہ اخباری مشوروں سے، امت مسلمہ کی ذہن سازی اور تربیت کا کام اتنا پھیلا ہوا، اور اتنا صبر آزما ہے کہ اچھے اچھے اس کام کا عزم کرکے اٹھتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہوئے کسی اور طرف مڑجاتے ہیں کہ ؎

تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا!

اے اللہ تو ہی ہمارے قلب کا محافظ ہے' اور تو غنی بھی ہے اور حمید بھی' ہمیں حق کی راہ دکھادے' اور اس پر مرتے دم تک جمادے اور پوری امت کے حال پر رحم فرما! اور ہم پر سے اس سزا کو اب اٹھالے جسکی وجہ سے ہماری عقل سلب ہوگئی ہے' اور جو دراصل تیرے دین اور تیری ذات کو بھول جانیکی پاداش میں تونے ہم پر مسلط کی ہے۔ اللہم لاملجاء ولا منجا منک الا الیک۔

آخر میں یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اے اللہ! اِن معروضات کے پڑھنے والوں کو وہ سب اِس سے زیادہ سمجھادے جو میں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

معارف الحدیث

کتاب المناقب والفضائل (۲۳)

عشرۂ مبشرہ کے بقیہ حضرات (رضی اللہ عنہم)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں (جو ناظرین کرام ان تمہیدی سطروں کے بعد جامع ترمذی کے حوالہ سے پڑھیں گے) اپنے اصحاب کرام میں سے خصوصیت کے ساتھ دسؓ حضرات کو نام زد کر کے اعلان فرمایا کہ یہ جنتی ہیں ۔۔۔ ان حضرات کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

ان دسؓ میں خلفاء اربعہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورینؓ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور حضورؐ نے سب سے پہلے انھیں کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، اُن حضرات کے فضائل ومناقب سے متعلق حدیثیں ناظرین کرام کی نظر سے گذر چکی ہیں، ان کے علاوہ باقی حضرات کے فضائل سے متعلق حدیثیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ١- اَبُوْبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ، وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ وَسَعْدُ ابْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعِيْدُ ابْنُ زَيْدٍ فِي الْجَنَّةِ وَاَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ" ۔۔۔ (رواہ الترمذی)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم "

سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ابوبکرؓ جنتی ہیں، عمرؓ جنتی ہیں، عثمانؓ جنتی ہیں، علیؓ جنتی ہیں، طلحہؓ جنتی ہیں، زبیرؓ جنتی ہیں، عبدالرحمن بن عوفؓ جنتی ہیں، سعدؓ بن وقاصؓ جنتی ہیں، سعید ابن زیدؓ جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن الجراح جنتی ہیں۔

―――――― (جامع ترمذی)

(**تشریح**) ظاہر ہے کہ حضورؐ کا یہ اعلان وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع اور اسکے حکم سے تھا ــــ جمہور علماء اہلسنّت نے حضورؐ کے اس ارشاد ہی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ دسؓ حضرات باقی اصحابِ کرام اور پوری اُمّت میں افضل ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کے جنتی ہونے کی حضورؐ نے مختلف مواقع پر اطلاع دی ہے لیکن ان دسؓ حضرات کو دوسرے تمام حضرات کے مقابلے میں امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد میں حضرات خلفاء اربعہ کے بعد جس ترتیب سے باقی حضرات کے اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں اسی ترتیب کے مطابق ان حضرات کے فضائل کی حدیثیں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں۔

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

عن جابر قال: نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ، قَالَ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى شَهِيْدٍ يَمْشِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى طَلْحَةَ ―――――― (رواہ الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا جس کیلئے یہ بات خوشی اور مسرت کا باعث ہو کہ وہ کسی ایسے شہید کو دیکھے جو زمین پر چل پھر رہا ہو تو وہ طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ لے ―――――― (جامع ترمذی)

(**تشریح**) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف فرما دی گئی تھی کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ شہید ہونگے آپؐ نے اس ارشاد میں جس خاص انداز میں انکے

شہید ہونے کی اطلاع دی، ظاہر ہے کہ اس سے حضورؐ کا مقصد انکی ایک خاص فضیلت اور عنداللہ انکی شہادت کی غیر معمولی اہمیت اور مقبولیت بیان فرمانا تھا۔

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے قریباً پچیس سال بعد جنگ جمل میں شہید ہوئے ـــــ بلاشبہ آنحضرتؐ صلے اللہ علیہ وسلم کا انکی شہادت کی اطلاع دینا آپؐ کے معجزات میں سے ہے۔

عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ دِرْعَانِ، فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَعَدَ طَلْحَةُ تَحْتَهُ حَتّٰى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ، فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ ـــــ (رواہ الترمذی)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ جنگ احد کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دو زرہیں پہنے ہوئے تھے آپؐ نے اسی حالت میں پتھر کی ایک چٹان پر چڑھنا چاہا تو (دو زرہوں کے بوجھ اور دباؤ کی وجہ سے) آپ چٹان پر چڑھ نہیں سکے تو طلحہ بیٹھ گئے (تاکہ آپؐ انکے اوپر اپنا قدم مبارک رکھ کر پتھر کی اس چٹان تک پہونچ سکیں چنانچہ) آپؐ اُن پر اپنا پائے مبارک رکھ کر پتھر کی اُس چٹان تک پہونچ گئے (حضرت زبیرؓ بیان کرتے ہیں) میں نے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر فرمایا اَوْجَبَ طَلْحَةُ یعنی طلحہ نے اپنے لئے (جنّت) واجب کر لی ـــــ (جامع ترمذی)

(**تشریح**) حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو زرہیں پہننے کا ذکر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنگ کے موقعہ پر اپنی حفاظت اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کیلئے امکانی حد تک اسباب کا استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔

عَنْ قَيْسِ ابْنِ اَبِيْ حَازِمٍ قَالَ: رَاَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ ـــــ (رواہ البخاری)

قیس ابن ابی حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ: میں نے طلحہ کا ہاتھ

دیکھا کہ وہ شل ہو چکا تھا، انھوں نے غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو
اس ہاتھ کے ذریعے (دشمن کے تیروں کا نشانہ بننے سے) بچایا تھا۔ (صحیح بخاری)

(**تشریح**) جنگ اُحد کے دن ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن لشکر کے تیراندازوں نے خصوصیت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا کر آپؐ کو شہید کر دینا چاہا —— اُس وقت جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی، حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ نے اپنے سپر کے ذریعے حضورؐ کو بچانیکی کوشش کی، اُسی حال میں ہاتھ ایسا زخمی ہوا کہ سپر ہاتھ سے گر گیا تو انھوں نے خود اپنی ذات اور اپنے پورے جسم کو خاص طور سے اپنے دونوں ہاتھوں کو سپر بنا لیا اور حضورؐ کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے اُوپر لیا دشمن کا ایک تیر بھی حضورؐ تک نہیں پہونچنے دیا، جسکی وجہ سے ایک ہاتھ تو بالکل شل ہو گیا اور پورا جسم گویا چھلنی ہو گیا، روایات میں ہے کہ انکے جسم پر اَسّی سے اُوپر زخم شمار کئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق زندہ رہے اور اُحد کے بعد بھی قریباً تمام ہی غزوات میں حضورؐ کے ساتھ رہے پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک دین اور اُمت مسلمہ کی خدمت ہی انکا نصب العین اور انکی زندگی کا مقصد رہا یہانتک کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہُ۔

اس روایت کے سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسکے راوی قیس ابنِ ابی حازم معروف اصطلاح کے مطابق صحابی نہیں ہیں، انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا لیکن ایسے وقت پہونچے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت فرما چکے تھے اسلئے اگرچہ تابعین میں ہیں لیکن چونکہ انھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور زیارت و بیعت کی نیت سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا تھا، اسلئے اُن کتابوں میں جو صحابہ کرام ہی کے حالات میں لکھی گئی ہیں ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے —— گویا ان کتابوں کے مصنفین نے حضورؐ کے ارشاد "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى" کی روشنی میں ان کی نیت ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے کر صحابہ کرام کے ساتھ شمار کیا ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

سود اور غیر سودی بینک کاری

قرآن و سنت میں جن گناہوں کی شدید ترین مذمت آئی ہے ان میں سود خوری سر فہرست ہے، قرآن پاک میں سود کھانے والوں کو اللہ اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ کا چیلنج کیا گیا ہے، قرآن پاک میں کسی گناہ پر اتنی سخت وعید نہیں آئی ہے ارشاد باری ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا	اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو
مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ	جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ	اللہ کے فرمانے کا، پس اگر نہیں چھوڑتے تو
اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے
(سورہ بقرہ آیت ۲۷۸-۲۷۹)	رسول سے۔

اس شخص سے زیادہ بدنصیب اور محروم کون شخص ہوگا جو ایک گناہ پر اصرار کرکے اللہ اور اسکے رسولؐ کی طرف سے جنگ کا چیلنج قبول کرے۔ آخر ایسے بدنصیب شخص کو کہاں پناہ ملے گی اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عتاب سے کس طرح بچ سکے گا۔ احادیث نبویہ کا ذخیرہ سود کے خلاف سنگین وعیدوں سے بھرا ہوا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سود
وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ	لینے والے، سود دینے والے، سود لکھنے
وکاتبہ وشاھدیہ	والے اور سود کے گواہوں پر لعنت بھیجی

وقال هم سواء۔[1] — اور فرمایا: یہ سب (گنہگار ہونے میں) برابر ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سود کا گھناؤنا پن ان الفاظ میں واضح فرمایا:۔

الربٰو سبعون جزءً ا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ۔[2] — سود (پر ہونے والے گناہ) کے ستر درجات ہیں ان میں سب سے ہلکا درجہ کسی شخص کا اپنی ماں سے زنا کرنیکے برابر ہے۔

اسلام میں سود کی شدید ممانعت کیوں؟

اسلامی شریعت میں سود کی شدید ترین ممانعت اور مذمت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام دنیا میں جس طرح کا معاشرہ برپا کرنا چاہتا ہے سودی نظام معاشرہ کو اسکے بالکل مخالف سمت میں تیزی سے لے جاتا ہے۔ اسلام انسانی سماج میں ایثار، قربانی، ہمدردی، سخاوت، غرباء نوازی، صلہ رحمی وغیرہ بلند خصائل کو فروغ دینا چاہتا ہے، اور سودی نظام خودغرضی بخل، ظلم وقساوت، بے مروتی، قطع رحمی، استحصال کی آبیاری کرتا ہے اور سماج کو انسانی صفات سے محروم کر دیتا ہے۔ اسلام معاشرہ میں دولت وسرمایہ کی تقسیم چاہتا ہے، اسلام کے معاشی نظام کا تقاضا یہ ہے کہ سرمایہ سماج کے ہر طبقہ میں گردش کرتا رہے اور دولت کسی ایک طبقہ میں مرکوز نہ ہو جائے، صدقات اور میراث وغیرہ کے قوانین جمع شدہ سرمایہ کو سماج میں زیادہ سے زیادہ پھیلانے کیلئے ہیں۔ اسکے بالکل برخلاف سودی نظام سے معاشی عدم توازن پیدا ہوتا ہے اور اسکے نتیجے میں انسانی معاشرہ سنگین بحرانوں اور ناقابلِ حل مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ سودی نظام سے سماج میں سرمایہ کی گردش رک جاتی ہے اور پوری دولت سماج کے ایک محدود طبقہ میں سمٹ کر آجاتی ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب البیوع باب الربٰو [2] مشکوٰۃ المصابیح باب الربٰو کتاب البیوع بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی۔

اس ارتکازِ دولت سے شدید قسم کا معاشی اور معاشرتی تعفّن پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے سماج کا ہر طبقہ بے اطمینانی، بدظنی اور خوف وہراس میں مبتلا رہتا ہے اور شدید نفسیاتی تناؤ معاشرہ پر مسلط رہتا ہے۔

سود خواری سیکڑوں سال کے یہودیوں کی قومی خصلت ہے۔ اسی خصلت کی وجہ سے قومِ یہود دنیا کے کسی ملک میں محبوب نہ بن سکی۔ یہ لوگ جہاں کہیں آباد ہوئے انھوں نے سود کی لعنت سے اس ملک کی معاشی بنیادیں کھوکھلی کردیں اور پورے ملک کا سرمایہ اپنی جھولی میں ڈال لیا، رفتہ رفتہ ملک کے اصل باشندوں میں انکے خلاف نفرت کا جذبہ مستحکم ہوگیا اور اس جذبۂ نفرت کو جب عروج ہوا تو یہود کو سب کچھ چھوڑ کر اس ملک کو الوداع کہنا پڑا۔ یہود کے ساتھ متعدد ملکوں میں ایسے واقعات پیش آئے۔

سودی نظامِ معیشت اور مروجہ بینکنگ

یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد جو معاشی نظام قائم ہوا اسکی داغ بیل یہودی النسل یا یہودی الفکر مفکرین کے ہاتھوں پڑی، اس معاشی نظام میں سود کو مرکزی حیثیت دی گئی اور اس نظامِ معیشت کا تانا بانا سود سے ہی تیار کیا گیا۔ یہودیوں نے بڑی ذہانت اور منصوبہ بندی سے بینکنگ کا نظام ترتیب دیا اور اسکے ذریعہ دنیا کی دولت اور معیشت پر اپنا کنٹرول قائم کرلیا، یہودی سرمایہ داروں نے اتنے زور وشور سے سود پر مبنی نظامِ معیشت کا پرچار کیا کہ ساری دنیا کو یقین آگیا کہ سود کے بغیر کوئی معاشی نظام دو قدم بھی چل نہیں سکتا۔ یورپ کے سیاسی غلبہ نے سودی نظامِ معیشت کے چلانے اور پھیلانے میں بڑی مدد دی۔ بالآخر دنیا کے گوشے گوشے میں سودی بینکوں کا جال بچھ گیا اور انسانی زندگی کی بیشتر ضروریات کو بینکنگ کے نظام کے ساتھ اس طرح مربوط کردیا کہ کسی انسان کا سود کے اثرات سے کلیۃً بچا رہنا تقریباً ناممکن ہوگیا اور زبانِ رسالت کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صادق آگئی:-

عن ابی هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليأتين　　حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر

علی الناس زمان لایبقی احد	ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سود
الا آکل الربوٰ فان لم یاکله	خواری سے نہیں بچے گا اگر کسی نے سود خواری
اصابه من بخاره ویروی من	نہیں کی تو اسے سود کا غبار یا دھواں ہی
غبارہ۔[1]	پہنچ جائے گا۔

اسلامی ملکوں نے بھی سیاسی مغلوبیت اور ذہنی مرعوبیت کی وجہ سے رفتہ رفتہ سودی نظامِ معیشت کو قبول کر لیا اور مغرب کی اندھی تقلید نے مسلم ممالک کے ارباب بست وکشاد کو اس حقیقت سے ناآشنا بنا دیا کہ اسلام کا معاشی نظام دوسرے تمام معاشی نظاموں سے بدرجہا بہتر ہے اور اسی میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے۔ سود پر مبنی نظامِ معیشت کے چھا جانے کی وجہ سے دنیا کے اکثر ممالک سود کے دلدل میں اس بری طرح پھنس گئے ہیں کہ اس سے نکلنے کی کوئی راہ انھیں نظر نہیں آتی۔ دوسری طرف افراطِ زر کا مسئلہ دنیا میں معاشی استحکام قائم نہیں ہونے دیتا اور دنیا کے بڑے بڑے ماہرینِ معاشیات کی عقلیں حیران ہیں کہ افراطِ زر کے دیو کو کس طرح قابو میں لایا جائے، ان بیچاروں کو کیا خبر کہ افراطِ زر سودی نظامِ معیشت کا ایک لازمہ ہے، قرآن مجید نے کس اختصار اور بلاغت کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰو وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ	اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات
(سورۂ بقرہ آیت ۲۷۶)	کو بڑھاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سودی نظامِ معیشت کے پھیلنے اور برپا ہونے کی وجہ سے کرنسی کی قدر و قیمت روز بروز گھٹتی جا رہی ہے۔ افراطِ زر اور روز افزوں گرانی کی وجہ سے بڑی بڑی کرنسیاں بے وزن ہوتی جا رہی ہیں۔ سودی نظامِ معیشت کی بے برکتی اور بے ثمری کا اس سے واضح تجربہ کیا ہوگا۔ قرآن کا اعجاز دیکھئے کہ آج کے بہت سے ماہرینِ معاشیات بھی افراطِ زر اور روز افزوں گرانی کو سودی نظامِ معیشت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الربوٰ کتاب البیوع بحوالہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔

سودی نظام معیشت اور مسلمانوں کی ذمہ داری

سودی نظام معیشت مسلم معاشرہ کیلئے کسی حال میں قابل قبول نہیں ہو سکتا، سودی نظام اسلام کے بنیادی تصورات سے متصادم ہے، سود کے رواج پذیر ہونے سے اسلام کے معاشرتی اور اخلاقی اقدار کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ مسلمان خواہ کہیں آباد ہوں اور وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں سودی نظام کے خلاف جد وجہد ان کا اہم دینی فریضہ ہے۔ مسلمانوں کیلئے اس کا کوئی جواز نہیں کہ سودی نظام کے سامنے ہتھیار ڈالدیں اور سودی نظام کے ساتھ خاموش تعاون کرتے رہیں۔ اس نظام معیشت نے دنیا میں جو تباہی مچا رکھی ہے اس کا عین تقاضا ہے کہ مسلم قوم جسے قیامت تک کیلئے منصبِ دعوت تفویض کر دیا گیا ہے اس لعنت کے خلاف صف آرا ہو جائے اور پوری دانائی اور منصوبہ بندی کے ساتھ سودی نظام کے استیصال کیلئے ہر ممکن کوشش کرے تاکہ انسانیت کو اس یہودی لعنت سے نجات حاصل ہو سکے۔

یہ بڑی خوش آیند بات ہے کہ دنیا کے جن ملکوں میں بھی مسلمان آباد ہیں، خواہ اُن کی اکثریت ہو یا وہ اقلیت میں ہوں وہاں سودی نظام کے خلاف حرکت و عمل کا آغاز ہو چکا ہے، غیر سودی بینک کاری کے کامیاب تجربے مختلف ممالک میں کئے جا رہے ہیں، اسلامی بینکنگ کا نظریہ بحث و نظر کے مرحلہ سے گذر کر عملی میدان میں اپنی افادیت ثابت کر رہا ہے۔ زمین اگرچہ سنگلاخ ہے اور غیر سودی بینک کاری کی راہ میں بے شمار مشکلات ہیں لیکن یہ کارواں بڑے عزم و حوصلہ کے ساتھ جادہ پیما ہے، اور تھوڑے ہی عرصے میں غیر سودی بینک کاری کے تجربات نے یہ حقیقت ثابت کر دی ہے کہ اسلامی اصولوں پر مبنی غیر سودی بینک کاری میں کھاتے داروں کے نفع کا تناسب سودی بینکوں سے زیادہ ہوتا ہے اور غیر سودی بینک رفاہی اور فلاحی کام مروجہ بینکوں سے زیادہ کرتے ہیں۔

ہندوستان میں غیر سودی بینک کاری

الحمدللہ ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں بھی مختلف ناموں سے غیر سودی

بینکوں کا قیام عمل میں آچکا اور اُن میں سے بعض بینک ملک وملت کی بڑی نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں ادھر چند سال سے ہندوستان میں اسلامی بینکنگ کے میدان میں بڑی اچھی پیش رفت ہورہی ہے ضرورت ہے کہ ان مبارک کوششوں کو منظم کیا جائے اوران میں باہم ربط وتعاون ہو، ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہندوستان کے مخصوص حالات میں غیر سودی بینکوں کو جو قانونی اور انتظامی مشکلات درپیش ہیں انھیں دور کرنے کے لئے اجتماعی جدوجہد کی جائے۔

چند اصولی مشورے

غیر سودی بینکوں کے ذمہ داروں کے سامنے چند اصولی باتیں پیش کرنا مفید معلوم ہوتا ہے بڑے اختصار کے ساتھ ان باتوں کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے ——— غیر سودی بینکوں کے ذمہ داروں کو یہ بنیادی بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ انکے بینک کا طریقۂ کار اور انکی اسکیمیں شرعی نقطہ نگاہ سے بے داغ اور قابل قبول ہوں، بینکوں کے طریقۂ کار اور اسکیموں کو آخری شکل دینے سے پہلے ایسے متعدد علماء اور فقہاء کے سامنے انھیں پیش کیا جائے جنھیں فقہ اسلامی میں بصیرت حاصل ہو اور شریعت کے مقاصد ومصالح پر ان کی گہری نظر ہو نیز بڑی حد تک عصر حاضر کی ضرورتوں اور تقاضوں سے بھی آگاہ ہوں۔ اس سلسلے میں یہ طریقۂ کار میرے نزدیک کافی نہیں کہ استفتاء مرتب کرکے انکی خدمت میں بھیج دیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ بالبصیرت علماء اور غیر سودی بنک کے ذمہ دار یکجا ہو کر تبادلۂ خیالات کریں، علماء کو بسا اوقات کچھ وضاحتیں اور تفصیلات مطلوب ہوتی ہیں، اسی طرح زبانی بحث وتمحیص کے بعد بسا اوقات طریقۂ کار یا اسکیم کے کسی جزء کا شرعی تبادل طے کرنا علماء کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔

کسی خاص اسکیم یا طریقۂ کار کے بارے میں اگر علماء متفق نہ ہوسکے اور انکے نزدیک وہ اسکیم اسلام کے مقررہ کردہ دائرے میں نہیں آتی تو اسے باقی رکھنے اور رواج دینے پر اصرار نہ کیا جائے کیونکہ غیر سودی بینک کاری سے جب مقصود اتباعِ شریعت ہے تو راہِ شریعت سے رُخ موڑ کر اسے ترقی دینے اور آگے بڑھانے کی کوشش نفس پرستی کا بدترین نمونہ ہے شریعت

کے اصولِ معاملات وتجارت کے دائرے میں رہتے ہوئے بے شمار منفعت بخش تجارتی اور رفاہی اسکیمیں تیار ہو سکتی ہیں۔ پھر خلافِ شریعت اسکیموں کو اپنانے کی کیا مجبوری ہے۔ انسان اگر اللہ کیلئے ایک راستہ ترک کر دیتا ہے تو اس کیلئے دسیوں بند راہیں کھل جاتی ہیں۔

سودی بینکوں کی تمام اسکیموں کی نقالی اور اُن کا چربہ اتارنے کی کوشش نہ کی جائے اس لئے کہ موجودہ بینکوں کی بہت سی اسکیمیں مقصد وروح کے اعتبار سے غیر اسلامی ہیں لہذا جزئی تبدیلیاں کر کے انھیں مسلمان بنانے کی کوشش ایک مہمل کام ہے۔ اسلامی اصول یہ ہے کہ دولت یا تو محنت سے حاصل کی جائے گی یا خطرہ مول لے کر محض دولت سے دولت نہیں کمائی جانی چاہیئے جس طرح سودخوار کرتا ہے کہ نہ وہ محنت کرتا ہے نہ خطرہ مول لیتا ہے۔ اس کا سرمایہ یقینی طور پہ مزید سرمایہ کو کھینچتا رہتا ہے۔ شریعت اسلامی نے سود کو قطعی طور پر حرام قرار دیکر دراصل محض سرمایہ سے حصول سرمایہ کی راہ کو بند کرنا چاہا ہے۔ موجودہ بینکوں کی بہت سی اسکیمیں اسی سود خواری کے نظریہ پر مبنی ہیں۔ انھیں جزئی تبدیلیوں کے ساتھ قبول کرلینا دراصل سماج میں سودی ذہنیت کے فروغ کا باعث بنتا ہے۔ اسلامی بینک دراصل سودی ذہنیت کو ختم کرنے کیلئے قائم کئے جاتے ہیں۔ اسلامی بینکنگ کے ماہرین کو چاہیئے کہ مروجہ بینکوں کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے اجتہادی صلاحیتوں سے کام لے کر شریعتِ اسلامی سے ہم آہنگ نئی نئی اسکیمیں تیار کریں اور انھیں چلانے کی کوشش کریں۔

حرفِ آخر

یہ چند باتیں اشاروں میں عرض کی گئیں۔ بہر حال غیر سودی بینک کاری کی جدوجہد بلاشبہ ایک عظیم جہاد ہے۔ اسے ترقی دینے کی تمام مسلمانوں کو بھرپور کوشش کرنی چاہیئے خواہ اس کیلئے مالی قربانی دینی پڑے اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ یہ کوششیں بارآور ہوں اور مسلمان دنیا سے سود کی لعنت ختم ہونے کا ذریعہ بنیں۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)

نوحہ و ماتم اور محبّت اہلِ بیت

بریڈ فورڈ (برطانیہ) سے ایک اردو ہفتہ وار اخبار "راوی" شائع ہوتا ہے۔ اسکے ۲۳ ستمبر کے شمارے میں ایک مراسلہ شائع ہوا تھا جس میں مراسلہ نگار نے اخبار کے ایڈیٹر کی توجہ اس غلطی کی طرف مبذول کی تھی کہ محرم بھی گذر گیا۔ مگر راوی کے صفحات ذکرِ کربلا سے خالی ہی رہ گئے! کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ محبان اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں؟ —— ایڈیٹر صاحب نے مراسلہ کے جواب میں کچھ ایسا معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا جس سے ظاہر ہوا کہ شاید اصولی طور پر وہ بھی محبتِ اہلبیت کے یہی معنی لیتے ہیں کہ عشرۂ محرم آئے تو نوحہ خوانی کی جائے —— برادرِ معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے اس سلسلہ میں ایک مراسلہ ایڈیٹر "راوی" کو بھیجا جو ۱۵ اکتوبر کے شمارہ میں شائع ہوا —— اس مراسلہ میں ہلکے پھلکے عام فہم انداز میں کچھ ایسی گفتگو اس موضوع پر آگئی ہے، جو ہمارے خیال میں بہت سے لوگوں کیلئے تشفی کا سامان ہوگی۔ اسی بناء پر یہ مراسلہ قارئین الفرقان کی خدمت میں بھی پیش کیا جا رہا ہے —— مدیر

محترم شیخ صاحب!

۲۳ ستمبر کے "راوی" میں "کھلی کچہری" کا پہلا "دعویٰ" اور "جواب دعویٰ" دیکھ کر کچھ عرض کرنے کا خیال ہوا تھا۔ مگر مصروفیت نے موقع نہ دیا، اس لئے چنداں دیر سے عرض کر رہا ہوں کہ کیا آپ بھی محبتِ اہل بیت کے یہی معنی لیتے ہیں کہ عشرۂ محرم آئے تو نوحہ خوانی کی جائے؟ سید قمر صاحب کی

گرفت پر آپ کی عذر خواہی بھی تاثر دے رہی ہے۔

میرے محترم، محبت اہل بیت جزو ہے محبت صاحب بیت صلے اللہ علیہ وسلم کا لیکن صاحب بیت یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تو منظور نہ ہوا کہ گزرے ہوئے اعزہ اور احباء کا ہر سال غم تازہ کیا جائے سیدہ خدیجہ طاہرہؓ نے حضور پر نور کی نبوت کے پہلے دن سے اپنے آخری سانس تک پورے دس سال تک مصائب کی اندھیریوں اور آندھیوں میں ایمان و یقین کے نور کے ساتھ جس مہر ووفا کا ثبوت دیا وہ بھلائی جانے والی چیز نہیں ہے ہم کہہ کہتے ہیں کہ حضور پر جان نثار کر دی۔ شعب ابوطالب میں خاندانِ نبوت کی محصوری کے تین سال اس دورِ مصائب کا نقطۂ عروج تھا اس محصوری کا خاتمہ ہوا تو مزید زندگی گزارنے کی جان سیدہ طاہرہؓ میں نہ رہ گئی تھی۔ جان سے گزر گئیں۔ آنحضرت کے دل میں اُن کا نقش وفا کبھی مدھم نہ ہوا۔ ہر یاد رکھنے کے موقع پر اس طرح آپ نے انکو یاد رکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضور کی انتہائی محبت حاصل ہونے کے باوجود بھی اس پر رشک آجاتا تھا۔ مگر کوئی سالانہ رسم غم آپ نے کبھی منظور نہ فرمائی۔ ورنہ وہ بلاشبہ شہدائے وفا کے زمرے میں سرِ فہرست آتی ہیں۔

دوسرا نام اس فہرست میں حضور کے عمّ محترم شہیدِ اُحد سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا ہے۔ (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) انکی شہادت کو یاد کیجیئے تو کلیجہ مُنھ کو آتا ہے۔ اور یہ بس اللہ کے رسولؐ ہی کا ظرف تھا کہ اِس محبوب چچا اور شیر خدا (اسد اللہ واسد رسولہ) کا کلیجہ نکالنے والے اور کلیجہ چبانے والے دونوں ہی کو شہادت ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ کے احترام میں معاف کر دیا۔ آنحضرتؐ کی پوری زندگی میں کوئی دوسرا واقعہ اس کیفیت غم کا ریکارڈ نہیں ہوا کہ جب شہداء اُحد کو دامنِ اُحد میں سپرد خاک کر کے مدینے میں داخل ہوئے اور ہر طرف سے آہ وبکا کی آوازیں ان گھروں سے اُٹھتی ہوئی آپ کے کانوں سے ٹکرائیں جن گھروں کا کوئی فرد اس معرکۂ اُحد میں شہید ہو گیا تھا، تو بے اختیار آپ کے منہ سے نکل گیا۔

"آہ، مگر حمزہ کو رونے والی کوئی نہیں"۔

مگر سات برس تک وہی دن اور وہی مہینہ لوٹ لوٹ کر آنحضرت کی زندگی میں آتا رہا

لیکن کبھی آپ نے نہ چاہا کہ سید الشہداء کی غمناک شہادت کا ذکر تازہ کیا جائے بلکہ بعد کا کیا سوال؟ اُسی وقت جب آپ کا یہ غمناک فقرہ "مگر حمزہ کو کوئی رونے والی نہیں" سن کر انصار مدینہ کی خواتین اپنے غم بھول کر حضور کے درِ دولت کی طرف دوڑ پڑیں کہ سید الشہداء کا ماتم کریں تو آپ نے اس وقت بھی اجازت نہ دی بلکہ فرمایا کہ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے رونا دھونا پسند نہیں ہے۔

یہ فہرست تو بہت طویل ہے مگر ایک نام کم از کم اور لے لیا جائے، یہ ہیں حضرت جعفر طیار رضؓ حضور کے چچا زاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی شہید غزوۂ موتہ (۸ھ) انکو سابقین اولین میں سے ہونے کے علاوہ راہِ خدا میں دو ہجرتوں کی بھی فضیلت حاصل ہے۔ ایک مکہ سے حبشہ (ایتھوپیا) اور ایک پھر حبشہ سے مدینہ، اس فضیلت کے ساتھ حضور کے ذاتی تعلق کا یہ عالم تھا کہ یہ فتح خیبر کے موقع پر حبشے سے مدینہ پہنچے تھے، حضورؐ سینے سے لپٹاتے تھے، پیشانی چومتے تھے اور فرماتے تھے "میں نہیں کہہ سکتا" مجھے فتح خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی؟

ان فضائل اور اتنی ذاتی محبت کے پسِ منظر میں حضرت جعفر کی شہادت حضور کیلئے جتنی المناک ہونی چاہئے تھی وہ بھی ظاہر ہے اور وہ ریکارڈ پر ہے اور ہمارے لئے ان کے تذکرہ میں جس قدر سبق آموزی اور ایمان افروزی تھی اُس کو بھی بیان کی حاجت نہیں مگر یہاں بھی ہمیں نہیں ملتا کہ آنحضرتؐ نے غزوۂ موتہ اور شہادتِ جعفر طیار کے اِس یادگار اور المناک واقعہ کے ذکر کی سالانہ رسم پسند فرمائی ہو یہ تو کیا آپ کو اس المناک واقعہ پر خود انتہائی رنجیدہ ہونے کے باوجود یہ بھی پسند نہ ہوا تھا کہ خاندان کی عورتیں زیادہ آہ وفغاں کریں، خاندان کے ایک فرد نے آنحضرت کی اِس تعلیم سے واقفیت کی بناپر کہ آنسو بہا لینے کے آگے بَین وبُکاء اللہ کو پسند نہیں ہے، آکر شکایت کی کہ عورتیں غم سے بے قابو ہو رہی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ منع کرو۔ پھر رپورٹ آئی کہ نہیں سمجھتیں تو پھر فرمایا کہ منع کرو اور آخری بار فرمایا کہ اُنکے منھ میں خاک ڈال دو۔

غرض صاحبِ بیت صلے اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ تو اپنے اعزّہ واقربا اور اپنے مشن کے شہداء کے بارے میں یہ تھا اور ہم نے اہل بیت کے حوالے سے شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی محبت کا حق یہ قرار

دے لیا ہے کہ ہر سال جب اِس سانحہ کا دِن آئے تو ہم مجالس ماتم بپا کریں اور نوحے پڑھیں ایسی محبت اہلِ بیت ہے؟

علاوہ اسکے ایک اور بھی پہلو ہے کہ اُسے اس سالانہ رسمِ عزا اور ذکرِ کربلا سے مانع ہونا چاہیئے یہ واقعہ ہماری تاریخ کا ایک بدنما واقعہ ہے کون ہے جو اپنی تاریخ کے بدنما واقعات کی سالانہ نمائش پسند کرتا ہے؟ ہم خود اپنا ہی جائزہ لیں۔ خلیفۂ سوم عثمان ذی النورینؓ کی مظلومانہ شہادت جو اپنوں کے ہاتھوں ہوئی، مجھے نہیں معلوم کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متقی بیٹے ہابیل کی قائم کردہ مثال کے بعد اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانی میں شہادت عثمانی کے علاوہ ملتی ہو، قرآن پاک میں ہابیل کی مثال کا ذکر یوں آیا ہوا ہے :۔

"جب آدمؑ کے دو بیٹوں نے ساتھ ساتھ اپنی قربانی گزاری۔ اور اُن میں سے ایک (ہابیل) کی قبول ہوئی، دوسرے (قابیل) کی نہیں قبول ہوئی۔ تو (قابیل) نے (ہابیل سے) کہا کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس نے کہا کہ اللہ تو متقیوں ہی کی نذریں قبول کرتا ہے (اس میں میرا کیا قصور ا) اگر تو میرے قتل کے لئے ہاتھ اُٹھائے گا تو میں جواب میں ہاتھ اٹھانے والا نہیں ہوں۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں" (المائدہ ۵ آیت ۲۸)

ابن آدم کے پاس اقتدار نہیں تھا۔ عثمان کے پاس وہ اقتدار تھا جس میں روم اور فارس کی ضرب المثل شہنشاہیاں سمائی ہوئی تھیں۔ علی اور انکے بیٹے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) بضد تھے کہ ہم آپ کا دفاع کریں۔ اور عثمانؓ بضد تھے کہ نہیں میرے دفاع میں کسی کلمہ گو کا خون نہیں بہے گا۔ باغی اگر سمجھانے سے مان جاتے ہیں تو مان جائیں ورنہ تم لوگوں کو قسم ہے کہ پھر مجھے خدا پر چھوڑ دو۔ سچ یہ ہے کہ مظلومانہ عفت اور صبر و ثبات کی یہ شان عثمانؓ ہی سے شروع ہوئی اور عثمانؓ پر ہی ختم ہے، مگر دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہماری تاریخ کا داغ ہے، اس لئے ہم اُسے دنیا کو دکھاتے نہیں پھرتے۔ حضرت عثمانؓ کی دوسری اہمیتوں کے علاوہ یہاں یہ بھی یاد کر لیجیے کہ عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر یہ افواہ ہونے پر کہ قریش مکہ نے ان کو قتل کر دیا ہے آنحضرتؐ نے اُن کا بدلہ لینے کے لئے

صحابہ کرام رضؓ سے موت پر بیعت لی تھی۔

واقعہ کربلا کے بعد واقعہ حرّہ ہوا جس میں بدبخت ہاتھوں سے مدینے کی آبروریزی ہوئی ہم اس کا بھی سالانہ غم نہیں مناتے کیونکہ اپنی ہی تاریخ کا داغ ہے۔

اور پھر جلد ہی مکے اور بیت اللہ کی بے حرمتی ہوئی اور مکے اور مدینے کے قائد کی حیثیت سے عبداللہ بن زبیرؓ نے اموی فوج کے ہاتھوں نہ صرف جام شہادت نوش کیا بلکہ اُن کا لاشہ بے سردار پر بھی کھینچا گیا۔ کون عبداللہ بن زبیرؓ؟ جن کی ولادت پر پورے مدینے میں خوشی منائی گئی تھی کہ ہجرت کے بعد وہ کسی مہاجر گھرانے کے پہلے مولود تھے جو اری رسولؐ زبیر بن عوام کے بیٹے تھے ابوبکرؓ کے نواسے۔ عائشہ صدیقہ رضؓ کے چہیتے بھانجے۔ مگر ہم اس سانحے کی یاد نہ بلد اللہ اور بیت اللہ کی بے حرمتی کے ناتے مناتے ہیں اور نہ ابن الزبیرؓ کی مردانگی اور عالی حوصلگی کے حوالے سے جس کا وہ ایک ریکارڈ قائم کر کے گئے۔

پھر یہ جو واقعۂ کربلا کے سلسلے میں ہم نے ایک استثنائی رویہ اختیار کر رکھا ہے سوچنا چاہیئے کہ اس کا جواز کیا ہے؟

محترمہ ذکیہ سلطانہ۔ کراچی

عبد اللہ بن سبا

(ایک تحقیقی مقالہ)

(۲)

کوفہ سے جلاوطن ہو کر یہ شام پہنچے[۱] حضرت معاویہؓ نے ان لوگوں کا استقبال کیا اور حضرت عثمانؓ کے حکم سے انکا شاہی وظیفہ جاری کر دیا جتنا انکو عراق میں ملتا تھا حضرت معاویہؓ صبح و شام کا کھانا انکے ساتھ کھاتے تھے[۲] اس طرح حضرت معاویہؓ نے انکی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہو سکی، وہ لوگ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کام کر رہے تھے، اس لئے ان پر کوئی اثر نہ ہوا، ان کی یہ روش دیکھتے ہوئے حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو خط لکھا:۔

"آپ نے میرے پاس ایک ایسی جماعت کو بھیجا ہے جو شیاطین کی زبان سے باتیں کرتے ہیں وہ قرآن کی دعوت لیکر لوگوں کے پاس آتے ہیں اور انھیں شبہات میں ڈالتے ہیں ہر آدمی انکے ارادوں کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ لوگ امت میں افتراق و تفریق چاہتے ہیں، اور فتنہ و فساد ان کا مقصد ہے اسلام ان پر ایک بار گراں ہے اور انقباض قلب کا موجب ہے شیطان کا افسوں انکے دلوں میں راسخ ہو چکا ہے۔ انھوں نے کوفے کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اگر یہ لوگ شام میں رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ اہل شام انکے فریب میں مبتلا ہو جائیں گے لہذا آپ انھیں کوفہ واپس بھیج دیجئے[۳]"

۱؎ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص۸۶ ۲؎ ابن اثیر الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص۸۰ ۳؎ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص۹۰

چنانچہ انھیں شام سے جلاوطن کر دیا گیا شام سے عبداللہ بن سبا مصر گیا اور وہاں پہنچ کر فسطاط میں مقیم ہوا[1] مصر عبداللہ بن سبا کی تحریک کیلئے بہت زرخیز ثابت ہوا مصر ایک بڑی فوجی چھاؤنی تھا اور اس میں انقلاب پسند لوگ موجود تھے، عبداللہ بن سبا نے اس سازگار ماحول میں اپنی جماعت کو منظم کیا کوفہ اور بصرہ کی جماعتوں سے بھی رابطہ قائم کیا وہ خط و کتابت کے ذریعہ انکو مختلف ہدایتیں دیتا تھا[2] اور ان سے وہاں کے حالات دریافت کرتا تھا۔ اس تنظیم کی کامیابی کی ایک وجہ یہ تھی کہ والیِ مصر عبداللہ بن ابی سرحؓ جہاد میں مصروف تھے اور وہ اس تنظیم کی سرکوبی کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ عبداللہ بن سبا نے مصر ہی میں اپنے مقصد کو تحریک کی شکل دی اپنے داعی اور مبلغ مقرر کئے اور انکو یہ ہدایات دیں[3]۔

۱۔ بظاہر متقی اور پرہیزگار بنے رہو اور لوگوں کو وعظ و نصیحت سے اپنا معتقد بناؤ۔
۲۔ عمّال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنے کی کوشش کرو۔
۳۔ ہر جگہ امیر المومنین کی کنبہ پروری اور ناانصافی کی داستان کو شہرت دو۔

ابن سبا کے داعیوں نے انتہائی ہوشیاری سے ان طریقوں پر عمل کیا۔ حضرت عثمانؓ کے والیوں کے خلاف الزام تراشی کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت ولید بن عقبہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ وغیرہ پر جو الزامات لگائے گئے، وہ اسی سازش کا نتیجہ تھے۔ ابن حزم کا قول ہے کہ "لوگوں کو حضرت عثمانؓ پر حملہ کرنے کیلئے آمادہ کرنے کا بانی بھی یہی تھا"[4]

اس سلسلہ میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:۔

"عبداللہ بن سبا نے تھوڑی سی محنت سے تمام پارٹیوں کو منظم کرکے انھیں اس پر آمادہ کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کو مسندِ خلافت سے معزول کرکے بنی امیہ کی طاقت کو توڑا جائے اس نے اپنے مبلغ ہر طرف پھیلا دیئے یہ لوگ دینداری کا لباس پہن کر پہلے عام مسلمانوں کا اعتماد

---

[1] ابن اثیر، الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص ۷۲ [2] ایضاً
[3] طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزو خامس ص ۹۸ [4] ابن حزم، الملل والنحل جلد ۲ ص ۱۱۵

حاصل کرتے تھے پھر انھیں حضرت عثمانؓ اور انکے گورنروں کے خلاف شکایات سناتے
تھے اور خیر خواہی اسلام کے پردے میں خلیفۃ المسلمین سے بدگمان کردیتے تھے"[1]

ایک شہر کے سبائی دوسرے شہر کے سبائیوں کو ایسے خطوط لکھتے تھے جس میں حکام اور والیوں
ی عیوب اور مظالم تحریر کئے جاتے تھے۔ ایک شہر والے دوسرے شہر کے لوگوں پر ظلم وستم کی داستان
تو سمجھتے کہ وہ لوگ مصائب میں مبتلا ہیں اور ہم عافیت اور اطمینان کی زندگی بسر کررہے ہیں،
الوں کے پاس ہر طرف سے خطوط پہنچتے تھے اس لئے وہ اپنے سوا تمام شہروں کے لوگوں کو مصیبت
لا سمجھتے تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ عافیت سے ہیں[2] اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہو رہا تھا کہ
یں رہنے والے صحابہؓ کی طرف سے دیگر شہروں میں خطوط بھیجے جاتے تھے جس میں مدینہ کی حالت زار
رت عثمانؓ کے ظلم وستم کی داستانیں تحریر ہوتی تھیں۔ انکا یہ حربہ بہت کامیاب ہوا مفسدین جب
ت عثمانؓ سے ملاقات کرکے واپس گئے اور پھر خط کا افسانہ لے کر واپس لوٹے تو انھوں نے حضرت علیؓ
است کی کہ وہ انکے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس چلیں اسلئے کہ ان کا خون حلال ہوگیا ہے حضرت
ے انکار کیا۔ اس پر انھوں نے کہا: "آپ نے ہمیں خطوط کیوں لکھے"۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ "خدا کی قسم
بھی تمھیں کوئی خط نہیں لکھا تو یہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے"[3]

البلاذری نے واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "۳۴ھ میں بعض اصحاب رسولؐ نے بعض کو
لکھے جس میں حضرت عثمانؓ کی سیرت اور انکے تبدیل ہوجانے کے بارے میں تحریر تھا اور بعض نے
ست کی کہ اگر وہ جہاد کا ارادہ رکھتے ہیں تو مدینہ لوٹ آئیں"[4]

البلاذری ہی لکھتا ہے کہ "جن لوگوں نے خطوط لکھے ان میں زید بن ثابت، ابو اسود ساعدی،
ن مالک اور اسان بن ثابت وغیرہ شامل ہیں"[5]

م آزاد "انسانیت موت کے دروازے پر" ص ۸۰، [2] طبری۔ تاریخ طبری، جلد اول جز خامس ص ۹۵
[3] تاریخ طبری جلد اول جز والخامس ص ۱۰۱ تا ۱۰۸ ۔ عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۹۳
[4] انساب الاشراف جز خامس ص ۶۰ [5] ایضاً

امام ابن کثیر لکھتے ہیں "اہلِ مصر اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ (کے باغی عناصر) نے باہم خط و کتابت کی اور مدینہ میں مقیم صحابہ کرام خصوصاً حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف سے جھوٹے خطوط لکھے جن میں لوگوں کو دین کی حمایت میں حضرت عثمانؓ سے لڑنے کی دعوت دی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ آج یہ جہادِ اکبر ہے"[۱]۔

اس سلسلہ میں ازواجِ مطہرات کو بھی نہیں بخشا گیا عبداللہ بن سبا ازواجِ مطہرات کے نام سے فرضی خطوط دے کر اپنے آدمیوں کو مسافروں کے بھیس میں حجاز سے مصر آنے والے راستے پر بھیجتا پھر انھیں میں سے کچھ لوگ قاصد کی حیثیت سے لوگوں کو انکے آنے کی خبر دیتے تاکہ وہ ان کا استقبال کریں جب شہر (فسطاط) کے لوگ اُن سے ملتے تو وہ کہتے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف ازواجِ مطہرات کے خطوط آئے ہیں، پھر وہ خطوط فسطاط کی جامع عمرو میں لوگوں کے اجتماع میں پڑھے جاتے تھے[۲]۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت عائشہؓ نے اظہارِ افسوس کیا تو مسروق نے (جو تابعین میں سے مشہور امام اور مقتدا ہیں اور جنھوں نے ۶۳ھ میں وفات پائی) ان سے کہا "ام المومنین یہ آپ ہی کا عمل ہے آپ ہی نے لوگوں کو خط لکھ کر انھیں حکم دیا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف نکل کھڑے ہوں" حضرت عائشہؓ نے فرمایا "ہرگز نہیں خدا کی قسم میں نے اب تک کسی کو (اس بارے میں) سفید کاغذ پر (ایک بھی) سیاہ حرف نہیں لکھا"[۳]۔

امام الاعمش کہتے ہیں کہ "لوگوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت ام المومنین کی طرف سے جھوٹے خطوط لکھے گئے ہیں"[۴]۔

العقد الفرید میں ہے "لوگوں کا خیال یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کی طرف سے خطوط لکھے گئے جیسا کہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے (غلام) اسود کے ہاتھ عاملِ مصر کے نام خط لکھا گیا"[۵]۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "خوارج نے (خدا اُن کا بُرا کرے) صحابہ کرام کی طرف سے جھوٹے خطوط

۱؎ ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص۱۴۳　　۲؎ الکندی، ولاۃ مصر ص۲۵ - ابن العربی - العواصم من القواصم حاشیہ ص۱۹۰

۳؎ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص۱۹۵ - ابن عبد ربہ، کتاب عقد الفرید جلد ۴ ص۲۹۳

۴؎ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص۱۹۵　　۵؎ ابن عبد ربہ، کتاب العقد الفرید جلد ۴ ص۲۹۳

کر بھیجے جن میں لوگوں کو حضرت عثمانؓ سے جنگ کرنے کا حکم تھا۔"[۱]

صحابہ کرام حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان خطوط سے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ ہم نے ہرگز اس قسم کے خطوط نہیں لکھے۔[۲] ان حالات اور حقائق سے ثابت ہوا کہ لوگوں کے درمیان جھوٹے مکتوبات کی اشاعت سبائیوں کا خاص حربہ تھا۔

جب مدینہ میں ہر طرف سے خطوط آنے لگے تو اہلِ مدینہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور اُن سے ان خبروں کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت عثمانؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا کہ "مجھے تو بھلائی اور سلامتی کے سوا اور کوئی خبر نہیں ملی۔" "تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ صحیح صورتِ حال کیسے معلوم کی جائے۔" انھوں نے کہا کہ معتبر اشخاص کو تحقیقِ حال کیلئے بھیجے۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ، اسامہ بن زید، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن عمرؓ کو کوفہ، بصرہ، مصر اور شام بھیجا گیا۔ انھوں نے واپس آکر اطلاع دی "ہر جگہ امن و امان ہے اور ہر جگہ عوام و خواص اپنے والیوں سے خوش اور مطمئن ہیں۔"[۳]

اس تحقیق سے یہ ثابت ہوگیا کہ ہر جگہ امن و امان تھا اور کسی جگہ کے عوام اس تحریک میں شریک نہیں تھے بلکہ وہ قطعی بے خبر تھے ہر شہر والا دوسرے شہر والے کو مظلوم سمجھتا تھا۔ یہ تحریک عبداللہ بن سبا کے داعیوں تک محدود تھی۔ رپورٹ کے تسلی بخش ہونیکے باوجود حضرت عثمانؓ نے اپنے عمّال کو مشورے کیلئے طلب کیا۔ ان لوگوں نے مختلف مشورے پیش کئے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان سب مشوروں کو ناپسند کیا اور اپنے عمّال کو مفسدین کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کا حکم دیا۔[۴] جس سے مفسدین کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ ایک جماعت کی شکل میں مدینہ پہنچے۔ عبداللہ بن سبا اس جماعت کے ساتھ نہیں تھا لیکن طبری، ابن کثیر، ابن اثیر، ابن خلدون کا خیال ہے کہ اس میں بھی درپردہ اسی کا ہاتھ تھا۔

جب وہ مفسدین مدینہ پہنچے تو حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اُن سے جاکر ملے

---

۱ ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷، ص ۱۹۵ ۲ ایضاً ص ۱۷۵ ۳ طبری۔ تاریخ طبری جلد اول جزء خامس ص ۹۰-۹۹۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ جلد ۳ ص ۷۶۔ ابن خلدون۔ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۳۹ تا ۱۴۲
۴ ابن کثیر۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۶۷

اور انکو لعنت وملامت کی وہ لوگ اس وقت تو واپس چلے گئے لیکن کچھ دنوں کے بعد واپس لوٹے اور خط کا من گھڑت افسانہ پیش کیا جب حضرت علیؓ نے اُن سے گفتگو کی اور ثابت کر دیا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں غلط ہے تو انھوں نے کہا کہ "آپ جو چاہیں سمجھ لیں ہمیں اب اس شخص کی ضرورت نہیں[1]"۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن موقع پاکر انھوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی جب بیعت کی گئی تو انھوں نے خطبہ دیا عبداللہ بن سبا اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا :۔

"آپ زمین کے پھیلانے والے ہیں" حضرت علیؓ نے اس سے کہا "تم اللہ سے ڈرو" اس نے کہا "آپ نے لوگوں کو پیدا کیا اور آپ ہی اُن کو رزق پہنچاتے ہیں[2]" حضرت علیؓ نے اسکو قتل کرنے کا قصد کیا مگر بہت سے رافضی نکل آئے اور انھوں نے کہا آپ اس کو چھوڑ دیجئے اور مدائن کی طرف جلاوطن کر دیجئے چنانچہ حضرت علیؓ نے اسکو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا[3]"۔

پھر ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی وہ گیارہ آدمی تھے اور سب کے سب سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، یہ الوہیت علیؓ کے قائل تھے[4] حضرت علیؓ نے ان سے کہا "وہ چلے جائیں" اور انھیں سمجھایا کہ "میں تو ایک آدمی ہوں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے ماں باپ موجود تھے اور میں رسول اللہؐ کا چچازاد بھائی ہوں"۔

حارث بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ "میں نے حضرت علیؓ سے سُنا وہ عبداللہ بن سبا کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ "خدا کی قسم کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مجھے بتائی گئی ہو اور لوگوں سے چھپائی گئی ہو[5]"۔

ان لوگوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا حضرت علیؓ نے انکو آگ میں جلوا دیا[6]، اور "صحرا"

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۱۶۷ [2] الزرکلی، الاعلام جلد ۴ ص ۲۲۰، عبداللہ بن سبا۔

[3] ابن عساکر، تاریخ تہذیب ابن عساکر جلد ۷ ص ۴۳۰۔ نوبختی فرق الشیعہ ص ۴۴ ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۹۰ الفرق بین الفرق ص ۱۴۳ [4] ابن حزم، الملل والنحل جزء ۴ ص ۱۸۶ تشیع الشیعہ۔

[5] ابن حجر، لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۹۰ [6] ابن حزم الملل والنحل جزء ۴ ص ۱۸۶ وجلد ۵ ص ۱۱۳ ابن حجر، لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۸۹۔ ابن عساکر، تاریخ تہذیب ابن عساکر جلد ۷ ص ۴۲۸ نوبختی فرق الشیعہ ص ۴۴

میں انکی گیارہ قبریں مشہور ہیں جو باقی رہ گئے تھے انھوں نے کہا "آگ کا عذاب صرف خالق ہی دیتا ہے اور یہ خالق ہیں"[1]

معارف ابن قتیبہ میں ہے:-

"سبائی عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب ہیں اور وہ رافضیوں میں پہلا شخص ہے جس نے کفر اختیار کیا اور کہا "علی جہاں کے رب ہیں" اس لئے حضرت علیؓ نے اس کو اور اسکے ساتھیوں کو آگ میں جلوا دیا[2]"

"الفرق بین الفرق" میں ہے:-

"حضرت علیؓ کو جب اسکے غلو کی خبر ملی تو انھوں نے اسکو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن ابن عباس نے آپ کو قتل کرنے سے منع کیا تو حضرت علیؓ نے اس کو مدائن کی طرف جلاوطن کر دیا[3]"

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے کچھ لوگوں کو جلوا دیا اور ابن سبا کو "ساباط مدائن" کی طرف جلاوطن کر دیا[4]، حافظ ابن حجر، ابن عساکر، الزرکلی، نوبختی وغیرہ نے اسکے جلاوطن ہونیکا تذکرہ کیا ہے[5]۔ شہرستانی کا بھی یہی خیال ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"ابن سبا نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں سے کہا "تم کہتے ہو کہ علیؓ شہید کر دیئے گئے لیکن علیؓ کو تو کوئی شہید نہیں کر سکتا وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ وہ خدا کا پرتو ہیں خدا علی کے وجود میں اس دنیا میں آیا اور خدا کو کون مار سکتا ہے علی بادلوں میں چھپ گئے ہیں"

---

[1] ابن عساکر، تاریخ تہذیب ابن عساکر جلد ۷ ص ۴۳۰ تا ۴۳۱ [2] ابن قتیبہ، معارف ص ۶۲۲ ابن حجر، لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۹۰ الکشی، معرفۃ اخبار الرجال جزو اول ص ۷ ابن قتیبہ، تاویل مختلف الحدیث ۸۷، مقریزی، الخطط جلد ۴ ص ۱۸۵ مطبعۃ السید مصر ۱۳۲۶ھ۔ السفارینی، شرح العقیدہ السفارینی جلد اول ص ۷ [3] ابو منصور الفرق بین الفرق ص ۱۴۴ [4] ابو منصور، الفرق بین الفرق ص ۱۴۳ [5] ابن حجر، لسان المیزان جلد ۳ ص ۲۸۹، ابن عساکر، تاریخ تہذیب ابن عساکر جلد ۷ ص ۴۲۹ الزرکلی۔ الاعلام جلد ۳ ص ۲۲۰ نوبختی۔ الفرق بین الفرق ص ۱۴۴

بارھویں امام پیدا ہو چکے ہیں مگر غار میں پوشیدہ ہیں[1]۔

اس کا چوتھا اور زبردست حملہ "صحابیت" پر تھا اسلئے کہ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اسلام کی ترقی و ترویج میں جس قوت کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے وہ صحابی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے گرد جمع کردیا تھا اور جنکے فضائل قرآن کریم میں بیان کئے گئے ہیں[2] چنانچہ یہ موزوں وقت کے انتظار میں رہا اور عہد عثمانی کے آخری زمانہ کے بعض پہلوؤں کو اپنے ان اغراض کی تکمیل کیلئے مناسب پاکر وہ صحابیت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس بات کو بخوبی جانتا تھا کہ اگر وہ "صحابیت" کو کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہوگیا تو اسلام کا دینی سرمایہ ان شخصیتوں سے محروم ہوجائے گا جنکی سیرت قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور جو اسلام کے عملی پہلو کے مظہر تھے۔ اس نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے جن لوگوں کو منتخب کیا وہ مختلف وجوہات کی بنا پر اس تحریک کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ لوگوں کو صحابیت کے خلاف کرنیکے لئے یہ ضروری تھا کہ جھوٹ بولا جائے۔ صحابہ کرام بشر تھے اور ظاہر ہے کہ بشری کمزوریوں سے مبرا نہیں تھے۔ اور غیر معصوم ہونیکے لحاظ سے جو بھی کمزوریاں اس جماعت کے بعض افراد سے سرزد ہوئیں مسلمانوں نے بغیر کسی جھجک کے ان کا تذکرہ کیا عبداللہ بن سبا نے اسی سے فائدہ اٹھایا۔ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں تحریر کیا ہے:۔

> "صحابیت کے خلاف وہ طوفان عام جن میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو شریک کیا گیا تھا بلکہ بنیاد ہی اس پر رکھی گئی تھی۔ اسی عہد میں شروع ہوئی اور پہلا شخص جس نے اس خیال کو پیش کیا وہ عبداللہ بن سبا تھا"[3]

امام شعبی کہتے ہیں "اول من کذب عبداللہ بن سبا"[4]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف جھوٹی حدیثیں اور صحابہ کرام کے خلاف جھوٹی باتیں

---

[1] شہرستانی۔ الملل والنحل الجزو اول صفحہ ۲۱۸ تا ۲۲۴ ابن حزم۔ الملل والنحل الجزو السابع صفحہ ۱۷۹ ابن خلدون مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۹۸ [2] محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم سورۃ الفتح آیت ۲۹
[3] ابن حجر۔ لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۲۹۰ [4] ایضاً صفحہ ۲۸۹

گھڑنا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ ایک کی تکمیل کیلئے دوسرے کا وجود ناگزیر تھا۔

عبداللہ بن سبا کے بارے میں اس دور میں ایک نیا اور عجیب و غریب نظریہ پیش کیا جا رہا ہے کہ عبداللہ بن سبا دراصل کوئی حقیقی شخصیت نہیں ہے بلکہ یہ فرضی کردار ہے جسے حضرت عثمانؓ اور انکے والیوں کی نااہلیت اور مظالم پر پردہ ڈالنے کیلئے تراش لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اس نظریہ کو پیش کیا اور وہی اسکی شہرت کا سبب ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ حقیقت پر مبنی نہیں ڈاکٹر صاحب نے اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کیلئے جو دلائل دیئے ہیں وہ ہر اعتبار سے ناکافی اور ناقابلِ قبول ہیں ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" میں فرماتے ہیں :-

"گذشتہ زمانے کے راویوں نے عبداللہ بن سبا کے قصے کو بہت اہمیت دی ہے اُن کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کا بانی مبانی یہی شخص ہے اور وہ اسی کو مسلمانوں کے نہ ختم ہونے والے اختلافات کا سبب قرار دیتے ہیں ..... میری رائے میں ابن سبا کے معاملے کو اس قدر بڑھا چڑھا کر پیش کرنے والے تاریخ پر بھی ظلم کرتے ہیں اور اپنے آپ پر بھی، پہلی بات تو غور طلب یہ ہے کہ ان اہم ماخذوں میں عبداللہ بن سبا کا کوئی ذکر نہیں ملتا جن میں حضرت عثمانؓ کے خلاف رونما ہونے والی شورش کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ طبقات ابن سعد میں حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کا حال درج ہے مگر کسی میں ابن سبا کا کوئی ذکر نہیں۔ بلاذری نے بھی اپنی کتاب "انساب الاشراف" میں حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں لیکن اس میں عبداللہ بن سبا کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ طبری نے ابن سبا کا تذکرہ کیا ہے اور ایک شخص سیف بن عمر سے اس واقعہ کی روایت کی ہے میرا خیال یہ ہے کہ بعد کے مؤرخوں نے طبری سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے[1] ..... ابن سبا کے متعلق جو روایات پیش کی گئی ہیں اگر انھیں صحیح مان لیا جائے تو اغلب خیال یہی ہے کہ اس نے اس فتنہ کی تخم ریزی نہیں کی بلکہ اُسے

---

[1] طٰہٰ حسین۔ الفتنۃ الکبریٰ۔ حصہ اول ص ۱۳۱-۱۳۲

ہوا دی اور اسے پھیلا دیا یعنی فتنہ اور اختلافات پہلے سے موجود تھے اس نے اس سے فائدہ اٹھایا۔[۱]

عبداللہ بن سبا کی فرضی شخصیت پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر طہٰ حسین اپنی کتاب کی دوسری جلد میں فرماتے ہیں :۔

"میرے خیال میں عبداللہ بن سبا کا وجود فرضی ہے۔ اگر اس نام کا کوئی شخص تھا بھی تو اس کی حیثیت معمولی تھی اور وہ اس قابل نہ تھی کہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اسکی شخصیت وہ نہ تھی جس کی تصویر حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت اور حضرت علیؓ کے ابتدائی دور میں دکھائی جاتی ہے۔ دراصل اس کا ہیولا شیعہ اصحاب کے مخالفین نے انھیں عاجز کرنے کیلئے تراشا ہے۔"[۲]

طہٰ حسین صاحب کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ عبداللہ بن سبا کا وجود فرضی ہے۔

۲۔ تمام تاریخی ماخذ اس کے ذکر سے خالی ہیں۔

۳۔ طبقات ابن سعد میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔

۴۔ بلاذری جو سب سے اہم ماخذ ہے اس کے بارے میں خاموش ہے۔

۵۔ اس کا ہیولا شیعہ اصحاب کے مخالفین نے انھیں عاجز کرنے کے لئے تراشا ہے۔

ان بنیادوں پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب خود اپنی اس تحقیق سے مطمئن نہیں ہیں ان کا اپنا ذہن تذبذب کا شکار ہے۔ اسی وجہ سے کبھی فرماتے ہیں کہ "ابن سبا کا وجود فرضی ہے" کبھی کہتے ہیں کہ اگر اس نام کی کوئی شخصیت گذری ہے تو اس کی حیثیت بہت معمولی تھی جسے مؤرخین نے بڑھا چڑھا کر پیش کیا" ایک جگہ فرماتے ہیں "ابن سبا کے متعلق جو روایات پیش کی گئی ہیں اگر انھیں صحیح مان لیا جائے تو اغلب یہی ہے کہ ابن سبا نے فتنہ کا بیج نہیں بویا۔ بلکہ

۱؎ طہٰ حسین۔ الفتنۃ الکبریٰ۔ حصہ اول ص ۱۳۴ ۔

۲؎ طہٰ حسین۔ الفتنۃ الکبریٰ حصہ دوم ص ۹۱ ، السیتۃ فی صفین۔

فتنہ پہلے سے موجود تھا اس نے اس فتنہ کو ہوا دے کر فائدہ اٹھایا"[1]

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود عبداللہ بن سبا کے وجود کے قائل ہیں ورنہ وہ اسکی شخصیت کے معمولی ہونیکے قائل نہ ہوتے۔ مگر کسی شخصیت کے معمولی یا غیر معمولی کا فیصلہ تو واقعات اور تاریخ ہی کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا یہ ارشاد بھی درست نہیں کہ تمام ماخذ اسکے ذکر سے خالی ہیں کیونکہ اہم ماخذ میں اس کا تذکرہ موجود ہے جس کی طرف چند اشارات اوپر کئے گئے ہیں لیکن غیر ضروری نہ ہوگا کہ اس پہلو کا قدرے تفصیل سے جائزہ پیش کیا جائے۔ اس ماخذ میں جو موجودہ دور میں مہیا ہو سکتے ہیں سب سے اہم اور اولین ماخذ "طبقات ابن سعد" ہے جسکے متعلق طٰہٰ حسین صاحب فرماتے ہیں کہ "طبقات ابن سعد میں حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کے واقعات درج ہیں مگر اس میں عبداللہ بن سبا کا کوئی ذکر نہیں" اس میں کوئی شک نہیں کہ طبقات میں حضرت عثمانؓ کے حالات میں عبداللہ بن سبا کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری طبقات عبداللہ بن سبا کے ذکر سے خالی ہے، ابن سعد نے "ابراہیم نخعی" کے حالات تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"ایک شخص ابراہیم نخعی کے پاس آیا کرتا تھا ایک روز اس نے ان سے پوچھا کہ لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق باتیں کرتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے ابراہیم نخعی؟ نے جواب دیا کہ "ما انا بسبائی ولا مرجئی"[2] (یعنی نہ میں سبائی ہوں نہ مرجئی)۔

اس عبارت سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ سبائی فرقہ موجود تھا جس کا عہد عثمانؓ و علیؓ سے تعلق تھا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فرقہ ابن سبا کے نام سے موسوم ہے۔

طبقات کے بعد دوسرا اہم ماخذ معارف ابن قتیبہ ہے قتیبہ نے "معارف" میں تمام فرقوں کا مختصر حال بیان کیا ہے۔ سبائی فرقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سبائی رافضی ہیں اور عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب ہیں یہ پہلا شخص ہے جس نے

---

[1] طٰہٰ حسین۔ الفتنۃ الکبریٰ حصہ اول ص ۱۳۴ و جلد ۲ ص ۹۰ تا ۹۱

[2] ابن سعد۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۹۵ تذکرہ ابراہیم نخعی۔

رافضیوں میں کافرانہ عقیدہ اختیار کیا اور اس نے کہا کہ علی رب العالمین ہیں[۱]۔"

تیسرا ماخذ "البلاذری" کی "انساب الاشراف" ہے اسکے بارے میں طہٰ حسین کہتے ہیں کہ میری رائے میں البلاذری کی انساب الاشراف اہم ترین ماخذ ہے اس میں حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کے واقعات بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں لیکن عبداللہ بن سبا کا کوئی تذکرہ نہیں[۲]۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کی اس تحریر سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر انکے اس اہم ماخذ میں عبداللہ بن سبا کا تذکرہ ہوتا تو وہ اسکی شخصیت کو ضرور ہی تسلیم کر لیتے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے تذکرہ میں عبداللہ بن سبا کا کوئی ذکر نہیں لیکن صرف اس عہد میں اس کا تذکرہ نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اسکی شخصیت فرضی ہے ڈاکٹر صاحب نے خود اپنی اسی کتاب کی دوسری جلد میں البلاذری کی یہ روایت تحریر کی ہے کہ "ایک دفعہ عبداللہ بن سبا حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے اسے جھڑکا اور فرمایا کہ تم لوگ ان بحثوں میں الجھے ہوئے ہو اور یہاں یہ حالت ہے کہ "مصر پر مخالفوں کا تسلط ہو گیا اور وہ تمام لوگ قتل کر دیئے گئے جو ہمارے مددگار تھے[۳]۔"

البلاذری کی اس روایت سے عبداللہ بن سبا کی شخصیت اور خیالات دونوں پر روشنی پڑتی ہے وہ انتہائی نازک موقع پر ایک بے معنی اور لغو سوال کو مسلمانوں کی بقا سے اہم سمجھتا ہے۔ انساب کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ البلاذری ابن سبا کی شخصیت کو فرضی نہیں حقیقی سمجھتا ہے۔

طبری نے اس کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ اسکے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی عبداللہ بن سبا کا حال موجود ہے۔

۱۔ ابن قتیبہ۔ تاویل مختلف الحدیث ص ۸۷

۲۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۶۷-۱۶۸-۱۷۱-۱۷۲

۳۔ ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ۔ جلد ۳ ص ۹۶-۹۵

---

[۱] ابن قتیبہ۔ معارف ص ۶۲۲ السفارینی بشرح عقیدۃ السفارینی جلد اول ص ۸ [۲] ص ۱۳۲ طہٰ حسین۔ الفتنۃ الکبریٰ جلد ۲ ص ۹۱ [۳] انساب الاشراف کی مذکورہ بالا روایت انتہائی تلاش کے باوجود نہیں مل سکی طہٰ حسین صاحب نے بلاذری کا حوالہ دیا ہے حوالہ نامکمل ہونیکی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روایت کس کی ہے اور اسے کہاں سے لیا گیا ہے صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ بلاذری کی یہ روایت انساب الاشراف کی تیسری جلد میں ہے جو کہ مخطوطہ کی شکل میں برس میں محفوظ ہے "عثمان اور قتل عثمان" ص ۲۴۶

۴ ۔ ابن حجر۔ لسان المیزان جلد۳ ص۲۸۹
۵ ۔ ذہبی ۔ میزان الاعتدال ۔ جلد۲ ص۲۲۳
۶ ۔ ابن خلدون ۔ مقدمہ ص۱۹۵
۷ ۔ ابن خلدون ۔ تاریخ ابن خلدون جلد۲ ص۳۸۵
۸ ۔ ابن عساکر۔ تہذیب التہذیب جلد۷ ص۲۲۸
۹ ۔ ابن حزم ۔ الملل والنحل جلد اول ص۲۰۸ والجزء رابع ص۱۷۹ تا ۱۸۸ ذکر شنع الشیعہ ۔
۱۰ ۔ شہرستانی ۔ الملل والنحل جلد۲ ص۱۱
۱۱ ۔ مقریزی ۔ الخطط جزو ۴ ص۱۷۵ مطبعہ النیل مکتبہ ملتزمہ، مصر ۱۳۲۶ھ
۱۲ ۔ ابو منصور ۔ الفرق بین الفرق ص۲۴۳-۲۴۵
۱۳ ۔ السفارینی ۔ شرح عقیدہ السفارینی جلد اول ص۷
۱۴ ۔ جاحظ ۔ البیان والتبیین ۔ جز الثالث ص۸
۱۵ ۔ امام ابن تیمیہ ۔ منہاج السنہ جلد۳ ص۲۳۹
۱۶ ۔ الکشی ۔ معرفۃ اخبار الرجال جلد اول ص۷۰-۷۱
۱۷ ۔ نوبختی ۔ فرق الشیعہ ص۴۳-۴۴
۱۸ ۔ البلخی ۔ کتاب البداء والتاریخ جلد۵ ص۱۲۵-۱۲۹
۱۹ ۔ ابن العربی ۔ العواصم من القواصم ص۱۵۹ کا حاشیہ

اسکے علاوہ زمانہ حال کے بہت سے مورخین نے عبداللہ بن سبا کی شخصیت پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔

ڈاکٹر طہ حسین نے اپنی تحقیق کو صحیح ثابت کرنے کیلئے چوتھی دلیل یہ دی ہے "میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ابن سبا نام کا کوئی شخص تاریخ اسلام میں گذرا ہی نہیں دراصل شیعہ اصحاب کے مخالفوں نے انھیں زچ کرنیکے لئے اس کا ایک فرضی ہیولا تیار کر لیا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ شیعی عقائد کی بنیاد رکھنے والا ایک یہودی تھا۔"[۱]

---

[۱] ڈاکٹر طہ حسین ۔ الفتنۃ الکبریٰ جلد۲ ص۹۱

ڈاکٹر صاحب نے اپنا یہ خیال بغیر کسی دلیل کے پیش کیا ہے لیکن وہ اپنے اخذ کئے ہوئے دیگر نتائج کی طرح اس نتیجہ پر بھی غلط ہی پہنچے ہیں اس لئے کہ شیعہ مصنفین نے کبھی یہ شبہ ظاہر نہیں کیا۔ ان مصنفین کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ عبداللہ بن سبا کا مقصد مسلمانوں میں اختلاف اور انتشار پیدا کرنا تھا۔ اور وہ حضرت علیؓ کی محبت کا جھوٹا دعویدار تھا۔ اس سلسلہ میں شیعوں کی مستند ترین کتاب رجال الکشی کا حوالہ کافی ہے۔ اس کا مصنف لکھتا ہے:۔

"عبداللہ بن سبا یہودی تھا جس نے اسلام قبول کر لیا۔ اور حضرت علی علیہ السلام کا محب بن گیا جب وہ یہودی تھا تو حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون کی محبت میں بہت مبالغہ کیا کرتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس نے حضرت علی علیہ السلام کی محبت میں غلو کیا ابن سبا پہلا شخص ہے جس نے حضرت علیؓ کی امامت (خلافت) کے فرض ہونیکو شہرت دی اس نے حضرت علیؓ کے خلاف زبان کھولی اور انکو کافر کہا یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے مخالف کہتے ہیں کہ شیعیت اور رفض کی اصل یہودیت سے اخذ کی گئی ہے[1]"

شیعہ مصنفین نے تو امام جعفر صادق کا قول بھی نقل کیا ہے:۔

"خدا کی لعنت ہو عبداللہ بن سبا پر کہ جس نے حضرت علیؓ کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ وہ خدا ہیں۔ حالانکہ خدا کی قسم امیر المومنین حضرت علیؓ صرف خدا کے بندے تھے۔ خدا اس شخص کو ہلاک کرے جو ہم پر کوئی تہمت لگائے[2]"

ابن سبا کا افسانہ اگر شیعوں کو زچ کرنے کیلئے گھڑا جاتا تو شیعہ مصنف اس کا تذکرہ نہ اس انداز سے کرتے اور نہ اپنے امام کا قول نقل کرتے۔ یہ قول ایک ایسے شخص سے منسوب ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک قابلِ احترام ہے۔ عبداللہ بن سبا کا "کارنامہ" حیرت انگیز ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں، تاریخ عالم میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کی بدولت عظیم انقلاب رونما ہوئے۔

---

[1] الکشی معرفۃ اخبار الرجال جلد اول ص۷۱ نوبختی۔ الفرق الشیعہ ص۲۲، [2] الکشی۔ معرفۃ اخبار الرجال ص۷۱ (یہی روایت اسی کتاب میں ابو عبداللہ اور حسین بن علی سے بھی مروی ہے۔)

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

روح اللہ خمینی
مختصر سوانحی خاکہ
(دوسری قسط)

اس مضمون کی پہلی قسط گزشتہ شمارہ میں شائع ہوئی تھی، اسے پڑھ کر بہت سے لوگوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اور یہ بھی کہا کہ بہت زیادہ اختصار سے کام نہ لیا جائے ـــــ چنانچہ پیش نظر قسط میں خمینی کی تعلیمی زندگی کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ۲۰ء سے ۳۰ء کی دہائی میں پیش آنے والے خمینی کی زندگی کے اہم واقعات اس قسط میں ملاحظہ فرمایئے۔

ایران میں دینی تعلیم کا نظام:

خمینی کی تعلیمی زندگی کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم نظام تعلیم کی بابت بھی کچھ عرض کر دیا جائے جو اس زمانہ میں ایران، اور تھوڑے سے فرق کے ساتھ پورے عالم اسلام میں رائج تھا، اور جو ایران میں اب بھی بدستور قائم ہے۔ اگرچہ جدیدیت کے شوق سے مغلوب اسلامی دنیا کے اکثر علاقوں میں اب اسے دقیانوسی نظام قرار دے کر ترک کیا جا چکا ہے۔

قدیم نظام تعلیم و تربیت میں تمام تعلیمی و تربیتی کاوشوں کی جگہ "مسجد" ہوا کرتی تھی ایران کے مذہبی نظام میں اصل مرکزی حیثیت مسجد کی نہیں بلکہ مقبروں اور مزاروں کی ہے اس لئے

وہاں علماء و مشائخ مزاروں اور درگاہوں کو ہی مدرسہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ انہی کے حجروں میں طلبہ کا جو مختلف علاقوں سے آتے تھے، قیام رہتا ہے۔ وہ حلقۂ درس جس مرکزی شخصیت کے اِرد گرد گھومتا ہے۔ اسکے ذمّے صرف ایک خارجی تربیتی درس ہوتا ہے، بقیہ کتابوں اور علوم و فنون کی تدریس منتہی طلبہ کے سپرد ہوتی ہے، اصل ذہن سازی اور فکری تربیت اُسی خارجی درس سے ہوتی ہے جو "شیخ" دیا کرتے ہیں۔ اسی کے اثر سے انکا رنگ شاگردوں میں منتقل ہوتا ہے، اور ایک متحد الفکر جماعت کی تشکیل ہوتی ہے۔

درس و تدریس کا طرز اکثر بحث و مباحثہ کے انداز پہ ہوتا ہے، استاذ کوئی موضوع چھیڑتا ہے، طلبہ اسکے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ پھر بحث ہوتی ہے، مختلف نقطۂ نظر اور دلائل پیش کئے جاتے ہیں، آخر میں استاذ اپنا فیصلہ سناتا ہے۔

ایران میں مدرسہ کی مالیات کا انتظام زیادہ تر "خمس" سے ہوتا ہے جو شیعہ مذہب کی رُو سے اپنے مذہبی رہنماؤں (مراجع تقلید) کو پیش کرنا ہر شیعہ کے ذمّے لازم ہے۔ اور جسکی وجہ سے شیعہ علماء مذہبی رہنماؤں کی اس قسم میں نمایاں مقام رکھتے ہیں جن کا اپنی قوم کے ہر فرد کی آمدنی میں حصّہ ہوتا ہے ـــــ اسی وجہ سے ہم نے کبھی کسی شیعہ عالم کو کسی دینی و ملّی کام کے لئے اپیلیں جاری کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

شیخ عبدالکریم حائری

روح اللہ خمینی کی زیادہ تر تعلیم و تربیت شیخ عبدالکریم حائری کے ہاتھوں ہوئی، شیخ حائری اصلاً یزد کے رہنے والے تھے، "اراک" میں تدریس اور دیگر مذہبی خدمات میں مصروف تھے، خمینی بھی اسی زمانہ میں آیۃ اللہ کا حلقۂ درس چھوڑ کر انکے حلقۂ درس میں شامل ہو چکے تھے ۱۹۲۰ء میں "ملّا محمد کاظم خراسانی" کے انتقال کے بعد (جو "اعلم"[1] کے منصب پر فائز تھے) شیخ عبدالکریم حائری نے

---

[1] یہ سب سے بڑے شیعہ عالم کا لقب ہوتا ہے۔

انکی وفات سے پیدا ہو جانے والے خلا کو پُر کرنے کا عزم کیا لیکن یہ تبھی ممکن تھا جب وہ "ارک" چھوڑ کر ایران کے کسی ایسے شہر میں سکونت اختیار کرتے جسے مذہبی اعتبار سے مرکزی حیثیت حاصل ہو — انکی نگاہ انتخاب "قم" پر پڑی، جہاں امام رضا کی بہن "فاطمہ معصومہ" کا مزار ہے۔ اور جسکی وجہ سے اسے ایک خاص تقدس حاصل ہے۔ اُن دنوں وہاں کوئی اہم شخصیت نہیں تھی اس لئے میدان خالی بھی تھا — بہرحال اس طرح رُوح اللہ خمینی اپنے استاذ شیخ عبدالکریم حائری کے ساتھ ۱۹۲۰ء میں "قم" منتقل ہو گئے۔

"قم" اس زمانہ میں ایک ایسا قصبہ تھا کہ شدید مذہبی جذبہ کے بغیر کسی کے دل میں وہاں جانے یا قیام پذیر ہونے کا داعیہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ پانی نہایت کھارا اور موسم بہت گرم، آبادی میں خاصی تعداد ان معذوروں، اپاہجوں اور مصیبت زدگان کی تھی جو قم میں مدفون بی بی فاطمہ کی کرامت سے شفاء یابی کی امید میں وہاں آکر بس گئے تھے اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کے انتظار میں تھے۔ مجاور اور جھاڑ پھونک کرنے والے عامل بھی وہاں کافی تعداد میں تھے ان کے پاس بزعم خود۔ ہر مرض کا علاج تھا، بھیک مانگنے والوں کے لئے بھی وہ جگہ بہت مناسب تھی کئی سو عورتیں متعہ کے خواہشمند لوگوں کو اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے موجود رہتی تھیں۔ مطلقہ عورتوں کو طے شدہ معاملہ کے تحت اپنے نکاح میں لے کر حلالہ کرنے والے مرد بھی وہاں کی آبادی کا ایک حصہ تھے — بعض ایرانیوں کے بقول آج بھی "مومنات" کو یہ سہولت قم میں حاصل ہے۔

قم میں کاشت برائے نام ہی تھی، آمدنی کا زیادہ تر انحصار زیارت کے لئے آنے والوں پر ہی تھا، یا پھر ہلکی صنعت پر، قم کا حلوہ سوہن بھی بہت مشہور تھا۔ اور اس کی برآمد بھی وہاں کے بہت سے باشندوں کے لئے اچھا ذریعۂ معاش تھا۔

شیخ عبدالکریم حائری کی آمد شروع شروع میں قم کے "ملاؤں" کو بہت ناگوار گذری تھی، انھیں اُن کی وجہ سے اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا لیکن رفتہ رفتہ لوگ مانوس ہونے گئے۔ شیخ کے حلقۂ درس میں شروع میں ۸ طلبہ تھے، چند مہینوں میں طلبہ کی تعداد ایک سو ہو گئی۔

شیخ حائری طبیعتاً نرم اور سادہ مزاج تھے۔ سیاسیات اور ہنگاموں سے دور ہی رہنا پسند کرتے تھے، حافظ کی شاعری کے بہت دلدادہ تھے، کہا جاتا ہے کہ دیوان حافظ کو "فارسی قرآن" کہا کرتے تھے۔ خمینی نے اُن سے شعر و شاعری کا ذوق بھی لیا۔ دیوان حافظ سے انھیں بھی لگاؤ ہوگیا! تنہائی کے اوقات میں اسی کے مطالعہ میں ڈوبے رہتے، رفتہ رفتہ وہ خود بھی شاعری کرنے لگے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ عام طور پر علماء کے لئے شاعری کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ شعر و شاعری کو قوت عمل کے لحاظ سے کمزوری کی علامت تصوّر کیا جاتا تھا۔ اور اس کا تقاضا تھا کہ روح اللہ خمینی کی شاعری کا کسی کو پتہ نہ چلے، دوسری طرف ان کا دل چاہتا تھا کہ لوگ اُن کا کلام سنیں، اس کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ کبھی کبھی اپنے ساتھیوں کو یہ بتائے بغیر کہ یہ میرا ہی کلام ہے۔ اپنا کلام سناتے اور اپنے ذوق کی تسکین کا سامان کرتے ـــــ ان کا تخلص "ہندی" تھا۔ ۱۹۷۹ء میں اُن کا ایک دیوان شائع ہوا تھا جس میں ۳۵ غزلیں اور ۲۱ قصیدے تھے لیکن پھر خود آیۃ اللہ خمینی کے حکم سے اسے جلد ہی بازار سے ہٹا لیا گیا تھا۔ ایک ایرانی صحافی کے بقول اس اقدام کے پیچھے بھی غالباً یہی خوف کارفرما تھا کہ روح اللہ کی شاعرانہ حیثیت کی شہرت عوام کے دل میں اُن کے رعب و دبدبہ اور ہیبت و عظمت کے نقش کو کچھ ہلکا ہی کرے گی۔[1]

علم کلام، فقہ، تصوّف اور شاعری میں روح اللہ نے اپنے استاذ شیخ حائری کا رنگ خوب قبول کیا، لیکن سیاسیات میں وہ اپنی مزاجی انفرادیت قائم رکھنے میں کامیاب رہے ـــــ انکے مزاج کی سیمابی کیفیت بدستور رہی، بار بار سیاسی مسائل میں انھیں اپنے استاذ کے طرز عمل سے وحشت ہوتی اور وہ کچھ سوچتے۔ لیکن بالآخر انھیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس نہ جانے ہی کو اپنے حق میں بہتر سمجھ کر اپنا ارادہ بدل دیتے ـــــ جو کچھ بھی انھیں اختلاف ہوتا وہ اسے اپنے اندرون میں چھپائے رکھتے، شیخ حائری سے کوئی بحث و مباحثہ نہ کرتے، چنانچہ بدستور شیخ کا اعتماد انھیں حاصل رہا۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنا خارجی درس بھی انھوں نے خمینی ہی کے سپرد کیا تھا ـــــ اگرچہ ۳۵ء میں شیخ حائری کی وفات

---

[1] ملاحظہ ہو لندن سے شائع ہونے والے اخبار "KAYHAN" کے ۲۲ فروری ۸۰ء کے شمارہ میں نوری زادہ کی رپورٹ

کے بعد انکا مکمل جانشین بننے کے سلسلہ میں خمینی کی کوشش کو انکے کچھ ساتھیوں نے کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔

مشہد کا ایک سفر:

۱۹۳۰ء میں روح اللہ نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مشہد کے ایک سفر کا پروگرام بنایا، ۲۰ نوجوان علماء کا یہ قافلہ مئی ۱۹۳۰ء کے آغاز میں قم سے روانہ ہوا ـــــ اس طویل، پُر مشقت مگر دلچسپ سفر کا ایک اثر تو یہ ہوا کہ اتنی بڑی تعداد میں نوجوان علماء کو دیکھ کر دیہی علاقوں میں رہنے والے بھولے بھالے ایرانیوں کو جو رضا شاہ کی مذہب مخالف کارروائیوں سے دہشت زدہ تھے ایران میں مذہب کے مستقبل کے بارے میں اچھی امید بندھی، دوسری طرف خود اُن علماء کو فوجی حکومت کے اثرات اور معاشرہ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے براہ راست مشاہدہ کا موقع ملا ـــــ راستہ میں سمنان نامی ایک مقام پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ مقامی سوداگروں نے اس قافلہ کے ساتھ بدسلوکی کی اور اسکی گاڑیوں کو کھینچنے والے گھوڑوں کے لئے چارہ فروخت کرنے سے بھی انکار کر دیا ـــــ راستہ کے بعض مقامات پر بہائیوں کو کھلم کھلا اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہوئے بھی ان علماء نے، اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا۔

"مشہد" قم کے بالکل برعکس صاف ستھرا، خوبصورت اور پرفضا شہر ہے، مشہد میں ہر طرف باغات نظر آتے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی پھولوں کی مہک سے ہر وقت فضا معطر رہتی تھی، پانی بھی نہایت شیریں تھا اور موسم معتدل، روزانہ شام کو دو گھنٹے کے لئے بجلی بھی شہر میں سپلائی ہوتی تھی۔ قم سے آنے والے اس قافلہ کو مشہد میں بہت لُطف آیا۔ قافلہ کے کچھ افراد نے متعہ کی سہولت سے بھی فائدہ اٹھایا جن میں غالب گمان کے مطابق روح اللہ خمینی بھی تھے۔ جو قم میں ایک سے زیادہ مرتبہ ایسا کر چکے تھے۔ یاد رہے کہ شیعہ مذہب میں متعہ جائز ہی نہیں بلکہ بڑے اجر و ثواب کا باعث بننے والا مقدس عمل ہے۔

روح اللہ تہران میں:

مشہد سے قم واپسی میں قافلہ کے اکثر ساتھیوں نے تہران کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، خمینی بھی انہی میں تھے۔ ۱۹۳۰ء کے موسم گرما کا آخر آخر تھا جب روح اللہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تہران پہنچے۔

۔۔۔ تہران رضا شاہ کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ مذہب وہاں دفاعی پوزیشن میں تھا علماء پر دہشت چھائی ہوئی تھی ۔۔۔ روح اللہ خمینی نے بھی احتیاط برتتے ہوئے سیاہ عمامہ کی جگہ ٹوپی پہن لی عبا کے بجائے "صدری" زیب تن کی جو ایک درمیانی قسم کا لباس ہے۔ داڑھی بھی ترشوائی غرض کہ انھوں نے اپنا حلیہ اور وضع قطع ایسی بنائی کہ ایک اجنبی کو وہ بس ایک دیندار تاجر معلوم ہوتے عالم و مجتہد کی حیثیت سے انکی شناخت مشکل ہوتی ۔۔۔ انھوں نے اپنے لئے تو یہ تدبیر جائز سمجھی لیکن جتنے دن وہ تہران میں رہے وہ ان لوگوں کا نام اپنی ڈائری میں نوٹ کرتے رہے جنھوں نے مستقل طور پر اپنا حلیہ بدل لیا تھا اور مذہبیت کا چولا اتار کر مغربی وضع قطع اپنا لی تھی ۔۔۔ اس وقت کسے خبر تھی کہ ان میں سے کئی کو آئندہ پچاس سال بعد نفاق کے جرم میں روح اللہ خمینی کے حکم پر سزائے موت ملنے والی ہے۔

خمینی کی شادی:

آیۃ اللہ ثقفی تہران کی ایک معزز شخصیت تھی، لگے ہاتھوں روح اللہ نے اپنے ایک دوست کی معرفت انکی لڑکی کے ساتھ اپنی شادی کے لئے پیغام بھیجا ۔۔۔ ابھی وہ لوگ اس بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کر پائے تھے کہ انکی لڑکی (بتول) نے جسکے لئے روح اللہ نے پیغام دیا تھا بتایا کہ اس نے خواب دیکھا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اسکے پاس آئی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ بہن تمھاری شادی ایک ایسے آدمی سے ہوگی جس کا اور میرا یوم پیدائش ایک ہی ہے۔ آیۃ اللہ ثقفی نے خواب سنتے ہی روح اللہ کا یوم پیدائش معلوم کیا، اور جیسے ہی انھیں یہ معلوم ہوا کہ روح اللہ کا اور حضرت فاطمہؓ کا یوم پیدائش ایک ہی ہے فوراً ہی انھوں نے یہ "مبارک" رشتہ منظور کر لیا، بلکہ آناً فاناً نکاح بھی کر دیا۔

روح اللہ چند دن مزید تہران میں قیام کر کے قم واپس آئے۔ ایک مکان کرایہ پر لیا، دسمبر کے اواخر میں "بتول" رخصت ہو کر قم آگئیں۔ اور ایک خوشگوار ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔

بتول اپنے ساتھ جو سوغات لائی تھیں اس سے روح اللہ نے گھریلو ساز و سامان کے علاوہ ایک قطعہ آراضی بھی خریدا، جو بعد میں بہت نفع بخش ثابت ہوا۔

(جاری)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

فہرست مضامین | مضامین نگار

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کیلئے سالانہ چندہ فوراً ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں آگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ کیا جائے گا۔

ہمارا پتہ:۔ منیجر ماہنامہ الفرقان، نظیر آباد (۳۱۔ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸ (یو پی الہند)

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے اسکائی لائن پرنٹرس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

مُدیر

ایک دور وہ تھا جب کہ دنیا کی مختلف قوموں اور سوسائیٹیوں سے نکل نکل کر لوگ اسلام کو اپنے پسندیدہ طریقِ زندگی کے طور پر قبول کر رہے تھے۔ اُن کے سامنے یہ بات کھل کر آئی تھی کہ "اسلام" کسی خاص ملک، کسی خاص قوم یا کسی خاص زمانہ کی زندگی کا طریق نہیں، بلکہ تمام زمانوں میں تمام انسانوں کی مکمل زندگی کا فطری اور صحیح طریقہ ہے اور وہ بصیرت و اطمینان کے ساتھ اس طریقِ زندگی کو قبول کرنے اور برتنے کا فیصلہ کرتے تھے —— اور پھر جیسے جیسے وہ اسلام کو اندر سے دیکھتے جاتے یہ حقیقت اُن پر اور زیادہ عیاں ہوتی جاتی کہ اسلام دراصل تمام انسانوں کے لئے خدا کا ایک پیغام ہے، اور اُن کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خود پورے انشراح کے ساتھ اسے عملی طور پر برتتے ہوئے دنیا کے ایک ایک انسان تک اسے پہنچانے کی جد و جہد کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔

اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا تھا کہ خیالات کی پراگندگی کی اس مصیبت سے مسلمان کہلانے والا ہر فرد سو فیصد بچ جاتا تھا جس میں جب کوئی قوم مبتلا ہوتی ہے تو پھر اس کے افراد کے سامنے کوئی واضح نصب العین نہیں ہوتا۔ اور پھر اس قوم کے افراد بچوں کی طرح اُن بہت سے مقاصد پر منہ مارتے رہتے ہیں۔ جو اندھیرے میں انھیں جگنوؤں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ ہر مقصد کی چمک تھوڑی دیر کے لئے اُن کی توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور قبل اس کے کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائیں ایک دوسرا مقصد چمک اٹھتا ہے۔ حتّیٰ کہ ایک

عام آدمی کی عقل حیران ہو جاتی ہے کہ آخر ان بے شمار مطلوبوں میں سے کون سا مطلوب ایسا ہے جس کے پیچھے وہ اپنی سعی و جہد کی ساری قوتوں کے ساتھ لگ جائے۔

اگر آپ شروع کی ڈو تین صدیوں کے مسلمانوں کی مصروفیتوں، محنتوں اور دعاؤں کے روشندان سے ان کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر ان کی زندگی کے مقصد اور نصب العین کو متعین کرنے کی کوشش کریں تو تھوڑے سے غور و فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان میں سے ایک ایک کا نصب العین صرف اور صرف یہی تھا کہ تقدیر و عنایت الٰہی کی بدولت "اسلام" کی جو دولت انھیں بہت سے انسانوں سے پہلے مل گئی ہے وہ جلد از جلد دنیا کے ایک ایک انسان تک اسے پہنچا دیں، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی ہدایت، اور صالح و مثالی انسانی معاشرہ کی تشکیل میں ان کا حصّہ ہو جائے ——— یہ وہی نصب العین تھا جس کی ترجمانی ایک گمنام صحابی حضرت ربعی بن عامر نے ان تاریخ ساز الفاظ میں اُس وقت کی تھی جب دنیا کی ایک بڑی طاقت کے فوجی سپہ سالار نے ان سے پوچھا تھا کہ جزیرۂ عرب سے چل کر ہمارے ملک میں آنے کے پیچھے تم لوگوں کا اصل مقصد کیا ہے؟ انھوں نے کہا تھا:۔

اَللّٰہ ابتعثنا لنخرج من شاءَ مِن عِبادِہ مِن عِبادۃِ العباد
إلی عبادۃ ربِّ العباد ومن جورِ الأدیان إلی عدل الاسلام
ومن ضیق الدنیا إلی سعتہا۔

(اللہ نے ہمیں کھڑا کیا ہے تاکہ ہم اسکے باتوفیق بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی بندگی کی طرف، اور دنیا کے تمام (غیر فطری) طور طریقوں کے ظالمانہ نظام سے نکال کر اسلام کے منصفانہ (اور فطری) طریق زندگی کی طرف اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اسکی حقیقی وسعتوں کی طرف لے چلیں۔)

اور یہ اسی کا، یعنی ایک واضح نصب العین کا نتیجہ تھا کہ ان کی تمام سرگرمیاں اور ان کی ساری کاوشیں اسی محور کے ارد گرد گھومتی تھیں، اسی کی طرف پیش قدمی سے وہ خوش

ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں کوئی غلطی ان سے سرزد ہوتی تھی، یا کوئی رکاوٹ اس راہ میں انھیں درپیش ہوتی تھی تو اسی کے لئے وہ متفکر و غمگین ہوتے تھے —— دوسری قوموں کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت کا تعین بھی اسی نصب العین کے تقاضے سے ہوتا تھا —— دوستی اور لڑائی کا معاملہ ہو یا صلح و جنگ کے حالات ہوں، سب کا فیصلہ اسی ایک مقصد کی روشنی میں ہوتا تھا۔

اس معاملہ میں ان کے اولوالامر اور اہل حل وعقد کی ذہنی یکسوئی کا عالم یہ تھا کہ جو واقعات دوسرے قبیلوں یا دوسری قوموں اور ملکوں کو پیش آتے تھے، اور جن میں امت مسلمہ براہ راست فریق بھی نہیں ہوتی تھی ان پر بھی وہ اسی زاویہ نگاہ سے غور کرتے تھے کہ ان کا کیا اثر ان کے اپنے کام یعنی —— دین کی دعوت —— پر پڑے گا۔

یہ ذہنی یکسوئی ان لوگوں کے اندر خود بخود نہیں پیدا ہو گئی تھی، یہ اس تربیت کا طبعی نتیجہ تھی جس کے زیر سایہ ان کی فکری نشو و نما ہو رہی تھی، چنانچہ بعثت کے چھٹے سال جب دو بڑی طاقتوں مجوسی ایران اور عیسائی رومیوں کے مابین جنگ کا نتیجہ رومیوں کی شکست اور ایرانیوں کی فتح کی صورت میں نکلا تھا تو اس سے مشرکین مکہ کو خوشی ہوئی تھی، انھوں نے اس سے یہ فال نکالی تھی کہ جزیرۂ عرب میں بھی رومی عیسائیوں کی طرح مسلمان شکست کھائیں گے اور وہ لوگ یعنی عرب کے مشرکین جو ایرانی مجوسیوں کے مانند تھے، فتحیاب ہوں گے، مشرکین نے کچھ اس انداز سے دور دیس میں ہونے والے اس واقعہ پر جشن مسرت منایا تھا کہ اس کا نفسیاتی اثر مسلمانوں پر پڑنا ایک فطری سی بات تھی، اس موقع پر مسلمانوں کی رہنمائی و تربیت کے لئے قرآن مجید کی ایک پوری سورت "سورۂ روم" نازل ہوئی اس سورت میں شروع میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے پہلے تو یہ کہہ کر مسلمانوں کے دلوں میں بہتر مستقبل کے بارے میں امید کا چراغ روشن کر دیا گیا کہ رومی جو اس وقت شکست کھا گئے ہیں، چند سالوں کے اندر اندر دوبارہ غالب آجائیں گے،

پھر للّٰہ الامر من قبل و من بعد کہہ کر یہ یاد دلایا گیا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، یہ سب اللہ تعالےٰ کے ارادہ سے، اسی کے حکم سے اور اسی کے منصوبہ کے مطابق ہو رہا ہے ــــ اسی سیاق میں یہ بھی فرمایا گیا کہ تمھارے اردگرد جو لوگ ہیں یہ بس واقعات کے ظاہری سلسلۂ اسباب کو جانتے ہیں، اور بہت سطحی نگاہ سے یہ ہر واقعہ پر غور کرتے ہیں، اسلئے کہ آخرت کو نہ ماننے کی وجہ سے یہ غیبی نگاہ اور ایمانی مزاج سے محروم ہیں ــــ پھر یہیں سے قرآن مجید نے سلسلۂ کلام کو انفس و آفاق میں بکھرے ہوئے دلائل اور گزشتہ نسلوں اور قوموں کی تاریخ پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے بات کے رخ کو دعوتی موڑ دے دیا جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ لوگ جو دور دراز ہونے والے اپنے من پسند سیاسی واقعات پر جشن منا رہے ہیں ان کو چاہئے کہ عظیم تر حقائق اور ابدی سچائیوں کو سنجیدہ غور و فکر کا موضوع بنائیں ــــ اور پھر اس کے بعد بڑے ہی عجیب و غریب اور روح پرور انداز میں سب سے بڑی دو حقیقتوں آخرت اور توحید کا مفصل بیان شروع ہو گیا ہے ــــ ان آیتوں میں جنت دوزخ اور اللہ تعالےٰ کا تعارف کرایا گیا ہے ــــ ایمان کی حقیقت اور اللہ کی رحمت، قدرت، فعالیت اور ربوبیت و الوہیت سمجھائی گئی ہے۔ اور اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر تمام مسلمانوں کو صریح ہدایت دی گئی ہے " فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا " تم یکسو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو " مُنیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلاۃ ولاتکونوا من المشرکین " تم پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے اندر انابت اور تقویٰ کی حقیقتیں رچانے بسانے کی فکر میں لگے رہو اور نماز والی محنت کرتے رہو، اور دیکھو خبردار، مشرکین میں سے نہ ہو جانا.....ــــ

پھر بہت سے لوگوں کی طبیعت میں جو سطحیت اور ناشکری ہوتی ہے اُس کا تذکرہ کر کے خوشحالی اور اطمینان و سکون کے داخلی اسباب یعنی بندوں کے حقوق کی ادائیگی، اور رشتہ داروں، مسافروں اور کمزور طبقہ کی رعایت کی طرف توجہ دلائی ہے، اور اسی سلسلہ میں سود اور زکوٰۃ کا تقابل کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ سود سے نہیں، زکوٰۃ سے معاشرتی خوشحالی

اور اجتماعی برکتیں آتی ہیں ـــــ پھر اپنی امت کی اجتماعی فلاح وبہبود کے ان داخلی اسباب کو بیان کرنے کے بعد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے بگاڑ کا یہ کہہ کر ذکر فرمایا ہے کہ ظُهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس" جس میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ بگاڑ کسی معاشرہ پر باہر سے نہیں مسلط کیا گیا، یہ بگاڑ انسانوں کی غلط روش کے نتیجہ ہی میں پھیلا ہے۔ اور پھر یہ کہہ کر پھر وہی ہدایت دوہرا دی ہے فأقم وجهك للدين حنيفاً پس تم تو اپنا رخ دین کی طرف رکھو.....

اگر قرآن مجید پر غور کیا جائے تو اس انداز تربیت کی بہت سی مثالیں بآسانی مل جائیں گی۔ سر دست تو یہی عرض کرنا ہے کہ یکسوئی، اور ہر چیز کو دین اور اس کی جدّوجہد کے تقاضوں کی روشنی میں دیکھنے پرکھنے کی وہ عادت جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں عام تھی، وہ دراصل اُس تربیت کا نتیجہ تھی جس کے زیر سایہ وہ پروان چڑھے تھے ـــــ اور یہ نصب العین کی وضاحت اور اُس کے لئے کامل یکسوئی کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کی توانائی بے محل ضائع ہونے سے سو فیصد محفوظ رہتی تھی، اُن کی پوری اور ان کی تمام صلاحیتیں حق کو عام کرنے، اسے تقویت پہنچانے اور باطل کو کمزور کرنے پر اور اپنی داخلی تعمیر و ترقی پر استعمال ہوتی تھیں اسلئے کہ قرآن مجید ان کے افکار و تخیلات کا حقیقی رہنما تھا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر قدم اور ہر لفظ ان کے لئے فیصلہ کن ہوا کرتا تھا۔ اس دور کے مسلمانوں کی زندگی اسی ایک محور پر گردش کرتی تھی۔

اسکے برخلاف ہم اپنے دور کا جائزہ لیں تو صاف نظر آئے گا کہ ہماری قوم کی اکثریت کے افکار و خیالات، ذوق و مزاج اور طرز فکر پر سب سے کم اثر ہے تو قرآن مجید اور اسوۂ نبوی کا عوام سے لے کر خواص تک، اور پبلک سے لے کر لیڈروں تک جن میں اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیتیں اور بہترین جذبات والے بھی ہوتے ہیں، ایک بڑی تعداد قرآن و حدیث سے مکمل بے خبری کے عالم میں زندگی گذار رہی ہے ـــــ بلکہ ہزاروں اخبارات و رسائل، ذرائع ابلاغ، دنیا کا

عام ماحول اور عصر حاضر کا عمومی مزاج سیلاب بلا خیز کی طرح ان کے افکار و خیالات کو بالکل الٹی سمت میں بہائے لئے چلا جارہا ہے۔

ایسے ماحول میں اگر امید بندھتی ہے تو ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر جو زمانہ کی مخالف فضا سے بے پروا ہو کر اور عرب و عجم، مشرق و مغرب اور مسلک و مشرب کے حدود و قیود سے آزاد ہو کر خالص اسلامی رشتے سے پوری دنیا کے وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی اس پراگندہ حال امت کی شیرازہ بندی کے زبردست جہاد کو قابلِ رشک عزیمت اور ناقابلِ یقین استقلال کے ساتھ کر رہے ہیں ـــــ اور یہ آواز لگا رہے ہیں کہ ایک ایک مسجد کو قرآن و حدیث کے مذاکروں سے معمور کر دو اور ایک ایک مسلمان کو اِن حلقوں میں شریک کر کے اسے اپنی تعلیم و تربیت کی ضرورت کا احساس دلادو۔

بلا کسی مبالغہ کے میں عرض کرتا ہوں کہ ایک ایسے زمانہ میں جس میں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور کفر کے کلمہ کو پست کرنے کا نصب العین عملی طور پر بالکل ناقابل تصور ہو چکا تھا، اور جس میں سوچنے والی زیادہ تر عقلیں ملکی و علاقائی حدود میں دماغی و احتجاجی انداز کی اسکیموں ہی کو سوچ سکتی تھیں، اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک بندہ کو، جس کا درد و غم، جس کا اخلاص، اور جس کی صداقت و امانت پر اپنوں اور پرایوں سب کا اتفاق ہے، پوری دنیا کے وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کے انتہائی وسیع اور صبر آزما کام کا بیڑا اٹھانے کی توفیق دی، اسکے ہاتھ میں نہ قلم کی طاقت تھی نہ وہ خطیب سحر بیان تھا، اور قرآن کی زبان میں وہ "رجل عظیم" (بڑا آدمی) بھی نہیں تھا لیکن وجہ تو اللہ ہی جانے، قرائن سے اتنا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں عمومی طور پر مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکنے، اور بیماریوں سے زار و نزار ملّت اسلامیہ کو ایک بار پھر صحیح و سالم، صحتمند و تندرست امت بنانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے جن بندوں کا انتخاب فرمایا ہے، ان میں اس کا مقام بہت نمایاں اور مرکزی تھا۔

محنت میں سستی، اور بہت سی کوتاہیوں کے باوجود ۵۰۔۶۰ سال میں جس سطح تک پہنچا ہے

اسے دیکھتے ہوئے اللہ کی حمد کی صدا دل کی گہرائیوں سے بلند ہوتی ہے ___ ملکوں اور قوموں سے جگمگاتے ہوئے ہیرے نکل نکل کر آرہے ہیں ___ اور عجیب و غریب جذبات لے کر آرہے ہیں یقیناً اللہ کو کچھ منظور ہے۔ یقیناً کچھ ہونے والا ہے۔

بہت سے لوگوں کو، جو اپنے گرد و پیش کے چند مخصوص افراد کو دیکھ کر ایک خاص رائے قائم کر لیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ میری ان باتوں میں مبالغہ محسوس ہو رہا ہو، لیکن میں انھیں دور بیٹھے بیٹھے کیا دکھادوں اور کیا بتادوں؟ اور میں ہوتا بھی کون ہوں دکھانے اور سنانے والا؟ پراگندہ حال امت مسلمہ کی شیرازہ بندی کے جس کام کی طرف میرا اشارہ ہے اسکے مرکز، بنگلہ والی مسجد، بستی نظام الدین کے دروازے ہر طالب حق کے لئے کھلے ہیں، اور صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے ___ جس کا جی چاہے آئے۔ اور کام کو براہ راست دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرے۔

میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کام کی طرف منسوب سب لوگ کوثر و تسنیم میں دھلے ہوئے ہیں۔ میری معروضات کا حاصل صرف یہ ہے کہ بالکل مخالف ماحول میں عالمی پیمانے پر رواجی طور طریقوں سے بالکل بے نیاز رہتے ہوئے کام کا موجودہ سطح تک پہنچنا ایک ایسی بات ہے، جس پر سنجیدگی سے غور کی ضرورت ہے۔

کام کا پھیلاؤ جس طرح بڑھ رہا ہے، اور جس تیزی کے ساتھ دنیا بھر میں مختلف مزاج اور مختلف ذہنی پس منظر رکھنے والے مسلمان جوق در جوق کام کو سیکھنے اور سمجھنے کیلئے، بڑی بڑی قربانیوں اور بڑے بلند عزائم کے ساتھ آرہے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ خصوصاً وہ لوگ جن کو اللہ نے اچھی علمی، فکری اور عملی صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ اس کام کی طرف اپنائیت کی نگاہ سے دیکھیں، اسکی قدر کریں، اور ان آنے والوں کو سنبھالنے اور انکی تربیت میں معاون ہوں ___ ہم میں سے کون ہے جو تنہا اپنے بل بوتے پر اتنی بڑی تحریک کو برپا کر سکتا ہے؟

جو لوگ اپنے اپنے علاقے میں اس کام کو کر رہے ہیں، ان کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی اپنے رویہ اور طرز عمل کو حسن اخلاق اور حسن تدبیر سے اس طرح آراستہ کریں کہ اعلیٰ صلاحیتوں والے حضرات اس کام کی طرف متوجہ ہوں ___ وہ ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ انکی حیثیت عظیم اسلامی عمارت میں

ایک اینٹ سے زیادہ نہیں ہے — اور جو اینٹ دوسری اینٹ کو اپنے سے جوڑ نہیں پاتی اسے پھینک دیا جاتا ہے۔
اِن سطور کا لکھنے والا اِن اوصاف و اخلاق کا سب سے زیادہ محتاج اور اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق کا سائل ہے۔

حضرت والد ماجد مدظلہ کا حال: کافی عرصہ سے الفرقان کے صفحات میں حضرت والد ماجد مدظلہ کی صحت کے حال کا تذکرہ نہیں آسکا، اِدھر کئی ناظرین نے اس کا تقاضا کیا — سو اطلاعاً عرض ہے کہ گذشتہ موسم سرما میں جب سے ان پر کچھ نئی بیماریوں کا حملہ ہوا تھا، اس وقت سے طبیعت میں ضعف بہت تیز رفتاری سے بڑھتا رہا ہے — سماعت اور بصارت بھی اب کافی متأثر ہے — نقل و حرکت پہلے سے بھی زیادہ دشوار ہو گئی ہے — دماغ پر ضعف کا بہت زیادہ اثر ہے مگر اس حالت میں بھی اوقات کے ضائع نہ ہونے کی جو فکر انھیں رہتی ہے وہ ہم جیسوں کیلئے انتہائی سبق آموز چیز ہے — اب حالت یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن خود نہیں کرسکتے تو دوسروں سے پڑھوا کر سنتے ہیں — مناجات مقبول بھی دوسرا ہی باآواز بلند پڑھتا ہے۔ اور وہ دل و زبان سے آمین فرماتے رہتے ہیں — اتوار کی صبح ۹ بجے جو ہلکی پھلکی سی مجلس ہوا کرتی ہے جس میں شہر کے کچھ خاص اہلِ ذوق و طلب حضرات حاضر ہوتے ہیں وہ اب بھی جاری ہے اگرچہ اکثر خود گفتگو پر قادر نہیں ہوتے تاہم کسی کتاب یا رسالہ سے کوئی اصلاحی مضمون کسی سے پڑھوا دیتے ہیں اور مختصر سی دعا کرا دیتے ہیں — اس حال میں بھی "معارف الحدیث" کی تصنیف کا کام جاری ہے۔ اسی ماہ دسمبر کے آخری عشرہ میں آنکھ کا آپریشن بھی ہونا ہے — ناظرین کرام سے خاص کر اسکی کامیابی کیلئے اور صحت و عافیت کے ساتھ حیات میں برکت کیلئے دعا کی درخواست ہے۔

روح اللہ خمینی: اس شمارہ میں روح اللہ خمینی کے بارے میں مسلسل شائع ہونے والے راقم الحروف کے مضمون کی تیسری قسط شائع ہونا چاہئے تھی لیکن بعض اضافی مصروفیات کی وجہ سے وہ قسط بر وقت تیار نہیں ہو سکی، انشاء اللہ جنوری کے شمارہ میں وہ قسط پیش کی جائے گی — مدیر الفرقان اس تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہے —

گاہے گاہے باز خواں.....

درس قرآن

دنیا اور آخرت میں فیروزمندی کی شرط

ایمان و تقویٰ اور خداوندی ہدایت کی پیروی

مرکز والی مسجد، لکھنؤ میں ہر اتوار کی شام کو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کا درس قرآن ہوا کرتا تھا، ۲ر صفر ۱۳۸۹ھ (۲۰ر اپریل ۱۹۶۹ء) کے درس میں سورۂ مائدہ کی آیات ۶۵-۶۶ کی تشریح ہوئی تھی وہ درس الفرقان (ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ) میں شائع ہوا تھا، موجودہ حالات کے پیش نظر اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے ——— ادارہ

حمد و صلوٰۃ، اعوذ باللہ، اور بسم اللہ کے بعد

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ——— المائدہ ع ۹

اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقوے والی زندگی اختیار کرتے تو ہم اُنکے

پچھلے گناہ معاف کر دیتے اور آخرت میں اُن کو جنّاتِ نعیم (چین و آرام کے بہشتی باغوں) میں داخلہ دے دیتے (جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی وہ سب نعمتیں بھرپور پاتے جن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولوں کی زبانوں پر وعدہ کیا گیا ہے)۔

اور اگر وہ تورات و انجیل کی اور اس مقدس کتاب کی جو اُنکے رب کی طرف سے ان کیلئے اب اتاری گئی ہے (یعنی قرآن پاک کی) پابندی کرتے (اور ان کی ہدایات پر ٹھیک ٹھیک چلتے) تو اپنے اوپر سے اور نیچے سے (یعنی ہر طرف سے) اللہ کا رزق پاتے ——— (لیکن صورت حال یہ ہے) کہ ان میں (تھوڑے سے لوگوں کی) ایک جماعت تو (افراط و تفریط کے بغیر) ٹھیک راستہ پر چلنے والی ہے اور اکثریت ان میں سے ایسی ہے کہ اس کا کردار بہت برا ہے۔

(سورۂ مائدہ آیت۔ ۶۵-۶۶)

تفسیر و تشریح:- یہ سورۂ مائدہ کے نویں رکوع کی آخری آیتیں ہیں۔ اُن سے اوپر کی آیتوں میں اہلِ کتاب خاص کر یہودیوں کی روحانی گراوٹ اور صلاح و سعادت سے محرومی کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا گیا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں انھوں نے اخلاق اور انسانیت کی ساری حدوں کو توڑ ڈالا ہے، حد یہ ہے کہ اذان جیسی مقدس چیز کو (جس میں اللہ کی توحید و کبریائی کا اعلان اور نماز جیسے بابرکت عمل کی دعوت ہے) انھوں نے تمسخر و استہزا کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کی نقل اتارتے اور منہ چڑاتے ہیں (وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا)۔

اس کے بعد فرمایا گیا تھا کہ اُن میں اسقدر بگاڑ آگیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ معصیتیں ان میں عام ہوگئی ہیں بلکہ اُن کی حالت یہ ہے کہ "اِثْمِ وَعُدْوَانَ" اور "اَكْلِ سُحْتْ" یعنی گندے غلیظ گناہوں سے اور بندگانِ خدا پر ظلم و زیادتی کرنے اور حرام کمانے اور کھانے سے ان کو خاص دلچسپی ہوگئی ہے اور یہ سب لعنتی اعمال اُن کے مرغوب و محبوب مشاغل

بن گئے ہیں، وہ دن رات انہی میں منہمک رہتے ہیں اور اس چیز نے اُن کی روحوں کو بالکل مسخ کردیا ہے۔ (تَرٰى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○)

اس کے بعد خصوصیت سے اُن کے مذہبی پیشواؤں کے بارہ میں فرمایا گیا تھا کہ انھوں نے مداہنت کا مجرمانہ رویہ اختیار کرلیا ہے۔ وہ ان خبیث اعمال کو گوارا کرنے لگے ہیں روک ٹوک بالکل نہیں کرتے۔ (لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ○)

اس کے بعد فرمایا گیا تھا کہ ان کی رُوحیں اب اتنی مردہ ہوگئی ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں یہ خدا کی شان میں بھی گستاخیاں کرتے ہیں۔ استہزا اور تمسخر کے طور پر کہتے ہیں "يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ" (مسلمانوں کے اللہ میاں کا ہاتھ آج کل تنگ اور خالی ہوگیا ہے اس لئے ان کے پیغمبر اپنے آدمیوں سے چندوں اور صدقوں کی اپیل کرتے رہتے ہیں) معاذ اللہ ـــــ اس کے بعد فرمایا گیا تھا کہ یہود اپنی ان گستاخیوں اور زباں درازیوں کی وجہ سے رحمتِ الٰہی سے محروم کر دیے گئے ہیں اور خداوند قہار کی لعنت کا نشانہ بن گئے ہیں (وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا) ـــــ پھر اس لعنتِ خداوندی کے اُن کی زندگی پر جو اثرات پڑے ہیں اُن کو بیان کرتے ہوئے آخر میں فرمایا گیا تھا "وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ○" یعنی اب اُن کی حالت یہ ہے کہ اُن کی ساری تگ ودو اور دوڑ دھوپ فساد کے لئے ہو رہی ہے ـــــ یہ اگرچہ اپنے کو دنیا کی برگزیدہ نسل کہتے ہیں اور اللہ کے مقدس نبیوں سے نسبت جوڑتے ہیں۔ لیکن ان کا کردار یہ ہے کہ اللہ کے سارے پیغمبر جس صلاح کے پھیلانے کے لئے آئے تھے یہ اس کے خلاف فساد پھیلانے کی مہم چلا رہے ہیں۔ اور ہدایت کی اس روشنی کو بجھا دینا چاہتے ہیں جو سارے نبی اپنے اپنے وقت پر لائے تھے اور جو مکمل شکل میں خدا کے یہ آخری نبی لے کر آئے ہیں۔

اور ایسے لوگ کبھی خدا کی محبت و عنایت اور اس کے پیار کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ محروم ہی رہیں گے (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۝) یہ میں نے گزشتہ ہفتہ کے درس کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد متصلاً یہ آیتیں ہیں جو میں نے اس وقت آپ کے سامنے تلاوت کیں ـــــ ان میں مشفقانہ اور خیر خواہانہ انداز میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۝

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُن اہلِ کتاب سے کوئی عناد نہیں ہو گیا ہے بلکہ انھوں نے خود اپنے پر ظلم کیا ہے اور ایمان کے بجائے کفر کی راہ اختیار کر کے اور صلاح و تقویٰ کی جگہ نفسانیت اور معصیت کا راستہ اپنا کے خود ہی اپنے کو اللہ تعالیٰ کی ابدی رحمت اور جنّت سے محروم کر لیا ہے۔ اگر یہ لوگ اللہ کے پیغمبر پر ایمان لاتے اور تقوے والی زندگی اختیار کرتے جس کی دعوت اللہ کے سارے پیغمبر اور اللہ کی طرف سے آنے والی ساری کتابیں اور سارے صحیفے دیتے رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قانونِ رحمت کے مطابق اُن کے پچھلے گناہ قصور سب معاف کر دیے جاتے اور آخرت میں یہ اللہ کے جوارِ رحمت جنّت میں جگہ پاتے لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۝ ـــــ اور اگر آخرت پر ایمان ہو تو کسی بندہ کی سب سے بڑی خوش بختی اور کامیابی یہی ہے کہ اس کے گناہ قصور معاف کر دیے جائیں، ان کا کوئی حساب نہ ہو اور دارِ آخرت میں جنت نصیب ہو جائے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر اہلِ کتاب اللہ کے اور اس کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستہ پر ٹھیک چلتے تو آخرت میں مغفرت اور جنّت کے علاوہ، اور اُس سے پہلے اس دنیا میں بھی یہ ہر طرح کی نعمتوں اور برکتوں سے نوازے جاتے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۝

اور یہ اہلِ کتاب اگر تورات وانجیل کی تعلیمات پر اور اس ہدایت پر ٹھیک ٹھیک چلتے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے ان کے لئے اب نازل کی گئی ہے ـــــ یعنی قرآنِ پاک ـــــ تو اوپر سے اور نیچے سے، ہرطرف سے رزق پاتے اور زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے اُن کے لئے کھول دیئے جاتے، اُن پر اوپر سے بھی نعمتوں کی بارش ہوتی اور زمین بھی ان کے لئے رزقِ الٰہی کے خزانے اُگلتی۔

ان دو آیتوں سے اوپر کی آیتوں میں بلکہ پچھلے کئی رکوعوں میں اہلِ کتاب خاص کر اُن میں سے یہودیوں کی بداعمالیوں اور اس کے نتیجہ میں ان پر اللہ کی لعنت وغضب کا ذکر کیا گیا تھا اور ان کا انداز ترہیبی تھا۔ ان آخری دو آیتوں کا انداز ترغیبی ہے، ان میں فرمایا گیا ہے کہ یہ اہلِ کتاب اگر کفر وعصیان کے بجائے ایمان اور تقوے کی راہ اختیار کرتے اور اپنے گندے جذبات اور نفسانی خواہشات کی اتباع کے بجائے اللہ کی مقدس کتابوں توراۃ وانجیل اور قرآن حکیم کی ہدایات کی پیروی کرتے تو آخرت میں "جَنّٰتُ النَّعِیْم" کے وارث بنائے جاتے اور وہاں کی کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں سے فیضیاب ہوتے اور آخرت سے پہلے اس دُنیا میں بھی ان پر اللہ تعالےٰ کا ایسا فضل ہوتا کہ زمین سے بھی ان کو فراوانی سے رزق ملتا اور آسمان سے بھی ان پر رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جو نعمتیں زمین سے حاصل ہوتی ہیں وہ بھی ان کو ملتیں اور جن نعمائے الٰہیہ کا نزول آسمان سے ہوتا ہے وہ ان سے بھی بہرہ یاب ہوتے۔

میرے نزدیک ان دونوں آیتوں کا مدّعا اور پیغام یہ ہے کہ ان اہلِ کتاب کے لئے جو الحاد وانحراف اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی نعمتوں سے محروم ہوگئے ہیں، اب بھی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر یہ اپنی اصلاح کرلیں، کفر وعصیان کا طریقہ

چھوڑ کے ایمان و تقویٰ کا راستہ اختیار کرلیں اور نفسانی خواہشات اور گندے جذبات کی غلامی کے بجائے خداوندی ہدایت کی پیروی کو اپنا شعار بنالیں تو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں سے اب بھی پورا پورا حصہ لے سکتے ہیں۔

یہ بات اگرچہ یہاں اہلِ کتاب کے بارہ میں اور ان میں سے بھی خاص کر یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمائی گئی ہے لیکن دراصل یہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون اور اس کا ازلی دستور ہے، سورۂ اعراف میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں کا یہ حال بیان فرمانے کے بعد کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں پر ایمان لانے اور ان کی ہدایت پر چلنے کے بجائے کفر و نافرمانی کا راستہ اختیار کیا اور ان پر خدا کا غضب اور عذاب نازل ہوا ——— فرمایا گیا ہے۔

"وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ"

(اور اگر ان بستیوں والے کفر و نافرمانی کے بجائے ایمان و تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے) اس آیت سے اور زیادہ صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عام اور ہمہ گیر قانون اور ازلی ابدی سنت اللہ ہے کہ جو قوم اور اُمت ایمان اور تقوے والی زندگی اختیار کرلے وہ آخرت میں جنت کی نعمتوں کے علاوہ اس دنیا میں بھی زمین و آسمان کی برکتوں سے نوازی جائے گی۔

جس زمانہ میں مسلمانوں کی عام زندگی ایمان اور تقویٰ والی تھی، ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح زمین و آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ شروع شروع میں تو ابتلائی اور امتحانی دور رہا جو ایمان والوں کی تربیت کے لئے ضروری ہوتا ہے لیکن اس مرحلہ کو طے کرلینے کے بعد ان پر ہر طرف سے نعمتوں کی بارش ہی بارش تھی ———

اور چیزوں کے علاوہ زمینی پیداوار میں برکت کا یہ حال تھا کہ ابوداؤد شریف جو صحاح ستہ کی اہم کتابوں میں سے ہے اس کے مؤلف اور جامع امام ابوداؤد نے خود اپنا مشاہدہ لکھا ہے کہ زمین کی پیداوار میں ایسی برکت تھی کہ مصر کے بازار میں میں نے ایسے کھیرے دیکھے جن میں سے ایک کو میں نے اپنے بالشت سے ناپا تو وہ تیرہ ۱۳ بالشت تھا، اسی طرح انھوں نے لکھا ہے کہ وہیں میں نے ایسے لیموں دیکھے جن کو بیچ سے دو ۲ حصے کر کے ایک حصہ کو اونٹ کی پیٹھ پر ایک جانب اور دوسرے حصہ کو دوسری جانب لادا جاتا تھا ــــ اسی طرح حضرت امام احمد بن حنبل نے بیان فرمایا کہ انھوں نے ایسے گیہوں دیکھے جن کا ایک دانہ بصرہ کی کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا۔

یہ دراصل "لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" کا ایک ظہور تھا ــــ لیکن کسی قوم اور اُمّت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ اسی وقت ہوتا ہے جب اس کی زندگی اجتماعی اور عمومی طور پر ایمان اور تقوے کی ہو۔ نفاق اور فسق و فجور اگر ہو بھی تو بالکل دبا ہوا ہو ــــ لیکن اس کے برعکس اگر کسی قوم اور اُمّت کی حالت یہ ہو کہ اس میں آخرت سے بے فکری، اللہ و رسول کی نافرمانی اور فسق و فجور عام ہو تو اگرچہ اس میں کچھ صالح اور متقی لوگ اور اولیاء اللہ بھی ہوں تو وہ قوم اجتماعی حیثیت سے ان نعمتوں اور برکتوں کی مستحق نہیں رہتی ــــ سورۂ مائدہ کی جو آیتیں اس وقت زیر درس ہیں اُن کے آخری حصہ میں یہ بات بھی بڑی صراحت کے ساتھ فرمادی گئی ہے اہلِ کتاب کی محرومیوں کے تذکرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا ہے۔

"مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ○

یعنی ان اہلِ کتاب کی حالت یہ ہے کہ ان میں ایک چھوٹا سا گروہ اور ایک تھوڑی سی تعداد تو بیشک ایسی ہے کہ اس کی روش ٹھیک ہے اور وہ راہِ راست پر ہے یعنی اس میں خدا ترسی اور فکرِ آخرت ہے اور وہ لوگ خداوندی ہدایت کی پابندی

کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہیں. لیکن ان میں کی کڑی تعداد بداعمالیوں اور بدکرداریوں میں مبتلا ہے۔ "وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ"

اس سے معلوم ہو گیا کہ جب کسی اُمّت کی حالت یہ ہو جائے کہ اس کی اکثریت کی زندگی نافرمانی اور فسق و فجور کی ہو تو اگر اس میں کچھ بندے اعلیٰ درجہ کے صالح اور متقی اور اولیاء اللہ بھی ہوں تو اُمّت اللہ تعالےٰ کی خاص نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہی رہے گی۔

ہم مسلمان آج بالکل اسی حال میں ہیں. قرآنِ پاک میں اُن اہلِ کتاب کے حق میں فرمایا گیا تھا۔ "مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ" یہ لفظ بہ لفظ آج کے مسلمانوں پر صادق ہے اور یہ کسی مخصوص علاقہ یا کسی خاص ملک کے مسلمانوں کا حال نہیں ہے، بلکہ پورے عالمِ اسلامی کی حالت یہی ہے "مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ" ان الفاظ میں قرآن پاک نے زمانۂ نبوت کے اہلِ کتاب کی تصویر کھینچی تھی۔ آج یہ اُمّتِ مسلمہ کی زندگی کی تصویر ہے۔ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ

بیشک اس اُمّت میں آج بھی اصحابِ صلاح و تقویٰ اور اولیاء اللہ کی ایک خاصی تعداد ہے. لیکن چونکہ اکثریت بلکہ غالب ترین اکثریت خداوندی ہدایت سے بے پروا ہو کر من مانی زندگی گزار رہی ہے اس لئے اُمّت ان نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہے جن کے دروازے ایمان و تقوے والی قوموں کے لئے کھولے جاتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ آخری زمانہ میں مسلمانوں پر ایسے برے حالات آئیں گے اور وہ اس اس طرح تباہ و برباد کئے جائیں گے، تو امہات المومنین میں سے غالباً حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضرت کیا اُس زمانہ میں اُمّت صالحین سے خالی ہو جائے گی؟ آپ نے

فرمایا نہیں۔ اس وقت بھی اُمّت میں اللہ کے صالح بندے ہوں گے۔ انھوں نے عرض کیا۔

أَنُهْلَكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ يَارَسُولَ اللهِ ؟	حضرت کیا ہم ایسی حالت میں بھی ہلاک وبرباد کردیے جائیں گے جبکہ ہم میں اللہ کے کچھ صالح بندے بھی ہوں گے ؟

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ	ہاں جب خباثت یعنی فسق وفجور کا اُمّت میں غلبہ ہوگا تو صلحاء کے ہوتے ہوئے بھی ہلاکتیں اور بربادیاں آئیں گی۔

اس وقت پورے عالمِ اسلامی میں مسلمان جن ذلتوں سے دوچار ہو رہے ہیں اور جس کی سب سے زیادہ تکلیف دہ مثال اسرائیلی حکومت اور عربوں کے معرکہ میں سامنے آئی ہے اس کا حقیقی اور بنیادی سبب یہی ہے کہ اُمّت کی موجودہ زندگی نے اس کو خدا کی نصرت سے یکسر محروم کر دیا ہے۔ ایمانی نقطۂ نظر سے بنیادی اور حقیقی سبب یہی ہے۔ ظاہری اسباب وتدابیر کے لحاظ سے جو کوتاہیاں ہیں وہ دراصل اس کے ثمرات ونتائج ہیں، اور علاج صرف یہی ہے کہ پھر سے ایمان وتقویٰ کی زندگی اُمّت میں عام ہو۔ اللہ تعالےٰ کا ازلی ابدی منشور ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ
مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۝

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

معارف الحدیث

کتاب المناقب والفضائل (۲۴)

عشرۂ مبشرہ کے بقیہ حضرات (رضی اللہ عنہم)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَأْتِيْنِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْأَحْزَابِ، قَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ ـــــ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جو دشمن قوم (کے لشکر) کی خبر لائے، حضرت زبیرؓ نے عرض کیا، میں (خبر لاؤں گا) اس پر (انکے اس عرض کرنے پر) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کیلئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں ـــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح) غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، راجح قول کے مطابق ۵ھ کے اواخر میں ہوا بعض حیثیتوں سے اس غزوہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، قرآن مجید میں غیر معمولی انداز میں پورے دو رکوع میں اس غزوہ کے حالات کا

ذکر فرمایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام الاحزاب ہے، اس کے بارے میں تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، یہاں عام ناظرین کی واقفیت کے لئے کسی قدر اختصار کے ساتھ اس کا واقعہ لکھا جاتا ہے۔

معلوم ہے کہ قریش مکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے شدید ترین دشمن تھے۔ بدر اور اُحد کے تجربوں اور حالات کی رفتار دیکھنے کے بعد انھوں نے گویا طے کر لیا تھا کہ آیندہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے ــــــ مدینہ طیبہ کے جوار میں جو یہودی قبائل آباد تھے، ان میں سے بنو نضیر کو ان کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جلا وطن کرا دیا تھا اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے ــــــ سازش اور فتنہ پردازی یہودیوں کی گویا فطرت ہے، انھوں نے خیبر میں آباد ہو جانے کے بعد یہ اسکیم بنائی کہ عرب کے تمام بڑے قبائل کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی پوری اجتماعی طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملہ کریں اور انکو نیست و نابود کر دیں اس مقصد کے لئے بنو نضیر کا ایک وفد پہلے مکہ معظمہ پہونچا اور قریش کے سرداروں کے سامنے جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اپنی یہ اسکیم رکھی، اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم اسکی پوری کوشش کریں گے کہ دوسرے قبیلے بھی اس جنگ میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ شریک ہوں اور مدینہ کے قریب میں جو یہودی آبادیاں ہیں (بنو قریظہ وغیرہ) وہ بھی اس جنگ میں آپ کا پورا ساتھ دیں گے اور اس صورت میں مسلمان آپ لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور اُن کا نام و نشان تک مٹ جائیگا ــــــ قریش مکہ کے ان سرداروں کو راضی کرنے کے بعد اس وفد نے قبیلۂ غطفان اور بنو اُسد وغیرہ قبائل میں پہونچکر اُن کو بھی اس جنگ میں شرکت پر آمادہ کیا اور بتلایا کہ اس جنگ کے نتیجہ میں مدینہ اور اس کے قرب و جوار کے پورے علاقے پر جو بہت سرسبز و شاداب اور

بہت زرخیز تھا، آپ لوگوں کا قبضہ ہوجائیگا، چنانچہ یہ قبیلے بھی آمادہ ہوگئے، اس طرح قریش مکہ، غطفان، بنو اسد وغیرہ عرب قبائل پر مشتمل دس ہزار اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہوگیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دشمنانِ اسلام کے اس ناپاک منصوبہ کا علم ہوا تو آپ نے معمول کے مطابق اپنے خواص اصحاب سے مشورہ کیا ــــــ صورتِ حال یہ تھی کہ مدینہ میں ان مسلمانوں کی کل تعداد جن سے جنگ میں حصہ لینے کی توقع کی جاسکتی تھی، تین ہزار سے زیادہ نہ تھی وہی اس وقت کی اسلامی فوج تھی، اس کے پاس زندگی کی ضروریات اور جنگ کا سامان اس کا عشرِ عشیر بھی نہ تھا، جو دشمن لشکر کے پاس تھا، اس لئے مشورہ ہی سے جنگی حکمت عملی یہ طے کی گئی کہ باہر نکل کر کھلے میدان جنگ نہ کی جائے بلکہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کی جائے۔

سلمان فارسیؓ جو ایرانی النسل تھے انھوں نے بتلایا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے ملک ایران میں کثیر التعداد اور طاقتور دشمن لشکر کے مقابلے اور اس سے بچاؤ کے لئے طریقہ یہ ہے کہ ایسی خندق کھودی جاتی ہے کہ آدمی نہ خود ہی چھلانگ لگا کر اس کو پار کرسکے اور نہ گھوڑے کا سوار ــــــ مدینہ منورہ تین طرف سے قدرتی طور پر پہاڑوں وغیرہ سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ ان سمتوں سے کسی بڑے لشکر کے حملہ آور ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا، ایک سمت شمال مشرق کھلی ہوئی تھی کہ دشمن لشکر اس طرف سے حملہ کرسکتا تھا ــــــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ کو قبول کرنا مناسب سمجھا اور اُس سمت میں خندق کھودے جانے کا فیصلہ کرلیا گیا اس خندق کی گہرائی اور چوڑائی قریبًا دس ہاتھ تھی، دس دس مسلمانوں کی جماعت بنا کر ان پر خندق کا کام تقسیم کردیا گیا اور صحابہ کرام نے انتہائی مشقت کے ساتھ سخت سردی کے موسم میں دن کے علاوہ سرد راتوں میں بھی کھدائی کا

کام کیا، اس خندق کا طول آثار مدینہ کے بعض ماہرین کے لکھنے کے مطابق تقریباً پانچ ہزار ذراع یعنی ڈھائی ہزار گز تھا (گویا قریباً ڈیڑھ میل)۔

دشمن لشکر ابوسفیان کی سربراہی میں آیا اور خندق کے مقابل میدان میں پڑاؤ ڈالا ان لوگوں کے ساتھ خیمے وغیرہ بھی تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی وافر، قریباً ایک مہینے تک یہ لشکر پڑاؤ ڈالے رہا لیکن خندق کو پار کر کے مدینہ پر حملہ کرنا اس لشکر کیلئے ممکن نہ تھا بس دونوں طرف سے کچھ تیراندازی ہوئی، سیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ میں سے سات شہید ہوئے اور مشرکین میں سے چار جہنم واصل ہوئے ـــــ قرآن مجید سورۃ الاحزاب میں اس غزوہ میں مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش اور قربانی کا جس طرح ذکر فرمایا گیا ہے اس طرح کسی دوسرے غزوہ کے بارے میں ذکر نہیں فرمایا گیا، آگے قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب مسلمانوں کی مشقت ومصیبت اور قربانی انتہا کو پہونچ گئی تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے غیبی مدد آئی، یہ ایسی تیز وتند ہوا تھی جس نے دشمن لشکر کے سارے خیمے اکھاڑ پھینکے چولھوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں وہ سب الٹ گئیں، ان کے کچھ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر مختلف سمتوں میں بھاگ گئے ـــــ (میرا خیال ہے کہ لشکر کے بہت سے لوگوں نے آندھی کی اس غیر معمولی نوعیت کی وجہ سے اس کو خداوندی عذاب سمجھا ہوگا) ـــــ لشکر کے قائد اور سپہ سالار ابوسفیان نے بھی واپسی کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح پورا لشکر نامراد ہو کر واپس ہوگیا۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔

اسی غزوہ میں کسی خاص مرحلہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دشمن لشکر کا حال معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو آپ نے فرمایا "مَنْ يَّاتِيْنِيْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ" یعنی کون ہے جو دشمن لشکر کا حال معلوم کر کے لائے، ظاہر ہے کہ اس میں جان کا بھی خطرہ تھا ـــــ حضرت زبیرؓ نے سبقت کر کے عرض کیا کہ اس خدمت کو میں انجام دوں گا،

اس پر حضورؐ نے خوش ہو کر فرمایا ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیرؓ ہیں ــــ اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے جو حواری کے پورے مفہوم کو ادا کر سکے۔ (جاں نثار، رفیق کار اور مددگار کے الفاظ سے کسی حد تک حواری کا مطلب ادا ہو جاتا ہے) ــــ بلاشبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی یہ بڑی فضیلت ہے۔

ان کے بارے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ عشرہ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح ان کو بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریبہ حاصل ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ آپؐ کے چچا ابوطالب بن عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپؐ کے چچازاد بھائی ہیں، اور حضرت زبیرؓ آپؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہوئے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے پھوپھی زاد بھائی۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم وأرضاہ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَى حِرَاءٍ هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ وَعُثْمَانُ وَطَلْحَةُ وَزُبَيْرٌ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدٌ ــــ (رواہ مسلم)

ترجمہ:ــ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حراء پہاڑ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ، علیؓ، عثمانؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے تو پہاڑ کی اس چٹان میں (جس پر یہ حضرات تھے) جنبش پیدا ہوئی تو آپؐ نے (پہاڑ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ ساکن ہو جا کہ تیرے اوپر بس اللہ کا ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور شہید ہونے والے۔

ــــ (صحیح مسلم)

تشریح) جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا معجزانہ واقعہ کئی دفعہ پیش آیا ہے، وہ حدیثیں پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ صرف شیخین یا ان کے علاوہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کا بھی ذکر کیا گیا ہے،"
اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس میں آپ کے ساتھ خلفاء اربعہ کے علاوہ عشرۂ مبشرہ
میں سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے، اور اس حدیث میں آپؐ نے ان دونوں
کے شہید ہونے کی بھی پیشین گوئی فرمائی اور یہ دونوں حضرات اسی پیشین گوئی کے
مطابق جنگ جمل میں مظلومانہ شہید ہوئے۔

عن علی قال: سَمِعَتْ أُذُنَيَّ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَايَ فِي الْجَنَّةِ ـــــ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے
کہا کہ میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دہن
مبارک سے سنا آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں
میرے ہمسایہ ہوں گے ـــــــــــ (جامع ترمذی)

(**تشریح**) حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں البتہ یہ بات
خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات
(حضرت طلحہؓ و زبیرؓ) کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے فضائل خاص
طور سے آپؐ کے وہ ارشادات جن میں ان دونوں بزرگوں کے شہید فی سبیل اللہ اور
جنّتی ہونا ذکر فرمایا گیا ہے خاص اہتمام سے بیان فرماتے تھے چنانچہ یہی حدیث
جس میں ان دونوں حضرات کی یہ عظیم ترین فضیلت بیان ہوئی ہے کہ "یہ دونوں
جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے" اس کے لئے حضرت علیؓ نے یہ پیرایۂ بیان
اختیار فرمایا کہ "سَمِعَتْ أُذُنَيَّ مِنْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ"
کہ میرے کانوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا آپؐ ارشاد
فرماتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ پیرایۂ بیان اسی خاص اہتمام کا مظہر ہے ـــــ اور

اس کی خاص وجہ غالباً یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو جنگ جمل کے موقعہ پر جبکہ یہ دونوں جنگ سے کنارہ کش ہوگئے تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کے لشکر کے بعض بدبختوں نے ان کو شہید کیا تھا۔

اس جنگ کے بارے میں اتنی وضاحت یہاں بھی کردینا ضروری ہے کہ یہ اِس دنیا کی وہ عجیب وغریب اور عبرت آموز جنگ تھی جس کے دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، دونوں ایک دوسرے کے فضائل ومناقب سے واقف اور ان کے معترف تھے، لیکن کچھ شیاطین الانس عبداللہ بن سبا اور اسکے چیلوں نے اپنی شیطنت وفریب کاری سے رات کے اندھیرے میں دونوں فریقوں میں جنگ کرادینے میں کامیابی حاصل کرلی ـــــــ بہرحال یہ جنگ بلا ارادہ محض دھوکہ میں ہوئی، جنگ کے بعد دونوں فریقوں کو انتہائی رنج و افسوس ہوا، اور وہ برابر استغفار اور تلافی کی ممکن کوشش کرتے رہے۔

اس جنگ کے بارے میں تفصیلات ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں جن میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔[1]

[1] حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیرت خلفاء راشدین" میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے بیان کے سلسلے میں اس موضوع پر "السیف المسلول" "تاریخ قرطبی"، "ازالۃ الخفاء" وغیرہ کے حوالوں سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔

انتخاب

از افادات

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اسلام میں حسنِ معاشرت کی اہمیت

انشاء اللہ الفرقان کے صفحات میں وقتاً فوقتاً "انتخاب" کے زیرِ عنوان وہ منتخب اور مفید مضامین پیش کئے جاتے رہیں گے جو دورانِ مطالعہ نظر سے گذرتے رہتے ہیں اور جن کے فائدہ میں اپنے قارئین کو شریک کرنا ہمارا فرض اور اُن کا حق ہے، اس سلسلہ کا آغاز حکیم الامت حضرت مولانا **اشرف علی** تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون سے کیا جارہا ہے، جو حضرت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئ عارفیؒ کی زیرِ نگرانی جناب مسعود احسن علوی صاحب مرحوم کے مرتب کردہ مجموعۂ "مآثرِ حکیم الامت" کے مطالعہ کے دوران حال ہی میں نظر سے گذرا ـــــ امید ہے کہ یہ سلسلہ اور اس سلسلہ کا یہ آغاز پسند کیا جائے گا ـــــ خدا کرے کہ ہمیں انتخاب کا سلیقہ اور "گل چینی" کا ذوق میسر ہو جائے کہ ؎

ہزار لالہ و گل، صد ہزار نکہت و رنگ
کمالِ حسنِ نظر ہے شعورِ گل چینی

اس وقت دین کے پانچ اجزاء میں سے عوام نے تو صرف دو ہی جز و کو داخلِ دین

سمجھا یعنی عقائد و عبادات کو اور علماء ظاہر نے تیسرے جزو کو بھی دین اعتقاد کیا یعنی معاملات کو اور مشائخ نے چوتھے جز کو بھی دین اعتقاد کیا یعنی اخلاق باطنی کی اصلاح کو لیکن ایک پانچویں جزو کو کہ وہ ادب معاشرت ہے۔ قریب قریب ان تینوں طبقوں نے الا ماشاء اللہ اکثر نے تو اعتقاداً اور بعض نے عملاً دین سے خارج اور بے تعلق قرار دے رکھا ہے اور اسی وجہ سے اور اجزاء کی تو کم و بیش خاص طور پر یا عام طور پر یعنی وعظ میں کچھ تعلیم و تلقین بھی ہے لیکن اس جزو کا کبھی زبان پر نام تک بھی نہیں آتا اسی لئے علماً و عملاً یہ جز بالکلیہ نسیاً منسیاً ہو چلا ہے اور میرے نزدیک باہمی الفت و اتفاق میں (جس کی شریعت نے سخت تاکید کی ہے اور اس وقت عقلاء بھی اس کی بہت کچھ چیخ پکار کر رہے ہیں) جو کمی ہے اس کا بڑا سبب معاشرت کی خرابی بھی ہے کیونکہ اس سے ایک کو دوسرے سے تکدّر و انقباض ہوتا ہے جس سے باہمی انشراح و انبساط جاتا رہتا ہے اور محبّت باقی نہیں رہتی۔ حالانکہ خود اس خیال کو کہ اس کو دین سے کچھ مَس نہیں، آیات و احادیث و اقوال حکماءِ دین کے رد کرتے ہیں چنانچہ ان میں سے بعض بطور نمونہ کے پیش کرتا ہوں لہ

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کو فراخ کر دو تو جگہ کو فراخ کر دیا کرو اور جب تم سے کہا جاوے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو اور ارشاد ہے کہ دوسرے کے گھر میں (گو وہ مردانہ ہو مگر خاص خلوت گاہ ہو) بے اجازت لئے مت جایا کرو۔ دیکھئے اس میں اپنے جیسوں کی راحت کی رعایت کا کس طرح حکم فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک ساتھ کھانے کے وقت دو دو چھوارے ایک دم سے نہ لینا چاہئے تا وقتیکہ اپنے رفیقوں سے اجازت نہ لے لے۔ دیکھئے اس میں ایک نہایت خفیف امر سے محض اس وجہ سے کہ بدتمیزی ہے اور دوسروں کو ناگوار ہوگا، ممانعت فرما دی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص لہسن اور پیاز (یعنی خام) کھائے تو ہم سے (یعنی مجمع سے) علیحدہ رہے۔ دیکھئے اس خیال سے کہ دوسروں کو ایک خفیف سی اذیت ہوگی منع فرمایا اور ارشاد فرمایا ہے کہ مہمان کو حلال

نہیں کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ ہو جاوے۔ اس میں ایسے امر سے ممانعت ہے جس سے دوسرے کے قلب میں تنگی ہو۔

ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کھانے کے وقت گو پیٹ بھر جاوے مگر جتنک کہ دوسرے لوگ فارغ نہ ہو جاویں ہاتھ نہ کھینچے کیونکہ اس سے دوسرا کھانے والا شرما کر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور شاید اس کو ابھی کھانے کی حاجت باقی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرا آدمی شرما جائے۔ بعض آدمی طبعی طور پر مجمع میں کسی چیز کے لینے سے شرماتے ہیں اور ان کو گرانی ہوتی ہے یا ان سے مجمع میں کوئی چیز مانگی جاوے تو انکار و عذر کرنے سے شرماتے ہیں گو پہلی صورت میں لینے کو جی چاہتا ہو اور دوسری صورت میں دینے کو جی نہ چاہتا ہو ایسے شخص کو مجمع میں نہ دے نہ مجمع میں ان سے مانگے۔

حدیث میں وارد ہے کہ ایک بار حضرت جابرؓ درِ دولت پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، آپؐ نے پوچھا کون ہے۔ انھوں نے عرض کیا میں ہوں۔ آپؐ نے ناگواری سے فرمایا میں ہوں۔ میں ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بات صاف کہے کہ دوسرا سمجھ سکے۔ ایسی گول بات کہنا جس کے سمجھنے میں تکلیف ہو اُلجھن میں ڈالنا ہے اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا مگر آپ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہ ہوتے تھے کہ جانتے تھے کہ آپؐ کو ناگوار ہوتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی خاص ادب و تعظیم یا کوئی خدمت کسی کے مزاج کے خلاف ہو تو اسکے ساتھ وہ معاملہ نہ کرے گو اپنی خواہش ہو مگر دوسرے کی خواہش کو اس پر مقدم رکھے۔ بعضے لوگ جو بعض خدمات میں اصرار کرتے ہیں بزرگوں کو تکلیف دیتے ہیں۔

ارشاد ہے کہ (ایسے) دو شخصوں کے درمیان میں (جو قصداً پاس پاس بیٹھے ہوں) جا کر بیٹھنا حلال نہیں بدون ان کے اِذن کے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسی بات جس سے دوسروں کو کدورت ہو نہ کرنا چاہیئے اور حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو

جب چھینک آتی تو اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے اور آواز کو پست فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے جلیس کی اتنی رعایت کرے کہ اس کو سخت آواز سے بھی اذیت و وحشت نہ ہو۔ اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو جو شخص جس جگہ پہنچ جاتا وہاں ہی بیٹھ جاتا۔ یعنی لوگوں کو چیر پھاڑ کر آگے نہ بڑھتا۔ اس سے مجلس کا ادب ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اتنی ایذا بھی نہ پہنچا دے۔

حضرت عباسؓ سے موقوفاً اور حضرت انسؓ سے مرفوعاً اور حضرت سعید بن المسیب سے مرسلاً مروی ہے کہ عیادت میں بیمار کے پاس زیادہ نہ بیٹھے۔ تھوڑا بیٹھ کر جلدی اٹھ کھڑا ہو اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس امر کی کہ کسی کی ادنیٰ گرانی کا سبب بھی نہ بنے کیونکہ بعض اوقات کسی کے بیٹھنے سے مریض کو کروٹ بدلنے میں یا پاؤں پھیلانے میں یا بات چیت کرنے میں ایک گونہ تکلف ہوتا ہے البتہ جس کے بیٹھنے سے اس کو راحت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے غسل جمعہ کے ضروری ہونے کی یہی علت بیان فرمائی ہے کہ ابتدائے اسلام میں اکثر لوگ غریب مزدوری پیشہ تھے۔ ان کے میلے کپڑوں میں پسینہ نکلنے سے بدبو پھیلتی اس لئے غسل واجب کیا گیا تھا۔ پھر بعد میں یہ وجوب منسوخ ہو گیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس کی کوشش واجب ہے کہ کسی کو کسی سے معمولی اذیت بھی نہ پہونچے اور سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ شب براءت کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم بستر پر سے آہستہ اٹھے اور اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ سوتی ہوں گی بے چین نہ ہوں آہستہ نعل مبارک پہنے اور آہستہ سے کواڑ کھولے اور آہستہ سے باہر تشریف لے گئے اور آہستہ سے کواڑ بند کئے اس میں سونے والے کی کس قدر رعایت ہے کہ ایسی آواز یا کھٹکا بھی نہ کیا جائے جس سے سونے والا دفعتہً جاگ اٹھے اور پریشان ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت مقداد بن اسودؓ سے ایک طویل قصہ مروی ہے کہ ہم

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مہمان تھے اور آپ ہی کے ہاں مقیم تھے۔ بعد عشاء آکر لیٹ رہتے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم دیر میں تشریف لاتے تو (چونکہ مہمانوں کے سونے اور جاگنے دونوں کا احتمال ہوتا تھا اس لئے) سلام (تو) کرتے کہ شاید جاگتے ہوں اور ایسا آہستہ سلام کرتے کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور اگر سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے اس سے بھی وہی اہتمام معلوم ہوا جو اس سے پہلے حدیث میں معلوم ہوا تھا اور بکثرت حدیثیں اس باب میں موجود ہیں۔ روایات فقہیہ میں ایسے شخص کو جو طعام وغیرہ یا درس یا اوراد میں مشغول ہو سلام نہ کرنا مصرح ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بلا ضرورت کسی مشغول بہ شغلِ ضروری کے قلب کو منتشر اور دوجانب کرنا شرعاً ناپسند ہے اسی طرح گندہ دہنی کے مرض میں جو شخص مبتلا ہو اس کو مسجد میں نہ آنے دینا بھی فقہاء نے نقل کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اذیت کے اسباب کا انسداد نہایت ضروری ہے۔

ان دلائل میں مجموعی طور پر نظر کرنے سے بہ دلالت واضح معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے نہایت درجہ پر اس کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ کسی شخص کے لئے ادنیٰ درجے میں بھی کسی قسم کی تکلیف واذیت یا ثقل وگرانی یا ضیق وتنگی یا تکدر وانقباض یا کراہت وناگواری یا تشویش وپریشانی یا توحش وخلجان کا سبب وموجب نہ ہو اور شارع علیہ السلام نے صرف قول اور اپنے فعل ہی سے اس کے اہتمام کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خدام کے قلت[1] اعتناء کے موقع پر ان کو ان آداب کے عمل کرنے پر بھی مجبور فرمایا اور ان سے کام لے کر بھی بتلایا ہے چنانچہ ایک صحابیؓ ایک ہدیہ لے کر آپؐ کی خدمت میں بدون سلام وبدون استیذان[2] داخل ہوگئے آپؐ نے فرمایا باہر واپس جاؤ اور بعد السلام علیکم کیا میں حاضر ہوں، کہہ کر پھر آؤ اور فی الحقیقت حسن[3] اخلاق مع الناس کا راس واساس یہی ایک امر ہے کہ کسی کو کسی سے ایذا وتکلیف نہ پہنچے جس کو حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت جامع

---

[1] کم پرواہی [2] اندر آنے کی اجازت لینا۔ [3] لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا۔

الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ۔ (رواہ البخاری)

جس امر سے اذیت ہو گو وہ صورۃً خدمت مالی یا جانی ہو یا ادب و تعظیم ہو جو عرف میں حسن خلق سمجھا جاتا ہے مگر اس حالت میں وہ سب سوء خلق میں داخل ہے کیونکہ راحت کی جان خلق ہے جو مقدم ہے خدمت پر کہ پوست خلق ہے اور قشر بلا لُب[1] کا بیکار ہونا ظاہر ہے اور گو شعائر ہونے کے مرتبہ میں باب معاشرت مؤخر ہے۔ باب عقائد و عبادات فریضہ سے لیکن اس اعتبار سے کہ عقائد و عبادات کے اخلال سے اپنا ہی ضرر ہے اور معاشرت کے اخلال سے دوسروں کا ضرر ہے (دوسروں کو پہونچانا اشد ہے اپنے نفس کو ضرر پہونچانے سے) اس درجے میں اس کو ان دونوں پر تقدم ہے آخر کوئی بات تو ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان میں "اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا" کو جو دال ہے حسن معاشرت پر ذکر میں مقدم فرمایا صلوٰۃ و خشیت و اعتدال فی الانفاق و توحید پر جو کہ باب طاعات مفروضہ و عقائد سے ہیں اور یہ تقدم علی الفرائض تو محض بعض وجوہ سے ہے لیکن نفل عبادت پر اس کا تقدم من کل الوجوہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو دو عورتوں کا ذکر کیا گیا ایک تو نماز روزہ کثرت سے کرتی تھی یعنی نوافل کیونکہ کثرت اسی میں ہو سکتی ہے مگر اپنے ہمسایوں کو ایذا پہونچاتی تھی اور دوسری زیادہ نماز روزہ نہ کرتی تھی (یعنی صرف فرائض پر اکتفا کرتی تھی) مگر ہمسایوں کو ایذا نہ دیتی تھی، آپؐ نے پہلی کو دوزخی اور دوسری کو جنتی فرمایا۔ اور باب معاملات سے گو اس حیثیت مذکورہ سے یہ مقدم نہیں کیونکہ اس کے اخلال سے بھی دوسروں کو ضرر پہونچتا ہے مگر ایک دوسری حیثیت سے یہ اس سے بھی اہم ہے وہ یہ کہ گو عوام نہ سہی مگر خواص باب معاملات کو داخل دین سمجھتے ہیں اور باب معاشرت کو بجز اخص الخواص کے بہت سے خواص بھی داخل دین نہیں سمجھتے اور جو بعض سمجھتے ہیں مگر معاملات کے برابر اس کو مہتم بالشان اعتقاد نہیں کرتے

---

[1] نرا چھلکا بلا مغز

اور اسی وجہ سے عملاً بھی اس کا اعتناء کم کرتے ہیں اور اخلاقِ باطنی کی اصلاح عبادات مفروضہ کے حکم میں ہے۔ جو حیثیت تقدم معاشرت علی العبادات کی اوپر مذکور ہو چکی ہے وہ یہاں بھی جاری ہے۔

غرض اس جزو یعنی باب معاشرت کا سب اجزاء دین سے مقدم و مہتم بالشان ہونا کسی سے من وجہ اور کسی سے من کل وجہ ثابت ہو گیا مگر باوجود اس کے عوام کا تو بکثرت اور خواص میں بھی بعض کا اس کی طرف خود عملاً بھی التفات کم ہے اور جو کسی نے خود عمل بھی کیا مگر وہ دوسروں کو خواہ اجانب ہوں یا اپنے متعلقین ہوں روک ٹوک یا تعلیم و اصلاح کرنا تو مفقود محض ہے اس وجہ سے مدت سے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ کچھ ضروری آداب معاشرت جن کا اکثر اوقات موقع اور اتفاق پڑتا ہے تحریراً ضبط کر دیئے جائیں اور گو یہ احقر مدتوں سے اپنے متعلقین کو ایسے مواقع پر زبانی احتساب کرتا رہتا ہے گو اس میں میری اتنی خطا ضرور ہے کہ بعض وقت مزاج میں حدّت (تیزی) پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ معاف کر کے اصلاح فرما دیں اور اکثر وعظ میں بھی ایسے امور تعلیم و تبلیغ کرتا ہوں مگر حسب قول مشہور "العلم صیدٌ والکتابۃ قید" جو بات تحریر میں ہے تقریر میں کہاں، اس لئے تحریر کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی تھی مگر اتفاق سے دیر ہوتی گئی، خدا تعالیٰ کے علم میں اس کا یہی وقت مقدر تھا۔ الحمد للہ کہ اب اس کی نوبت آئی، اس کتاب کا نام آداب المعاشرت ہے اگر یہ رسالہ بچوں کو بلکہ بڑوں کو بھی پڑھا دیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں لطفِ جنّت کا نصیب ہونے لگے گا جیسا کہا گیا ہے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

واللہ ولی التوفیق وھو خیر رفیق

ازافادات حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

تلخیص وترجمہ - مولانا نسیم احمد فریدی علیہ الرحمۃ

تھوڑی دیر قافلۂ اہلِ دل کے ساتھ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے خلیفۂ اجل حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ (متوفی ۱۲۴۰ھ) کے ملفوظات ومکتوبات کا ایک دلآویز مجموعہ حال ہی میں کتب خانۂ الفرقان سے شائع ہوا ہے ــــــ یہ مجموعہ بھی، حضرت مولانا نسیم احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا تھا، ذیل میں اس کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے۔ جو حضرت شاہ غلام علیؒ کی ایک طویل تحریر سے ماخوذ ہے ــــــ مدیر

.....الیوم اکملت لکم دینکم (آج کے دن میں نے تمہارا دین کامل کر دیا) اس آیت کی رُو سے دینِ متین، کمال پا چکا ہے ــــــ پس عقائد و اعمال، اخلاق واحوال اور صدقِ معاملات جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، حصولِ نسبت مع اللہ کے لئے کافی ہیں۔

احوال نام ہے باطنِ طالب پر دوام سکینہ اور انوار وکیفیات کے وارد ہونے کا ــــــ تہذیب اخلاق، حاصل سیر وسلوک ہے چنانچہ ایک حدیث شریف تحصیل مکارمِ اخلاق کی اہمیت ظاہر کرتی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بُعثت لاتمم مکارم الاخلاق (میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔)

اپنے احوال پر غور کرو کہ کون سی بُری خصلت تم پر غالب ہے پس نفی واثبات سے اُس بُری خصلت کا ازالہ کرو ــــــ مثلاً حسد کی اپنے دل سے بذریعہ لا نفی کرو، اس طریقے سے کہ لا الٰہ نہیں ہے حسد مجھ میں الا اللہ مگر حُبِّ الٰہی چند دن میں نورِ ذکر الٰہی کی برکت سے حسد زائل ہو جائے گا اسی طرح ہر خوئے بد انوارِ ذکر سے چھپ جائے گی اور ختم ہو جائے گی، اور ذکر ویاد داشت کے غلبہ سے جبکہ وہ تمام ظاہر وباطن کا احاطہ کریں، تمام بُرے خصائل، زوال پذیر ہو جائیں گے ــــــ حسد،

بغض، بخل، دناءت، حُبِّ جاہ، تکبّر، سمعہ و ریا، عُجب، تعلق بغیر اللہ، حرص، ہوا و ہوس، طولِ آرزو، یادہ گوئی، غیبت اور عیب بینی یہ تمام رذائل ہیں ان سے پرہیز لازم ہے، جو عمل تم سے ہو اس کو حقیر جانو کہ نہ معلوم نفس نے اُس میں نیت بد اور عجب و غرور سے کیا کچھ ملا دیا ہو اور جو عمل نیک دوسرے مسلمان سے ہوا ہو اُس کو بڑا سمجھو کہ اس نے نہ معلوم اُس عمل خیر میں کیسی اچھی نیت کی ہوگی اور درگاہِ الٰہی میں بسبب اخلاص وہ کتنی قدر و منزلت رکھتا ہوگا ___ سلف صالحین مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عقائد کا اتباع کرنا چاہئے ___ اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں سوائے اچھائی کے لب نہ کھولے جائیں، اُنکے نفوس نے فیضِ صحبت خیر الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم سے تہذیب کامل پائی تھی اور نفسیات سے پاک و صاف ہو گئے تھے ___ ان حضرات کے تمام معاملات، نیتِ صالحہ سے تھے، ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت خیر البشر صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ نے اس جماعت کے اندر کوئی تاثیر پیدا نہیں کی جس نے خدا اور رسول کے راستے میں جان و مال کی بازی لگا دی تھی، اور قرآن مجید نے جس جماعت کی تعریف کی ہے اور بشارت دی ہے ___ اُن حضرات کے دلوں سے اگر محبت دنیا نہ گئی تو ہم پسماندگان کیلئے اسکی کیا توقع ہو سکتی ہے ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا دین، انکے عقائد و اعمال اُنکے اخلاق اور خدا اور رسول کا کلام نیز مناقب اہلِ بیت رضی اللہ عنہم ہم تک پہونچائے ہیں، اُنکی تفسیق و تکفیر کی صورت میں معاذ اللہ دین سے اعتماد اُٹھ جائیگا ___ وہ دین جسکو فسّاق و فجّار نے پہونچایا ہو اس پر وثوق و اعتماد نہیں کیا جا سکتا ___ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ایک تھے، آیت شریفہ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ شانِ اصحاب کرامؓ میں وارد ہے رُحماء (رحیم کی جمع ہے جو) صفتِ مشبّہ ہے اور صفت مشبّہ دوام پر دلالت کرتی ہے پس انکی آپس کی اُلفت و دوستی میں آیت شریفہ سے ثابت ہوئی ___ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ___ انھیں کے بارے میں ہے وعدۂ حسنیٰ نیکوں کے واسطے ہوتا ہے، رضی اللہ عنہم ___ واجب ہے کہ صحابہ کے باہمی واقعات میں سکوت اور عدمِ خوض کیا جائے ___ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی رعایت کرتے ہوئے کہ ان سب کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شرفِ صحبت و قرابت حاصل ہے، حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جمیع قبائل عرب سے قرابت تھی۔
مشائخ متقدمین کیلئے جو متاخرین پر اپنا حقِ تلقین و تربیت رکھتے ہیں ــــ فضیلت ثابت ہے ــــ ان اکابر کا پاس ادب لازم ہے، ایک مسلک کو دوسرے مسلک پر، ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد پر اور ایک طریقے کو دوسرے طریقہ پر (خواہ مخواہ) ترجیح نہ دینی چاہیئے سب اکابر کی نیتیں نیک تھیں ــــ ان کا مطمحِ نظر، اتباعِ سنّت اور رضائے الٰہی تھا ــــ کسی مسلمان کی تحقیر نیز عیب بینی، سخن چینی، چغلخوری اور اپنے آپ کو کچھ سمجھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے اپنے کو محض عدم خیال کرنا، اپنے کمالات کو اصل کے سپرد کرنا، اپنے حسنات کو قابلِ قبول نہ سمجھنا، اپنے سیئات کو ایک پہاڑ کی طرح اپنے سر پر محسوس کرنا، دوسرے کی برائیوں کو تاویل کر کے نیکی جاننا وقائع روزمرّہ کو ارادۂ حق سبحانہ سے سمجھنا اور چوں وچرا کے ساتھ لب کشائی نہ کرنا، نیز کسی سے (بے ضرورت) بحث وجدال نہ کرنا چاہیئے، اس نوعیت کی تکرار کہ تم کہو بات اس طرح ہے، مخالف کہے اس طرح ہے دلوں کو آزردہ کرتی ہے ــــ بلکہ مخالف جب ضد کرے اور کہے امر واقعہ یوں ہے، تم کہو ہاں ٹھیک ہے ــــ اس سے آگے بات نہ بڑھے تاکہ فتنہ وغوغا پیدا نہ ہو اور دل مکدر نہ ہو یہ اہلِ معرفت رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ ہے ــــ ہر ماہ کے تین روزے اور عرفہ و عاشورا کے روزے نیز پندرہویں شعبان کا روزہ حدیث سے ثابت ہے شوال کے چھ روزے بھی ثابت ہیں ــــ روزے میں غیبت، جھوٹ، طعن اور فضول گوئی سے احتیاط ضروری ہے، ورنہ روزہ قابلِ ثواب نہ ہوگا، احمقی اور بیوقوفی ہوگی کہ بھوک اور پیاس کی سختی اٹھائے اور ان امور مذکورہ سے روزہ برباد کر دے بعض کے نزدیک غیبت، مفسد روزہ ہے، اور یہی مذہب امام اوزاعی کا ہے ــــ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے والے کو روزہ اور وضو لوٹانے کا حکم فرمایا ہے ــــ تہمد کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا گناہِ کبیرہ ہے ــــ نسبت وجمعیت اور توجہ کا حصول بغیر اعمالِ ظاہری محال ہے ــــ نورِ اعمال کو اطمینانِ باطن میں پورا پورا اثر و دخل ہے، اندرون کو غیر کے خیال سے خالی رکھنا اور بیرون کو اعمالِ خیر اور شکستگی وانکسار سے آراستہ کرنا، اس سے اونچا کوئی کمال نہیں ہے ایسے اعمال جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں ثابت ہیں انکو لازم سمجھو تاکہ سنّتِ

حبیبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے والوں میں سے ہو جاؤ (ع) ۔ ان المحبّ لمن یُحبّ مطیع ۔۔۔ (عاشق اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔)

مولانا فریدیؒ کی تین نئی کتابیں

جن کا آپ کو انتظار تھا۔ بحمد اللہ شائع ہو گئیں

قافلۂ اہلِ دل ۔۔۔ مرزا مظہر جان جاں کے خلیفہ و جانشین حضرت شاہ غلام علی مجددی اپنے ملفوظات و مکتوبات کے آئینہ میں، ساتھ میں ان کے خلفاء کا تذکرہ بھی ۔۔۔۔۔۔ قیمت -/۲۵

تذکرہ شاہ عبدالرحیم و شاہ ابوالرضا دہلویؒ ۔۔۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فاروقی دہلویؒ اور عم مکرم شاہ ابوالرضا فاروقی دہلویؒ کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کا انمول مجموعہ قیمت -/۱۴

تذکرہ شاہ سید ابوسعید حسنیؒ ۔ اور سلسلۂ ولی اللہی کا ایک گمنام درویش ۔

حضرت شاہ ابوسعید قطبی رائے بریلویؒ کے مختصر حالات ۔۔۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان سے تعلقات کی روشنی میں ۔ ساتھ میں انکے ایک گمنام خلیفہ و مجاز حضرت شاہ عبدالقادر خالصپوریؒ کا تذکرہ قیمت -/۱۰

نوٹ: صرف -/۴۵ روپے بھیج کر تینوں کتابیں رجسٹری سے گھر بیٹھے حاصل کریں۔

ملنے کا پتہ ۔ الفرقان بکڈپو ۔۔۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی ۔۔۔ لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

بمبئی میں

آپ کی زندگی میں مسرتوں کی مٹھاس گھولنے کیلئے

طہورا سوئیٹس

پیش کرتے ہیں ہمہ اقسام کی خوش ذائقہ، دل پذیر و لاجواب اور صحت بخش مٹھائیاں

اسپیشل سلاطون | مینگو برفی | انجیر برفی | پائن ایپل برفی | قلاقند

سوتر فینی | ملائی کھاجہ | پھول کھاجہ | سادہ کھاجہ | مادہ سموسہ | ہر قسم کے لڈو اور نان خطائیاں وغیرہ

ہماری مٹھائیاں • دیسی گھی • زعفران اور • میووں کے زیورات سے آراستہ کرکے نہایت پاکیزگی اور صفائی سے تیار کی جاتی ہیں۔

فون ۸۹۱۳۱۸ ۳۹۲۷۷۳

۲۲۵/۲۷۵ بلاسس روڈ دوکان نمبر ۱ ناگپاڑہ جنکشن بمبئی ۸

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

دُنیا کا سب سے بڑا خلا
اور
ہمارا اصل کام

[ذیل میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم کی ایک تقریر، اُن کی نظرِ ثانی کے بعد شائع کی جارہی ہے جو فروری ۱۹۵۶ء میں خیرآباد ضلع سیتاپور (یو۔پی) کے ایک تبلیغی اجتماع میں کی گئی تھی — ادارہ]
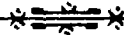
الحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله، لقد جاءت رسل ربنا بالحق صلوات الله علیهم وعلی کل من اتبعهم باحسان إلی یوم الدین۔

حضرات! ہمارے آپ کے پیدا کرنے والے نے ہم کو کچھ خاص صلاحیتیں اور طاقتیں بخشی ہیں، اور ہمیں اور آپ کو اس لائق بنایا ہے کہ سوچ سمجھ کر کسی چیز کو اپنا مقصد بنائیں اور اس کے لئے محنت اور جد وجہد کریں — اب ہمارے لئے دو راستے ہیں ایک یہ کہ صرف اس دنیا کے اپنے اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے مشاہدات اور تجربات اور عام معلومات کو بنیاد بنا کے اور بس یہیں کے عیش و راحت اور نفع و نقصان کو اپنی نگاہ کے سامنے رکھ کے اپنی زندگی کا مقصد اور اُس کا راستہ متعین کریں — اور دوسری راہ یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبروں نے جن حقیقتوں کی خبر دی ہے، مثلاً یہ کہ اللہ کی ہستی ہے اور وہی

اس ساری دنیا کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا ہے اور اُس کے ہاتھ میں ہر قسم کا بناؤ اور بگاڑ ہے اور انسانوں کو مرنے کے بعد پھر اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے اور یہاں کے ہر اچھے بُرے عمل کا اُس کے یہاں بدلہ پانا ہے اور ثواب ہے اور عذاب ہے اور جنت ہے اور دوزخ ہے۔

الغرض دوسری راہ ہم انسانوں کے لئے یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بیان کی ہوئی اس قسم کی سب باتوں کو بھی حق جان کر اور حق مان کر اور ان کو بھی اپنی نگاہ کے سامنے رکھ کر ہم اپنی زندگی کے مقصد اور راستہ کا تعین کریں۔

اب اگر کوئی شخص اپنے لئے پہلی والی پوزیشن اختیار کرے تو قدرتی طور پر وہ صرف اس دنیا کی ترقی اور خوشحالی اور عزت اور خوش عیشی ہی کو اپنا مقصد بنائے گا اور اس کی جد وجہد خالص دنیا کے لئے ہوگی، پھر کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے میں نہ اُسکے سامنے خدا کی رضامندی اور ناراضی کا سوال آئے گا نہ ثواب یا عذاب کا، اُس کا طریقہ بس یہ ہوگا اور یہی ہونا بھی چاہئے کہ۔ ع

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

لیکن جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی بیان کی ہوئی حقیقتوں کو حق مانیں یعنی وہ اللہ پر اور آخرت کی جزا و سزا پر اور جنت و دوزخ وغیرہ پر ایمان لائیں، وہ کسی طرح بھی اس دنیا کی خوشحالی اور خوش عیشی کو اپنا مقصد اور اپنی جد وجہد کا اصلی موضوع نہیں بنا سکتے، ان کا رویہ اس دنیا میں قدرتی طور پر یہی ہوگا کہ وہ زندگی کا اصل مقصد اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے قرب کے حصول کو اور آخرت کی فلاح کو بنائیں گے اور اُن کی اصل فکر اور جد وجہد اسی مقصد کے لئے ہوگی اور اس دنیوی زندگی کو وہ اس کے ذریعہ اور وسیلہ ہی کی حیثیت سے استعمال کریں گے۔

بہرحال اس دنیا میں زندگی گزارنے کے یہ دو اصول اور دو طریقے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، میرے نزدیک ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کرے اور فیصلہ کرے کہ ان دو میں سے کون سا اصول اور کون سا طریقہ اس کے نزدیک صحیح ہے اور وہ اپنے لئے ان میں سے کس طریقہ کا انتخاب کرنا چاہتا ہے۔

جو لوگ اس مسئلہ کو سوچے بغیر زندگی گزار رہے ہیں، میں صفائی سے کہتا ہوں کہ وہ جانوروں میں شمار ہونے کے لائق ہیں، اگرچہ وہ انسانوں کی طرح دو ٹانگوں پر چلتے ہوں، انسانوں کی طرح بولتے ہوں اور اگرچہ انھوں نے کسی بڑی سے بڑی یونیورسٹی سے اونچی سے اونچی کوئی تعلیمی ڈگری بھی حاصل کی ہو ——— بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر بالفرض کسی شخص نے غور و فکر کے بعد اپنے لئے یہی طے کیا کہ وہ پیغمبروں کے بتائے ہوئے غیبی حقائق کو نہیں مانے گا اور اس لئے خالص دنیا پرستانہ زندگی گذارے گا تو اگرچہ میرے نزدیک وہ بہت بڑے درجہ کا گمراہ ہے اور خدا کے یہاں اپنے اس گمراہانہ فیصلہ کی وہ پوری پوری سزا پائے گا لیکن پھر بھی اُس کی یہ گمراہی انسان والی گمراہی ہے، مگر جو لوگ اس بارہ میں کچھ سوچتے ہی نہیں اور سوچنا ضروری ہی نہیں سمجھتے اور بغیر سوچے سمجھے خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر زندگی گزار رہے ہیں، میں اُن کے بارہ میں سب کو سنا کر اور پکار کر کہتا ہوں کہ اُن کی یہ گمراہی بالکل عقل و شعور سے محروم جانوروں والی گمراہی ہے اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

دوستو! اب تک میں نے جو بات کہی وہ ایک بالکل اصولی بات تھی جس کا تعلق انسانوں کے کسی خاص طبقہ اور خاص گروہ سے نہیں تھا، اب میں خاص طور سے اپنے کو

اور آپ دوستوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں ہماری خاص پوزیشن یہ ہے کہ خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکے اور آپؐ کی دینی دعوت کو قبول کر کے گویا یہ تو ہم مان چکے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اور سب سے آخر میں خدا کے آخری نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اور آخرت کی جزا سزا اور عذاب و ثواب اور جنت دوزخ وغیرہ کے بارہ میں جو کچھ بتایا ہے وہ سب حق ہے، اور اس دنیا کی حیثیت بس وہی ہے جو آپ نے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب اللہ (قرآن مجید) نے بتلائی ہے ـــــ لیکن یہ سب کچھ ماننے اور قبول کرنے کے باوجود آج ہماری زندگیوں کا نقشہ وہ نہیں جو اس کے بعد ہونا چاہئے تھا بلکہ اُس سے بالکل مختلف ہے۔

اپنے کو مسلمان کہنے والی امت اور قوم کی غالب اکثریت کا حال اس وقت یہ ہے کہ عملاً اُس نے بھی اِسی دنیا کو گویا اپنا اصل مقصد اور مطمح نظر بنا لیا ہے اُس کی جد و جہد اور دوڑ دھوپ بھی دوسری خدا فراموش اور دنیا پرست قوموں کی طرح اِسی دنیا کی خوشحالی اور خوش عیشی کے لئے ہو رہی ہے، آج مسلمانوں کی زندگی کو دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ان لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کو بنایا ہے اور اُن کی دوڑ دھوپ کا رُخ اُس طرف ہے۔ اور ہمیں دنیا بھر میں جس قسم کے حالات کا اس وقت سامنا ہے وہ دراصل ہمارے اس جرمِ عظیم کی خداوندی سزا ہے کہ ہم نے اپنا اصل کام چھوڑ کر وہ سارے کام اپنا لئے ہیں جو دنیا کی دوسری قومیں کیا کرتی ہیں۔

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ کے سارے پیغمبر اور سب کے آخر میں سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں اسی لئے آئے تھے کہ خدا فراموشی اور دنیا پرستی والا طریقِ زندگی دنیا سے مٹا کر خدا پرستی اور فکرِ آخرت والا طریقِ زندگی دنیا میں پھیلائیں

اسلام دراصل اسی طریقِ زندگی کا نام ہے، جب تک حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رونق افروز رہے اس مقصد کے لئے جد وجہد فرماتے رہے اور اس طریقِ زندگی کی دعوت دیتے رہے پھر اللہ کے جن خوش نصیب بندوں نے آپ کی اس دعوت کو قبول کیا اور آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا انھوں نے آپ کے بنائے ہوئے مقصد کو اپنا مقصدِ زندگی اور آپ کے طریقہ کو اپنا طریقہ اور آپ کی دعوت اور جد وجہد کو اپنی دعوت اور جد وجہد بنا لیا، اُس وقت "مسلمان" ایک ایسی قوم اور ایسی اُمت کا نام تھا جو مقصدِ زندگی اور طریقِ زندگی، اور اپنی جد وجہد اور دوڑ دھوپ کے لحاظ سے دنیا میں بالکل نرالی اور ممتاز تھی، اُن کے علاوہ دنیا والے اُس وقت بھی دنیا کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے اور دنیا کی خوشحالی اور خوش عیشی کے لئے اپنا خون پسینہ آج ہی کی طرح ایک کر رہے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے یہ بندے ان کو نادان اور گمراہ سمجھتے تھے، اور اُن کی نادانی اور گمراہی پر اُن کو ترس اور رحم آتا تھا اور وہ اُن کو اس گمراہی اور نادانی کی تاریکی سے نکال کر اپنی طرح اُن کو بھی خدا آشنا اور آخرت کے لئے متفکر اور جنت کا مستحق بنانے کے لئے ہر امکانی جد وجہد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، اور اس جد وجہد کے لئے انھوں نے اپنے آپ کو اس طرح وقف کر رکھا تھا کہ اس کے مقابلہ میں اپنے ذاتی مسائل کو گویا بالکل بھلا دیا تھا۔

اُن کی اس قربانی اور جد وجہد کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ اللہ کے لاکھوں اور کروڑوں بندے جو خدا سے غافل اور بے تعلق تھے خدا آشنا اور اللہ والے بن گئے، قومیں کی قومیں اور ملک کے ملک محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دینی دعوت کو قبول کر کے جنت کے مستحق ہو گئے اور ان سب کے ایمان و اسلام کا اجر و ثواب اُن بندگانِ خدا کے اعمال ناموں میں لکھا گیا، جنھوں نے اپنی دنیا کو بھلا کر یہ دینی جد وجہد کی تھی —— اور دوسرا نقد انعام ان بندوں کو اللہ تعالےٰ نے یہ عطا فرمایا کہ جس دنیا کی جد وجہد کو

چھوڑ کر اللہ کی رضا والی یہ دینی جدوجہد انھوں نے اپنائی تھی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بھی ذلیل کر کے ان کے قدموں میں ڈال دیا۔ اُن کو حکومت بھی دیدی گئی اور ایسی حکومت دی گئی کہ اس کے مقابلہ کی طاقت رکھنے والی کوئی حکومت اُس وقت دنیا میں نہیں تھی، اُن کو دولت بھی دیدی گئی اور اتنی دی گئی جس کا آسانی سے حساب بھی نہیں لگایا جا سکتا ـــــ صرف دو مثالیں سُن لیجئے:-

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت زبیر بن عوامؓ کی معاشی حالت یہ تھی کہ اُن کی محترم بیوی اسماءؓ بنت ابی بکرؓ خود جنگل جا کر اونٹ کے لئے چارہ سر پر لاد کر لاتی تھیں، لیکن ۲۴-۲۵ برس کے بعد جب ان کا انتقال ہوا تو حالت یہ تھی کہ پچاس کروڑ سے اوپر ترکہ چھوڑا ـــــ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہجرت کے وقت بالکل خالی ہاتھ تھے مگر انتقال کے وقت ان کی دولتمندی کا یہ حال تھا کہ دولت کے صرف تہائی حصہ کے بارہ میں انھوں نے جو وصیّت کی تھی اس میں یہ بھی تھا کہ جو بدری صحابی زندہ ہیں اُن میں سے ہر ایک کو میرے اس مال میں سے چار چار سو اشرفیاں ہدیۃً پیش کی جائیں اور لوگوں نے لکھا ہے کہ اُس وقت بدری صحابی ۱۰۰ کے قریب زندہ تھے۔ بس ان ہی دو مثالوں سے اندازہ کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی بےحساب دولت اُن پر اُنڈیل دی تھی۔

اس کے علاوہ میرے نزدیک حکومت و دولت سے بھی بڑی چیز صحابۂ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی گویا مستقل سرپرستی اور حمایت ان کو حاصل تھی اور اُن کو اللہ تعالیٰ کی اس حمایت اور سرپرستی پر ہر چیز سے زیادہ عتماد اور اطمینان تھا اور یہ وہ سرمایہ تھا جو اُس وقت دنیا میں کسی قوم اور کسی ملک کے پاس نہیں تھا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ساری داد و دہش بس اُنکے

اس فیصلہ اور اس عمل پر تھی کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کے اور آپ کی دینی دعوت کو قبول کر کے اپنا مقصدِ زندگی وہ بنالیا تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتایا تھا اور آپ ہی کے بتائے ہوئے طریقِ زندگی کو اپنے طریقہ اور آپ ہی کی بتائی ہوئی جدوجہد کو اپنی جدوجہد قرار دے لیا تھا۔

میرے دوستو اور دینی بھائیو! اس ساری تفصیل کے بعد میں آپ کے سامنے ایک سیدھا سادہ عملی سوال رکھنا چاہتا ہوں، میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ اس وقت میری اور آپ کی اور عام مسلمانوں کی پوزیشن یہ ہے کہ ہم حضورؐ پر ایمان تو لے آئے ہیں اور مجھے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہم منافقوں کی طرح صرف زبان ہی سے ایمان نہیں لائے ہیں بلکہ ہم نے دل سے آپ کو اللہ کا سچا پیغمبر سمجھ کر آپ کی دینی دعوت کو قبول کیا ہے ——— لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہم نے آپ کے بتائے ہوئے مقصدِ زندگی کو اپنا مقصدِ زندگی اور آپ کے طریقہ کو اپنا طریقہ اور آپ کی والی جدوجہد کو اپنی جدّوجہد نہیں بنایا ہے بلکہ ہماری حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔ ایسی حالت میں اللہ کے کچھ بندے ہیں اور آپ کو اپنا صحیح موقف اور مقام یاد دلاتے ہیں اور دعوت دیتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد وہی بنائیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا اور آپ کے والے طریقہ کو اپنا طریقہ اور آپ کی والی جدوجہد کو اپنی جدوجہد بنائیں ——— اب بتایئے اور طے کیجئے کہ اس دعوت کے جواب میں آپ کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہتے ہیں۔

میرے بھائیو! یہ تبلیغی جدوجہد جس سے آپ کچھ آشنا اور واقف بھی ہیں، دراصل اسی مقصد کے لئے جدوجہد ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمّت اور مسلمان کہلانے والی قوم پھر سے آپ کے مقصد و طریقہ کو اپنا مقصد و طریقہ اور آپ کی جدوجہد کو اپنی جدوجہد بنالے۔ اس سلسلہ کے اجتماعات اور اس سلسلہ کی

مل و حرکت سب کا اصل مقصد صرف یہی ہوتا ہے۔

ہماری دعوت آپ کو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سب بندگان خدا کو صرف یہ ہے کہ اپنی زندگی کے رُخ کو بدلو، اللہ تعالیٰ کی رضا ر آخرت کی نجات و فلاح کو اپنا اصل مقصدِ حیات بناؤ، اور اِس مقصد تک پہنچنے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کا جو طریقہ بتایا تھا اُس پر چلو، اور پ نے اپنی والی جو دعوت اور جد و جہد اُمت کے سپرد فرمائی تھی اس کو اپنی اصلی عوت اور جد وجہد بناؤ۔

ہم نے اور آپ نے حضورؐ پر ایمان لاکر گویا آپ کے ہاتھ پر غائبانہ بیعت کی تھی بکن ہم شیطان کے بہکانے سے اِس بیعت کے تقاضوں سے غافل ہوگئے، یا یوں کہہ یجیے کہ ہم نے اس ایمانی بیعت کے تقاضوں اور اس کی ذمہ داریوں کو اپنی بے شعوری ور لاپروائی کی وجہ سے محسوس نہیں کیا اور اس کی وجہ سے ایمان لانے کے باوجود ہماری ندگی ایمان والی نہیں بنی، اب ہم آپ سے اور اپنے سے بھی کہتے ہیں کہ آؤ اب وچ سمجھ کر اور شعور اور ارادہ کے ساتھ اور سچے ایمانی عزم کے ساتھ اس بیعت کی تجدید ریں، اب تک جو غفلت رہی اُس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، توبہ کریں، اور ئندہ کے لئے طے کریں کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور تعلیم ے مطابق دنیا کی خوشحالی اور خوش عیشی کو مقصدِ زندگی بنانے کے بجائے اللہ کی رضا ور آخرت کی فلاح کو زندگی کا اصل مقصد بنائیں گے اور آپ نے اس مقصد و منزل ک پہنچنے کے لئے جو راستہ بتایا تھا، اُسی پر چلیں گے، اور اپنی والی جس دعوت اور بد و جہد کو آپ نے اُمت کے سپرد فرمایا تھا، اس کو ہم اپنی دعوت اور جد وجہد نائیں گے، بس یہی ہے ہماری دعوت ——————

میرے دوستو! اس وقت دنیا میں سب کچھ ہے اور ہمیشہ سے زیادہ ہے لیکن

کوئی قوم اور امت ایسی نہیں ہے جس کا مقصدِ حیات اور طریقِ حیات اور جس کی فکر اور جدوجہد پیغمبروں والی ہو اور دنیا اُس سے یہ چیزیں لے سکے اور سیکھ سکے، اِس وقت کی دنیا کا سب سے بڑا خلاء اور اُس کی یہ سب سے بڑی بدنصیبی ہے اور اسی نے اس دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے۔ اس کی اصل ذمّہ داری یہودیوں پر نہیں ہے، عیسائیوں پر نہیں ہے۔ ہندوؤں اور سکھوں پر نہیں ہے بلکہ صرف اُس قوم اور اس امت پر ہے جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہے اور جو آپؐ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کہتی ہے

اس تبلیغی جدوجہد کا مقصد یہی ہے کہ امت اس ذمّہ داری کو پورا کرے ____
اس سلسلہ میں ہم سفروں پر اور خاص کر اس تبلیغی لمبی مدّت والے سفروں پر اسی لئے زیادہ زور دیتے ہیں کہ اس مقصد کے لئے ہمارے ظاہر و باطن میں جس بڑی تبدیلی کی ضرورت ہے وہ صرف تقریر سُننے یا کتابیں پڑھنے سے پیدا نہیں ہوا کرتی بلکہ ایمان وعمل اور قربانی کے راستے پر پڑجانے اور عملی مشق سے پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالےٰ کا وعدہ بھی یہی ہے۔ " وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

دنیا کا تجربہ بھی یہی ہے کہ جو تجارت کرے گا اور تجارت پر جان کھپائے گا اُس کا مزاج تاجرانہ بن جائے گا اور اس کو تجارت آجائے گی، اسی طرح جو سیاست میں پڑیگا اور سیاسی قسم کا کام برابر کرتا رہے گا اُس کا مزاج سیاسی بن جائے گا اور اس کو آج کل کی سیاست آجائے گی ____ بالکل اسی طرح جب ہم آپ اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کو مقصود بنا کر اپنے عیش وآرام سے منھ موڑ کر کچھ مدّت کے لئے گھر بار چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکلیں گے اور بار بار نکلیں گے اور اس زمانہ میں حضورؐ کے طریقۂ حیات کی پابندی اور مشق کرینگے اور ہر قسم کی دنیوی جدوجہد سے اپنے کو یکسو کرکے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم والی دینی جدوجہد میں چلّوں اور مہینوں مشغول رہیں گے تو انشاء اللہ یہی چیزیں ہمارا مزاج بن جائیں گی۔

ذرا تصور تو کیجئے اگر ہم اور آپ اس کام کو صحیح طریقہ سے اپنا لیں اور مسلمانوں کی بڑی تعداد اس میں حصّہ لینے لگے تو کیا منظر ہوگا انشاء اللہ چند ہی دنوں میں دنیا یہ دیکھے گی کہ سارے لوگ تو صرف اپنے پیٹ اور اپنی خوشحالی اور خوش عیشی کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں لیکن ایک گروہ اور ایک قوم ہے جو اپنی خوشحالی کے مسئلہ کو بھی پیٹھ کے پیچھے ڈال کر اس لئے دنیا میں محنت اور قربانی کر رہی ہے کہ دنیا میں ایمان اور نیکی عام ہو جائے خدا پرستی اور خدا ترسی عام ہو جائے، انصاف اور ایمانداری عام ہو جائے، رحمدلی اور ہمدردی جیسے اخلاق عام ہو جائیں دنیا سے ظلم مٹ جائے، رشوت ختم ہو جائے، بے ایمانی اور بددیانتی کا خاتمہ ہو جائے، اور سب لوگ اللہ کے نیک بندے بن کر جنت کے مستحق ہو جائیں ــــ خدارا سوچئے کہ کیا پھر ہماری یہی دنیا اس گروہ کو اپنے سر پر نہ بٹھائے گی اور کیا دوسری قوموں کے بھی عوام یہ نہ چاہیں گے کہ اللہ کے یہی بندے اُن کی دنیا کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں لے لیں، چھوٹے پیمانے پر آج بھی ایسی مثالیں اور ایسے نمونے موجود ہیں، اس سے میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ آپ یہ کام اس نیت اور اس غرض سے کریں کہ آپ کو دنیا کی سرداری اور حکومت مل جائے، کام تو ہونا چاہئے صرف اس لئے کہ خود ہماری زندگی ایمان والی بن جائے، اللہ تعالےٰ کی رضا اور آخرت میں جنت ہم کو حاصل ہو جائے اور اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندے اللہ کی رحمت اور جنت کے مستحق ہو جائیں لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ دوسرا نتیجہ بھی ظاہر ہو کر رہے گا ــــ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا ــــ اللہ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ س کام کی وہ قدر کریں جس کا یہ مستحق ہے اور پھر اس راہ میں جد و جہد اور قربانی کیلئے ہ ہماری ہمتیں بلند فرمائے ہمارے سینے کھولے اور ہماری پوری مدد فرمائے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ٥

سالانہ چندہ ماہنامہ الفرقان

اندرونِ ملک ——— ۴۵/=

فریدی نمبر سے اجراء کی صورت میں مع رجسٹری فیس ——— ۵۰/=

بیرونی ممالک { بحری ڈاک ——— ۱۴۰/= یا 6/= £
بیرونی ممالک { ہوائی ڈاک ——— ۲۵۰/= یا 11/= £

بنگلہ دیش ——— ۵۰/=

پاکستان ——— ۱۰۰/=

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

ادارۂ اصلاح وتبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

ایجنسی ماہنامہ الفرقان

۱. کم از کم ۵ کاپیوں پر ایجنسی دی جاتی ہے۔

۲. دس عدد تک کی ایجنسی کو پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جاتے ہیں۔

۳. کسی خاص نمبر کی اشاعت کے وقت دس کاپیوں تک منگانے والی ایجنسی کو پیشگی ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔

۴. اخراجات بہر صورت بذمہ ادارہ ہوتے ہیں۔

۵. شرح کمیشن:

۵ تا ۹ کاپی پر 15٪ ۱۰ تا ۲۴ پر 25٪ ۲۵ یا زائد کاپی پر 33٪ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے۔

ایجنسیوں کا بل فی شمارہ کی قیمت سے بنایا جاتا ہے۔

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

منیجر ماہنامہ الفرقان نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

Library ... Jamia ...